مختصر القدوری کی جامع وجدید شرح، جس میں مشکل الفاظ کے معانی، کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا حوالہ
اور ہر باب سے ماقبل ربط ومناسبت

انوار القدوری

شرح اردو

شارح
حضرت مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند
استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 32631861

مختصر القدوری کی جامع و جدید شرح، جس میں مشکل الفاظ کے معانی، کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا حوالہ
اور ہر باب سے ماقبل ربط و مناسبت

شرح اردو

مختصر القدوری

جلد اوّل

کتاب الطهارة تا کتاب البیوع

شارح

حضرت مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی

استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 32213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : جنوری ۲۰۱۱ء علمی گرافکس

ضخامت : 1344 صفحات 3 جلد میں

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

انتساب

احقر الوری اپنی اس علمی کاوش کو

- مادر علمی از ہر الہند دار العلوم دیو بند
- جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ
- جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد
- گہوارۂ علم مدرسہ اسلامیہ عربیہ خادم العلوم باغوں والی
- حضرت اقدس مرشدی عارف باللہ جناب حضرت الحاج مولانا حسین احمد دامت برکاتہم پانڈولی

- اپنے مشفق والدین

کی جانب منسوب کرنا بھی باعث سعادت سمجھتا ہے۔

العبد وسیم احمد بلیل پور (روڑکی)
خادم التدریس شعبۂ عربی
جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ، سہارنپور (یوپی)

شرح کا نمایاں انداز (خصوصیات)

(۱) فہرست مضامین میں تقریباً ہر مسئلہ کا ایسا عنوان قائم کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر مسئلہ کی نوعیت سمجھ میں آجاتی ہے۔

(۲) حتی الامکان حل عبارت کے واسطے لفظی ترجمہ کیا گیا ہے، پھر تشریح کا عنوان قائم کر کے عبارت کی مناسب تشریح کردی گئی ہے۔

(۳) اکثر مواقع پر ہر مسئلہ کو الگ الگ لکھا گیا ہے کہیں کہیں اس کے برخلاف بھی ہے لیکن ہر مسئلہ اور اس کے ترجمہ پر الگ الگ نمبر ڈال دیا گیا ہے۔

(۴) ہر باب کی ماقبل باب سے مناسبت بیان کی گئی ہے۔

(۵) اختلاف الائمہ کا عنوان قائم کر کے ائمہ کے مذاہب مع دلائل و جوابات واضح انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور جہاں اختلاف الائمہ کا عنوان نہیں ہے وہاں تشریح کے تحت مذاہب وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔

(۶) ائمہ کے مذاہب اور ان کے مستدلات تقریباً پچاس معتبر کتب کے حوالوں کے ساتھ تحریر کئے گئے ہیں۔

(۷) جن کتب سے حوالہ جات لکھے گئے ہیں ان تمام کی فہرست مع مطبع ''ماخذ ومراجع'' کے عنوان سے شرح کے بالکل آخر میں ذکر کردی گئی ہے۔

(۸) شرح کے آغاز سے قبل مبادئ فقہ، ائمہ اربعہ، صاحبین اور امام زفر کے مختصر حالات بھی تحریر کئے گئے ہیں۔

(۹) مشکل الفاظ کی لغات کا حل ہر باب کا عنوان قائم کر کے شرح کے اخیر میں لکھا گیا ہے۔

براہِ کرم ایک نظر ادھر بھی

میں ایک بے بضاعت اور کم مایہ طالب علم ہوں، اور کتاب فقہ کی تصنیف میں یہ میرا پہلا قدم ہے، انسان سے بسا اوقات غلطی ہوجاتی ہے، اس لئے اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ اور عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کتاب میں جہاں کہیں کوئی لغزش نظر آئے، مجھ کو ضرور آگاہ فرمائیں، تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اصلاح کرلی جائے۔

رب ذوالجلال میری اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے، اور ذریعۂ آخرت بنائے، اور اس کے طفیل سے ناچیز کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، آمین۔

والسلام

العبد وسیم احمد

فہرست مضامین

☆☆☆

تقریظ، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی

استاذ حدیث وناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوریؒ کی مختلف کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، لیکن مختصر القدوری ایسا متن ہے جو پانچویں صدی سے لیکر آج تک فقہائے احناف اور قاضیوں کے لئے توجہ کا مرکز بنارہا ہے، صاحب کتاب نے ائمہ اور فقہاء کے اختلافات اور دلائل سے صرف نظر کر کے عبادات ومعاملات دونوں میں عام طور پر مفتیٰ بہ قول کو نہایت جامع اور مانع الفاظ وتراکیب میں پیش کیا ہے، اس لئے ہر دور میں ارباب فتاویٰ نے ان کی عبارت کو مفتیٰ بہ قول پر فتویٰ دینے کے لئے کافی سمجھا ہے، ہاں تدرس وتدریس میں مبتدی طالب علم کو ہی نہیں بلکہ استاذ کو بھی کبھی کبھی مسئلہ میں مختلف ائمہ کے اقوال کو جاننے کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے لئے ہدایہ یا دیگر علماء کی فقہ وحدیث کی کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے، جس میں کافی وقت لگتا ہے اور بسا اوقات کتابیں میسر نہ ہونے کی وجہ سے ضرورت تشنہ رہ جاتی ہے، غالباً اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا مفتی وسیم احمد صاحب قاسمی نے شرح قدوری کے ساتھ ساتھ اختلافِ مذاہب کے نقل کرنے کا بھی اہتمام قابل اعتبار مراجع سے کیا ہے، مولانا موصوف کی یہ کاوش قابل قدر ہے اور ان کے علمی ذوق کی دلیل ہے، یہ فقیر دعا گو ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے، اور پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے مفید سے مفید تر بنائے۔

آمین۔

عالی مقام جناب حضرت مولانا مفتی مقصود احمد صاحب انبہٹوی

مفتی مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

حامداً ومصلیاً ومسلماً !امابعد!

فقہ حنفی میں متاخرین احناف نے جو متون مرتب فرمائے ان میں مختصر القدوری سب سے قدیم کتاب ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی جامع اور معتبر بھی ہے، حضرت امام قدوریؒ نے احادیثِ مرفوعہ اور آثارِ صحابہ کے ٹکڑوں کو جوڑ کر یہ متن تیار کیا ہے، اسی لئے یہ متن حضرات احناف کے یہاں ہمیشہ معتبر اور متبرک شمار کیا گیا ہے، بہت سے علماء کبار نے عربی اور اردو زبانوں میں اس کی شروحات بھی لکھی ہیں، جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور کے مدرس عربی مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی زید احترامہٗ نے بھی اپنے ذوق اور خاص نظریہ کے مطابق اس متبرک متن کی اردو زبان میں ایک تفصیلی شرح ''انوار القدوری'' کے نام سے لکھی ہے، موصوف نے عرضِ حال کے تحت شرح لکھنے کی یہ وجہ تحریر کی ہے: ''ناچیز کے ذہن میں بار بار یہ تقاضا اُتار ہا کہ اس (مختصر القدوری) کی کوئی ایسی جامع شرح ہونی چاہئے کہ جس میں ہر مسئلہ کی مکمل وضاحت اور ائمہ کے مذاہب مع دلائل وجوابات یکجا جمع ہوں، تاکہ بھی پڑھنے پڑھانے والوں سے کوئی پہلو تشنہ نہ رہے، اور مختلف عربی اردو شروحات دیکھنے کے بجائے اس شرح سے مکمل سیرابی ہو جائے''۔

بندہ نے شرح کی تفصیلی فہرست پر نظر ڈالنے اور متعدد مقامات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ اخذ کیا ہے کہ موصوف اپنے مقصد میں کامیاب ہیں، نیز یہ شرح صرف قدوری پڑھنے اور پڑھانے والوں ہی کے لئے نہیں، بلکہ دیگر کتب فقہ کے حل کے لئے بھی مفید ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ پاک موصوف کی محنت کو بارآور فرمائے، اور مزید کی توفیق دے، آمین۔

حررہ العبد مقصود احمد انبہٹوی

خادم دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

۲۵ رربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

رائے عالی

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد اختر صاحب قاسمی

مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم! امابعد!

طالبانِ علوم دینیہ کی سہولت اور ان کے استفادہ کو سہل کرنے کا اس وقت عام ماحول ہے اسی لئے درسِ نظامی میں داخل نصاب ہر چھوٹی بڑی کتاب کے ترجے شروحات حاشیے تحریر فرمائے جارہے ہیں، مختصر القدوری فقہ حنفی میں معتبر اور مقبول متن ہے، جس کی بہت سی شروحات ماضی میں معرضِ وجود میں آچکی ہیں مگر یہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے اور اصحاب علم طلباء کی سہولت کے لئے تشریح وتوضیح کا کام کررہے ہیں، اسی متن کی اردو زبان میں ایک شرح ''انوار القدوری'' کے نام سے عزیز گرامی جناب مولوی مفتی وسیم احمد قاسمی مدرس جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ ضلع سہارنپور نے تحریر فرمائی ہے جو اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہے، دعا ہے اللہ رب العزت اسے مفید سے مفید تر بنائے اور مؤلف موصوف کو مزید علمی تحقیقی کام کرنے کا حوصلہ وہمت عطا فرمائے، آمین۔

احقر

محمد اختر عفی عنہ قاسمی

مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ، ضلع سہارنپور (یوپی)

۱۴۲۶/۵/۸ھ

ارشادِ گرامی

فصیح اللسان حضرت مولانا علی حسن صاحب

مدرس مدرسہ خادم العلوم، باغونوالی، ضلع مظفرنگر (یوپی)

باسمہ تعالیٰ

الحمدللّٰہ و کفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی ، اما بعد!

درسِ نظامی میں فن فقہ کی کتابوں میں مختصر القدوری اپنا ایک ممتاز مقام رکھتی ہے اور تقریباً تمام ابوابِ فقہیہ کا احاطہ کرتی ہے، اپنی اس خوبی کی وجہ سے یہ کتاب ایک طویل عرصے سے داخل نصاب ہے، علماء اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کے متن پر کام کرتے رہے، انہی کوششوں کی ایک کڑی ''انوار القدوری شرح قدوری'' نظروں کے سامنے ہے جسے میں نے مختلف مقامات سے بغور دیکھا، جس کو عزیز گرامی مفتی وسیم احمد نے بڑی خوش اسلوبی سے مرتب کیا ہے، دلکش انداز میں مسائل کا حل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہر مسئلے کو باحوالہ دلیل کے زیور سے آراستہ اور مزین کیا ہے، یہ اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہے موصوف خادم العلوم باغونوالی کے ہونہار باصلاحیت لائق فضلاء میں سے ہیں، انہوں نے از ابتداء حفظ قرآنِ کریم تا مختصر المعانی یہیں داخل رہ کر اپنی صلاحیت کو پروان چڑھایا ہے، احقر کی دعا ہے کہ اللہ رب العزت موصوف کو مزید علمی کاموں کی توفیق دے اور ترقی درجات سے نوازے، اللّٰہم زد فزد۔

محتاجِ دعاء

علی حسن غفرلہ

مدرس مدرسہ خادم العلوم باغونوالی، مظفرنگر (یوپی)

۷/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

تقریظ، محدث کبیر حضرت مولانا قاری محمد عاشق الٰہی صاحب

صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر القدوری فقہ حنفی کی وہ قدیم ترین کتاب ہے جس میں تقریباً بارہ ہزار ضروری مسائل کا انتخاب جمع ہے، جب سے درسِ نظامی میں اس کتاب کو شامل کیا گیا آج تک برابر اس کا جزوِ اعظم ہونا برقرار ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو مذہبِ حنفی میں ایسی عظمت و مقبولیت عطا فرمائی ہے کہ طاشِ کبریٰ زادہ نے یہاں تک فرمادیا **هٰذا المختصر تبرّك به العلماء حتىٰ جربوا قراءته اوقات الشدائد وايام الطاعون** اسی لئے ہر زمانے میں متقدمین و متاخرین علماء و صلحاء مختلف زبانوں میں اس کی ضخیم و مختصر شروحات و حواشی لکھ کر طالبانِ علم فقہ میں فقہی ذوق بیدار کرنے کی طرف رہنمائی فرماتے رہے ہیں، جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ ضلع سہارنپور کے صالح اور لائق استاذ عربی عزیز گرامی جناب مفتی وسیم احمد صاحب نے قدوری شریف کے متن کی روشنی میں کچھ اہم فقہی مختلف فیہا مسائل کا مجموعہ اردو میں ترتیب دینے کا ارادہ کیا تھا، فدوی نے صلاح دی کہ دورِ حاضر کے طلباء کی طبائع کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر قدوری شریف کے متن کا سلیس لفظی ترجمہ اور اسی کے ذیل میں ضروری وضاحت اور اختلافِ ائمہ مختصر دلائل کے ساتھ یکجا کردئے جائیں تو انشاء اللہ اس کا زیادہ فائدہ ہوگا، موصوف نے اس رائے کو پسند کیا اور فوراً توکلاً علی اللہ اسی نہج سے کام شروع کردیا اور شرح کا جتنا مسودہ تیار کرتے رہے فدوی اس پر نظر ثانی کر کے حسب موقع ضروری اصلاحات کا مشورہ دیتا رہا، بحمد اللہ معمولی عرصے میں کتاب البیوع تک مسودہ تیار ہوگیا جو ''انوار القدوری'' کے نام سے عنقریب طبع ہوکر منظر عام پر آنے والا ہے، قوی امید ہے کہ درجاتِ عربی کے معلمین و متعلمین کے لئے بالخصوص اور فقہی ذوق رکھنے والے حضرات کے لئے بالعموم یہ مجموعہ مسائل نہایت نفع بخش سہل اور دقیق معلومات حاصل ہونے کا ذریعہ واقع ہوگا، بصمیم قلب دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس مبارک جدوجہد کو قبولیت سے نوازے، اور امت مسلمہ کو اس کے ذریعہ راہِ شریعت پر چلنا آسان فرمائے، آمین۔

احقر الوری

محمد عاشق الٰہی

صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ

[illegible]

دعائیہ کلمات

محی السنۃ جناب حضرت مولانا حسین احمد صاحب

استاذ ناشر العلوم پانڈولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

حامداً ومصلیاً ومسلماً، امابعد!

جامعہ اسا امیہ ریڑھی تاج پورہ ضلع سہارنپور کے مدرس عربی مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی زید احترامہ نے مختصر القدوری کی جو شرح لکھی ہے بندۂ گندہ صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے دیکھ تو نہ سکا البتہ موصوف کا تعلق بندۂ گندہ سے کافی مدت سے ہے، موصوف کو اللہ پاک نے قابل اطمینان صلاحیت سے نوازا ہے، اللہ پاک قبول فرمائے، اور امت کو مسائل معلوم کر کے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط والسلام

العبد حسین احمد غفرلہ
خادم ناشر العلوم پانڈولی
۱۴۲۶/۵/۳ھ

عرضِ حال

حامداً و مصلیاً و مسلماً پروردگار عالم نے اپنے فضل وکرم اور بے شمار عنایات سے اس ناکارہ کے لئے ۱۴۲۱ھ میں جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ میں المختصر القدوری پڑھانے کی سعادت مقدر فرمائی، ناچیز کے ذہن میں بار بار تقاضہ آتا رہا کہ اس کی کوئی ایسی جامع شرح ہونی چاہئے کہ جس میں ہر مسئلہ کی مکمل وضاحت اور ائمہ کے مذاہب مع دلائل و جوابات ہوں، تاکہ کبھی پڑھنے پڑھانے والوں سے کوئی پہلو تشنہ نہ رہے اور مختلف عربی اردو شروحات دیکھنے کے بجائے اس شرح سے مکمل سیری حاصل ہو جائے، لیکن اس اہم کام کو کیسے کیا جائے؟ اسی غور و خوض میں ایک عرصہ گذر گیا چونکہ احقر کوئی قلمکار نہیں اور اپنی علمی بے مائیگی کا پورا اعتراف ہے۔

حضرت الحاج جناب قاری محمد عاشق الٰہی دامت برکاتہم کے مشورہ کے بعد رب ذوالجلال کے بھروسہ پر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ میں کام شروع کر دیا، اور اللہ کے فضل وکرم سے صفر المظفر ۱۴۲۶ھ میں کام مکمل ہو گیا، اس شرح کی تسوید وتبییض اور مسائل کی تحقیق میں بڑی جانکاہی، دیدہ ریزی اور محنت کی گئی ہے، کئی بار مسودہ تیار کر کے بدلا گیا، پیش نظر یہ تھا کہ قارئین ان تمام چیزوں سے واقف ہو جائیں جو کسی ایک شرح میں یکجا نہیں ہیں، اس میں احقر کا کوئی کمال نہیں ہے اور نہ ہی کسی خام خیالی میں مبتلا ہے بلکہ یہ محض پروردگار عالم کی نظر رحمت ہے، میرا مطمحِ نظر اس شرح سے یہ ہے کہ وہ تمام باتیں جو کسی ایک کتاب میں یکجا نہیں ہیں اس میں جمع کر دی گئی ہیں، ہر مسئلہ کو معتبر کتب کے حوالوں کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے، آپ شوق سے مطالعہ کریں فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، الحمد للہ اب ''انوار القدوری'' کی شکل میں جلد اول ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے اگر مفید و معین ثابت ہو تو زہے قسمت، ورنہ کتابوں کے انبار میں ایک اور سہی، اس شرح کے اندر جو کچھ رنگ و بو ہے وہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ خادم العلوم باغونوالی، دار العلوم دیوبند، جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد اور جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ کے فیوض و برکات اور ان اداروں کے حضرات اساتذۂ کرام کی توجہات کا ثمرہ ہے، نیز مرشدی و مربی عارف باللہ حضرت الحاج مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم کی فیض تربیت کا پرتو ہے، بڑی ہی ناسپاسی ہوگی اگر میں شکر گذار نہ بنوں محب گرامی قدر و منزلت حضرت الحاج مولانا قاری محمد عاشق الٰہی صاحب (صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ) کا کہ بڑی ہی دریادلی سے ناچیز کی تمام تحریر اول تا آخر شوق و دلچسپی سے پڑھ کر اس کی خامیوں کی نشاندہی اور خوبیوں کی تعریف کرتے رہے، اللہ تعالیٰ ان کو عمر خضر عطا کرے، اور ان کے فیوض و برکات کو عام کرے، اور ساتھ ہی ساتھ محب گرامی حضرت الحاج مولانا ابوالحسن صاحب دامت برکاتہم (استاذ حدیث، جامعہ ھذا) کا ممنون و مشکور ہوں کہ کتابت شدہ مسودہ کا اکثر حصہ پڑھا، اور مفید مشوروں سے نوازا، اللہ ان کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

العبد [illegible] پور (…)

خادم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ (سہارنپور)

فقہ کے چار بڑے امام

امام اعظم ابوحنیفہ کا نام نعمان، والد کا نام ثابت، کنیت ابوحنیفہ، اور لقب امام اعظم ہے، نسلاً عجمی ہیں اور اہل فارس سے ہیں، ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، مرکز علم کوفہ آپ کا مولد و مسکن ہے، بیس سال کی عمر میں تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے، علم ادب علم انساب اور علم کلام کی تحصیل کے بعد علم فقہ کی تحصیل کی غرض سے فقیہ وقت امام حماد کے حلقہ درس میں شریک ہوگئے، امام حماد آپ کے خاص الخاص مربی و استاذ تھے، ان کے علاوہ آپ کے شیوخ و اساتذہ کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے، اور جب درس و تدریس اور افادہ کا سلسلہ شروع کیا تو طالبانِ علوم نبوت کا آپ کے حلقہ درس میں زبردست اژدحام ہوا، فقہ و دستورِ اسلامی کی تدوین اور تشکیل نو کے لئے چالیس فقہاء کی ایک قانونی کونسل مقرر کی جس نے طویل مدت میں فقہ حنفیہ کی صورت میں اسلام کی قانونی و دستوری جامعیت کی لاجواب شہادت مہیا کی، اور اس مدت میں جو مسائل مدوّن ہوئے ان کی تعداد بارہ لاکھ ستر ہزار (۱۲۷۰۰۰۰) سے زائد ہے، آپ کی تابعیت پر اجماع ہے اور صحابہ سے نقل روایت بھی ثابت ہے۔

وفات: ۱۵۰ھ میں بغداد میں آپ کا انتقال ہوا۔

امام مالکؒ

آپ کا نام مالک، کنیت ابوعبداللہ، لقب امام دارالہجرۃ، والد کا نام انس، اور دادا کا نام مالک ہے جو کبارِ تابعین میں سے ہیں۔

پیدائش ووفات: مدینۃ المنورہ میں ۹۳ھ میں آپ پیدا ہوئے، اور مدینہ میں ہی ۱۷۹ھ میں بعمر ۸۶ سال آپ کا انتقال ہوا۔

حافظہ: نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا، فرماتے تھے جس چیز کو میں نے محفوظ کرلیا اس کو نہیں بھولا۔

درس وتدریس: سترہ برس کی عمر میں جملہ علوم وفنون میں مہارتِ تامہ حاصل کر کے مدینہ منورہ میں حضرت امام نافعؒ کے انتقال کے بعد اس مسند کو رونق بخشی، تقریباً ۶۲ سال مسلسل فقہ افتاء حدیث وغیرہ میں مشغول رہے۔

تلامذہ: آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد تیرہ سو سے زائد بتائی گئی ہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں امام محمد، امام شافعی، عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ ہیں۔

وفات: یک شنبہ کو بیمار ہوئے، بائیسویں دن یک شنبہ ۱۷۹ھ ہی کو ربیع الاول کے مہینہ میں وصال فرمایا، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

امام شافعیؒ

آپ کا اسم گرامی محمد، اور کنیت ابوعبداللہ ہے، شافعی کے نام سے مشہور ہیں، آپ کی پیدائش مبارک ۱۵۰ھ میں غزہ کے مقام پر ہوئی۔

تعلیم: سات برس کی عمر میں پورا قرآن مجید حفظ کرلیا، اور دس برس کی عمر مؤطا امام مالک کو یاد کرلیا، فقہ کی تعلیم آپ نے مسلم بن خالد سے حاصل کی، پندرہ برس کی عمر میں آپ کو وقت کے مشاہیر علماء اور مشائخ سے فتویٰ نویسی کی اجازت حاصل ہوگئی تھی۔

حافظہ: امام محمد شیبانی فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے مجھ سے امام اعظم کی تصنیف ''کتاب اوسط'' عاریۃً لی اور پوری کتاب کو ایک رات اور ایک دن میں یاد کرلیا۔

وفات: آپ کی وفات آخر رجب ۲۰۴ھ میں جمعہ کے مصر میں ہوئی، اور اسی دن سپرد خاک کئے گئے، آپ کی چودہ تصانیف میں سے ''کتاب الام'' خاص اہمیت رکھتی ہے۔

آپ کے جلیل القدر اساتذہ حضرت امام مالک اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں، شاگردوں میں امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری رحمہما اللہ قابل ذکر ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ

آپ کا نام نامی اسم گرامی احمد، کنیت ابوعبداللہ، خالص عربی النسل ہیں، والد کا نام محمد، دادا کا نام حنبل ہے۔

پیدائش: ربیع الاول ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، تین برس کے تھے کہ یتیمی نے آغوشِ شفقت میں لے لیا، باپ کا سایہ رحمت اٹھ گیا۔

تحصیل علم: سب سے پہلے بغداد کے علماء وشیوخ سے علم حاصل کیا پھر کوفہ، بصرہ، یمن وغیرہ کا سفر کیا، اور ہر جگہ کے نامور محدثین سے استفادہ کیا، آپ نے ابتداء میں امام ابویوسف حنفی کے پاس فقہ وحدیث کا علم حاصل کیا، تین سال تک ان کی خدمت میں رہے۔

درس وتدریس: چالیس برس کی عمر میں تقریباً ۲۰۴ھ میں حدیث پڑھانا شروع کیا، بعض راویوں کا بیان ہے کہ سامعین کی تعداد پانچ پانچ ہزار ہوتی، جن میں سے پانچ سو لکھنے والے ہی ہوتے۔

شیوخ وتلامذہ: امام ابویوسف، امام شافعی، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں، تلامذہ میں بخاری، مسلم، ابوداؤد، وغیرہ ان کے علاوہ تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے، جن میں بڑے بڑے ائمہ فن شامل ہیں۔

وفات: امام صاحب نے ۷۷ سال کی عمر پائی، انیس روز بیمار رہے، پیشاب میں خون آنے لگا تھا، شب جمعہ میں حالت زیادہ دگرگوں ہوئی، ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو انتقال فرمایا، تقریباً ۸ لاکھ لوگوں نے نمازِ جنازہ پڑھی۔

ائمہ احناف

امام ابو یوسف:

آپ کا نام یعقوب، کنیت ابو یوسف، والد کا نام ابراہیم تھا۔

پیدائش: آپ کی پیدائش شہر بغداد میں ۱۱۳ھ میں ہوئی۔

طلب علم: اگرچہ آپ کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، لیکن باپ کی مرضی نہ تھی، وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں، تاہم جب موقع ملتا قاضی صاحب علماء کی صحبت میں حاضر ہو جاتے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پڑھنا چھوڑ دیا، باپ کے ساتھ رہنے لگا، امام ابوحنیفہ کے معلوم کرنے پر حاضر خدمت ہوا اور ساری کیفیت بیان کر دی، امام صاحب نے ایک تھیلی حوالے کی گھر پر آ کر دیکھا تو اس میں سو درہم تھے، پھر امام صاحب اپنے اندازے کے مطابق بار بار عنایت فرماتے رہے، میں آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگا۔

حافظہ: حافظہ ایسالا جواب تھا کہ کسی محدث کے پاس جاتے، پچاس ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے، باہر آ کر پورے حفظ وضبط کے ساتھ ان کو لکھا دیتے۔

تلامذہ: امام احمد بن حنبل، امام محمد، یحییٰ بن معین رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

وفات: بغداد شہر میں ۱۸۲ھ میں دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔

امام محمدؒ:

آپ کا نام محمد بن حسن شیبانی اور کنیت ابوعبداللہ تھی۔

پیدائش: کوفہ میں ۱۳۲ھ میں ولادت ہوئی۔

تحصیل علم: امام ابوحنیفہ کی وفات کے وقت صرف ۱۸ سال کی عمر تھی، اس لئے امام صاحب سے زیادہ استفادہ نہ کر سکے، اور فقہ حنفی کی تکمیل امام ابو یوسف سے کی، عراقی فقہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ سے فقہ حدیث اور ان کی آراء اخذ کیں، آپ نے تین سال امام مالک کے یہاں قیام کیا۔

شیوخ وتلامذہ: امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف وغیرہ رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ اور تلامذہ میں امام شافعی ابوحفص، یحییٰ بن معین وغیرہ ہیں۔

تصانیف: ''کتاب المبسوط'' ''جامع صغیر'' ''جامع کبیر'' ''سیر صغیر'' ''سیر کبیر'' ''زیادات'' ''مؤطا امام محمد'' وغیرہ۔

خدمات: حنفی مسلک کی اکثر کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں۔

وفات: ۱۸۹ھ میں مقام رے میں آپ کا انتقال ہوا۔

امام زفر:

آپ کا نام زفر، والد کا نام ہذیل تھا، امام ابو یوسف اور امام محمد سے صحبت کے اعتبار سے مقدم تھے، آپ ۱۵۸ھ میں ۴۸ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے، آپ کے والد عربی اور والدہ فارسی تھیں، آپ قیاس واجتہاد میں بڑے تیز تھے، امام زفر نے کتابیں تصنیف نہیں کیں، اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کی روایت بھی ان سے معروف نہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد صرف ۱۸ سال زندہ رہے، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد ۳۰ سال سے بھی زیادہ زندہ رہے، امام زفر، امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس کے جانشین ہوئے، ان کے بعد مسند تدریس امام ابو یوسف کے حصہ میں آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆
☆☆
☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقہ کے لغوی معنی: فقہ کے لغوی معنی سمجھداری اور ذہانت کے ہیں۔

فقیہ: اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کے حقائق کا سراغ لگائے اور مغلق و پیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف: فقہ ظاہری اعمال کے متعلق ان تمام احکام شرعیہ کے جاننے کا نام ہے جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کئے جائیں۔

ظاہری اعمال: ان سے مراد وہ اچھے یا برے کام ہیں جو بدن کے ظاہری اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، کان، ناک، حلق وغیرہ سے انجام دیئے جاتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تلاوت، کھانا پینا، سننا، سونگھنا، چھونا وغیرہ۔

احکام شرعیہ کی تحقیق: احکام، حکم کی جمع ہے اور شرعیہ، شریعت کی طرف منسوب ہے۔

احکام شرعیہ: ان احکام کو کہا جاتا ہے جو شریعت کی طرف منسوب یعنی شریعت سے ماخوذ ہوں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ شریعت میں انسان کے سب کاموں کی کچھ صفات مقرر کردی گئی ہیں جو کل سات ہیں: فرض، واجب، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی۔ ان صفات کو احکام شرعیہ کہا جاتا ہے، انسان کے ہر کام کے لئے ان میں سے کوئی نہ کوئی حکم شرعی ضرور مقرر ہے یعنی بندے کا ہر عمل شریعت کی رو سے یا فرض ہے یا واجب، یا مستحب یا مباح یا حرام یا مکروہ۔ پس ہر اچھے برے کام کے متعلق یہ جاننا کہ اس پر شریعت نے ان میں سے کونسا حکم لگایا ہے یہ "احکام شرعیہ کا علم" ہے مثلاً یہ جاننا کہ زکوٰۃ فرض ہے، سلام کا جواب دینا واجب ہے، کھانے سے قبل ہاتھ دھونا مستحب ہے، ٹرین یا بس میں سفر کرنا مباح ہے، چوری حرام ہے، بازار میں جب عام ضرورت کی چیزوں کی قلت ہو تو ان کی ذخیرہ اندوزی مکروہ تحریمی ہے، کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے۔ احکام اگرچہ سات ہیں مگر انسان کے اعمال بے شمار ہیں اس لئے اعمال کی نسبت سے شریعت کے احکام بھی بے شمار ہو جاتے ہیں۔

تفصیلی دلائل: دلائل دلیل کی جمع ہے، یہاں احکام شرعیہ کی دلیلیں مراد ہیں، علم کبھی دلیل سے حاصل ہوتا ہے کبھی بغیر دلیل کے، احکام شرعیہ کا علم اگر دلائل کے بغیر ہو جیسے بہت سے لوگوں کو ہزاروں شرعی احکام کا علم فقہاء سے سن کر یا ان کی کتابوں میں پڑھ کر حاصل ہو جاتا ہے تو وہ فقہ نہیں فقہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم احکام شرعیہ کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو عوام کو بلکہ بہت سے علماء کو بھی "فقیہ" اسی لئے نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے یہ علم "احکام شرعیہ کے دلائل" سے مستنبط نہیں کیا اور اگر عرف عام میں کسی عالم مقلد کو فقیہ کہہ دیتے ہیں، تو یہ کہنا مجازاً ہے حقیقتاً اور اصطلاحاً وہ فقیہ نہیں۔ احکام شرعیہ کے دلائل صرف چار ہیں: ۱ قرآن ۲ سنت ۳ اجماع ۴ قیاس۔ ہر عمل کا حکم

شرعی انہی چار میں سے کسی نہ کسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے ان کے علاوہ حکم شرعی ثابت یا مستنبط کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

فقہ کی تعریف میں ''دلائل'' کے ساتھ ''تفصیل'' کی قید بھی لگی ہوئی ہے کیونکہ دلیل کی دو قسمیں ہیں اجمالی اور تفصیلی

دلیل اجمالی: مبہم اور نامکمل دلیل کو کہتے ہیں مثلاً نماز قائم کرنا فرض ہے، یہ ایک حکم شرعی ہے اس کی دلیل کے طور پر صرف اتنا معلوم کرلیا جائے کہ یہ حکم قرآن شریف سے ثابت ہے۔

وہ آیت اور لفظ متعین نہ کیا جائے جس سے یہ حکم ثابت ہوا ہے نہ یہ تحقیق کی جائے کہ اس لفظ کے معنی کیا ہیں اور فرضیت اس سے کیوں ثابت ہوئی، نہ یہ تحقیق کی جائے کہ فرضیت صلوٰۃ کے خلاف کوئی اور آیت یا حدیث مشہور تو موجود نہیں، ظاہر ہے کہ ایسی نامکمل اور مبہم دلیل سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا اور ایسی دلیل سے بالفرض کوئی علم حاصل ہو بھی تو اسے ''فقہ'' نہیں کہا جاسکتا۔

اور دلیل تفصیلی وہ ہے جس میں مذکورہ بالا تفصیل بدرجہ اتم موجود ہو مثلاً فرضیت صلوٰۃ کی دلیل یوں بیان کی جائے کہ قرآنِ کریم کے ارشاد اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے معنی ہیں نماز قائم کرو، اس میں لوگوں سے نماز قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور جس کا مطالبہ قرآنِ کریم میں کیا گیا ہو وہ فرض ہوتا ہے بشرطیکہ وہ مطالبہ منسوخ نہ ہوا ہو اور فرضیت کے منافی کوئی اور آیت یا حدیث مشہور موجود نہ ہو، اس ارشاد قرآنی کا یہی حال ہے کہ نہ اس کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل ہے، نہ فرضیت صلوٰۃ کے منافی کوئی آیت یا حدیث ہے، لہٰذا نماز کا قائم کرنا فرض ہے۔

تعریف وتشریح کا حاصل: فقہ کی تعریف تو مختصر تھی تشریح میں بہت سی دقیق بحثوں کو چھوڑنے اور اختصار کی حتی الامکان کوشش کے باوجود تشریح خاصی طویل ہوگئی ہے مجبوری یہ تھی کہ فقہ کی تعریف کو ضروری حد تک سمجھنا اس کے بغیر ممکن نہ تھا، اب حاصل یہ نکلا کہ بندے کے ظاہری اعضاء سے ہونے والے ہر کام کے متعلق قرآن، سنت، اجماع، قیاس کے مفصل دلائل کے ذریعہ یہ جاننے کو فقہ کہا جاتا ہے کہ وہ کام فرض ہے یا واجب، مستحب یا حرام، مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔

فقہ کا موضوع: کسی علم میں جس چیز کے حالات وصفات سے بحث کی جاتی ہے وہی چیز اس علم کا موضوع ہوتی ہے اور بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان حالات وصفات کو موضوع کے لئے ثابت کیا جاتا ہے، فقہ میں چونکہ انسان کے ظاہری افعال کی کچھ صفات (احکام شرعیہ) سے بحث کی جاتی ہے لہٰذا فقہ کا موضوع انسان کے ظاہری افعال ہیں، یہاں انسان سے صرف عاقل بالغ مراد ہے، مجنوں یا نابالغ پر چونکہ شرعی احکام کی ذمہ داریاں نہیں لہٰذا ان کے اعمال فقہ کا موضوع نہیں یعنی ان کے کسی فعل کو فرض، واجب، یا حرام ومکروہ نہیں کہہ سکتے اور فقہ میں جو مسائل مجنون یا نابالغ کے افعال سے متعلق ذکر کئے جاتے ہیں ان کا مقصد صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ ان افعال کی بنا پر اس کے ولی اور سرپرست کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

غرض وغایت: دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنا ہے کیوں کہ فقیہ دنیا میں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا کر بلند مراتب حاصل کرتا ہے اور آخرت میں جس کی چاہے گا شفاعت کرے گا۔

علم فقہ کی عظمت: نبی کریم ﷺ نے فقیہ کی بلند الفاظ میں تعریف بیان کی ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاس ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقِيْهٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ (ترمذی، ج۲/۹۷) یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے کیونکہ عابد کے تقویٰ وطہارت سے خود اس کی ذات کو فائدہ پہنچتا ہے اور فقیہ حلال وحرام اور دیگر مسائل کی تعلیم دیکر ہزاروں لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

علم فقہ کے متعلق شارع کا حکم: اتنی معلومات حاصل کرنا جن کی دین میں ضرورت پڑتی ہے فرض عین ہے اور ضرورت سے زائد دوسروں کے نفع کے لئے حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی محرمات سے بچیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆

☆

صاحب مختصر القدوریؒ

نام ونسب: آپ کا نام احمد ہے، ابوالحسین کنیت ہے، قدوری گاؤں کی طرف یا ان کے پیشے کی طرف نسبت ہے، والد کا نام محمد ہے۔

سن پیدائش اور جائے پیدائش: امام قدوری ۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور مقام پیدائش شہر بغداد ہے۔

قدوری، نسبت کی تحقیق: صاحب مدینۃ العلوم فرماتے ہیں کہ قدوری کا مطلب دیگ سازی ہے، ان کے خاندان کے لوگ دیگ بناتے تھے یا اس کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے، اس لئے ان کو قدور کی طرف منسوب کر کے قدوری کہنے لگے یا پھر آپ اس گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام قدر تھا، اسی گاؤں کی طرف منسوب کر کے قدوری کہے جانے لگے۔

تحصیل علم: امام قدوری نے علم فقہ اور علم حدیث ابوعبداللہ محمد یحییٰ سے حاصل کیا جو امام ابوبکر جصاص کے شاگرد ہیں اور امام ابوبکر، ابوالحسن عبیداللہ کے تلمیذ رشید ہیں اور عبیداللہ، ابوسعید بردعی کے شاگرد ہیں اور ابوسعید، موسیٰ رازی کے فیض یافتہ ہیں اور موسیٰ رازی، امام محمد کے شاگرد ہیں گویا کہ امام قدوری نے پانچ واسطوں سے علم فقہ امام محمد شیبانی حنفی سے حاصل کیا۔

وفات: امام قدوری نے ۵رجب ۴۲۸ھ میں شہر بغداد میں ۶۶ کی سال کی عمر میں وفات پائی اور اسی روز بغداد کے مقام درب ابی خلف میں مدفون ہوئے اس کے بعد آپ کو شارع منصور کی طرف منتقل کر دیا گیا، اس وقت آپ ابوبکر خوارزمی کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔

تصانیف: آپ نے بہت سی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں: ۱۔ تجرید، یہ سات جلدوں میں ہے، اس میں اصحاب حنفیہ وشافعیہ کے اختلافی مسائل پر محققانہ بحث کی ہے۔ ۲۔ مسائل الخلاف، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے درمیان جو فروعی اختلاف ہے اس کا ذکر ہے۔ ۳۔ تقریب، اس میں مسائل مع دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔ ۴۔ شرح مختصر الکرخی۔ ۵۔ شرح ادب القاضی۔ ۶۔ المختصر للقدوری، اس کتاب کے اکثر مسئلے آیات، احادیث، اقوال صحابہ یا فتاویٰ تابعین سے مستنبط ہیں، بہت کم مسئلے ہیں جو قیاس کر کے لکھے گئے ہیں اور وہ بھی اصول کے تحت مستخرج ہیں۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِيْنَ ، قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ الْاَجَلُّ الزَّاهِدُ اَبُوالْحَسَنِ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ اِلْبَغْدَادِیُّ الْمَعْرُوْفُ بِالْقُدُوْرِیِّ .

ترجمہ: ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے جو پالنے والا ہے سارے عالم کا اور اچھا انجام ڈرنے والوں کے لئے ہے، اور درود وسلام اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر ہو۔

فرمایا شیخ وقت پیشوائے دین بڑے مرتبہ والے دنیا سے بے رغبت ابوالحسن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی نے جو مشہور ہیں قدوری سے۔

حمد کی لغوی تعریف: تعریف کرنا، خوبی بیان کرنا۔

اصطلاحی تعریف: تعظیم اور اکرام کے ارادے کے ساتھ زبان سے تعریف کرنا، وہ تعریف خواہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا غیر نعمت کے مقابلہ میں ہو۔

اَلْعَالَمِيْنَ عالم کی جمع ہے، دنیا کی تمام اجناس اس میں داخل ہیں جیسے آسمان چاند سورج اور تمام ستارے، ہوا، برق وباراں، فرشتے، جنات، زمین اور اس کی تمام مخلوقات، حیوانات، انسان اور نباتات وغیرہ۔ (معارف القرآن:۱/۸۰)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ عالم چالیس ہزار ہیں، یہ دنیا مشرق سے مغرب تک ایک عالم ہے باقی اس کے سوا ہے، حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ عالم اسی ہزار ہیں۔ (معارف القرآن:۱/۸۱)

اَصْحَابِ صاحب کی جمع، وہ انسان جس نے ایمان کی حالت میں حضور ﷺ سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔

اَلشَّيْخُ بوڑھا، ایسا آدمی جو پچاس سال سے اوپر ہو، اصطلاح کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگوں کی نظر میں علم فضیلت اور مرتبہ کے لحاظ سے بڑا ہو اگر چہ عمر میں چھوٹا ہو۔

اَلْاِمَامُ پیشوا، مقتدا یعنی جس کی اقتدا کی جائے فقہاء احناف کے نزدیک جب لفظ امام مطلق بولا جائے تو امام ابوحنیفہ مراد ہوتے ہیں اور یہاں امام قدوریؒ مراد ہیں۔

اَبُو الْحَسَن یہ امام قدوری کی کنیت ہے مگر صحیح ابوالحسین ہے۔

فائدہ: قَالَ الشيخ ...... اِلٰى آخرہٖ یہ عبارت امام قدوری علیہ الرحمہ کے کسی شاگرد کی ہے۔

كتابُ الطَّهارةِ

کتاب کی لغوی تعریف: جمع کرنا، ملانا۔

اصطلاحی تعریف: مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو مستقلاً معتبر ہو خواہ مختلف قسموں پر مشتمل ہو یا مختلف قسموں پر مشتمل نہ ہو۔ (عینی: ۱/ ۳۶، فتح القدیر: ۱/ ۹)

طہارت کی لغوی تعریف: طہارت بضم الطاء اس پانی کا نام ہے جس سے پاکی حاصل کی جا چکی ہو اور بکسر الطاء آلۂ نظافت اور بفتح الطاء مصدر ہے نظافت کے معنی میں۔

اصطلاحی تعریف: نجاست حقیقیہ یا نجاست حکمیہ سے پاک ہونے کو طہارت کہتے ہیں۔ (البحر الرائق: ۱/ ۸)

کتاب، باب اور فصل کی اصطلاح

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر جنسِ مسائل بیان کرنا مقصود ہو تو اس کو کتاب سے تعبیر کرتے ہیں اگر صرف ایک نوع کے مسائل بیان کرنا مقصود ہو تو اس کو باب سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر بعض جزئیات کو ما قبل سے ممتاز کر کے بیان کرنا مقصود ہو تو اس کو فصل سے تعبیر کرتے ہیں۔ (در منضود: ۱/ ۷۶)

---

(۱) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ.

ترجمہ: (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو دھو لیا کرو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور (دھوؤ) اپنے پیروں کو ٹخنوں تک۔

تشریح: اس آیت شریفہ سے مصنف علیہ الرحمۃ کا مقصد وضو کی فرضیت کو ثابت کرنا ہے، امام قدوریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز آیت شریفہ سے برکتاً کیا ہے اور رتبۃً دلیل مقدم ہوتی ہے، اس لئے اولاً آیت کو ذکر کیا اس کے بعد وضو کی فرضیت کے دعوے کو اس پر مرتب کیا۔ (اللباب: ۱/ ۳۱)

---

(۲) فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْاَعْضَاءِ الثَّلٰثَةِ وَمَسْحُ الرَّأْسِ.

ترجمہ: (۲) وضو کا فرض تینوں اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے۔

تشریح: احناف کے نزدیک وضو میں صرف چار چیزیں فرض ہیں: (۱) ایک مرتبہ سارا منہ دھونا۔
(۲) ایک دفعہ کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا۔

(۳) ایک بار چوتھائی سر کا مسح کرنا۔
(۴) ایک ایک مرتبہ ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا۔
ان میں سے اگر ایک چیز بھی چھوٹ جائے گی یا بال برابر بھی سوکھی رہ جائے گی تو وضو نہ ہوگا۔ شوافع کے نزدیک فرائض وضو چھ ہیں: چار تو وہی جو آیت وضو میں مذکور ہیں اور دو اس کے علاوہ: (۱) نیت (۲) ترتیب۔ مالکیہ کے نزدیک فرائض وضو سات ہیں: چار تو وہی فرائض قرآنیہ اور تین اس کے علاوہ: (۱) نیت (۲) موالات (پے در پے دھونا) (۳) دلک (رگڑنا) (صاوی حاشیہ جلالین) حنابلہ کے نزدیک بھی سات چیزیں فرض ہیں، فرق یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک ساتویں چیز دلک ہے، حنابلہ کے نزدیک اس کے بجائے ترتیب ہے۔ (درمنضود: ۱/۲۶۸)
فرض کی تعریف: فرض وہ حکم ہے جس میں زیادتی اور کمی کا احتمال نہ ہو اور ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہ ہو۔ (نور الانوار ص ۱۷۰، فتح القدیر ۱/۱۰)

---

(۳) وَالْمِرْفَقَانِ وَالْكَعْبَانِ تَدْخُلَانِ فِيْ فَرْضِ الْغُسْلِ عِنْدَ عَلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ خِلَافًا لِّزُفَرَ .

ترجمہ: (۳) ہمارے تینوں علماء کے نزدیک دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونے کے فرض میں داخل ہیں، امام زفر کا اختلاف ہے۔

تشریح: اس بارے میں اختلاف یہ ہے کہ کہنیاں ہاتھوں کے دھونے میں اور ٹخنے پیروں کے دھونے میں داخل ہیں یا خارج؟

اختلاف: امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک داخل ہیں، یہی قول امام شافعیؒ وامام احمدؒ کا ہے اور ایک روایت امام مالکؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ (عینی ۱/۵۸، بدائع ۱/۶۸)
دوسرا مذہب: امام زفر کے نزدیک خارج ہیں، یہی ایک روایت امام مالک کی ہے۔ (عینی ۱/۵۸، بدائع ۱/۶۸)
امام زفر کی دلیل: جب کسی چیز کی انتہا بیان کی جاتی ہے تو اس میں خود انتہا (غایت) داخل نہیں ہوتی، جیسے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ اس آیت میں غایت (رات) مغیا (روزہ) میں بالاتفاق داخل نہیں ہے، اسی طرح یہاں بھی کہنیاں اور ٹخنے ہاتھ اور پاؤں کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔ (عینی ۱/۵۹، بدائع ۱/۶۸)

جواب: امام زفر کا یہ کہنا کہ غایت مغیا کے حکم میں مطلقاً داخل نہیں ہوتی، ہمیں تسلیم نہیں ہے بلکہ غایت کبھی مغیا میں داخل ہوتی ہے اور کبھی خارج، اس کا قاعدہ یہ ہے کہ غایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) غایت الاسقاط (۲) غایت الامتداد، اول میں غایت مغیا میں داخل اور ثانی میں خارج ہوتی ہے۔
غایت الاسقاط کی تعریف: جس جگہ غایت مغیا کی جنس سے ہو جیسے آیت وضو میں ہاتھ کا اطلاق انگلیوں سے لیکر بغل تک ہوتا ہے اور فَاغْسِلُوا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ میں غایت کا ذکر کہنیوں سے اوپر کے حصہ کو

دھونے کے حکم سے ساقط کرنے کے لئے ہے اگر غایت ذکر نہ کی جاتی تو ہاتھوں کا دھونا بغلوں تک ضروری ہوتا۔

غایت الامتداد کی تعریف: جو حکم کو بڑھانے اور پھیلانے کے لئے ذکر کی جاتی ہے، اور غایت اپنے ماقبل مغیا کی جنس سے نہ ہو جیسے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ چونکہ رات روزے کی جنس سے نہیں ہے اس لئے رات روزے کے حکم میں داخل نہ ہوگی، دونوں غایتوں میں فرق ہے لہٰذا ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ (عینی ۱/۵۹، بدائع ۱/۶۸، البحر الرائق ۱/۱۳)

مثبتین کی دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى حَتّٰى اَشْرَعَ فِي الْعَضُدِ ثُمَّ يَدَهُ الْيُسْرٰى حَتّٰى اَشْرَعَ فِي الْعَضُدِ ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى حَتّٰى اَشْرَعَ فِي السَّاقِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى حَتّٰى اَشْرَعَ فِي السَّاقِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ (مسلم شریف ۱/۱۲۶، نیل الاوطار ۱/۱۶۷)

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ نے دایاں اور بایاں ہاتھ دھوتے وقت کہنیوں کو بھی شامل کرلیا، ایسے ہی پیر دھوتے وقت دونوں ٹخنوں کو بھی شامل کرلیا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی وضو کرتے دیکھا ہے۔

نیز حضرت عثمان کی روایت سے بھی احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، ملاحظہ کیجئے نیل الاوطار ۱/۱۶۸۔

(۴) وَالْمَفْرُوْضُ فِيْ مَسْحِ الرَّاْسِ مِقْدَارُ النَّاصِيَةِ وَهُوَ رُبُعُ الرَّاْسِ لِمَا رَوَى الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ وَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى النَّاصِيَةِ وَخُفَّيْهِ.

ترجمہ: (۴) اور فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر ہے اس حدیث کی وجہ سے جو مغیرہ بن شعبہ نے روایت کی ہے۔

کہ رسول اللہ ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے پس آپ نے پیشاب کیا اور وضو کیا اور مقدار ناصیہ اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔

تشریح: سر کی کتنی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے۔

اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام مالک کے نزدیک اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے، عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۶۴۔ معارف السنن، ج:۱، ص:۱۷۰۔

(۲) حنفیہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک بعض سر پر مسح کرنے سے فرضیت ادا ہوجاتی ہے اور پورے سر پر مسح کرنا مسنون ہے پھر تحدید کے سلسلہ میں اختلاف ہوگیا حنفیہ کے نزدیک پیشانی کی مقدار سر کے حصہ پر مسح کرنا فرض ہے۔ شوافع کے نزدیک کم سے کم وہ مقدار جس پر مسح کا اطلاق ہوسکتا ہو۔ اگرچہ ایک ہی بال کیوں نہ ہو، اس پر مسح

کرنے سے فرض ادا ہو جائے گا، معارف السنن ج:۱،ص:۱۷۴، بدائع ج:۱،ص:۶۹

امام مالک وامام احمدؒ کی دلیل: وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں **فَبَدأَ بِمُقَدَّمِ رَأسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِيَدِهٖ اَلٰى مُؤخَّرِ الرَّأسِ ثم رَدَّهُمَا اِلٰى مُقَدَّمِهٖ.** طحاوی ج:۱،ص:۲۷

یعنی آپ ﷺ نے مقدم راس سے مسح شروع کیا اور گردن تک کھینچ کر لے گئے، اور مسح کرتے ہوئے، دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصہ پر لے آئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ مزید تفصیل دیکھئے ابوداؤد ج:۱،ص:۱۶ معارف السنن ج:۱،ص:۱۷۴

جواب آپ نے وضو کے اندر پورے سر کے مسح کو فرض فرمایا ہے، یہ حکم بطور فرض نہیں ہے بلکہ بطور کمال فضیلت ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے تین تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کرنا ثابت ہے لیکن یہ تین مرتبہ فرض نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ فرض ہے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۷، ایضاح الطحاوی ج:۱،ص:۱۳۴)

امام شافعی کی دلیل: آیت وضو میں مسح راس مطلقاً مذکور ہے، **والمطلق يجرى على اطلاقه** کے قاعدہ کے مطابق مطلق سر کا مسح فرض ہوگا۔

جواب: آیت وضو میں مسح راس مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے، اور مجمل پر عمل کے لئے متکلم کی جانب سے بیان ضروری ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یعنی مسح علی الناصیہ اس مجمل کا بیان ہے، لہٰذا مسح علی الناصیہ فرض ہوگا۔ بدائع الصنائع ج:۱،ص:۷۰

حنفیہ کی دلیل: **عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ عَلَيْهِ عَمَامَةٌ قَطْرِيَّةٌ فَاَدْخَلَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْعَمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأسِهٖ.** ابوداؤد ج:۱،ص:۱۹، فتح القدیر، ج:۱،ص:۱۵، عینی ج:۱،ص:۶۸

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ وضو کر رہے تھے، اور آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا، آپ نے دونوں ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کئے پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا۔

ظاہر ہے کہ آپ نے پورے اگلے حصہ کا مسح کیا ہے اور تمام مقدم راس ہی چوتھائی سر ہے، جس کو ناصیہ کہتے ہیں کما فی فتح القدیر ج:۱،ص:۱۵

---

(۵) وَسُنَنُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْيَدَيْنِ ثَلٰثاً قَبْلَ اِدْخَالِهِمَا الْاِنَاءَ اِذَا اسْتَيْقَظَ الْمُتَوَضِّئُ مِنْ نَوْمِهٖ.

ترجمہ: (۵) وضو کی سنتیں، دونوں ہاتھوں کا تین بار دھونا ہے، دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے جب بیدار ہو وضو کرنے والا اپنی نیند سے۔

تشریح: وضو کی سنتوں میں سب سے پہلی سنت یہ ہے کہ جب متوضی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے دونوں ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ دھوئے۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلاَ يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ. (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۴)

جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی نیند سے بیدار ہو تو نہ داخل کرے اپنا ہاتھ برتن میں یہاں تک اس کو تین مرتبہ دھوئے کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں رہا۔ مصنف علیہ الرحمہ کی عبارت میں استیقاظ من النوم کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے کیونکہ وضو کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا دھونا مطلقاً سنت ہے خواہ نیند سے بیدار ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۷۳، فتح القدیر ج:۱،ص:۱۹، الجوہرۃ النیرہ ج:۱،ص:۵)

---

(٦) وَتَسْمِيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ ابْتِدَاءِ الْوُضُوْءِ

ترجمہ: (٦) وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔

تشریح: سنت وہ طریقہ ہے، جو دین میں رائج ہو فرض اور واجب نہ ہو۔ نور الانوار، ص:۱۷۰

اختلاف: تسمیہ علی الوضوء کے سلسلہ میں ہم تین مذاہب بیان کریں گے۔

(۱) اصحاب ظواہر کے نزدیک تسمیہ علی الوضو واجب ہے یہی ایک روایت امام احمد کی ہے نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۵۰ معارف السنن ج:۱،ص:۱۵۴ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۱۹۔

(۲) اسحق بن راہویہ کے نزدیک واجب ہے جان بوجھ کر چھوڑنے کی صورت میں وضو کا اعادہ ضروری ہے اور سہواً ترک کی صورت میں اعادۂ وضو واجب نہ ہوگا۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۸۱، ترمذی شریف ج:۱،ص:۱۳)

(۳) حنفیہ مالکیہ شافعیہ کے نزدیک تسمیہ علی الوضوء واجب نہیں ہے؛ بلکہ سنت یا مستحب ہے۔

(معارف السنن:۱۵۴/۱، بذل:۶۳/۱)

وجوب کے قائلین کی دلیل: عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ قَالَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ. (ابن ماجہ ج:۱،ص:۳۲) یعنی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بغیر تسمیہ کے وضو نہیں ہوتا۔

(نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۴۸، طحاوی ج:۱،ص:۲۴)

اس حدیث میں لا نفی جنس کے لئے ہے یعنی بغیر تسمیہ کے وضو نہیں ہوگا۔ (عنایہ من ھامش فتح القدیر ج:۱،ص:۱۹)

جواب: حدیث میں فضیلت وضوء کی نفی کی گئی ہے یعنی بغیر بسم اللہ پڑھے وضو تو ہو جائے گا مگر افضل نہیں ہوگا۔

(البحر الرائق: ج:۱،ص:۱۹، بذل المجہود: ج:۱،ص:۶۳ بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۰۸، عنایہ ج:۱،ص:۱۹)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: بہت سے صحابہ کرام (مثلاً حضرت عثمان وعلیؓ) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضو کی حکایت پوری تفصیل سے بیان کی ہے اس میں کہیں بسم اللہ کا ذکر نہیں ملتا اگر تسمیہ واجب ہوتا تو ان احادیث میں اس کا ذکر ضرور ہونا چاہئے تھا۔ (عینی ج:۱،ص:۸۵، عنایہ من ہامش الفتح ج:۱،ص:۱۹)

(۷) وَالسِّوَاكُ

ترجمہ: (۷) اور مسواک کرنا بھی سنت ہے۔

تشریح: ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسواک کرنا صرف سنت ہے واجب نہیں۔ ہے۔

اصحاب ظواہر کے نزدیک مطلقاً واجب ہے۔ (در منضود ج:۱،ص:۱۵۳، نیل الاوطار، ج:۱،ص:۱۱۵)

اصحاب ظواہر کی دلیل: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے السِّوَاكُ وَاجِبٌ وَغُسْلُ الجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (رواہ ابونعیم فی کتاب السواک وذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر)

جواب: حافظ ابن حجر تلخیص الجبیر میں اس حدیث کو نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں اسنادہٗ واہٍ (کمزور) لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (درس ترمذی ج:۱،ص:۲۲۲)

ائمہ اربعہ کی دلیل وَاسْتَدَلَّ فِى الْكَافِىْ لِلسُّنِّيَةِ بِأَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ مَعَ التَّرْكِ

(البحر الرائق ج:۱،ص:۲۱)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک استعمال کرنے پر مداومت فرمائی ہے اور کبھی کبھار ترک بھی فرمادیا ہے، مواظبت مع الترک سنت کی دلیل ہے۔

ترک مسواک پر دلیل یہ ہے کہ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ الاَعْرَابِيَّ الوُضُوْءَ وَلَمْ يَنْقُلْ فِيْهِ تعليمُ السِّوَاكِ

(عنایہ کفایہ ج:۱،ص:۲۲)

یعنی آپ نے ایک اعرابی کو وضو کی تعلیم دی تو اس میں تعلیم مسواک منقول نہیں ہے اگر مسواک کرنا واجب ہوتا تو آپ ضرور تعلیم فرماتے۔

(۸) وَالْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ

ترجمہ: (۸) کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی وضو میں مسنون ہے۔

اختلاف: اس بارے میں تین مذاہب ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام مالک وشافعی کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا سنت ہیں۔

(ترمذی ج:۱،ص:۱۴، معارف السنن، ج:۱،ص:۱۶۶، نیل الاوطار، ج:۱،ص:۱۵۴)

(۲) امام احمد کے نزدیک وضوء اور غسل دونوں میں واجب ہے۔

(ترمذی ج:۱،ص:۱۴، معارف السنن ج:۱،ص:۱۶۵، نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۵۴)

(۳) حنفیہ کے نزدیک وضوء میں دونوں سنت اور غسل جنابت میں دونوں فرض ہیں۔

(نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۵۴، ترمذی ج:۱،ص:۱۴)

امام مالک وشافعی کی دلیل: عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ مِنَ الْفِطْرَةِ الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ (ابوداؤد:۱/۸) آپ نے فرمایا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فطرت میں سے ہے۔

امام احمد کی دلیل: مضمضہ کے وجوب پر استدلال اس روایت سے ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِذَا تَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ (ابوداؤد ج:۱ص:۱۹ نیل الاوطار ج:۱ص:۱۵۴) یعنی جب تو وضو کرے تو کلی کر۔

اور استنشاق کے وجوب پر استدلال حضرت سلمہ بن قیس کی حدیث سے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَثِرْ. (ترمذی ج:۱ص:۱۴، نیل ج:۱ص:۱۵۴)

جب تو وضو کرے تو ناک چھینک لیا کر، ان دونوں حدیثوں میں امر کا صیغہ آیا ہے، اور الامرُ للوجوب کے قاعدے کی رو سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے۔

جواب دونوں حدیثوں میں امر کا صیغہ وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو وضو کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: تَوَضَّاء كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ ترمذی ج:۱ص:۲۶ جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے اسی طرح وضو کر اور قرآن میں جہاں اللہ نے وضوء کا ذکر فرمایا ہے وہاں مضمضہ واستنشاق کا کوئی ذکر نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں وضو میں مسنون ہوں گی نہ کہ واجب اور فرض۔ (کفایہ ج:۱ص:۲۲)

احناف کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے موقوفاً اور مرفوعاً منقول ہے حدیثُ ابنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوفًا عَلَيْهِ وَمَرْفُوْعًا اِلَى النَّبِيِّ هُمَا سُنَّتَانِ فِي الْوُضُوْءِ وَاجِبَتَانِ فِي الْغُسْلِ.

(کفایۃ ج:۱ص:۲۳، عینی ج:۱ص:۹۱)

یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضو میں سنت اور غسل میں فرض ہیں۔

---

(۹) وَمَسْحُ الْاُذُنَيْنِ.

ترجمہ: (۹) وضو کی سنتوں میں سے دونوں کانوں کا مسح کرنا بھی ہے۔

تشریح: کیا کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لیا جائے گا، یا سر کے باقی ماندہ پانی سے ہی مسح کرلیا جائے گا، اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک کانوں کا مسح سر کے پانی سے کرنا مسنون ہے۔ (معارف السنن، ج:۱ص:۱۸۲، نیل الاوطار ج:۱ص:۱۷۷، بدائع الصنائع ج:۱ص:۱۱۶)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ماء جدید سے مسح کرنا مسنون ہے۔ (نیل ج:۱ص:۱۷۷، معارف السنن ج:۱ص:۱۸۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں۔ فَأَخَذَ لِاُذُنَيْهِ مَآءً خِلَافَ الْمَاءِ الَّذِيْ أَخَذَ لِرَأسِهٖ. (نیل الاوطار ج:۱ص:۱۷۷، عینی ج:۱ص:۱۹۶ ابوداؤد ج:۱ص:۱۶)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کا مسح کرنے کے لئے اس پانی کے علاوہ پانی لیا جو سر کا مسح کرنے کے لئے لیا تھا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کے لئے ماء جدید مسنون ہے۔

جواب: یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب کہ ہاتھوں کا پانی بالکل خشک ہو گیا ہو سر کا مسح کرنے کے بعد ہاتھوں پر تری بالکل باقی نہ رہی ہو ایسی صورت میں تو ہمارے نزدیک بھی ماء جدید لینا مشروع اور مسنون ہے۔
(فتح القدیر ج:۱ص:۲۵، البحر الرائق ج:۱ص:۲۸، عینی ج:۱ص:۹۶)

حنفیہ کی دلیل: وہ حدیث ہے جس کو ابن خزیمہ ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِوُضُوْءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَهُ وَفِيْهِ ثُمَّ غَرَفَ غُرْفَةً فَمَسَحَ بِهَا رَأْسَهُ وَأُذُنَيْهِ. (فتح القدیر ج:۱ص:۲۵، البحر الرائق ج:۱ص:۲۸)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چلو پانی لے کر اس سے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کے لئے ماء جدید کی ضرورت نہیں ہے۔

---

(۱۰) وَتَخْلِيْلُ اللِّحْيَةِ

ترجمہ: (۱۰) اور ڈاڑھی کا خلال کرنا بھی سنت ہے۔

تشریح: ڈاڑھی کے خلال کرنے کے بارے میں تین مذاہب ہیں۔

(۱) سعید بن جبیر اور عبدالحکیم مالکی کے نزدیک واجب ہے۔

(۲) طرفین کے نزدیک مستحب ہے۔

(۳) امام شافعی اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک سنت ہے احناف کے یہاں فتویٰ امام ابویوسف کے قول پر ہے۔
(عینی ج:۱ص:۹۸ فتح القدیر، ج:۱ص:۲۵، بدائع الصنائع ج:۱ص:۱۱۶ شامی ج:۱ص:۱۰۹)

وجوب کے قائلین کی دلیل: عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ.
(ترمذی، ج:۱ص:۱۴)

اس حدیث میں کان استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے معلوم ہوا کہ تخلیل لحیہ واجب ہے۔

جواب: محدثین کے نزدیک لفظ کان مداومت یا استمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ احیاناً وقوع پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ بعض صحابہ نے یہ فرمایا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ كَذَا، حالانکہ وہ فعل آپ سے صرف چند مرتبہ ثابت ہوا تھا۔ (درس ترمذی ج:۱ص:۲۴۱)

طرفین کی دلیل: ڈاڑھی کے خلال پر آپ سے مواظبت ثابت نہیں ہے، بلکہ احادیث میں آپ کے اتفاقی فعل کو نقل کر دیا گیا ہے لہٰذا خلال کرنا سنت نہ ہوگا، بلکہ مستحب ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج:۱ص:۱۱۷، فتح القدیر ج:۱ص:۲۶، البحر الرائق ج:۱ص:۲۲)

جواب: حضرت انس کی روایت کے الفاظ (هكذا أمرني ربي ابو داؤد، ج:۱ص:۱۹) کے ہوتے ہوئے، صریح مواظبت کی نقل کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ لفظ خود ہی اس جانب اشارہ کر رہا ہے، کما فی فتح القدیر لكِنْ مَا فِيْ أَبِي دَاوُدَ مِنْ قَوْلِهِ بِهٰذَا أَمَرَنِيْ رَبِّيْ لَمْ يَثْبُتْ ضُعْفُهُ وَهُوَ مُغْنٍ عَنْ نَقْلِ صَرِيْحِ الْمُوَاظَبَةِ لِأَنَّ أَمْرَهُ تَعَالٰى حَامِلٌ عَلَيْهَا فَيَتَرَجَّحُ قَوْلُ أَبِي يُوْسُفَ (فتح القدیر ج:۱ص:۲۶)

امام یوسف کی دلیل: علامہ بدرالدین عینی نے سترہ صحابہ کی روایات کو نقل فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلال پر مواظبت فرمائی ہے۔ (عینی ج:۱ص:۹۸، تا ص:۹۹)

دوسری دلیل: قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَزَلَ عَلَيَّ جِبْرَئِيْلُ وَأَمَرَنِيْ أَنْ أُخَلِّلَ لِحْيَتِيْ اذا توضأت یعنی میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور کہا کہ جب میں وضو کروں تو اپنی ڈاڑھی کا خلال کرلیا کروں۔ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱ص:۲۵

---

(۱۱) وَالْأَصَابِعِ

ترجمہ: (۱۱) وضو کی سنتوں میں ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا بھی ہے۔

تشریح: (۱) امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے۔

(۲) امام مالک و امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے۔ معارف السنن ج:۱ص:۱۸۳،۱۸۴

(۳) بعض اہل ظواہر کے نزدیک واجب ہے یہی ایک روایت امام احمد سے منقول ہے۔

(درس ترمذی ج:۱ص:۲۴۹)

اصحاب ظواہر کی دلیل: حضرت لقیط بن صبرۃ کی روایت جو ابوداؤد کے اندر ہے، اس کے الفاظ ہیں، فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ.

(ابوداؤد ج:۱ص:۱۹، ترمذی، ج:۱ص:۱۶)

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وضو سکھلا دیجئے، آپ نے فرمایا وضو کامل طور پر کر اور انگلیوں کے درمیان خلال کر اس حدیث میں صیغہ امر وجوب کے لئے استعمال ہوا ہے۔

جواب: حدیث میں صیغہ امر استحباب کے اوپر محمول ہے، وجوب کے لئے نہیں اگر انگلیوں کا خلال کرنا واجب ہوتا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وضو کی حکایت کرنے والے بہت سے صحابہ کرام میں سے صرف چند نے تخلیل کا ذکر کیا ہے تو سب ذکر کرتے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۲۳) اور اعرابی والی حدیث میں اس کا ذکر ضرور ہوتا کیونکہ اس حدیث میں واجبات وضو کو اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۲۳)

احناف کی دلیل: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ

وَاجْعَلِ الْمَاءَ بَيْنَ اَصَابِعِ رِجْلَيْكَ وَيَدَيْكَ (ابن ماجہ ج:۱،ص:۳۵)

ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو نماز کا ارادہ کرے تو وضو کامل طور پر کر اور اپنے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کر لیا کر۔

(۱۲) وَتَكْرَارُ الْغَسْلِ إِلَى الثَّلٰثِ

ترجمہ: (۱۲) وضو کی سنتوں میں سے اعضاء مغسولہ کو تین تین بار دھونا بھی ہے، اعضاء مغسولہ کو کتنی مرتبہ دھونا مسنون ہے، اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں۔

تشریح: امام شافعی کے نزدیک تین مرتبہ دھونا مسنون ہے اور تین سے کم یا زیادہ کرنا خلاف سنت ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک ایک ایک مرتبہ فرض دو مرتبہ مستحب اور تین مرتبہ مسنون ہے۔ ایضاح الطحاوی ج:۱،ص:۱۳۰

امام شافعی کی دلیل: وہ احادیث شریفہ ہیں جن کے اندر تین تین بار وضو کرنا ثابت ہے مثلاً ان میں سے ایک حدیث یہ ہے جَآءَ اَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ فَسَأَلَهُ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هٰذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَآءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ. (ابن ماجہ ج:۱،ص:۳۴)

جواب: فَمَنْ زَادَ الخ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تین مرتبہ سے زیادہ کرتا ہے وہ اپنے آپ پر کمال ثواب سے محروم ہو کر ظلم وزیادتی کرتا ہے، اور تین مرتبہ سے کم کرنے کو خلاف سنت نہیں کہا جا سکتا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ سے کم بھی کیا ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج:۱،ص:۱۳۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: عَنْ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً.
(طحاوی ج:۱،ص:۲۶)

حضرت عمر کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک ایک مرتبہ (پانی ڈال کر) وضو کرتے دیکھا ہے۔

(۱۳) وَيَسْتَحِبُّ لِلْمُتَوَضِّيْ اَنْ يَنْوِيَ الطَّهَارَةَ

ترجمہ: (۱۳) اور مستحب ہے وضو کرنے والے کے لئے طہارت کی نیت کرنا۔

تشریح: لغت کے اعتبار سے دل کے پختہ ارادہ کرنے کو نیت کہتے ہیں شرعاً نیت یہ ہے کہ دل سے وضو کا ارادہ کرے یا حدث دور کرنے کا ارادہ کرے یا ایسی عبادت کا قصد کرے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہو۔ (فتح القدیر، ۱/ ۲۸)

مستحب کی تعریف: وہ فعل ہے جس کو نبی علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور کبھی ترک کر دیا ہو اور اس کو علماء دین نے پسند فرمایا ہو۔ (درمختار: ۱/ ۱۱۵)

اختلاف: احناف کے نزدیک وضو میں نیت کرنا مسنون ہے عینی ج:۱،ص:۱۰۵

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج:۱،ص:۳۹) یعنی اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور وضو بھی ایک عمل ہے، لہٰذا یہ بھی نیت پر موقوف ہوگا۔

جواب: حدیث میں اعمال سے مراد عبادات ہیں کیونکہ بہت سے مباحات شرعاً بغیر نیت کے معتبر ہو جاتے ہیں جیسے نکاح طلاق وغیرہ بلکہ عبادات مستقلہ مراد ہیں، اور وضو مستقل عبادت نہیں ہے بلکہ نماز کے لئے ذریعہ ہے۔
(فتح القدیر ج:۱،ص:۲۸ نور الانوار،ص:۲۱)

احناف کی دلیل: ایک شخص نے آپ ﷺ سے وضو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس کو نیت کی تعلیم نہیں دی شرح نقایۃ ص___ اس سے معلوم ہوا کہ نیت وضو میں فرض نہیں ہے ورنہ آپ نیت کی تعلیم ضرور ارشاد فرماتے۔

تنبیہ: علماء متقدمین کے نزدیک لفظ استحباب سنت اور واجب کو بھی شامل ہوتا ہے، اس اصطلاح کے اعتبار سے مصنفؒ نے استحباب کا لفظ استعمال کر دیا ہے۔

---

(۱۴) وَيَسْتَوْعِبَ رَأْسَهُ بِالْمَسْحِ

ترجمہ: (۱۴) اور اپنے پورے سر کا مسح کرنا بھی مسنون ہے۔

تشریح: سر کے مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیاں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اولاً تر کرے پھر دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں سر کے اگلے حصہ پر رکھے اور دونوں انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں اور ہتھیلی کو جدا رکھے پھر ان کو کھینچ کر پیچھے کی طرف لے جائے، پھر دونوں ہتھیلیوں کو سر کے دونوں طرف سے کھینچتا ہوا آگے کی طرف لے آئے پھر دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے ظاہر کا اور دونوں شہادت کی انگلیوں سے دونوں کانوں کے باطن کا مسح کرے۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۲۹)

اختلاف: امام شافعی کے نزدیک مختلف تین پانیوں سے تین مرتبہ پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے حنفیہ مالکیہ حنابلہ کے نزدیک مسح علی الرأس ایک ہی مرتبہ کرنا مسنون ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۱۷۷، نیل الاوطار، ج:۱،ص:۱۷۴)

امام شافعی کی دلیل: عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَمَسَحَ رَأْسَه ثلثًا ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ هٰذَا ابوداؤد ۱/۱۵، نیز عبدالرحمان بن وردان کی روایت کے الفاظ بھی اسی کے مثل ہیں۔ (ابوداؤد ۱/۱۴)

جواب امام ابوداؤد نے حضرت عثمان کی جو دو حدیثیں پیش فرمائی ہیں وہ ضعیف ہیں جیسا کہ خود امام موصوف فرماتے ہیں اَحَادِيْثُ عُثْمَانَ الصِّحَاحُ كُلُّهَا تَدُلُّ عَلٰى مَسْحِ الرَّأْسِ اَنَّهُ مَرَّةً (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۵) یعنی حضرت عثمان کی احادیث صحیحہ اس بات پر دال ہیں کہ مسح رأس صرف ایک مرتبہ ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کی جن دو حدیثوں میں تثلیث مسح مذکور ہے، وہ ضعیف ہیں کیونکہ ایک سند میں عبد الرحمان بن وردان ہے اور دوسری سند میں عامر بن شقیق ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں، كَمَا قَالَ فِي الْبَذْلِ اِنَّ عَبْدَ

الرَّحْمٰنِ بْنِ وَرْدَانَ وَكَذٰلِكَ عَامِرُ بْنِ شَقِيْقٍ عِنْدَ اَبِيْ دَاوُدَ وَلَيْسَا بِقَوِيَّيْنِ . (بذل ج:۱،ص:٦٧)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت علی نے وضوکیا وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَاحِدَةً ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا تَوَضَّاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی آپ نے سر کا ایک بار مسح کیا پھر فرمایا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:١٦)

(۱۵) وَيُرَتِّبَ الْوُضُوْءَ فَيَبْتَدِأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِذِكْرِهٖ

ترجمہ: (۱۵) اور وضو مرتب کرے پس اس عضو سے شروع کرے جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔

تشریح: اس ترتیب کے ساتھ وضو کرنا مسنون ہے، جس کی تصریح قرآن کریم میں مذکور ہے، یعنی پہلے چہرہ دھوئے، پھر دونوں ہاتھ پھر سر کا مسح کرے اس کے بعد دونوں پاؤں۔

حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک وضو کے اعضاء مفروضہ کے درمیان ترتیب مسنون ہے، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک فرض ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۱۱، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۱۲، علاء السنن، ج:۱،ص:٦١)

شوافع وحنابلہ کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ وضو اسی ترتیب سے کی جو احادیث میں مذکور ہے، کبھی اس کے خلاف نہیں کیا اگر یہ ترتیب فرض نہ ہوتی تو کبھی تو بیان جواز کے لئے اس کو ترک کرتے جیسا کہ حضرت عثمان کی روایت سے ترتیب کا پتہ چلتا ہے۔

عَنْ حُمْرَانَ بْنِ اَبَانَ قَالَ رَأَيْتُ عثمانَ بنِ عفانَ تَوَضَّاءَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلٰثًا فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ تَمَضْمَضَ الخ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۴) اس حدیث میں لفظ ثُمَّ ترتیب پر دلالت کرتا ہے۔

جواب: حدیث میں جو لفظ ثم ہے وہ راوی کا لفظ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں نہیں ہے، کہ اس سے ترتیب پر استدلال کیا جائے، زیادہ سے زیادہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے وضو مرتباً فرمائی اور محض فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:٦٢)

احناف وموالک کی دلیل: حضرت مقدام بن معدیکرب کی روایت ہے اس کے الفاظ ہیں: ثم غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ. (ابوداؤد ج:۱،ص:١٦۔ اعلاء السنن ج:۱،ص: ٦٣۔ نیل الاوطار ج:۱،ص:۵۹-۱۵۸)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ تین تین مرتبہ دھوئے، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر سر کا مسح کیا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے ہمیشہ ایک ہی ترتیب سے وضو نہیں فرمائی اس لئے ترتیب فرض تو نہ ہوگی، مگر چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ذکر کردہ ترتیب کے ساتھ وضو فرمایا ہے، اس لئے وضو میں ترتیب مسنون ہوگی۔

(١٦) وَبِالْمَيَامِنِ

ترجمہ: (١٦) اور دائیں عضو سے شروع کرے۔

تشریح: ہاتھوں اور پیروں کے دھونے میں دائیں سے شروع کرنا افضل اور مستحب ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عمدہ کام میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے، جیسا کہ حضرت عائشہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَامُنَ فِي كُلِّ شيءٍ حَتّٰى فِي طُهُوْرِهٖ وتَنَعُّلِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَشَانِهٖ كُلِّهٖ. (البحر الرائق ج:۱، ص:۲۹) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے، یہاں تک طہارت میں اور جوتے پہننے میں اور کنگھا کرنے میں اور سب کاموں میں۔

(۱۷) وَالتَّوَالِيُ

ترجمہ: (۱۷) اور پے در پے دھونا۔

تشریح: پے در پے مسلسل ایسے طریقہ پر اعضاء دھونا کہ پہلا عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا بھی دھوڈالے موالک وحنابلہ کے نزدیک فرض ہے ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔

احناف کے نزدیک موالاۃ فی الوضوء سنت ہے یہی ایک قول امام شافعی کا ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۱۹۱، بدائع الصنائع ج:۱، ص:۱۱۲، ۱۱۳)

موالک وحنابلہ کی دلیل: عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰیْ رَجُلًا يُصَلِّيْ وَفِيْ ظَهْرِ قَدَمِهٖ لَمْعَةٌ قَدْرَ الدِّرْهَمِ لَمْ يُصِبْهَا الْمَاءُ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُعِيْدَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ. (ابوداؤد ج:۱، ص:۲۳، نیل الاوطار، ج:۱، ص:۱۹۰)

بعض اصحاب نبی ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے پاؤں کا حصہ بقدر درہم خشک رہ گیا تو آپ نے وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موالاۃ فرض ہے۔

جواب: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں بقیہ بن ولید راوی ہیں جو حجت نہیں ہے، كما قَالَ الشَّوْكَانِيْ اَعَلَّهُ الْمُنْذِرِيْ بِبَقِيَّةِ الوليد وَقَالَ عَنْ بجير وَهُوَ ضَعِيْفٌ . (نیل الاوطار ج:۱، ص:۱۹۱)

نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اعادۂ وضو کا حکم بطریق استحباب فرمایا ہو، اعلاء السنن ج:۱، ص:٦٦، بذل ج:۱، ص:۱۰٦

احناف کی دلیل: وَاسْتَدَلَّ فِي الْمِعْرَاجِ عَلٰى عَدَمِ فَرْضِيَّةِ الوَلَاءِ بِاَنَّ ابْنَ عُمَرَؓ تَوَضَّأَ فِي السُّوْقِ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ دُعِيَ اِلٰى جَنَازَةٍ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ ثُمَّ مَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ . (البحر الرائق ج:۱، ص:۲۸، اعلاء السنن ج:۱، ص:٦۵)

ایک مرتبہ ابن عمر نے بازار میں وضو کی اور صرف چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو دھویا اور سر کا مسح کیا اور نماز جنازہ پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر جملہ حاضرین کے سامنے دونوں موزوں پر مسح کیا جب کہ وضو خشک ہو چکی تھی اور اس پر حاضرین میں سے کسی نے نکیر نہیں کی۔

(۱۸) وَمَسْحُ الرَّقَبَةِ

ترجمہ: (۱۸) اور گردن کا مسح کرنا (مستحب ہے)

تشریح: حنفیہ کی کتب میں گردن کے مسح کو مستحبات و آداب وضو میں شمار کیا ہے اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے علامہ نووی شافعی نے گردن کے مسح کو بدعت لکھا ہے، لیکن دیگر علماء نے ان پر تنقید کی ہے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے گردن کے مسح میں قطعاً کوئی حدیث ثابت نہیں۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۱۷۹)

(۱۹) وَالْمَعَانِي النَّاقِضَةُ لِلْوُضُوْءِ كُلُّ مَا خَرَجَ مِنَ السَّبِيْلَيْنِ .

ترجمہ: (۱۹) اور وضو کو توڑنے والی ہر وہ چیز ہے جو پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے نکلے۔

تشریح: یہ دونوں مقام مقامِ نجاست نہیں ہیں، نجاست کہیں اوپر سے کھسک کر آتی ہے اور قاعدہ ہے کوئی ناپاکی اپنی جگہ سے کھسک کر جسم کے ظاہری حصے پر آجائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲۰) وَالدَّمُ وَالْقَيْحُ وَالصَّدِيْدُ اَذَا خَرَجَ مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَ اَلٰى مَوْضَعٍ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيْرِ (۲۱) وَالْقَيْئُ اَذَا كَانَ مِلْأَ الْفَمِ

ترجمہ: (۲۰) اور خون پیپ اور کچ لہو جب کہ بدن سے نکلے اور بہ جائے ایسے مقام کی طرف جس کو پاک کرنے کا حکم لاگو ہو۔ (۲۱) اور قے جب کہ ہو منھ بھر کر۔

تشریح: نواقض وضو میں یہ بھی ہے کہ زندہ انسان کے بدن سے خون پیپ وغیرہ نکلے پھر ظاہر ہو کر ایسے مقام کی طرف تجاوز کر جائے، جس کو وضو یا غسل میں پاک کرنے کا حکم ہے، عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۱۲۱، عنایہ ج:۱، ص:۳۳ البحر الرائق ج:۱، ص:۳۳ خروج سے مراد صرف نجاست کا ظاہر ہونا کافی نہیں ہے بلکہ سیلان شرط ہے۔

اور نواقض وضو میں منھ بھر قے ہے اور منھ بھر قے وہ ہے کہ جس کو بغیر مشقت اور کلفت کے روکا نہ جاسکے۔ البحر الرائق ج:۱، ص:۳۶۔

اختلاف الائمہ

امام مالک کے نزدیک صرف اس ناپاکی کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے جو خود بھی معتاد ہو (وہ ناپاکی جو عام طور سے ہر انسان کے بدن سے نکلتی ہے، جیسے پیشاب پاخانہ) اور اس کا مخرج بھی معتاد ہو (سبیلین) لہٰذا خون پیپ کچ لہو قے وغیرہ سے وضو نہ ٹوٹے گا۔

امام شافعی کے نزدیک مخرج کا معتاد ہونا تو ضروری ہے لیکن خارج کا معتاد ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے مذکورہ چیزوں سے وضو نہ ٹوٹے گا۔ (عینی ج:۱، ص:۱۲۱ فتح القدیر ج:۱، ص:۳۳ درس ترمذی ج:۱، ص:۳۱۶)

خون کے ناقض وضو نہ ہونے پر دلیل

حضرت جابر کی روایت ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں حضرت عباد بن بشر کو تین تیر لگے تھے، ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا، اور وہ اسی حال میں نماز پڑھتے رہے، اعلاء السنن ج:۱، ص:۸۵ عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۱۲۱ نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۰۷ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ خون ناقض وضو نہیں ہے۔

جواب: درحقیقت حضرت عبادؓ نماز اور تلاوت قرآن کی لذت میں اس قدر مستغرق تھے کہ انہیں خون نکلنے کی خبر ہی نہ ہوئی، آپ پر غلبہ حال اور استغراق کی کیفیت تھی جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط نہیں کیا جاسکتا۔

(بذل المجہود ج:۱، ص:۱۲۱، معارف السنن ج:۱، ص:۳۰۹)

(۲) یہ فعل صحابی ہے ممکن ہے کہ ان کا یہی مذہب ہو۔ (عینی ج:۱، ص:۱۲۲، بذل المجہود ج:۱، ص:۱۲۱)

(۳) صحابی رسول کا یہ جزئی واقعہ احادیث صحیحہ صریحہ کا مقابل نہیں ہوسکتا ہے۔ معارف السنن ج:۱، ص:۳۰۹

قے کے ناقض وضو نہ ہونے پر استدلال

اس روایت سے ہے، اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ (عنایہ من حاشیہ فتح القدیر ج:۱، ص:۳۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قے ہوئی لیکن آپ نے وضو نہ کی۔

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت قے قلیل پر محمول ہے عنایہ ج:۱، ص:۳۶۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ امام ابویوسف امام محمد امام احمد بن حنبل کے نزدیک کوئی بھی نجاست جسم کے کسی بھی حصہ سے خارج ہو وہ ناقض وضو ہے خواہ خروج نجاست عادۃً ہوا ہو خواہ بیماری کی وجہ سے۔ (اعلاء السنن، ج:۱، ص:۸۷ بذل المجہود ج:۱، ص:۱۲۳) لہٰذا دم سائل اور منہ بھر قے ناقض وضو ہے۔

دم سائل کے ناقض ہونے پر دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، لَيْسَ فِي الْقَطْرَةِ وَلَا فِي الْقَطْرَتَيْنِ مِنَ الدَّمِ وُضُوْءٌ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ دَمًا سَائِلًا. نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۰۷، عنایہ ج:۱، ص:۳۸، عینی ج:۱، ص:۱۲۵

خون کے ایک قطرے اور دو قطروں میں وضو واجب نہیں ہوتا مگر یہ کہ خون بہنے والا ہو منھ بھر قے کے ناقض وضو ہونے پر استدلال اس روایت سے ہے کہ جس کو حضرت علیؓ نے نقل فرمایا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزیں ناقض وضو ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک منہ بھر قے بھی ہے۔

کما قال علیہ السلام وَدَسْعَةٌ تَمْلَأُ الْفَمَ یعنی قے جو منھ بھر دے۔ (نیل الاوطار، ج:۱، ص:۲۰۸ عینی ج:۱، ص:۱۳۱، فتح القدیر ج:۱، ص:۳۸)

---

(۲۲) وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا أَوْ مُتَّكِئًا أَوْ مُسْتَنِدًا إِلٰى شَيْءٍ لَوْ أُزِيْلَ لَسَقَطَ عَنْهُ وَالْغَلَبَةُ عَلَى الْعَقْلِ بِالْإِغْمَاءِ وَالْجُنُوْنُ

ترجمہ: (۲۲) اور سونا کروٹ کے بل یا سہارا لے کر یا ٹیک لگا کر ایسی چیز کا کہ اگر وہ ہٹادی جائے تو وہ گر پڑے اور بے ہوشی کی وجہ سے عقل پر غلبہ ہوجانا اور پاگل پن سے۔

تشریح: ماقبل میں جن نواقض کا تذکرہ آیا ہے وہ حقیقی نواقض تھے، یہاں سے نواقض حکمی کا بیان ہے، نواقض وضو میں یہ بھی ہے کہ باوضو آدمی کروٹ پر سویا یا تکیہ لگا کر سویا یا کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر سویا کہ اگر وہ چیز ہٹادی جائے، تو یہ شخص گر پڑے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص بے ہوش ہوجائے، جس میں انسان مغلوب العقل ہو جاتا ہے، یا پاگل ہوجائے، تو ایسی صورت میں بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

اِغما کی تعریف: ایک بیماری کا نام ہے، جس میں انسان کے قُویٰ میں کمزوری پیدا ہوجاتی ہے۔ اور عقل مغلوب ہوجاتی ہے۔

جنون کی تعریف: یہ ایسی بیماری ہے جس میں عقل بالکل ختم ہوجاتی ہے۔ (البحر الرائق ج:۱، ص:۴۱)

اختلاف الائمہ

امام حسن بصری کے نزدیک نوم خواہ قلیل ہو یا کثیر ناقض وضو ہے یہی منقول ہے، اسحاق بن راہویہ سے۔
(بذل المجہود ج:۱، ص:۱۲۶ نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۰۸، معارف السنن ج:۱، ص:۲۸۳)

دلیل: حضرت علی سے منقول، وہ حدیث ہے جس کے اندر (فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ ابوداؤد ج:۱، ص:۲۷) کے الفاظ ہیں، اس حدیث میں قلیل وکثیر کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۰۸)

جواب: اس حدیث میں دو راوی ایسے ہیں جو ضعیف ہیں (۱) بقیہ ابن الولید (۲) وضین، نیز عبدالرحمان کا سماع حضرت علی سے ثابت نہیں۔ (نقلہ الشوکانی فی نیل الاوطار، ج:۱، ص:۲۱۰)

(۲) اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نوم اس لئے ناقض ہے کہ اس سے سرین کا بندھن کھل جاتا ہے، تو جس نوم میں بندھن کھلنا اغلب ہوگا، وہ نوم یہاں مراد ہوگی ہر قسم کی نوم مراد نہیں ہوگی۔ بذل المجہود ج:۱، ص:۱۲۶

دوسرا مذہب: حضرت ابوموسیٰ اشعری، سعید ابن المسیب کے نزدیک نوم خواہ قلیل ہو یا کثیر کسی بھی حال میں ناقض وضو نہیں ہے، بذل المجہود ج:۱، ص:۱۲۶، نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۰۸، معارف السنن ج:۱، ص:۲۸۲۔

دلیل: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُوْنَ ثُمَّ يَقُوْمُوْنَ فَيُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّؤُوْنَ (ترمذی شریف ج:۱، ص:۲۴)

حضرت انس سے منقول ہے کہ صحابہ کرام سو جاتے تھے پھر کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے تھے، دوبارہ وضو نہیں کرتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوم کسی بھی حال میں ناقض وضو نہیں ہے۔
جواب: اس حدیث میں نوم خفیف مراد ہے، مطلقاً نوم مراد نہیں ہے۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۴۴، اعلاء السنن ج:۱،ص:۹۴، نیل الاوطار، ج:۱،ص:۲۱۱)

لہٰذا اس حدیث سے مطلقاً نوم کے غیر ناقض ہونے پر استدلال درست نہیں ہے۔
تیسرا مذہب: ائمہ اربعہ کے نزدیک نوم غالب ناقض ہے اور نوم غیر غالب ناقض وضو نہیں ہے۔
دلیل: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلٰى مَنْ نَامَ سَاجِدًا وُضُوْءٌ حَتّٰى يَضْطَجِعَ فَاِنَّهٗ اِذَا اضْطَجَعَ اِسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهٗ. (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۱۱ اعلاء السنن ج:۱،ص:۹۳)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سجدہ کی حالت میں سویا تو اس پر وضو واجب نہیں ہوگا، بلکہ وضو اس شخص پر واجب ہے، جو کروٹ لے کر سویا کیونکہ جب کوئی شخص کروٹ پر سوتا ہے تو تمام جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔
اس حدیث میں نقض وضو کا دار و مدار سرین کا بندھن کھلنے پر رکھا گیا ہے اور یہ چیز نوم غالب میں ہوتی ہے، نوم غیر غالب میں نہیں ہوتی۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۹۳)

---

(۲۳) وَالْقَهْقَهَةُ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ ذَاتِ رُكُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ

ترجمہ: (۲۳) اور کھل کھلا کر ہنسنا رکوع سجدہ والی نماز میں۔
تشریح: قہقہہ کی تعریف وہ ہنسی جس میں خود بھی اور قریب کے لوگ بھی اس کی آواز سن سکیں اور منہ خوب کھل جائے۔
ضحک کی تعریف: وہ ہنسی جس میں ایسی ہلکی آواز ہو کہ پاس کا آدمی نہ سن سکے، اور منہ کھل کر دانت ظاہر ہوں۔
تبسم: جس میں بالکل آواز نہ ہو جس کو ہمارے اطراف میں مسکرانا کہتے ہیں، اس میں ہونٹ کھلتے نہیں ضحک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، وضو باقی رہتا ہے۔
تبسم سے نماز و وضو دونوں باقی رہتے ہیں۔
عاقل بالغ کے قہقہہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ رکوع سجدے والی نماز میں پایا گیا تو مبطلِ صلوٰۃ بھی ہے اور ناقض وضو بھی۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج:۱،ص:۴۲،۴۴)

اختلاف الائمہ

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک عاقل بالغ نمازی کا کھل کھلا کر ہنسنا، ناقض وضو نہیں ہے۔
(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۱۴۰، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۳۶)

دلیل: قہقہہ میں خروج نجاست نہیں پایا جاتا حالانکہ خروج نجاست ہی ناقض وضو ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۴۰)

(۲) حضرت جابر کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلضِّحْكُ يَنْقُضُ الصَّلَاةَ وَلَايَنْقُضُ الْوُضُوْءَ. (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۳۶) یعنی ہنسنا نماز کو توڑ دیتا ہے اور وضو کو نہیں توڑتا۔

جواب: قہقہہ کے ناقض وضو ہونے پر تقریباً چھ صحابہ سے مرفوعاً روایات ہیں ان روایات کی بنیاد پر قیاس کو ترک کردیا جائے گا۔ (دیکھئے عینی شرح ہدایہ، ج:۱،ص:۱۴۰ تا ۱۴۲ اعلاء السنن ج:۱،ص:۹۵ تا ۱۰۴)

(۲) حضرت جابر کی روایت ما دون القہقہۃ پر محمول ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۳۷)

احناف کے نزدیک قہقہہ سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ (عینی ج:۱،ص:۱۳۹، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۳۶)

عن النبیؐ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فِيْ عَيْنَيْهِ سُوْءٌ فَوَقَعَ فِيْ بِئْرٍ عَلَيْهَا خَصْفَةٌ فَضَحِكَ بَعْضُ مَنْ خَلْفَهُ فَلَمَّا قَضَى النبیُّ الصَّلَاةَ قَالَ مَنْ قَهْقَهَ مِنْكُمْ فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ وَالصَّلَاةَ وَمَنْ تَبَسَّمَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ. (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۳۶)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک کم نظر آدمی اس گڑھے کے اندر گر گیا، جس پر کھجور کے پٹھوں کی ٹٹی رکھی ہوئی تھی۔ کچھ لوگ آپ کے پیچھے ہنس پڑے جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے، تو آپ نے فرمایا تم میں سے جس نے قہقہہ لگایا ہے وہ وضو کر کے نماز کا اعادہ کرے، اور جو مسکرایا اس پر کچھ نہیں ہے۔

---

(۲۴) وَفَرْضُ الْغُسْلِ اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَغَسْلُ سَائِرِ الْبَدَنِ (۲۵) وَسُنَّةُ الْغُسْلِ أَنْ يَبْدَأَ الْمُغْتَسِلُ بِغَسْلِ يَدَيْهِ وَفَرْجِهِ وَيُزِيْلُ النَّجَاسَةَ إِنْ كَانَتْ عَلٰى بَدَنِهٖ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْئَهُ لِلصَّلٰوةِ إِلَّا غَسْلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى رَأْسِهٖ وَعَلٰى سَائِرِ بَدَنِهٖ ثَلٰثًا ثُمَّ يَتَنَحّٰى عَنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ فَيَغْسِلُ رِجْلَيْهِ.

ترجمہ: (۲۴) اور غسل کا فرض کلی کرنا ناک میں پانی ڈالنا اور تمام بدن کا دھونا ہے۔ (۲۵) اور غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل کرنے والا اپنے ہاتھ اور شرمگاہ کو دھوئے اور نجاست دور کرے اگر ہو اس کے بدن پر پھر نماز جیسا وضو کرے سوائے اپنے دونوں پاؤں کے دھونے کے پھر پانی بہائے اپنے سر پر اور اپنے تمام بدن پر تین مرتبہ پھر اس جگہ سے ہٹے اور اپنے دونوں پیر دھوئے۔

غسل اور اس کے فرائض وسنن کا بیان

تشریح: مصنفؒ نے غسل کے تین فرض بیان کئے ہیں، (۱) اس طرح کلی کرنا کہ سارے منہ میں پانی پہنچ جائے، (۲) ناک میں پانی ڈالنا جہاں تک ناک نرم ہے، (۳) سارے بدن پر پانی پہنچانا۔

غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل کرنے والے کو چاہئے کہ پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے، پھر استنجے کی جگہ۔

دھوئے پھر جہاں بدن پر نجاست لگی ہو پاک کرے پھر وضو کرے اور اگر کسی چوکی یا پتھر پر غسل کرتا ہو تو وضو کرتے وقت پیر بھی دھولے اور اگر ایسی جگہ ہو کہ پیر بھر جائیں گے، اور غسل کے بعد پھر دھونے پڑیں گے، تو سارا وضو کرے مگر پیر نہ دھوئے، پھر وضو کے بعد تین مرتبہ اپنے سر پر پانی ڈالے اس طرح کہ سارے بدن پر پانی بہہ جائے، پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاک جگہ میں آئے اور پیر دھوئے اور اگر وضو کرتے وقت پیر دھولئے ہوں تو اب دھونے کی حاجت نہیں۔

(۲۶) وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ اَنْ تَنْقُضَ ضَفَائِرَهَا فِي الْغُسْلِ اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ اُصُوْلَ الشَّعْرِ

ترجمہ: (۲۶) اور عورت پر ضروری نہیں ہے کہ غسل میں اپنے گندھے ہوئے بالوں کو کھولے جب کہ پانی بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے۔

تشریح: اگر عورت کے سر کے بال گندھے ہوئے نہ ہوں تو سب بال بھگونا اور ساری جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے ایک بال بھی سوکھا رہ گیا یا ایک بال کی جڑ میں پانی نہیں پہنچا تو غسل نہ ہوگا، اور اگر بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کا بھگونا معاف ہے البتہ سب جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے، ایک جڑ بھی سوکھی نہ رہنے پائے اگر بغیر کھولے سب جڑوں میں پانی نہ پہنچ سکے تو کھول ڈالے اور بالوں کو بھی بھگودے۔

(۲۷) وَالْمَعَانِي الْمُوْجِبَةُ لِلْغُسْلِ اِنْزَالُ الْمَنِيِّ عَلٰى وَجْهِ الدَّفْقِ وَالشَّهْوَةِ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ

ترجمہ: (۲۷) اور غسل کو واجب کرنے والے اسباب: منی کا نکلنا ہے، کود کر شہوت کے ساتھ مرد سے ہو یا عورت سے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف نے موجبات غسل کو بیان فرمایا ہے۔

پہلا سبب شہوت کے ساتھ کود کر منی کا نکلنا ہے، خواہ انزال منی مرد سے ہو یا عورت سے نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں ہر صورت میں غسل واجب ہوگا۔

منی کی تعریف: وہ پانی جس کے نکلنے سے انسان کی طبعی خواہش ختم ہو جاتی ہے جو سفید مائل گاڑھی ریزش کی شکل میں ہوتی ہے جو وفور شہوت کے ساتھ جوش کے طریقے سے نکلتی ہے۔ (اللباب ج:۱، ص:۴۱، علم الفقہ ج:۱، ص:۴۴، ایضاح الطحاوی، ج:۱، ص:۱۷۵)

اختلاف الائمہ

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مطلقاً خروج منی سے غسل واجب ہو جائے گا خواہ منی شہوت کے ساتھ نکلی ہو یا بغیر شہوت کے یہی قول امام محمد و امام زفر کا ہے۔ (البحر الرائق ج:۱، ص:۵۷)

دلیل: حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الماءُ مِنَ الماءِ

(مصنف عبدالرزاق ج:۱،ص:۲۵۱) یعنی غسل منی سے واجب ہوتا ہے یہ حدیث شہوت کی قید سے مطلق ہے لہٰذا المطلق یجری علی اطلاقہٖ کے قاعدہ کے مطابق حدیث اپنے اطلاق پر باقی رہے گی۔

جواب: یہ حدیث خروج منی بشہوۃٍ پر محمول ہے کیونکہ حدیث عام ہے مذی، ودی، منی بشہوت اور بغیر شہوت سب کو شامل ہے اور بالاتفاق حدیث میں تمام چیزیں مراد نہیں چونکہ منی بشہوۃ سے بالاتفاق غسل واجب ہوتا ہے لہٰذا حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۵۷، عینی شرح ہدایہ، ج:۱،ص:۱۶۶)

احناف کے نزدیک غسل اس وقت واجب ہوگا جب منی اچھل کر شہوت کے ساتھ نکلے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۶۴)

دلیل: وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا لغت میں جنابت کہتے ہیں شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو لہٰذا انزال منی بشہوت سے غسل واجب ہوگا۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۵۷، فتح القدیر مع العنایہ، ج:۱،ص:۵۳)

---

(۲۸) وَالْتِقَاءُ الْخِتَانَيْنِ مِنْ غَيْرِ اِنْزَالٍ (۲۹) وَالْحَيْضُ وَالنِّفَاسُ

ترجمہ: (۲۷) اور آپس میں دونوں شرمگاہوں کا ملنا چاہے انزال نہ ہو۔ (۲۹) اور حیض اور نفاس۔

تشریح: جب مرد کے پیشاب کے مقام کی سُپاری اندر چلی جائے اور چھپ جائے تو بھی غسل واجب ہوجاتا ہے چاہے منی نکلے یا نہ نکلے، اسی طرح جب حیض کا خون بند ہوجائے تو غسل کرنا فرض ہے اور نفاس کے خون کے بند ہونے پر بھی غسل کرنا فرض ہے

اختلاف الائمہ

بیوی سے صحبت کرنے کی صورت میں اگر انزال نہ ہو تو غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں۔

(۱) عطا بن رباح ہشام بن عروۃ سلیمان بن مہران الاعمش داؤد ظاہری کے نزدیک التقاء ختانین کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ (عینی ج:۱،ص:۱۷۰، نیل الاوطار، ج:۱،ص:۲۳۹، معارف السنن ج:۱،ص:۳۷۰)

دلیل: عَنْ أَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ وَكَانَ اَبُوْ سَلْمَةَ يَفْعَلُ ذالك. (ابوداؤد ج:۱،ص:۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر انزال کے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ غسل واجب ہونے کے لئے انزال کی ضرورت ہے۔

جواب: الماءُ مِن الماءِ یہ حدیث احتلام پر محمول ہے، جیسا کہ ابن عباس نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُهُ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ إِنَّمَا ذٰلِكَ فِى الْإِحْتِلَامِ إِذَا رَاٰى اَنَّهُ يُجَامِعُ ثُمَّ لَمْ يُنْزِلْ فَلَاغُسْلَ عَلَيْهِ. (طحاوی ج:۱،ص:۴۶)

اور احتلام کے بارے میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کپڑا خراب ہوئے، بغیر غسل واجب نہیں ہوتا اگر چہ خواب میں جماع کرتے ہوئے، دیکھا۔

دوسرا مذہب: ائمہ اربعہ جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک التقاء ختانین کی وجہ سے غسل واجب ہوجاتا ہے اگرچہ انزال نہ ہو۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۳۸،عینی ج:۱،ص:۱۷۰،معارف السنن ج:۱،ص:۳۷۰)

دلیل: عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عبدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا يُوْجِبُ الغُسْلَ فَقَالَ إِذَا الْتَقَى الخَتَانَانِ وَغَابَتِ الحَشْفَةُ وَجَبَ الْغُسْلُ أَنْزَلَ أَوْلَمْ يُنْزِلْ . (عینی ج:۱،ص:۱۷۱،اعلاء السنن،ج:۱،ص:۱۴۴،نیل الاوطار،ج:۱،ص:۲۴۰،ترمذی ج:۱،ص:۳۰)

یعنی دونوں ختان جب باہم مل جائیں اور حشفہ غائب ہوجائے تو غسل واجب ہوگا، انزال ہو یا نہ ہو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل واجب ہونے کے لئے انزال کی کوئی شرط نہیں ہے، لہٰذا آپ کا استدلال درست نہیں ہوسکتا۔

---

(۳۰) وَسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الغُسْلَ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ وَالإِحْرَامِ وَعَرَفَةَ .

ترجمہ: (۳۰) اور مسنون کردیا ہے رسول اللہ ﷺ نے جمعہ، عیدین، احرام اور عرفہ کے واسطے غسل۔

تشریح: جمعہ کے دن نماز فجر کے بعد سے جمعہ تک ان لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے، جن پر نماز جمعہ واجب ہے۔

عیدین کے دن فجر کے بعد ان لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے جن پر عیدین کی نماز واجب ہے، حج یا عمرہ کے احرام کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

حج کرنے والے کو نو ذی الحجہ کے دن بعد زوال کے غسل کرنا سنت ہے۔

اختلاف الأئمه

جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے، یا سنت اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) اصحاب ظواہر حسن بصری عطاء بن رباح کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۷۵،نیل الاوطار،ج:۱،ص:۲۵۰)

دلیل: عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ.
(نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۵۰)

اس حدیث میں صیغہ امر کے ساتھ غسل جمعہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن غسل کرنے کا جو حکم فرمایا ہے وہ علت کے ساتھ معلول ہے۔

مثلاً ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام محنت ومزدوری کیا کرتے تھے، پسینہ کی وجہ سے بدبو پیدا ہوجاتی اور انہیں کپڑوں میں بغیر غسل کئے جمعہ پڑھنے مسجد نبوی میں حاضر ہوجاتے اس بدبو کی وجہ سے ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی جس کو ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی محسوس کرلیا تو صحابہ کرام کو فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل ضرور کرلیا کرو۔ جب

فتوحات کی بنیاد پر اللہ نے حالات تبدیل فرمادیئے نوکر چاکر بھی میسر ہو گئے، مسجد میں بھی توسیع کر لی گئی تو بدبو والی بات ختم ہو گئی۔

لہٰذا آپ کا صیغہ امر کے ساتھ حکم فرمانا علت کے ساتھ معلول تھا۔ (طحاوی، ج:۱،ص:۸۹، ابوداؤد ج:۱،ص:۵۱) اس لئے جمعہ کے دن غسل کرنا واجب نہیں ہو سکتا۔

دوسرا مذہب: ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ (اعلاء السنن، ج:۱،ص:۱۵۲، نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۵۰، بذل المجہود ج:۱،ص:۲۰۸)

دلیل: عَنْ سَمُرَةَ ابنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ الْجُمُعَةَ فَبِهَا وَنَعِمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ. (ترمذی، ج:۱،ص:۱۱۱، اعلاء السنن، ج:۱،ص:۱۵۲)

یعنی جو شخص جمعہ کے دن وضو کرے گا، تو وہ وضو اس کے لئے کافی ہوگا، اور جو شخص غسل کرے گا، تو وہ غسل اس کے لئے زیادہ افضل اور باعث ثواب ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا صرف مسنون و مستحب ہے نیز حضرت علیؓ سے منقول ہے قَالَ يُسْتَحَبُّ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْسَ بِحَتْمٍ. (اعلاء السنن، ج:۱،ص:۱۵۳) یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا مسنون و مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

---

(۳۱) وَلَيْسَ فِي الْمَذِيِّ وَالْوَدِيِّ غُسْلٌ وَفِيْهِمَا الْوُضُوْءُ.

ترجمہ: (۳۱) اور مذی اور ودی میں غسل نہیں ہے اور ان دونوں میں وضو ہے۔

تشریح: مذی اور ودی نکلنے کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا البتہ وضو واجب ہوتا ہے۔

مذی کی تعریف: وہ پتلا پانی ہے، جو بیوی سے چھیڑ چھاڑ کرتے وقت نکلتا ہے، اس کے نکلنے میں خاص احساس نہیں ہوتا مذی اللہ کے نظام کے مطابق منی خارج ہونے سے پہلے نکلتی ہے تاکہ منی کے خارج ہونے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ (ایضاح الطحاوی، ج:۱،ص:۱۷۵، علم الفقہ ج:۱،ص:۴۵، بحر الرائق: ج:۱،ص:۶۴)

ودی کی تعریف: یہ طبعی امراض وعوارض کی بنا پر پیشاب سے پہلے یا بعد میں عام طور پر نکلتی ہے، یہ شکل وصورت کے اعتبار سے منی کی طرح ہوتی ہے اس کے نکلنے میں بھی کوئی احساس نہیں ہوتا۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۶۵) یہاں کے عرف میں اس کو "دھات" کی بیماری کہا جاتا ہے۔

---

(۳۲) وَالطَّهَارَةُ مِنَ الْاَحْدَاثِ جَائِزَةٌ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْاَوْدِيَةِ وَالْعُيُوْنِ وَالْآبَارِ وَمَاءِ الْبِحَارِ

ترجمہ: (۳۲) اور ہر قسم کے حدث سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے، بارش، وادیوں، چشموں، کنوؤں اور سمندروں کے پانی کے ذریعہ سے۔

تشریح: احداث حدث کی جمع ہے، حدث کی دو قسمیں ہیں، (۱) حدث اکبر (۲) حدث اصغر،
حدث اکبر: انسان کی وہ حالت جس میں بغیر غسل کئے یا بغیر تیمم کئے نماز یا قرآن کریم پڑھنا درست نہیں۔
حدث اصغر: انسان کی وہ حالت جس میں بغیر وضو یا تیمم کئے نماز پڑھنا درست نہیں ہاں قرآن مجید پڑھنا درست ہے۔ (علم الفقہ، ج:۱،ص:۴۳)

جب مصنف علیہ الرحمہ وضو اور غسل کے بیان سے فارغ ہو گئے۔

تو اب اس چیز کو بیان کریں گے، جس سے طہارت حاصل ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں آسمان کے پانی وادیوں کے پانی چشموں کے پانی کنوؤں اور دریاؤں کے پانی کے ذریعہ طہارت حاصل کرنا جائز ہے، بارش کے پانی کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَآءً طهوراً ہم نے آسمان سے پاک پانی برسایا۔

سمندر کے پانی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، **هُوَ الطُّهُوْرُ مَآؤُهٗ وَالحِلُّ مَيْتَتُهٗ.** (ترمذی ج:۱،ص:۲۱) اس کا پانی پاک اور مردار حلال ہے۔

چشموں کنوؤں اور وادیوں کا پانی بھی حقیقت میں آسمان کا پانی ہے۔ **كما قال الله تعالىٰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ** . (سورۂ زمر، آیت ۲۱)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین کے۔ (معارف القرآن ج:۷،ص:۵۴۸)

---

(۴۳) وَلَاتَجُوْزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ اُعْتُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ والثَّمرِ

ترجمہ: (۴۳) اور جائز نہیں ہے پاکی حاصل کرنا ایسے پانی سے جو نچوڑا گیا ہو درخت اور پھل سے۔
تشریح: کسی درخت یا پھل یا پتوں سے نچوڑے ہوئے عرق سے وضو اور غسل درست نہیں اسی طرح جو پانی تربوز سے نکلتا ہے اس سے اور گنے وغیرہ کے رس سے وضو اور غسل درست نہیں ہے۔

---

(۴۴) وَلَا بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ فَاَخْرَجَهٗ عَنْ طَبْعِ الْمَاءِ كَالْاَشْرِبَةِ وَالْخَلِّ وَالْمَرَقِ وَمَاءِ الْبَاقِلَّاءِ وَمَاءِ الْوَرْدِ وَمَاءِ الزَّرْدَجِ .

ترجمہ: (۴۴) اور ایسے پانی سے بھی جائز نہیں ہے جس پر پانی کے علاوہ دوسری چیز غالب ہو گئی پس اس نے پانی کو اپنی طبیعت سے نکال دیا، جیسے ہر قسم کا شربت، سرکہ، شوربا، لوبیٔ کا پانی گلاب کا پانی گاجر کا پانی۔
تشریح: جس پانی میں کوئی اور چیز مل گئی ہو یا پانی میں کوئی چیز پکائی گئی ہو اور ایسا ہو گیا ہو کہ بول چال میں اس کو پانی نہیں کہتے بلکہ اس کا کچھ اور نام ہو گیا تو اس سے وضو اور غسل جائز نہیں جیسے شربت، شیرہ، شوربا، سرکہ، گلاب وغیرہ کا عرق۔

(۳۵) وَتَجُوْزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ خَالَطَهُ شَيْءٌ طَاهِرٌ فَغَيَّرَ أَحَدَ اَوْصَافِهِ كَمَاءِ الْمَدِّ وَالْمَاءِ الَّذِيْ يَخْتَلِطُ بِهِ الْاُشْنَانُ وَالصَّابُوْنُ وَالزَّعْفَرَانُ.

ترجمہ: (۳۵) اور جائز ہے پاکی حاصل کرنا ایسے پانی سے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور پانی کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدل دیا ہو، جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں اشنان صابون اور زعفران مل گیا ہو۔

تشریح: جس پانی میں کوئی پاک چیز پڑ گئی اور پانی کے رنگ مزے یا بو میں فرق آ گیا لیکن وہ چیز پانی میں پکائی نہیں گئی نہ پانی کے پتلا ہونے میں کچھ فرق آیا جیسے کہ بہتے ہوئے پانی میں کچھ ریت ملی ہوئی ہوتی ہے یا پانی میں زعفران پڑ گیا۔

اور اس کا بہت ہلکا سا رنگ آ گیا یا صابن پڑ گیا تو وضو اور غسل درست ہے۔

تنبیہ: قدوری کی عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر پانی کے دو وصف یا زیادہ متغیر ہو گئے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے مگر اصح قول کے مطابق وضو کرنا جائز ہے۔ (عینی ج:۱ص:۱۸۹)

(۳۶) وَكُلُّ مَاءٍ دَائِمٍ اِذَا وَقَعَتْ فِيْهِ نَجَاسَةٌ لَمْ يَجُزِ الْوُضُوْءُ بِهِ قَلِيْلًا كَانَ اَوْ كَثِيْرًا لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِحِفْظِ الْمَاءِ مِنَ النَّجَاسَةِ فَقَالَ لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيْهِ مِنَ الْجَنَابَةِ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْاِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَاِنَّهُ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ. (۳۷) وَاَمَّا الْمَاءُ الْجَارِيْ اِذَا وَقَعَتْ فِيْهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوْءُ اِذَا لَمْ يُرَ لَهَا اَثَرٌ لِاَنَّهَا لَا تَسْتَقِرُّ مَعَ جَرَيَانِ الْمَاءِ (۳۸) وَالْغَدِيْرُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ لَا يَتَحَرَّكُ اَحَدُ طَرَفَيْهِ بِتَحْرِيْكِ الطَّرْفِ الْآخَرِ اِذَا وَقَعَتْ فِيْ اَحَدِ جَانِبَيْهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوْءُ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ لِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّ النَّجَاسَةَ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ.

ترجمہ: (۳۶) اور ہر ایسا پانی جو رکا ہوا ہو اگر اس میں کوئی ناپاکی گر جائے تو اس پانی سے وضو جائز نہیں ہے کم ہو یا زیادہ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے ناپاکی سے پانی کی حفاظت کا چنانچہ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں ناپاکی کا غسل کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اسے تین بار دھوئے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری۔ (۳۷) لیکن جاری پانی میں جب نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز ہے جب تک کہ اس کا اثر دکھائی نہ دے کیونکہ نجاست نہیں ٹھہر سکتی پانی کے بہاؤ کے ساتھ۔ (۳۸) اور بڑا تالاب وہ ہے کہ جس کی ایک جانب حرکت دینے سے دوسری جانب متحرک نہ ہو، جب اس کی ایک جانب نجاست پڑ جائے، تو دوسری جانب سے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نجاست دوسری جانب نہیں پہنچی ہوگی۔

تشریح: جس پانی میں نجاست پڑ جائے، اس سے وضو غسل درست نہیں چاہے وہ ٹھہرا ہوا پانی تھوڑا ہو یا زیادہ البتہ اگر بہتا ہوا پانی ہو تو وہ نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے رنگ یا مزے یا بو میں فرق نہ آئے اگر فرق آ گیا تو بہتا ہوا پانی بھی نجس ہو جائے گا۔

پانی میں نجاست گرنے سے پانی کے پاک رہنے اور ناپاک ہو جانے کے سلسلہ میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالک کے نزدیک پانی میں نجاست گرنے سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوگا، جب تک کہ پانی کے اوصاف ثلثہ میں سے کوئی ایک وصف متغیر نہ ہو پانی کم ہو یا زیادہ۔ (بذل المجہود ج:۱ص:۴۳، نیل الاوطار، ج:۱ص:۳۹، معارف السنن، ج:۱ص:۲۲۲)

دلیل: امام مالک نے اپنے مذہب پر بئر بضاعہ والی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں صحابی کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ الْمَاءَ طُهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ (ترمذی شریف ج:۱ص:۲۱ طحاوی شریف ج:۱ص:۱۱) یعنی پانی پاک ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کرتی اس حدیث میں ماء قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں ہر پانی کے بارے میں یہی فرمایا گیا ہے کہ وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت بئر بضاعہ کے حق میں وارد ہوئی ہے اور بئر بضاعہ کا پانی باغوں میں جاری تھا، لہٰذا اس سے ٹھہرے ہوئے پانی کے نجس نہ ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔ (طحاوی ج:۱ص:۱۱، البحر الرائق ج:۱ص:۸۳ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱ص:۶۶)

دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر ماء قلیل میں نجاست گر جائے تو مطلقاً ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک نہ بھی بدلے اور اگر ماء کثیر میں نجاست گر جائے، تو پانی اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا، جب تک کہ احد الاوصاف میں تغیر نہ ہو۔ (بدائع الصنائع ج:۱ص:۲۱۷، نیل الاوطار ج:۱ص:۳۹)

پھر ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ کتنے پانی کو قلیل کہیں گے، اور کتنے کو کثیر۔

شافعیہ اور حنابلہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر پانی قلتین کے بقدر یا اس سے زائد ہے تو کثیر ہے اور قلتین سے کم ہو تو قلیل ہے۔ (البحر الرائق :۱/ ۷۸، معارف السنن :۱/ ۲۲۱، بدائع الصنائع :۱/ ۲۱۷) احناف کے نزدیک ماء قلیل کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ مبتلیٰ بہ کی رائے معتبر ہے، اگر مبتلیٰ بہ کا گمان اس حوض کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی ایک جانب کی نجاست کا اثر دوسری جانب پہنچ جاتا ہے، تب تو قلیل ہے اور اگر اس کا ظن غالب یہ ہے کہ دوسرے کنارے تک اس کا اثر نہیں پہنچتا تو وہ کثیر ہے۔ (فتح القدیر، ج:۱ص:۶۸، البحر الرائق ج:۱ص:۷۸، معارف السنن ج:۱ص:۲۲۱)

امام یوسف کے نزدیک ایک طرف حرکت دینے سے دوسری طرف حرکت ہو جائے تو وہ ماء قلیل ہے اور اگر حرکت نہ ہو تو ماء کثیر ہے۔

تیسرا قول امام محمد کا ہے، اگر دہ در دہ سے کم ہو تو قلیل ہے اور اگر دہ در دہ یا اس سے زیادہ ہے تو کثیر ہے، قول اول محقق ہے، لیکن متاخرین نے عوام الناس کی آسانی کے لئے قول ثالث پر فتویٰ دیا ہے۔

(البحر الرائق مع منحۃ الخالق ج:۱ص:۷۸تا۸۰)

شافعیہ وحنابلہ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے جس میں ہے کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے متعلق سوال کیا جس میں درندے وغیرہ منہ ڈال دیا کرتے ہیں تو آپ نے جواباً فرمایا: إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ. (البحر الرائق ج:۱ص:۸۵، نیل الاوطار ج:۱ص:۴۰) یعنی جب پانی دو قلہ کے برابر ہو تو ناپاک نہیں ہوتا، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مقدار قلتین ماء کثیر ہے اور اس سے کم ماء قلیل ہے۔

جواب: آپ کی پیش کردہ حدیث کی سند ومتن میں اضطراب ہے۔ (بذل المجہود ج:۱ص:۴۱، البحر الرائق ج:۱ص:۸۵، نیل ج:۱ص:۴۰)

مذکورہ کتابوں میں تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

(۲) مصداق میں بھی اضطراب ہے بعض مٹکے دو مشکیزے کے برابر ہوتے ہیں اور بعض ڈھائی مشکیزے کے اور بعض تین مشکیزے کے اور بعض چار اور بعض پانچ پانچ مشکیزوں کے برابر ہوتے ہیں، تو دو قلہ سے مراد کس مقدار کے قلہ ہوں گے، حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے ان اضطرابات کی بنیاد پر حدیث قلتین سے استدلال کرکے ماء کثیر کی مقدار دو مٹکوں کو ثابت کرنا اور اس پر عمل کرنا بڑا دشوار نظر آتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی، ص:۹۰، ۹۱، جلد اول)

نیز نجاست ماء کے ثبوت کے لئے نہایت مضبوط دلائل کی ضرورت ہے حدیث القلتین کو اگر ضعیف نہ کہا جائے تب بھی اس کا درجہ حسن سے اوپر نہیں جاتا جب کہ احناف نے نجاست ماء کے سلسلہ میں جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ صحت کے اعلیٰ مقام پر ہیں اس لئے حدیث القلتین ان روایات صحیحہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ (درس ترمذی ج:۱ص:۲۷۶)

احناف کی دلیل: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلُ فِيْهِ مِنَ الْجَنَابَةِ (ابوداؤد ج:۱ص:۱۰)

آپ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور غسل جنابت سے منع فرمایا ہے، حالانکہ غسل جنابت کرنے سے بلکہ پیشاب کرنے سے بھی پانی کے رنگ بو مزہ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی اگر پانی کسی حال میں بھی ناپاک نہیں ہوتا تو پھر منع کرنے کا کیا فائدہ (عینی ج:۱ص:۱۹۷)

دوسری دلیل: إِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ. (بدائع الصنائع ج:۱ص:۲۱۷)

اس حدیث میں محض احتمال نجاست کی بنا پر پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع کردیا گیا تو حقیقۃً پانی میں نجاست پڑ جانے کے بعد تو بدرجۂ اولیٰ پانی ناپاک ہوجائے گا۔ (عینی ج:۱ص:۱۹۶، بدائع الصنائع ج:۱ص:۲۱۷)

---

(۳۹) وَمَوْتُ مَالَيْسَ لَهُ نَفْسٌ سَائِلَةٌ فِي الْمَاءِ لَايُفْسِدُ الْمَاءَ كَالْبَقِّ وَالذُّبَابِ وَالزَّنَابِيْرِ وَالْعَقَارِبِ

ترجمہ: (۳۹) اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جس میں بہنے والا خون نہ ہو تو وہ اس پانی کو ناپاک نہیں کرتا

ہے، جیسے مچھر، مکھی، بھڑ، بچھو۔

تشریح: جس پانی میں ایسی جاندار چیز مرجائے جس کے اندر بہتا ہوا خون نہیں ہوتا یا باہر مرکر پانی میں گر پڑے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا، جیسے مچھر، مکھی، بھڑ، بچھو، شہد کی مکھی وغیرہ۔

امام شافعیؒ کا قول بھی حنفیہ کے موافق ہے اور یہی ان کے مذہب میں معتبر ہے، جیسا کہ علامہ نووی نے شرح مہذب میں اس کی صراحت کی ہے۔ (البحر الرائق، ج:۱،ص:۹۳)

مذکورہ مسئلہ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِيْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ ثُمَّ انْقُلُوْهُ فَاِنَّ فِيْ اَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً وَفِي الْآخَرِ دَوَاءً وَهُوَ يُقَدِّمُ الدَّاءَ عَلَى الدَّوَاءِ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۹۹)

جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے (جس میں کھانا ہے) تو اس کو کھانے میں ڈبو دو پھر اس کو نکال ڈالو کیونکہ اس کے دو پروں میں سے ایک میں بیماری ہے اور دوسرے میں دوا ہے اور مکھی بیماری کو دوا پر مقدم کرتی ہے (بیماری والے پر کو کھانے کے اندر پہلے ڈالتی ہے)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکھی کو ڈبونے کا حکم دیا ہے اگر ڈبونے کی وجہ سے ناپاکی ثابت ہوتی تو آپ ایسا حکم ہرگز نہ فرماتے، جب مکھی میں یہ حکم ثابت ہو گیا تو وہ تمام جاندار جن میں بہنے والا خون نہیں ہے ان کا بھی یہی حکم ہوگا۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۹۳، اعلاء السنن، ج:۱،ص:۱۸۰)

---

(۴۰) وَمَوْتُ مَا يَعِيْشُ فِي الْمَاءِ لَايُفْسِدُ الْمَاءَ كَالسَّمَكِ وَالضِّفْدَعِ وَالسَّرْطَانِ.

ترجمہ: (۴۰) اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جو پانی میں زندگی گذارتا ہے، پانی کو خراب نہیں کرے گا جیسے مچھلی، مینڈک اور کیکڑا۔

تشریح: جس جانور کی پیدائش پانی کی ہو اور ہر دم پانی میں رہا کرتا ہو اس کے مرجانے سے پانی خراب نہیں ہوتا پاک رہتا ہے، جیسے مچھلی مینڈک کچھوا وغیرہ۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مچھلی کے علاوہ اور جانوروں کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

دلیل: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ یعنی تم پر مردار حرام کیا گیا اور کسی چیز کی حرمت جب کرامت اور بزرگی کے طریقہ پر نہ ہو تو وہ ناپاک ہونے کی علامت ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۹۸، عینی ج:۱،ص:۲۱۲)

جواب: حرام ہونے کے لئے کسی چیز کا ناپاک ہونا ضروری نہیں جیسے مٹی کھانا حرام ہے حالانکہ اس کی حرمت اس کے احترام کی بنیاد پر نہیں ہے جس سے اس کا ناپاک ہونا لازم آئے۔ (عینی ج:۱،ص:۲۱۱ عنایہ من هامش فتح القدیر ج:۱،ص:۷۳)

حنفیہ کی دلیل: خون دھوپ میں سیاہ پڑ جاتا ہے، اور مذکورہ جانوروں میں جو رطوبت بہہ کر نکلتی ہے، وہ دھوپ میں سفید پڑ جاتی ہے، معلوم ہوا کہ ان جانوروں میں خون نہیں ہے اور نجس خون ہوتا ہے، پس جب ان میں خون نہیں ہے تو ان جانوروں کے مرنے سے پانی ناپاک نہ ہوگا۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۲۱۳)

(۴۱) وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَایَجُوْزُ اِسْتِعْمَالُهٗ فِیْ طَهَارَةِ الْاَحْدَاثِ (۴۲) وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ كُلُّ مَاءٍ اُزِيْلَ بِهٖ حَدَثٌ اَوِ اسْتُعْمِلَ فِی الْبَدَنِ عَلٰى وَجْهِ الْقُرْبَةِ .

ترجمہ: (۴۱) اور مستعمل پانی کا استعمال احداث کی طہارت میں جائز نہیں۔ (۴۲) اور مستعمل پانی وہ ہے جس سے دور کی گئی ہو کوئی ناپاکی یا استعمال کیا گیا ہو بدن میں قربت الٰہی کے طور پر۔

تشریح: (۱) جو پانی پاک چیزیں دھونے کے لئے استعمال کیا گیا ہو مثلاً غلہ جات سبزیوں اور پاک کپڑوں کا دھووَن یہ بالاتفاق پاک ہے۔

(۲) جو پانی نجاست حقیقیہ دور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو جیسے استنجے کا پانی اور ناپاک کپڑوں کا دھووَن یہ بالاتفاق ناپاک ہے۔

(۳) وہ پانی جس کے ذریعہ سے حدث اصغر یا اکبر کا ازالہ کیا گیا ہو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

مذہب ۱ امام مالک فرماتے ہیں کہ ماء مستعمل پاک بھی ہے اور پاک کرنے والا بھی ہے یہی ایک روایت امام شافعی سے منقول ہے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۷۴)

دلیل: اللہ نے اپنے کلام مقدس میں ماء مطلق کو طہور فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے وانزلنا من السَّمَاءِ مَاءً طهورًا طہور مبالغہ کا صیغہ ہے، معنی ہوں گے بار بار پاک کرنا، پس لفظ طہور اس بات کا فائدہ دے گا کہ پانی ایک بار استعمال کرنے کے بعد دوسری بار پاک کرے گا اور تیسری بار پاک کرے گا، معلوم ہوا کہ آب مستعمل پاک کرنے والا ہے اور جو مطہر ہوگا وہ طاہر بھی ضرور ہوگا۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۰۲، عینی ج:۱،ص:۲۱۵،۲۱۶)

جواب: طہور اس چیز کا نام ہے جس سے پاکی حاصل کی جائے جیسے سحور وہ کھانا جو صبح سے تھوڑی دیر پہلے کھایا جائے اس صورت میں پانی کے بار بار مطہر ہونے پر دلالت نہیں ہوتی۔ (عینی ج:۱،ص:۲۱۶)

احناف کا مشہور و مفتی بہ قول یہ ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے، یہی مذہب امام شافعی و امام احمد کا ہے۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۹۹، عینی ج:۱،ص:۲۱۸)

ماء مستعمل کے طاہر ہونے پر دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام اپنے کپڑوں برتنوں اور اپنے بدن کو ماء مستعمل سے بچانے کا اہتمام نہ کرتے تھے اور اگر ماء مستعمل لگ جاتا تو دھلنے کا بھی رواج نہ تھا۔

ماء مستعمل کے مطہر نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو اسفار میں پانی کی کافی حاجت ہوتی، ماء مستعمل کے علاوہ اکثر پانی نصیب نہ ہوتا خاص طور سے حجاز کے اطراف و جوانب میں ایسی حالت میں بھی کسی صحابی نے ماء مستعمل سے کبھی وضو نہ کیا نہ آپ نے ماء مستعمل کو جمع کرنے کا کبھی حکم فرمایا۔ (اعلاء السنن، ج:۱، ص:۱۸۳)

(۴۳) وَكُلُّ أُهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ جَازَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ اِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيْرِ وَالْآدَمِيِّ

ترجمہ: (۴۳) اور ہر کچی کھال جس کو دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی اس دباغت دی ہوئی کھال میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس سے وضو کرنا (جائز ہے) سوائے خنزیر اور آدمی کی کھال کے۔

تشریح: مردار کی کھال جب دھوپ میں سکھا ڈالیں یا کچھ دوا وغیرہ لگا کر درست کرلیں تو پاک ہوجاتی ہے اب دباغت شدہ کھال کا لباس پہن کر نماز پڑھنا درست ہے اور مشک وغیرہ بنا کر اس میں پانی رکھنا اور اس سے پانی لے کر وضو کرنا بھی درست ہے۔

دباغت کی تعریف: کھال کی بدبو اور ناپاک رطوبات کو دور کرنے کا نام دباغت ہے دباغت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱ حقیقی، ۲ حکمی۔

حقیقی کی تعریف: ببول کے پتے نمک انار کے چھلکے وغیرہ کے ذریعہ بدبو دور کرنا۔

حکمی کی تعریف: دھوپ میں سکھا کر یا ہوا میں ڈال کر یا مٹی مل کر بدبو دور کرنا۔ (البحر الرائق ج:۱،ص: 105)

مصنف علیہ الرحمہ کی عبارت میں دونوں قسمیں مراد ہیں۔

دباغت دینے کے بعد کھال پاک ہوجائے گی یا نہیں۔

اس سلسلہ میں تین مذاہب نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام احمد بن حنبل کی مشہور روایت یہ ہے کہ مردار کی کھال دباغت دینے سے پاک نہیں ہوتی ہے یہی ایک روایت امام مالک سے منقول ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۷،البحر الرائق ج:ص:۱۰۹)

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِاِهَابٍ وَّلَا عَصَبٍ (نیل الاوطار، ج:۱،ص:۲۷،ترمذی:۱/۳۰۳،البحر الرائق:۱/۱۱۰) یعنی مردار کی کھال اور پٹھے کے ساتھ نفع مت اٹھاؤ۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کی کھال سے انتفاع کرنے سے منع فرمادیا ہے اور یہ حدیث ان تمام احادیث کے لئے ناسخ بنے گی جن میں فرمایا گیا کہ جو کھال دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی۔ (نیل الاوطار، ج:۱،ص:۲۷)

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت لَاتَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِاِهَابٍ وَّلَا عَصَبٍ کا مطلب یہ ہے کہ اس کھال سے انتفاع نہ کرو جس کو ابھی دباغت نہ دی گئی ہو، کیونکہ اِهَاب بغیر دباغت کی کھال کو کہتے ہیں، دباغت کے بعد نفع اٹھا

نے کی ممانعت اس حدیث میں نہیں ہے۔

اور اَیُّمَا اِھَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَھُرَ. میں فرمایا ہے کہ دباغت کے بعد مردار کی کھال پاک ہے۔ (درس ترمذی ج:۵،ص:۳۳۸)

لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے تو ناسخ و منسوخ کا دعویٰ بھی درست نہ ہوگا۔

امام شافعی کے نزدیک کتے کی کھال دباغت کے بعد پاک نہیں ہوتی ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ ج:۱،ص:۱۷، البحر الرائق ج:۱،ص:۱۰۹، نیل ج:۱،ص:۷۲، عینی ج:۱،ص:۲۲۷)

دلیل: جس طرح خنزیر کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی اسی طرح کتے کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔ (نیل الاوطار، ج:۱،ص:۷۲، فتح القدیر ج۱،ص:۸۱)

جواب: کتے کی کھال کو خنزیر کی کھال پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ صحیح قول کی بنیاد پر کتا نجس العین نہیں ہے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۸۲)

احناف کے نزدیک خنزیر اور آدمی کی کھال کے علاوہ ہر کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۷۳)

دلیل: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَادَ أَنْ يَّتَوَضَّأَ مِنْ سِقَاءٍ فَقِيْلَ لَهُ أَنَّهُ مَيْتَةٌ فَقَالَ دِبَاغُهُ يُزِيْلُ خَبْثَهُ أَوْ نَجْسَهُ أَوْ رِجْسَهُ. (نیل الاوطار ج:۱،ص:۷۲ عینی ج:۱،ص:۲۲۵)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشکیزہ سے وضو کرنے کا ارادہ کیا تو آپ سے کہا گیا یہ مردار کی کھال کا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دباغت دینا اس کے خبث کو اس کی نجاست کو اس کی گندگی کو دور کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی کھال دباغت دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔

---

(۴۴) وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ.

ترجمہ: (۴۴) اور مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہے۔

تشریح: مردار کے بال سینگ ہڈی اور دانت یہ سب چیزیں پاک ہیں اگر پانی میں پڑ جائیں تو نجس نہ ہوگا، البتہ اگر ہڈی اور دانت وغیرہ پر اس مردار جانور کی کچھ چکنائی وغیرہ لگی ہو تو وہ نجس ہے اور پانی بھی نجس ہو جائے گا، آدمی کی ہڈی اور بال پاک ہیں؛ لیکن ان کو برتنا اور کام میں لانا جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ تمام چیزیں ناپاک ہیں۔

دلیل: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ تم پر مردار حرام کیا گیا ہے، یہ آیت عام ہے اس میں کسی چیز کی کوئی تفصیل

نہیں ہے لہٰذا مذکورہ تمام چیزیں مردار کے درجہ میں ہو کر ناپاک ہوں گی۔ (عینی ج:۱،ص:۲۳۴، البحر الرائق ج:۱،ص:۱۱۳)

جواب: مردار نام ہے اس چیز کا جس سے بغیر ذبح کئے زندگی ختم ہو جائے اور مذکورہ چیزوں میں کوئی حیات نہیں ہے کیونکہ ان میں سے اگر کسی چیز کو کاٹا جائے تو جانور کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا ہے لہٰذا ان میں میتہ ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ (عینی ج:۱،ص:۲۳۴)

---

(۴۵) وَاِذَا وَقَعَتْ فِي الْبِئْرِ نَجَاسَةٌ نُزِحَتْ وَكَانَ نَزْحُ مَافِيْهَا مِنَ الْمَاءِ طَهَارَةً لَهَا

ترجمہ: (۴۵) اور جب کنوئیں میں کوئی نجاست گر جائے تو کنوئیں (کا پانی) نکالا جائے اور اس چیز کا نکالنا جو کنویں میں ہے یعنی پانی اس کنویں کے لئے طہارت ہوگا۔

تشریح: جب کنوئیں میں کچھ نجاست گر پڑے تو کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اور پانی کھینچ ڈالنے سے پاک ہو جاتا ہے چاہے تھوڑی نجاست گرے یا بہت ساری پانی نکالنا چاہئے، جب سارا پانی نکل جائے گا تو پاک ہو جائے گا، کنویں کے اندر کنکر دیوار وغیرہ کے دھونے کی ضرورت نہیں وہ سب خود بخود پاک ہو جاتی ہے، اسی طرح رسی ڈول جس سے پانی نکالا ہے کنویں کے پاک ہونے سے یہ چیزیں بھی پاک ہو جائیں گی سب پانی نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا نکالیں کہ پانی ٹوٹ جائے اور آدھا ڈول بھی نہ بھرے۔

---

(۴۶) فَاِنْ مَاتَتْ فِيْهَا فَأْرَةٌ أَوْ عُصْفُوْرَةٌ اَوْ صَعْوَةٌ اَوْسَوْدَانِيَّةٌ أَوْسَامُّ اَبْرَصَ نُزِحَ مِنْهَا مَابَيْنَ عِشْرِيْنَ دَلْوًا اِلٰى ثَلٰثِيْنَ بِحَسْبِ كُبْرِ الدَّلْوِ وَصُغْرِهَا.

ترجمہ: (۴۶) چنانچہ اگر اس کنویں میں چوہا یا چڑیا یا چھوٹا چڑا یا بھجنگا یا چھپکلی مر جائے تو کنویں سے بیس ڈول نکالے جاویں تیس تک ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے اعتبار سے۔

تشریح: اگر چوہا چڑیا یا بڑی چھپکلی جس میں بہتا ہوا خون ہو یا اس کے برابر کوئی چیز گر کر مر گئی لیکن پھولی پھٹی نہیں تو بیس ڈول نکالنا واجب ہے اور تیس ڈول نکالنا مستحب ہے اگر ڈول بڑا ہے تو بیس ڈول اور اگر چھوٹا ہے تیس ڈول لیکن اولاً مردہ جانور نکال لیں پھر پانی نکالنا شروع کریں ایک چوھے سے لے کر چار چوھے تک یہی حکم ہے اور پانچ سے نو تک چالیس ڈول نکالنا واجب ہے اور دس چوھوں میں پورا پانی نکالنا واجب ہے۔ (فتح القدیر مع العنایہ ج:۱،ص: ۸۹، عینی ج:۱،ص:۲۴۹)

مذکورہ مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جب ایک مرتبہ کنویں میں چوہا گر کر مر گیا اور فوراً نکال لیا گیا تو بیس ڈول پانی نکال دیا جائے اور حضرت ابن عباس نے تیس ڈول نکالنے کا حکم دیا دونوں حدیثوں کے تعارض کو ختم کرنے کے لئے حدیث انسؓ کو وجوب پر اور حدیث ابن عباس کو استحباب پر محمول کریں گے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۸۹تا۹۰)

(۴۷) وَاِنْ مَاتَتْ فِيهَا حَمَامَةٌ اَوْ دَجَاجَةٌ اَوْ سِنَّوْرٌ نُزِحَ مِنهَا مَابَيْنَ اَرْبَعِيْنَ دَلْوًا اِلٰى خَمْسِيْنَ

ترجمہ: (۴۷) اور اگر مر جائے اس میں کبوتر یا مرغی یا بلی تو نکالے جائیں گے چالیس ڈول سے پچاس ڈول تک۔

تشریح: اگر کبوتر یا مرغی یا بلی یا اسی کے برابر کوئی چیز کنویں میں گر کر مر جائے یا مرا ہوا گر جائے اور پھولے پھٹے نہیں تو چالیس ڈول نکالنا واجب ہے اور پچاس ڈول نکالنا مستحب ہے۔

دلیل: عن ابی سعید الخدریؓ اَنَّهٗ قَالَ فِي الدَّجَاجَةِ اِذَا مَاتَتْ فِي الْبِئْرِ يُنْزَحُ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ دَلْوًا اَوْ خَمْسُوْنَ. (عینی ج:۱،ص:۲۵۱)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس مرغی کے بارے میں فرمایا جو کنویں میں گر کر مر گئی کہ اس کنویں سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جائیں۔

(۴۸) وَاِنْ مَاتَ فِيهَا كَلْبٌ اَوْشَاةٌ اَوْ اٰدَمِيٌّ نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ.

ترجمہ: (۴۸) اور اگر مر جائے اس میں کتا یا بکری یا آدمی تو جو کچھ اس میں پانی ہے سب نکالا جائے۔

تشریح: اگر آدمی کتا یا بکری یا اس کے برابر کوئی جانور گر کر مر جائے تو سارا پانی نکالا جائے اور اگر باہر مرے پھر کنویں میں گرے تب بھی یہی حکم ہے۔

دلیل: لِاَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزُّبَيْرِ اَفْتَيَا بِنَزْحِ الْمَاءِ كُلِّهٖ حِيْنَ مَاتَ زَنْجِيٌّ فِي بِئْرِ زَمْزَمَ كَمَا رَوَاهُ ابْنُ سِيْرِيْنَ. (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۲۵)

جب ایک حبشی زمزم کے کنویں میں گر کر مر گیا تو ابن عباس اور عبداللہ بن زبیرؓ نے پورا پانی نکالنے کا حکم دیا تھا۔

(۴۹) وَاِنِ انْتَفَخَ الْحَيَوَانُ فِيْهَا اَوْ تَفَسَّخَ نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيْهَا صَغُرَ الْحَيَوَانُ اَوْ كَبُرَ

ترجمہ: (۴۹) اور اگر جانور کنوئیں میں پھول جائے یا پھٹ جائے تو نکالا جائے سارا پانی جو اس میں موجود ہے جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

(۵۰) وَعَدَدُ الدِّلَاءِ يُعْتَبَرُ بِالدَّلْوِ الْوَسَطِ الْمُسْتَعْمَلِ لِلْآبَارِ فِي الْبُلْدَانِ (۵۱) فَاِنْ نُزِحَ مِنْهَا بِدَلْوٍ عَظِيْمٍ قَدْرَ مَا يَسَعُ مِنَ الدِّلَاءِ الْوَسَطِ اُحْتُسِبَ بِهٖ

ترجمہ: (۵۰) اور ڈولوں کا شمار معتبر ہے اس درمیانی ڈول سے جو کنوؤں پر استعمال ہوتا ہے شہروں میں۔ (۵۱) اگر نکالدی گئی بڑے ڈول سے کنویں سے اتنی مقدار جو سماتی ہو درمیانی ڈولوں میں تو درمیانی ڈول سے حساب لگایا جائے گا۔

تشریح: یہاں درمیانی درجہ کا ڈول معتبر ہے درمیانی درجہ کا ڈول وہ ہے کہ جس کو شہر میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے یا اس کو کنوئیں پر عام طریقہ سے استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ اگر بڑے ڈول سے پانی نکالا گیا جس میں بہت پانی سماتا ہو تو اس کا حساب لگالینا چاہئے۔

---

(۵۲) وَاِنْ كَانَ الْبِيْرُ مُعِيْناً لَا يُنْزَحُ وَوَجَبَ نَزْحُ مَا فِيْهَا اُخْرِجُوْا مِقْدَارَ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ (۵۳) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ اَنَّهُ قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا مِأَتَا دَلْوٍ اِلٰى ثَلٰثِ مِأَةٍ

ترجمہ: (۵۲) اور اگر کنواں جاری ہو کہ اس کا پانی نہ نکالا جاسکتا ہو اور جو پانی اس میں ہے اس کا نکالنا ضروری ہو تو جو پانی اس میں (گرنے کے وقت موجود ہو) اس کی مقدار نکال دیا جائے (۵۳) اور امام محمد سے مروی ہے انہوں نے فرمایا دو سو سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کنویں میں اتنا بڑا سوت ہے کہ سب پانی نہیں نکل سکتا جیسے جیسے پانی نکالتے ہیں ویسے ویسے اس میں سے اور پانی نکلتا ہے تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ نجاست کے گرنے کے وقت اس میں جتنا پانی موجود ہو اندازہ کر کے اتنی مقدار نکال ڈالیں، ورنہ تین سو ڈول نکلوادیں کنواں پاک ہو جائے گا۔

اختلاف الائمہ

۱ نجس کنویں کو پاک کرنے کے لئے اتنا پانی نکالا جائے کہ پانی ان کو تھکا کر مغلوب کردے۔

۲ دو آدمیوں سے جن کو پانی پہچاننے میں مہارت ہو اندازہ کرالیا جائے جتنے ڈول وہ بتائیں اتنے ڈول نکالدیئے جائیں اول قول امام صاحب سے منقول ہے اور دوسرا قول ابونصر محمد بن سلام سے منقول ہے۔ (البحر ج:۱ص:۱۲۹)

۳ کنویں میں رسی ڈال کر ناپا جائے کہ کتنے ہاتھ پانی ہے پھر کچھ ڈول پانی نکال کر رسی ڈالی جائے کہ کتنے ہاتھ پانی کم ہو گیا اسی حساب سے پانی نکال ڈالا جائے مثلاً رسی ڈال کر دیکھا دس ہاتھ پانی ہے سو ڈول نکالنے کے بعد پھر رسی ڈال کر دیکھا تو ایک ہاتھ کم ہو گیا تو نو سو ڈول اور نکال دیئے جائیں۔

۴ کنویں میں جس قدر پانی ہے اتنا ہی گہرا لانبا چوڑا گڑھا کھودا جائے اور اس قدر پانی نکالا جائے کہ وہ گڑھا بھر جائے یہ دونوں قول امام ابویوسف سے منقول ہیں۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۱۲۹)

۵ دو سو سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں۔

۶ ڈھائی سو سے تین سو تک نکالے جائیں یہ دونوں قول امام محمد سے منقول ہے۔ (الجوہرة النیرہ ج:۱ص:۲۰)

لوگوں کی آسانی کی خاطر فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۱۲۹، اللباب فی شرح الکتاب ۱/۵۰)

---

(۵۴) وَاِذَا وُجِدَ فِي الْبِيْرِ فَارَةٌ مَيْتَةٌ اَوْغَيْرُهَا وَلَايَدْرُوْنَ مَتٰى وَقَعَتْ وَلَمْ تَنْتَفِخْ وَلَمْ تَنْفَسِخْ اَعَادُوْا

صَلٰوةَ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ اُذَا کَانُوْا تَوَضَّأُوْا مِنهَا وَغَسَلُوْا کُلَّ شَیْءٍ اَصَابَهٗ مَآءُهَا (۵۵) وَاِنِ انْتَفَخَتْ او تَفَسَّخَتْ اَعَادُوْا صَلٰوةَ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهَا فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ (۵٦) وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَیْسَ عَلَیْهِمْ اِعَادَةُ شَیْءٍ حَتّٰی یَتَحَقَّقُوْا مَتٰی وَقَعَتْ.

ترجمہ: (۵۴) اور جب پایا جائے کنویں میں مرا ہوا چوہا وغیرہ اور لوگوں کو معلوم نہیں کہ کب گرا ہے اور وہ ابھی تک نہ پھولا نہ پھٹا تو یہ لوگ ایک دن و رات کی نمازیں لوٹائیں جب کہ اسی پانی سے وضو کر کے (پڑھی ہوں) اور ہر اس چیز کو دھوئیں جس کو اس کنویں کا پانی پہنچا ہو۔ (۵۵) اور اگر وہ جانور پھول گیا یا پھٹ گیا تو تین دن رات کی نمازیں لوٹائیں امام ابوحنیفہؒ کے قول میں۔ (۵٦) امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ ان پر کسی چیز کا لوٹانا واجب نہیں ہے یہاں تک کہ یہ ثابت ہو جائے کہ کب گرا ہے۔

تشریح: کنویں میں مرا ہوا چوہا یا اور کوئی جانور نکلا اور یہ معلوم نہیں کہ کب سے گرا ہے اور وہ ابھی پھولا پھٹا بھی نہیں تو جن لوگوں نے اس کنویں سے وضو کیا ہے وہ ایک دن رات کی نمازیں دہرائیں اور اس پانی سے جو کپڑے دھوئے ہیں ان کو بھی دھونا چاہئے اور اگر پھول گیا ہے یا پھٹ گیا ہے، تو تین دن تین رات کی نمازیں دہرانی چاہئیں یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین نے یہ کہا ہے کہ جس وقت کنویں کا ناپاک ہونا معلوم ہوا ہے اسی وقت سے ناپاک سمجھیں گے، اس سے پہلے کی نماز وضو سب درست ہے۔

صاحبین کی دلیل کنویں کا پانی پہلے سے پاک تھا لیکن اس میں مرا ہوا جانور پائے جانے کی وجہ سے اس کے ناپاک ہونے میں شک واقع ہو گیا کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ زندہ گرا ہو پھر کنویں میں مر گیا ہو اور ابھی تک اس کا پانی استعمال نہ کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ کنویں سے باہر کسی جگہ مر گیا ہو پھر آندھی نے یا کسی بیوقوف نے یا بچوں نے یا کسی پرندے نے کنویں میں ڈال دیا ہو اور اس پانی کو استعمال کر لیا ہو۔

بہرحال اس کے ناپاک ہونے میں شک ہو گیا اور الیقینُ لایزولُ بالشكِ لہٰذا شک کی وجہ سے اس کے ناپاک ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر جانور کے گرنے کا وقت معلوم ہو گیا تو اسی وقت سے کنواں ناپاک ہوگا کیونکہ ایک یقین دوسرے یقین سے زائل ہو جاتا ہے۔

ماقبل کا مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے اپنے کپڑے پر ناپاکی دیکھی اور معلوم نہ ہو سکا کہ یہ ناپاکی کب لگی ہے تو اس آدمی پر نماز وغیرہ کا اعادہ واجب نہ ہوگا۔

جواب: کنویں کے مسئلہ کو نجاست لگے ہوئے کپڑے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ کپڑا بدن پر ہونے کی وجہ سے پورے وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتا ہے اگر نجاست پہلے سے لگی ہوتی تو اسی وقت دیکھ لی ہوتی۔ اور کنواں اسکی نظروں سے غائب رہتا ہے، ممکن ہے کہ جانور پہلے سے مرا ہو مگر اس کو علم نہیں ہوا ہو، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۱۳۱، بدائع الصنائع ج:۱ص:۲۲۹ تا ۲۳۰ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱ص:۹۳)

امام ابوحنیفہ کی دلیل: جانور کا پانی میں گرنا اس کی موت کا ظاہری سبب ہے اور مسبب کی پوشیدگی کے وقت حکم ظاہری سبب پر لگانا واجب ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ یہ جانور پانی ہی میں مرا ہے اگر چہ یہ بھی احتمال ہے کہ کسی اور سبب سے مرکر پانی میں گرا ہو لیکن یہ صرف ایک وہمی چیز ہے اس وجہ سے یہ احتمال غیر معتبر ہوگا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی محلہ میں کوئی مقتول پایا گیا تو یہی کہا جائے گا کہ قتل محلہ والوں نے ہی کیا ہے اسی وجہ سے ان پر قسم اور دیت لازم ہوگی اگر چہ احتمال اس کے علاوہ کا بھی ہے لیکن اس جانور کا پھول جانا اور پھٹ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس جانور کو مرے ہوئے دیر ہوگئی ہے اور دیری کی کم سے کم مدت تین دن ہے اسی وجہ سے اگر کسی میت کو بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کردیا گیا تو اس کی قبر پر تین دن تک نماز پڑھ سکتے ہیں تین دن کے بعد درست نہیں ہے اور جس صورت میں جانور کا پھولنا پھٹنا نہیں پایا گیا تو یہ قریبی زمانہ میں گر کر مرنے کی دلیل ہے اور مقادیر کی کم از کم مدت ایک دن رات ہے کیونکہ اس سے کم ساعتیں ہیں جن کا ضبط کرنا ناممکن ہے اس وجہ سے ہم نے اس کی مقدار ایک دن رات مقرر کی ہے۔

(البحر الرائق ج:۱،ص:۱۳۱،عینی ج:۱،ص:۲۵۹،تا۲۶۰)

امام صاحب کے قول میں احتیاط ہے صاحبین کے قول میں آسانی ہے دلائل کی روشنی میں ترجیح امام صاحب کے قول کو ہے۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۳۲)

---

(۵۷) وَسُؤْرُ الْآدَمِيِّ وَمَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ

ترجمہ: (۵۷) اور آدمی اور ان جانوروں کا جھوٹا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے پاک ہے۔

تشریح: آدمی کا جھوٹا پاک ہے، مسلمان ہو یا مشرک، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، پاک ہو یا ناپاک، عورت حیض سے ہو یا نفاس میں ہو۔

اسی طرح حلال جانور جیسے بکری بھیڑ گائے، بھینس ہرن وغیرہ اور حلال چڑیا جیسے مینا طوطا فاختہ گوریّا ان سب کا جھوٹا پاک ہے اسی طرح گھوڑے کا جھوٹا بھی پاک ہے آدمی کے جھوٹے کے پاک ہونے پر دلیل عن انس بن مالکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بَلَبنٍ قد شِیْبَ بِمَاءٍ وَعَنْ یَمِیْنِہٖ اَعْرَابِیٌّ وَعَنْ یَسَارِہٖ اَبُوْبَکْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ أَعْطَی الْاَعْرَابِیَّ وَقَالَ الْاَیْمَنِ فالایمنُ. (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۳۳)

یعنی آپ کی خدمت میں پانی ملا ہوا دودھ (لسی) پیش کیا گیا آپ کی دائیں جانب ایک اعرابی تھے اور بائیں جانب ابوبکر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دودھ پیا باقی اعرابی کو عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا الْأَیْمَنُ فَالْأَیْمَنُ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کا جھوٹا پاک ہے، جنبی کا جھوٹا پاک ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ عَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَقِیَہٗ فَاَھْوٰی اِلَیْہِ فَقَالَ اِنِّی جُنُبٌ فَقَالَ اَنَّ الْمُسْلِمَ لَیْسَ بِنَجِسٍ. (ابوداؤد ج:۱،ص:۳۰)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت حذیفہ سے ہوئی آپ نے مصافحہ کے لئے ان کی جانب ہاتھ

بڑھایا حضرت حذیفہ نے عرض کیا اللہ کے نبی میں جنبی ہوں آپ نے فرمایا مومن ناپاک نہیں ہوتا ہے، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جنبی کا جھوٹا پاک ہے جیسا کہ عنایہ میں مذکور ہے۔ (عنایہ من ہامش، فتح القدیر، ج:۱،ص:۹۴)

حائضہ کا جھوٹا پاک ہے، اس پر دلیل عائشہ کی روایت ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَشْرَبُ وَاَنَا حَائِضٌ فَأُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضَعِ فِيَّ. (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۳۳)

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں حالت حیض میں ایک برتن سے پانی پیتی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی برتن دے دیتی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ سے اپنا منھ رکھ کر پانی پیتے جس جگہ سے میں نے پیا تھا۔

مشرک کے جھوٹے کے پاک ہونے پر استدلال اس روایت سے کیا جاتا ہے لَمَّا انزلَ النبيُّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم بعضَ المشركينَ في المسجد ومَكَّنَهُ مِنَ الْمَبِيْتِ فِيْهِ. (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۳۳)

یعنی آپ نے ایک مشرک کو مسجد میں ٹھہرایا اور مسجد میں ایک ستون سے باندھ دیا۔

---

(۵۸) وَسُؤْرُ الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيْرِ وَسِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ

ترجمه: (۵۸) کتے خنزیر اور درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔

تشریح: کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، اگر کسی برتن میں منھ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا، خواہ مٹی کا برتن ہو خواہ تانبے وغیرہ کا لیکن بہتر یہ ہے کہ سات مرتبہ دھوئے اور ایک مرتبہ مٹی لگا کر مانجھ بھی ڈالے تا کہ خوب صاف ہو جائے خنزیر کا جھوٹا نجس ہے اسی طرح شیر بھیڑیا بندر گیدڑ وغیرہ جتنے چیر پھاڑ کر کھانے والے جانور ہیں سب کا جھوٹا نجس ہے۔

کتے کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالک امام اوزاعی اور اہل ظواہر کے نزدیک کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ (عینی ج:۱،ص: ۲۶۷، بذل المجهود ج:۱،ص:۴۶ طحاوی، ج:۱،ص:۲۱)

دلیل: كَانَتِ الكِلاَبُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ زَمَانَ رسولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم فِي الْمَسْجِدِ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شيئًا مِنْ ذٰلِكَ. (نیل الاوطار ج:۱ص:۴۵، ابوداؤد ج:۱،ص:۵۵)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتے مسجد نبوی کے اندر داخل ہو کر کبڈی کھیلتے تھے پس صحابہ کسی بھی حصہ کو نہیں دھوتے تھے۔

کتوں کی عادت ہے کہ چلتے پھرتے زبان باہر نکال کر لعاب اور رال گرایا کرتے ہیں جو مسجد نبوی میں ضرور گرتا ہوگا لیکن مسجد نبوی کی دھلائی کا حکم نہیں کیا گیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کتے کی رال اور لعاب پاک ہے۔

جواب: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لعاب اور رال سے مٹی ناپاک ہو جاتی ہے لیکن خشک ہو جانے کے بعد مٹی پاک

ہوجاتی ہے اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی دھلائی کا حکم نہیں فرمایا۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۴۵)

دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک کتے کا جھوٹا علی الاطلاق ناپاک ہے۔

دلیل عن ابی ہریرۃؓ قال اِذَا وَلَغَ الکلبُ فِی الْاِنَاءِ فَاَھْرِقْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثلث مراتٍ. (اعلاء السنن ج:۱،ص:۱۹۶) یعنی جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو گرادو (چیز) اور تین مرتبہ برتن کو دھوؤ۔

اس حدیث میں برتن کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ برتن پاک ہوجائے کیونکہ اسی چیز کو پاک کیا کرتے ہیں جو ناپاک ہوجاتی ہے معلوم ہوا کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دوسرا اختلاف

امام شافعیؒ کے نزدیک کتے اور خنزیر کے علاوہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔

دلیل: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے بارے میں معلوم کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں جن پر درندے اور کتے آکر پانی پیتے ہیں آپ نے جواباً فرمایا: لَهَا مَا اَخَذَتْ فِی بُطُونِهَا وَلَنَا مَابَقِیَ شَرَابٌ وَطَهُوْرٌ (عینی ج:۱،ص:۲۷۰، درایہ، ج:۱،ص:۶۲) یعنی جوانہوں نے اپنے پیٹ میں لے لیا وہ ان کے لئے ہے اور جو باقی رہ گیا وہ ہمارے پینے کے لئے ہے اور پاک ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔

جواب: صاحب عنایہ نے حدیث مذکور کے دو جواب تحریر کئے ہیں۔

۱۔ آپ سے سوال بڑے حوض اور ماء کثیر کے متعلق تھا اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ بڑا حوض اور ماء کثیر ناپاک نہیں ہوتا۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۲۰۳، عنایہ ج:۱،ص:۱۹۵ البحر الرائق ج:۱،ص:۱۳۶، اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۰۵)

۲۔ درندوں کے جھوٹے کے پاک ہونے کا حکم ابتداء اسلام میں ان کے گوشت کی حرمت سے پہلے تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ (البحر ج:۱،ص:۱۳۶، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۲۰۳)

حنفیہ کے نزدیک تمام درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دلیل: عن جابرٍ عن عبد اللّٰہِ انه علیه السلامُ نهٰی عَنْ اَکْلِ کُلِّ ذِیْ نابٍ مِنَ السَّباعِ وَذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطُّیُوْرِ (عینی ج:۱،ص:۲۷۰)

یعنی آپ نے کچلیوں والے درندوں جو دانتوں سے شکار کر کے کھاتے ہیں اور پنجہ گیر پرندے جو اپنے چنگل سے شکار کرتے ہیں کھانے سے منع فرمایا کیونکہ ان کا گوشت حرام اور نجس ہے اور جھوٹا گوشت ہی سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا جھوٹا درندے کے ناپاک لعاب کے ساتھ مل کر ناپاک ہوجائے گا۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۲۷۰، تا ۲۷۱)

(۵۹) وَسُؤْرُ الهِرَّةِ وَالدَّجَاجَةِ الْمُخلَاةِ وَسِبَاعِ الطُّیُوْرِ وَمَا یَسْکُنُ فِی الْبُیُوْتِ مِثْلُ الحَیَّةِ والفَارَةِ مَکْرُوْهٌ

ترجمہ: (۵۹) اور بلی کا جھوٹا اور باہر پھرنے والی مرغی اور شکاری پرندوں اور ان جانوروں کا جھوٹا جو گھروں میں رہتے ہیں جیسے سانپ اور چوہا مکروہ ہے۔

تشریح: بلی کا جھوٹا پاک تو ہے لیکن مکروہ ہے لہٰذا دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اس سے وضو نہ کرے کوئی اور پانی نہ ملے تو اس سے کرلے۔

کھلی ہوئی مرغی جو اِدھر اُدھر گندی چیزیں اور پلیدی کھاتی پھرتی ہے اس کا جھوٹا مکروہ ہے اور جو مرغی بند رہتی ہو اس کا جھوٹا مکروہ نہیں بلکہ پاک ہے۔

شکار کرنے والے پرندے جیسے شکرہ باز وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ ہے لیکن جو پالتو ہو اور مردار نہ کھائے نہ اس کی چونچ میں نجاست کا شبہ ہو اس کا جھوٹا پاک ہے، جو چیزیں گھر میں رہا کرتی ہیں جیسے سانپ بچھو چوہا چھپکلی وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ ہے۔

اختلاف الائمہ

امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ سفیان ثوریؒ امام اوزاعیؒ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک ہے۔
(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۲۷۳)

دلیل: عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَتَوَضَّأُ أنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ إنَاءٍ قَدْ أَصَابَ مِنْهُ الْهِرُّ قَبْلَ ذَالِكَ. (مصنف عبدالرزاق، ج:۱،ص:۱۰۲)

یعنی حضرت عائشہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے وضو کرتے حالانکہ اس سے پہلے بلی اس میں سے پانی پی چکی ہوتی۔

یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ بلی کا جھوٹا بلا کراہت پاک ہے۔

جواب: جن روایات سے بلی کے جھوٹے کے پاک ہونے کا پتہ چلتا ہے، ان سب کا جواب یہ ہے کہ تمام روایات بیان جواز پر محمول ہیں اور آپ کے بلی کو اپنے برتن سے پانی پلانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہوسکتا، کیوں کہ آپ ﷺ سے بیان جواز کے لئے مکروہ تنزیہی پر عمل کرنا کبھی کبھی ثابت ہے۔ (معارف السنن، ج:۱، ص:۳۳۰)

طرفین کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک ہے مگر مکروہ ہے راجح قول کی بنا پر مکروہ تنزیہی ہے، فتویٰ اسی قول پر ہے۔
(عینی ج:۱،ص:۲۷۳)

دلیل: اَلْهِرَّةُ سَبُعٌ. (نیل الاوطار ج:۱،ص:۴۶) یعنی بلی ایک درندہ ہے۔

اس قول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حکم کو بیان کرنا ہے کہ بلی کا حکم وہ ہے جو درندہ کا ہے تو درندہ کے مانند اس

کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہئے تھا لیکن بلی کے جھوٹے کو حرام ونجس قرار دینے کی صورت میں مشقت لازم آتی ہے کیونکہ یہ گھروں میں چلنے پھرنے والے جانوروں میں سے ہے جیسا کہ ابوقتادہ کی روایت میں ہے۔

اِنَّمَا هِیَ مِنَ الطَّوَّافِیْنَ عَلَیْکُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ. (اعلاء السنن ج:۱ص ۲۰۲)

چنانچہ اس مشقت کی بناپر سؤر ہرہ میں تخفیف پیدا کر کے حرام سے مکروہ کے درجہ میں اتار دیا گیا ہے۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۲۷۵)

یہی حکم سانپ بچھو چوہے کے سلسلہ میں ہوگا۔ (عینی ج:۱ص:۲۷۹)

مکروہ تنزیہی: اس کام کو کہتے ہیں جس کو چھوڑنے میں ثواب ہے اور کرنے میں عذاب تو نہیں لیکن ایک قسم کی برائی ہے۔ کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه (ج:۱ص:۱۲۵)

---

(۶۰) وَسُؤْرُ الحِمَارِ وَالْبَغْلِ مَشْكُوْكٌ (۶۱) فَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْاِنْسَانُ غَيْرَهٗ تَوَضَّأَ بِهٖ وَتَيَمَّمَ وَبِاَيِّهِمَا بَدَأَ جَازَ

ترجمہ: (۶۰) گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے۔ (۶۱) پس اگر نہ پائے کوئی انسان اس کے علاوہ پانی تو وضو اور تیمم کرے اور ان میں سے جس سے چاہے پہلے کرے جائز ہے۔

تشریح: گدھے اور خچر کا جھوٹا پاک تو ہے لیکن وضو ہونے میں شک ہے چنانچہ اگر کہیں صرف گدھے یا خچر کا جھوٹا پانی ملے اور اس کے سوا اور پانی نہ ملے تو وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔

اختلاف الائمہ

امام شافعی کے نزدیک گدھے کا جھوٹا صرف طاہر ہی نہیں بلکہ مطہر (پاک کرنیوالا) بھی ہے۔

دلیل: جس جانور کی کھال سے انتفاع جائز ہے اس کا جھوٹا بھی پاک ہے اور گدھے کی کھال سے بھی چونکہ نفع اٹھانا جائز ہے اس لئے اس کا جھوٹا بھی پاک ہوگا۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱ص:۹۹)

جواب: جھوٹے کا بلا واسطہ تعلق اس کی کھال سے نہیں ہے کہ کھال سے انتفاع جائز ہونے کی وجہ سے اس کے جھوٹے کو پاک کہا جائے بلکہ سؤر کا تعلق گوشت سے ہے کیونکہ گوشت سے ہی لعاب بنتا ہے اور اس کا گوشت نجس ہے اس لئے اس کا جھوٹا بھی نجس ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گدھے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دلیل: وَرُوِیَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ حَرَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ (عنایہ من ہامش الفتح ج:۱ص: ۱۰۰) یعنی خیبر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ گدھوں کا گوشت حرام ہے اور لعاب بھی گوشت ہی سے بنتا ہے لہٰذا لعاب بھی نجس ہوگا، اور جس پانی میں وہ منہ ڈالے گا، اس میں لعاب کا ملنا یقینی ہے اس لئے اس کا جھوٹا بھی نجس ہوگا، لیکن جیسے

احادیث سے اس کے گوشت کی حرمت ثابت ہوتی ہے، ایسے ہی احادیث سے حلت بھی ثابت ہوتی ہے مثلاً:

رُوِیَ اَنَّ غَالِبَ بنِ فهرٍ سَئَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ لَمْ یَبْقَ لِیْ مَالٌ اِلاَّ حَمِیْرَاتٌ فقال علیه السلامُ کُلْ مِنْ سَمِیْنِ مَالِكَ (عنایہ، ج:۱،ص:۱۰۰)

غالب بن فہر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا اور کہا میرے پاس گدھوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا آپ نے فرمایا کہ اپنے مال میں سے جو موٹے تازے ہیں ان کو کھالے، یہ حدیث گدھے کے گوشت کی حلت پر دلالت کرتی ہے اس لئے تعارض ادلہ کی بنا پر اکثر احناف اس کے جھوٹے کے مشکوک ہونے کے قائل ہیں۔

باب التیمم

(یہ) باب تیمّم کے (بیان میں) ہے

ماقبل سے مناسبت: پانی سے پاکی حاصل کرنا اصل ہے، اور مٹی سے پاکی حاصل کرنا اس کا خلیفہ ہے، اور خلیفہ اصل کے بعد ہوتا ہے، اس لئے باب التیمم کو وضو کے بعد بیان کیا ہے۔

لغوی تعریف: قصد وارادہ کرنا۔

اصطلاحی تعریف: پاک مٹی وغیرہ سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا قاعدہ شرعیہ کے مطابق طہارت کی نیت سے۔

تیمّم کا ثبوت: قرآن وحدیث دونوں سے ہے اللہ کا فرمان ہے فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا (سورۃ المائدہ) پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو پاک مٹی کا۔

یعنی اور پھر تم کو پانی کے استعمال کا موقع نہ ملے خواہ بوجہ نقصان کے یا پانی نہ ملنے کے تو ان سب حالتوں میں تم پاک زمینوں سے تیمّم کرلیا کرو۔ (معارف القرآن ج:۳،ص:۶۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ یَجِدِ الْمَآءَ عَشْرَ سِنِیْنَ (معارف السنن: ۱/۴۰۶، ترمذی ج:۱،ص:۳۲) یعنی پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے اگرچہ دس سال تک پانی دستیاب نہ ہو۔

مشروعیت تیمّم: تیمم ۵ھ میں مشروع ہوا، مختصر قصہ یہ ہے کہ ایک لڑائی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معہ حضرت عائشہ کے تشریف لے گئے اثنائے راہ میں حضرت عائشہ کا ایک ہار جو اپنی بہن حضرت اسماء سے مانگ لائی تھیں گم ہوگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے وہیں قیام کردیا۔

اور کچھ لوگوں کو اس کی تلاش پر مامور فرمایا جس جگہ آپ نے قیام فرمایا تھا کہیں پانی وغیرہ نہ تھا جب نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے بے وضو نماز پڑھ لی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا اسی وقت تیمّم کی آیت جو بعض سورہ مائدہ میں

ہے نازل ہوئی اس کے بعد وہ ہار بھی مل گیا۔ (علم الفقہ ج:۱،ص:۱۲۸)

(۶۲/۱) وَمَنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ مُسَافِرٌ اَوْخَارِجُ الْمِصْرِ وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمِصْرِ نَحْوُ الْمِيْلِ اَوْ اَكْثَرَ.

ترجمه: (۶۲/۱) اور جو شخص پانی نہ پائے حالانکہ وہ شخص مسافر ہے یا شہر سے باہر ہے اور اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل یا زیادہ کا فاصلہ ہے۔

تشریح: جس شخص کے [illegible] اتنا پانی نہ ہو جو حدث ختم کرنے کے لئے کافی ہو اور وہ شخص مسافر ہو یا مسافر تو نہ ہو لیکن شہر سے باہر ہے اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے یا ایک میل سے زیادہ کا تو ایسے شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ پاک مٹی سے تیمّم کرے۔

دلیل: اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَاِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيَمَسَّهُ بَشَرَتَهُ (ترمذی ج:۱،ص:۳۲) یعنی پاکیزہ زمین مسلمان کا وضو ہے اگر چہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے پھر جب پاوے تو اپنے ظاہری بدن پر پہنچادے۔

امام ابوالحسن کرخیؒ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو کہ پانی والوں کی آواز سن لیتا ہے تو وہ قریب شمار ہوگا، اس کے واسطے تیمّم جائز نہیں ہے اور اگر ان کی آواز نہیں سن سکتا تو وہ بعید ہے اس کے واسطے تیمّم جائز ہے اکثر مشائخ نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ (کفایہ ج:۱،ص:۱۰۸)

فائدہ: ایک میل شرعی: ۲۰۰۰ گز، ۱رکلومیٹر ۸۲۸ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے میل سے یہاں یہی مقدار مراد ہے۔

(۶۳/۲) اَوْكَانَ يَجِدُ الْمَاءَ اِلَّا اَنَّهُ مَرِيْضٌ فَخَافَ اِنِ اسْتَعْمَلَ الْمَاءَ اِشْتَدَّ مَرَضُهُ اَوْخَافَ الْجُنُبُ اِنِ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ يَقْتُلُهُ الْبَرْدُ اَوْيُمْرِضُهُ فَاِنَّهُ يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيْدِ

ترجمه: (۶۳/۲) یا پانی تو پاتا ہے لیکن وہ بیمار ہو پس اس نے خوف کیا کہ اگر پانی استعمال کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا، یا جنبی کو خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کرے تو ٹھنڈک اس کو مار ڈالے گی یا اس کو بیمار بنا دیگی تو وہ پاک مٹی سے تیمّم کرے۔

تشریح: اگر بیماری کی وجہ سے پانی نقصان کرتا ہو کہ اگر وضو یا غسل کرے گا تو بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں اچھا ہوگا، تو تیمّم درست ہے لیکن اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہو اور گرم پانی نقصان نہ کرے تو گرم پانی سے وضو و غسل کرنا واجب ہے البتہ اگر ایسی جگہ ہے کہ گرم پانی نہیں مل سکتا تو تیمّم کرنا درست ہے۔

مسئلہ: اگر کسی جگہ اتنی سردی پڑتی ہو کہ نہانے سے مرجانے یا بیمار ہو جانے کا خوف ہو اور رضائی لحاف وغیرہ کوئی ایسی چیز بھی نہیں کہ غسل کر کے اس میں گرم ہو جائے تو ایسی صورت میں تیمّم کر لینا درست ہے۔

اختلاف الائمہ

مذکورہ بالاخوف کی وجہ سے جنبی شہر میں تیمم کرسکتا ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

۱۔ صاحبین کے نزدیک اگر شہر میں یہ خوف لاحق ہو تو تیمم جائز نہیں ہے۔

دلیل: شہر میں گرم پانی اور سردی سے حفاظت ممکن ہے گویا کہ شہر میں ایسی حالت کا متحقق ہونا نادر ہے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

جواب: فقراء اور غرباء کے حق میں نادر نہیں ہے علاوہ ازیں ہماری گفتگو اس سلسلہ میں ہے کہ جب عاجزی ہر طریقہ سے متحقق ہو جائے چنانچہ اگر کسی بھی طریقہ سے غسل پر قادر ہو تو ہم بھی تیمم کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

دوسرا مذہب: مذکورہ مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیمم جائز ہے۔

دلیل: غزوہ ذاتُ السَلاسِل (جمادی الاولیٰ ۸ ہجری) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو ایک سَرِیَّہ (جس میں مہاجرین وانصار کی تعداد تین سو تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہ تھے) کا امیر بنا کر بھیجا سفر سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ لوگوں نے کیا کہ عمرو نے ہم کو جنابت کی حالت میں نماز پڑھائی حضرت عمرو فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک سردی کی رات میں احتلام ہوا، پس مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا، اس لئے تیمم کرلیا اور اسی تیمم سے اپنے اصحاب کو نماز صبح پڑھائی اور مجھے اللہ کا یہ فرمان یاد آیا: وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُم ان اللّٰہ کان بکم رحیماً (اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا اپنے ساتھی کو دیکھو کہ اپنے لئے اور تمہارے لئے کیسے غور وفکر سے کام کیا اور آپ نے اعادۂ صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا اور نہ یہ معلوم کیا کہ یہ واقعہ جنگل میں پیش آیا یا شہر میں۔ (بدائع ج:۱ص: ۱۷۱ تاج:۱ص:۲۰۷ نیل الاوطار ج:۱ص:۲۷۸) اس واقعہ سے صراحتاً معلوم ہوا کہ جنبی کے لئے مطلقاً تیمم کرنا درست ہے۔

(۳/۶۴) وَالتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ يَمْسَحُ بِاِحْدَاهُمَا وَجْهَهٗ وَبِالْاُخْرىٰ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ

ترجمہ: (۳/۶۴) اور تیمم دو ضربیں ہیں مسح کرے ایک ضرب سے اپنے چہرہ کا اور دوسری ضرب سے اپنے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت۔

تشریح: اس عبارت میں تیمم کی کیفیت بیان کر رہے ہیں۔

تیمم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پاک زمین پر مارے اور سارے منہ کو مل لے پھر دوسری مرتبہ زمین پر

دونوں ہاتھ مارے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ملے اگر ناخن برابر بھی کوئی جگہ چھوٹ جائے گی تو تیمم نہ ہوگا، انگلیوں میں خلال بھی کرے عورت چوڑیوں، کنگنوں وغیرہ کے درمیان اچھی طرح ملے۔

اختلاف الائمہ

تیمم میں کتنی ضربوں کی ضرورت ہے اور ہاتھوں کا مسح کہاں تک کیا جائے گا، اس سلسلہ میں تین مذاہب ہیں۔

۱ امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ امام اوزاعی اور اہل ظواہر کے نزدیک تیمم کے اندر صرف ایک ضرب ہوگی جس سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح گٹوں تک کیا جائے گا۔ (معارف السنن ج:۱ ص:۴۷۷)

دلیل: عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِالتَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ.
(ترمذی ج:۱ ص:۳۶، معارف السنن ج:۱ ص:۴۷۸)

کفین کا اطلاق صرف گٹوں تک ہوتا ہے اس حدیث سے صرف گٹوں تک مسح کرنا ثابت ہے۔

حضرت عمار ہی سے ایک دوسری روایت ہے اس کے الفاظ ہیں ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ضَرْبَةً و ىىدة. (اعلاء السنن، ج:۱ ص:۲۲۲ الدرایہ فی تخریج احادیث الهدایہ ج:۱ ص:۶۸) اس حدیث سے ایک ضرب کا ثبوت ہوتا ہے۔

جواب: حضرت عمار نے لاعلمی کی بنا پر حالت جنابت میں زمین پر لوٹ لگائی اس کی اطلاع جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی تو آپ نے عملی طور پر تھوڑے سے تیمم کی جانب اشارہ کر کے دکھادیا کہ زمین پر لوٹ لگانے کی حاجت نہیں بلکہ جنابت کی حالت میں بھی تیمم کا وہی طریقہ ہے جو حدث اصغر میں ہے یہی اشارہ حضرت عمار کی حدیث میں ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ضرب یا مسح کفین کافی ہے بلکہ الفاظ مذکورہ سے طریقہ معروف کی جانب اشارہ کیا ہے۔
(معارف السنن ج:۱ ص:۴۸۷، اعلاء السنن ج:۱ ص:۲۲۲)

دوسرا مذہب: ابن شہاب زہری کے نزدیک تیمم کے اندر دونوں ہاتھوں کا مسح مونڈھوں اور بغلوں تک کیا جائیگا۔
(معارف السنن ج:۱ ص:۴۷۹)

دلیل: حضرت عمار کی حدیث ہے: تَيَمَّمْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَنَاكِبِ وَالْآبَاطِ.
(ترمذی ج:۱ ص:۳۸، معارف السنن ج:۱ ص:۴۹۳) یعنی ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے ہاتھوں پر مونڈھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔

جواب: حضرت عمار نے اپنی روایات کے اندر صرف اتنا کہا ہے کہ صحابہ نے مونڈھوں اور بغلوں تک مسح کیا ہے لیکن یہ نہیں کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تیمم کرنے کا حکم فرمایا ہے یہ صحابہ کرام کا اپنا اجتہاد تھا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں لہٰذا صحیح روایات کے مقابلہ میں اس سے استدلال درست نہیں۔ (معارف السنن ج:۱ ص:۴۹۴، طحاوی ج:۱ ص:۸۵)

تیسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ سفیان ثوریؒ امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تیمم کے اندر دو ضربیں ہیں ایک چہرہ کے لئے دوسری ہاتھوں کے لئے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک فرض ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۷۷)

دلیل: عن ابن عُمَرَ قال قال رسولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم التيممُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ الَى المرفَقَيْنِ. (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۲۲، عینی ج:۱،ص:۳۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں اور دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک ہے۔

(۶۵/۴) وَالتيممُ فِي الجَنَابَةِ والحَدَثِ سَوَاءٌ

ترجمہ: (۶۵/۴) تیمم حدث اور جنابت میں برابر ہے۔

تشریح: جس طرح وضو کی جگہ تیمم درست ہے اسی طرح غسل کی جگہ بھی مجبوری کے وقت تیمم درست ہے وضو اور غسل کے تیمم میں کوئی فرق نہیں دونوں کا ایک ہی طریقہ ہے۔

(۶۶/۵) وَيَجُوْزُ التَيَمُّمُ عِنْدَ أَبِیْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الارضِ كَالتُرَابِ وَالرَّمَلِ وَالْحَجَرِ وَالْجَصِّ وَالنَّوْرَةِ وَالْكُحْلِ والزَّرْنِيْخِ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسَفُ رحمه اللّٰه لَا يَجُوْزُ اِلَّا بالتُّرَابِ وَالرَّمَلِ خَاصَّةً

ترجمہ: (۶۶/۵) اور جائز ہے تیمم امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہر اس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہے جیسے مٹی ریت پتھر گچ چونہ سرمہ اور ہڑتال، امام ابو یوسف نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر مٹی اور ریت سے خاص کر۔

تشریح: زمین کے سوا اور جو چیز مٹی کی قسم سے ہو اس پر بھی تیمم درست ہے، جیسے مٹی ریت پتھر چونا ہڑتال سرمہ گیرو وغیرہ اور جو چیز مٹی کی قسم سے نہ ہو اس سے تیمم درست نہیں جیسے سونا چاندی رانگ گیہوں لکڑی کپڑا اناج وغیرہ۔

جو چیز نہ تو آگ میں جلے اور نہ گلے وہ چیز مٹی کی قسم سے ہے اس پر تیمم کرنا درست ہے اور جو چیز جل کر راکھ ہو جائے اس پر تیمم درست نہیں اسی طرح راکھ پر بھی درست نہیں۔

کن چیزوں سے تیمم کر سکتے ہیں

اس بارے میں دو مذہب ہیں، امام شافعیؒ امام احمد اور امام ابو یوسفؒ کا اصح قول یہ ہے کہ تیمم صرف مٹی سے کر سکتے ہیں اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے تیمم نہیں کر سکتے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۸۱، البحر الرائق ج:۱،ص:۱۵۶)

دلیل: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وجُعِلَتْ لِيَ الاَرْضُ مَسْجِدًا وَجُعِلَ تُرْبَتُهَا لَنَا

طَهُوْرًا (البحرج:۱،ص:۱۵۶) یعنی زمین کو میرے لئے مسجد اور اس کی مٹی کو ہمارے لئے پاکی کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

جواب: مذکورہ روایت میں تُرْبَت سے مراد مٹی نہیں ہے بلکہ ہر وہ جگہ مراد ہے جس میں مٹی ریت وغیرہ زمین کی جنس سے ہو۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۵۶)

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ امام مالک امام اوزاعی سفیان ثوری امام محمد کے نزدیک ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو مٹی ہو یا اس کے علاوہ ہو تیمّم کرنا جائز ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۸۱، البحر الرائق ج:۱،ص:۱۵۶)

دلیل: جُعِلَتْ لِیَ الارضُ مسجداً وطهوراً (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۲۰)

اس حدیث میں ارض سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین کی جنس سے ہو خواہ مٹی ہو یا اس کے علاوہ۔

(۶/۶۷) وَالنِّيَّةُ فَرْضٌ فِي التَّيَمُّمِ وَمُسْتَحَبَّةٌ فِي الْوُضُوْءِ.

ترجمه: (۶/۶۷) اور نیت تیمّم میں فرض ہے اور وضو میں مستحب ہے۔

تشریح: تیمّم کے لئے تیمّم کا ارادہ ہونا ضروری ہے تیمّم کرتے وقت اپنے دل میں اتنا ارادہ کرے کہ میں پاک ہونے کے لئے تیمّم کرتا ہوں یا نماز پڑھنے کے لئے تیمّم کرتا ہوں تو تیمّم ہو جائے گا۔

اختلاف الائمه

تیمّم میں نیت شرط ہے یا نہیں؟

اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

۱ امام زفر اور امام اوزاعی کے نزدیک تیمّم کے اندر نیت شرط نہیں ہے

دلیل: تیمّم حقیقت میں وضو کا خلیفہ ہے اور جب اصل کے اندر نیت شرط نہیں ہے تو خلیفہ کے اندر بطریقۂ اولیٰ شرط نہ ہوگی۔

دوسرا مذہب: ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک تیمّم کے اندر نیت شرط ہے کیونکہ تیمّم کے معنی لغت میں نیت اور قصد کرنے کے ہیں اس لئے حقیقی معنی کو ترک نہیں کیا جا سکتا ہے۔

(۷/۶۸) وَيَنْقُضُ التَّيَمُّمَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ (۸/۶۹) وَيَنْقُضُهُ أَيْضاً رُؤْيَةُ الْمَاءِ إِذَا قَدَرَ عَلَى اسْتِعْمَالِهِ.

ترجمه: (۷/۶۸) اور توڑ دیتی ہے تیمّم کو ہر وہ چیز جو توڑ دیتی ہے وضوء کو۔ (۸/۶۹) اور نیز پانی کا دیکھنا تیمّم کو توڑ دیتا ہے جب کہ وہ اس کے استعمال پر قادر ہو۔

تشریح: یہاں سے صاحب قدوری نواقض تیمّم کے بیان کو شروع فرما رہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ جو چیز ناقض وضو ہے وہ ناقض تیمّم بھی ہے۔

اور پھر فرمایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے وضوتو نہیں ٹوٹتا لیکن تیمم ٹوٹ جاتا ہے جیسے اگر تیمم کرنے والا پانی کے استعمال پر قادر ہو جائے تو اس پانی سے اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔

(۷۰/۹) وَلَا يَجُوْزُ التَّيَمُّمُ اِلَّا بِصَعِيْدٍ طَاهِرٍ.

ترجمه: (۷۰/۹) اور نہیں جائز ہے تیمم مگر پاک مٹی سے۔

تشریح: تیمم صرف پاک مٹی سے جائز ہے لِاَنَّهُ آلَةُ التَّطْهِيْرِ فَلَابُدَّ مِنْ طَهَارَتِهٖ فِى نَفْسِهٖ كَالْمَاءِ (ہدایہ) یعنی مٹی پاک کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے اس کا خود بھی پاک ہونا ضروری ہے جیسے پانی کا پاک ہونا ضروری ہے۔

(۷۱/۱۰) وَيَسْتَحِبُّ لِمَنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ يَرْجُوْ اَنْ يَّجِدَهٗ فِىْ اٰخِرِ الْوَقْتِ اَنْ يُّؤَخِّرَ الصَّلٰوةَ اِلٰى آخِرِ الْوَقْتِ فَاِنْ وَجَدَ الْمَاءَ تَوَضَّأَ وَصَلّٰى وَاِلَّا تَيَمَّمَ.

ترجمه: (۷۱/۱۰) اور مستحب ہے اس شخص کے لئے جو پانی نہ پائے اور اس کو امید ہو کہ پانی آخر وقت میں مل جائے گا کہ مؤخر کرے نماز کو آخر وقت تک پس اگر اس نے پانی پالیا تو وضو کرے اور نماز ادا کرے ورنہ تیمم کرے۔ (نماز پڑھ لے)

تشریح: اگر پانی موجود نہ ہو اور یہ امید ہو کہ نماز کے آخر وقت تک پانی مل جائے گا، تو نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے اگر اس کو پانی مل گیا تو وضو کر کے نماز پڑھ لے اور اگر نہیں ملا تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔

(۷۲/۱۱) وَيُصَلِّىْ بِتَيَمُّمِهٖ مَاشَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ

ترجمه: (۷۲/۱۱) اور پڑھے اپنے تیمم سے جو چاہے فرائض ونوافل میں سے۔

تشریح: اگر ایک نماز کے لئے تیمم کیا دوسرے وقت کی نماز بھی اس سے پڑھنا درست ہے اور قرآن کریم کا چھونا بھی اس تیمم سے درست ہے۔

اختلاف الائمه

ایک تیمم سے کتنی نمازیں پڑھ سکتے ہیں اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

۱ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ کے نزدیک ایک تیمم سے صرف ایک فرض نماز پڑھ سکتے ہیں البتہ سنتیں اور نوافل فرض کے تابع ہیں۔

دلیل: ۱ تیمم طہارت ضروریہ ہے یعنی ضرورت کی بنیاد پر اس کو کافی سمجھا گیا ہے اور دو فرضوں کے لئے اس

کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۲۸)

دلیل: ۲؎ عن مجاهدٍ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَّايُصَلِّيَ الرُّجُلُ بالتَّيَمُّمِ اِلَّا صَلَاةً وَاحِدَةً ثُمَّ تَيَمَّمَ لِلصَّلَاةِ الْاُخریٰ. (مصنف عبدالرزاق ج:۱،ص:۲۱۵،عینی ج:۱،ص:۳۲۹)

ابن عباس سے منقول ہے کہ سنت یہ ہے کہ کوئی آدمی ایک تیمم سے ایک سے زیادہ نماز نہ پڑھے پھر دوسری نماز کے لئے دوسرا تیمم کرے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک تیمم سے ایک سے زیادہ نماز نہ پڑھنا سنت ہے۔ احناف کی دلیل اورائمہ ثلاثہ کی دلیلوں کا جواب اِنَّ الصعیدَ الطیبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ یَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِیْنَ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۱۳،ابوداؤد ۱/ ۴۸) پاک مٹی مسلمان کیلئے وضو کا کام دیتی ہے اگر چہ دس برس تک پانی نہ ملے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیمم وضو کے حکم میں ہے کہ جس طرح ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اسی طرح ایک تیمم سے بھی کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے لہٰذا آپ کا تیمم کو طہارتِ ضروریہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۲۳)

ابن عباس کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں حسن بن عمارہ ہیں جن کو ابن یحییٰ وغیرہ نے متروک کہا ہے اس لئے روایت قابلِ حجت نہیں نیز ابن عباس کی روایت میں صرف سنت کا بیان ہے اور سنت جواز کو نہیں روکتی۔

(عینی ج:۱،ص:۳۲۹)

حدیث کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ آپ بھی ایک تیمم سے ایک سے زیادہ نماز پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں یعنی فرائض کے ساتھ نوافل کی بھی اجازت دیتے ہیں حالانکہ حدیث میں صلاۃ واحدہ ہے۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۲۴،عینی ج:۱،ص:۳۲۹)

(۱۲/۷۳) وَيَجُوْزُ التَّيَمُّمُ لِلصَّحِيْحِ الْمُقِيْمِ إِذَا حَضَرَتْ جَنَازَةٌ وَالْوَلِيُّ غَيْرُهٗ فَخَافَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ أَنْ تَفُوْتَهٗ صَلٰوةُ الْجَنَازَةِ فَلَهٗ اَنْ يَّتَيَمَّمَ وَيُصَلِّيَ (۱۳/۷۴) وَكَذٰلِكَ مَنْ حَضَرَ العِيْدَ فَخَافَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ يَفُوْتَهُ العِيْدُ.

ترجمہ: (۱۲/۷۳) اور جائز ہے تیمم تندرست مقیم کے لئے جب آجائے کوئی جنازہ اور جبکہ ولی اس کے علاوہ ہو پس خوف کرے کہ اگر وضو میں مشغول ہوگا تو اس کی نماز جنازہ فوت ہوجائے گی تو وہ تیمم کرے اور نماز پڑھے۔ (۱۳/۷۴) ایسے ہی وہ شخص جو عید کی نماز کے لئے حاضر ہوا، پس خوف کیا کہ اگر وضو کے ساتھ مشغول ہوگا تو اس کی عید کی نماز جاتی رہے گی (وہ بھی تیمم کرے)۔

تشریح: ایک تندرست آدمی شہر میں تیمم کرسکتا ہے اگر جنازہ حاضر ہوا اور ولی اس کے علاوہ دوسرا آدمی ہے اور اس کو یہ خوف ہو کہ اگر وضو کرنے میں لگ گیا تو نماز جنازہ فوت ہوجائے گی اسی طرح عید کی نماز پڑھنے کے لئے آیا اور

وضو میں مشغول ہونے سے نماز عید فوت ہونے کا ڈر ہے تب بھی تیمم کی اجازت ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے ائمہ ثلاثہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ (اعلاء السنن ج:۱، ص:۲۲۵)

(۱۴/۷۵) وَاِنْ خَافَ مَنْ شَهِدَ الْجُمُعَةَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ تَفُوْتَهُ الْجُمُعَةُ تَوَضَّأَ فَاِنْ اَدْرَكَ الْجُمُعَةَ صَلَّاهَا وَاِلَّا صَلَّى الظُّهْرَ اَرْبَعًا (۱۵/۷۶) وَكَذٰلِكَ اِنْ ضَاقَ الْوَقْتُ فَخَشِيَ اِنْ تَوَضَّأَ فَاتَهُ الْوَقْتُ لَمْ يَتَيَمَّمْ وَلٰكِنَّهُ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ فَائِتَتَهُ.

ترجمہ: (۱۴/۷۵) اور اگر خوف ہو اس شخص کو جو جمعہ کی نماز کے لئے آیا کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو اس کی نماز جمعہ فوت ہو جائے گی تو وہ وضو کرے پھر اگر نماز جمعہ مل گئی تو پڑھ لے، ورنہ ظہر کی چار رکعت پڑھے۔ (۱۵/۷۶) اسی طرح اگر وقت تنگ ہو گیا اور ڈر ہے کہ اگر وضو کرے گا تو وقت نکل جائے گا، تو تیمم نہ کرے بلکہ وضو کرے اور اپنی فوت شدہ نماز پڑھے۔

تشریح: نماز جمعہ اور وقتی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم درست نہیں کیونکہ ان دونوں نمازوں کا خلیفہ موجود ہے ظہر کی نماز جمعہ کا نائب اور خلیفہ ہے اور وقتی نماز کی قضاء ہو سکتی ہے۔

(۱۶/۷۷) وَالْمُسَافِرُ اِذَا نَسِيَ الْمَاءَ فِيْ رَحْلِهِ فَتَيَمَّمَ وَصَلّٰى ثُمَّ ذَكَرَ الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ لَمْ يُعِدْ صَلٰوتَهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ يُعِيْدُ.

ترجمہ: (۱۶/۷۷) اور مسافر جب بھول گیا پانی اپنے اسباب میں پھر وہ تیمم کرے اور نماز پڑھ لے پھر پانی یاد آیا وقت میں تو نماز نہ لوٹائے طرفین کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ نماز لوٹائے۔

تشریح: ایک شخص مسافر ہے اس نے تیمم کر کے نماز ادا کر لی حالانکہ اس کے کجاوے میں پانی موجود تھا لیکن اس کو معلوم نہیں تھا کیونکہ دوسرے نے بغیر اس کے حکم کے رکھ دیا تھا اس صورت میں اس کی نماز ہو گئی اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

(۲) یا اس کو پانی کا علم تھا کہ اس نے خود ہی رکھا تھا یا دوسرے نے اس کے حکم سے رکھا تھا اور یہ گمان کر کے کہ میرے کجاوے میں پانی نہیں تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو اس صورت میں نماز نہیں ہوئی اور اس پر وضو کر کے نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

ماقبل کے دونوں مسئلے محض افادہ کے لئے تحریر کئے ہیں۔

(۳) یہی مسئلہ ہمارے لئے زیر بحث ہے اگر مسافر کجاوہ میں پانی رکھ کر بھول گیا اور تیمم کر کے نماز ادا کر لی پھر اس کو وقت کے اندر پانی یاد آ گیا تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

۱ امام ابو حنیفہؒ امام محمدؒ سفیان ثوری امام مالکؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

(۲) امام ابو یوسف امام شافعیؒ کا قول جدید امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ اس پر نماز کا اعادہ ضروری ہے پانی خواہ وقت میں یاد آیا ہو یا وقت کے بعد۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۳۳۳)

مذہب نمبر (۲) کی دلیل: عام طور سے کجاوہ میں پانی رکھا جاتا ہے اس لئے اس پر کجاوہ میں تلاش کرنا واجب تھا جب اس نے تلاش نہیں کیا تو معذور نہیں سمجھا جائے گا اور اس پر اعادہ واجب ہوگا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص آبادی میں ہو تو اس پر پانی تلاش کرنا واجب ہے بغیر تلاش کئے اگر تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر پانی مل گیا تو اعادہ صلوۃ واجب ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۳۵ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۱۲۴)

جواب: کجاوہ میں عام طور سے پینے کا پانی رکھا جاتا ہے نہ کہ وضو اور غسل کے واسطے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۳۵، عنایہ ج:۱،ص:۱۲۴)

مذہب (۱) کی دلیل: پانی پر قادر ہونا بغیر علم کے نہیں ہوسکتا اور جب اسے معلوم ہی نہیں تو قدرت بھی نہ ہوئی تو اس کو پانی حاصل نہ ہوا اور اس صورت میں تیمم درست ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۳۵)

فوائد قیود

المسافر. یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ یہی حکم مقیم کے لئے بھی ہے چونکہ عام طور سے مسافر ہی پانی ساتھ رکھتا ہے اس لئے مسافر کی قید لگادی۔

نَسِیَ. اس قید کا مقصد یہ ہے کہ اگر مسافر نے یہ شک یا گمان کرتے ہوئے کہ پانی ختم ہو چکا ہے تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو بالاتفاق نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

فی رحلِہ. اگر پانی کی مشک پشت پر لدی ہوئی ہو یا گردن میں لٹکی ہو یا سامنے رکھا ہو اور بھول کر تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو بالاتفاق نماز نہ ہوگی۔

ذکر الماء فی الوقت. تیمم کر کے نماز شروع کردی درمیان نماز کے پانی یاد آ گیا تو تیمم باطل ہو جائے گا اور وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھنی ضروری ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ ج:۱،ص:۲۸، اللباب فی شرح الکتاب ج:۱،ص:۵۵)

(۱۷/۷۸) وَلَيْسَ عَلَى الْمُتَيَمِّمِ إِذَا لَمْ يَغْلِبْ عَلٰى ظَنِّهِ أَنْ يَّقْرُبَهُ مَآءٌ اَنْ يَّطْلُبَ الْمَاءَ (۱۸/۷۹) وَإِنْ غَلَبَ عَلٰى ظَنِّهِ أَنَّ هُنَاكَ مَاءً لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَّتَيَمَّمَ حَتّٰى يَطْلُبَهُ.

ترجمہ: (۱۷/۷۸) اور تیمم کرنے والے پر ضروری نہیں ہے جب تک کہ اس کے گمان پر یہ غالب نہ ہو کہ اس کے قریب میں پانی ہے پانی تلاش کرنا۔ (۱۸/۷۹) اور اگر اس کا گمانِ غالب ہو کہ وہاں پر پانی ہے تو نہیں جائز ہے اس کے لئے تیمم کرنا یہاں تک کہ پانی کو تلاش کرے۔

اختلاف الائمہ

تیمم کا ارادہ کرنے والے پر پانی کی جستجو ضروری نہیں ہے بشرطیکہ اس کو پانی کے قریب ہونے کا ظن غالب نہ ہو احناف کا مسلک یہی ہے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک دائیں اور بائیں پانی تلاش کرنا شرط ہے۔

یہی ایک روایت امام مالک واحمد سے منقول ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۳۳۶)

دلیل: فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا. اس آیت میں تیمم کرنے کا حکم پانی نہ ملنے کے وقت ہے اور پانی نہ ملنا تلاش کے بعد ہی ثابت ہوگا، اس لئے تیمم کرنے سے قبل پانی تلاش کرنا ضروری ہے۔ (کفایہ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱، ص:۱۲۵)

جواب: بغیر طلب کے بھی وجود متحقق ہوسکتا ہے جیسے اللہ کے نبی نے ارشاد فرمایا: مَنْ وَجَدَ لُقْطَةً فَلْيُعَرِّفْهَا یعنی جس نے لقطہ پایا اس کو تشہیر کرنی چاہئے۔

اس حدیث میں اس شخص کو پانے والا کہا گیا ہے اگر چہ اس کی جانب سے طلب نہیں پائی گئی۔ (عنایہ من ہامش الفتح ج:۱، ص:۱۲۵) لہذا آپ کا یہ کہنا کہ وجود کے لئے طلب ضروری ہے صحیح نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل: آیت تیمم مطلق ہے طلب وغیر طلب کی کوئی قید نہیں ہے اس لئے اس اطلاق پر عمل کرتے ہوئے آیت شریفہ کو طلب وغیرہ کی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا اور عام طور سے میدانوں اور جنگلوں میں پانی نہیں ہوتا اور پانی ہونے پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے اس لئے بغیر طلب کئے تیمم کرنا جائز ہوگا۔ (عنایہ ج:۱، ص:۱۲۵)

(۱۹/۸۰) وَاِنْ كَانَ مَعَ رَفِيْقِهٖ مَاءٌ طَلَبَهٗ مِنْهُ قَبْلَ اَنْ يَتَيَمَّمَ فَاِنْ مَنَعَهٗ مِنْهُ تَيَمَّمَ وَصَلّٰى

ترجمہ: (۱۹/۸۰) اور اگر اس کے ساتھی کے پاس پانی ہو تو اس سے مانگ لے تیمم کرنے سے پہلے پس اگر اس کو پانی (دینے) سے منع کر دے تو تیمم کر کے نماز پڑھے۔

تشریح: اگر رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو تیمم کرنے سے قبل اس سے پانی مانگے اگر وہ پانی دیدے تو وضو کر کے نماز پڑھے ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔

یہاں رفیق کی قید اتفاقی ہے بلکہ جس کے پاس پانی ہے وہ اس کا رفیق ہو یا نہ ہو وضو کے لئے اس سے پانی مانگنا چاہئے کیونکہ پانی ایسی چیز ہے جس سے عام طور پر کسی کو منع نہیں کیا کرتے اب اگر اس نے پانی مانگا اور اس نے نہیں دیا تو چونکہ اس صورت میں حقیقۃً عاجزی پائی گئی اس لئے اس صورت میں تیمم کرے گا۔

اختلاف الائمہ

ساتھی سے پانی مانگنا واجب ہے یا نہیں اور بغیر مانگے تیمم جائز ہے یا نہیں۔

اس بارے میں دو مذہب ہیں ۱ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ حسن بن زیاد کے نزدیک ساتھی سے پانی مانگنا واجب نہیں۔

دلیل: سوال کرنا عیب اور ذلت کی بات ہے علاوہ ازیں سوال میں حرج بھی ہے جب کہ تیمم دفع حرج کے لئے ہی مشروع ہوا ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۳۷،البحر الرائق ج:۱،ص:۱۷۰،عنایہ ج:۱،ص:۱۴۵)

جواب: عام طور پر وضو کے لئے پانی خرچ کیا جاتا ہے اور لوگ اسے طلب کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تو ذلت کا سوال ہی نہیں آتا۔ ذلت تو سوالوں کی کثرت اور غیر ضروری چیزوں کے لئے لوگوں کے پاس بار بار سوال کرنے میں ہے، علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ضروری حوائج دوسروں سے طلب کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے مقام ورتبہ والا کون ہوسکتا ہے۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۷۰، شرح وقایہ، ج:۱،ص:۹۳) صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ ساتھی سے پانی مانگنا واجب ہے۔

دلیل: پانی ایسی چیز ہے جس سے عام طور پر انکار نہیں کیا جاتا اس لئے ساتھی کے پاس پانی ہونے سے اس کو بھی قادر سمجھا جائے گا۔ (عینی ج:۱،ص:۳۳۸)

اس مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۳۸ درمختار ج:۱،ص:۲۳۲)

باب المسح علی الخفین

یہ باب موزوں پر مسح کرنے کے (احکام کے بیان میں) ہے

ماقبل سے مناسبت: تیمم اور مسح علی الخفین دونوں میں سے ہر ایک عارض ہے، کیونکہ اصل غسل ہے مگر تیمم کا ثبوت کتاب سے ہے اور مسح کا ثبوت سنت سے ہے، اس لئے تیمم اقویٰ اور مستحق تقدیم ہے۔

مسح کی لغوی تعریف: کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا۔

اصطلاحی تعریف: بھیگے ہوئے ہاتھ کو اس چیز پر پھیرنا کہ جس پر پھیرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(نور الانوار ص:۲۱، حاشیہ)

خفین کی تعریف: اگر موزے پورے کے پورے چمڑے کے ہوں یعنی سوت وغیرہ کا ان میں بالکل دخل نہ ہو، تو انہیں خفین کہتے ہیں۔

مسح علی الخفین کا ثبوت

موزوں پر مسح بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

(۱) عَنْ سَعْدِ بنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ مَسَحَ عَلَی الخُفَّیْنِ

(بخاری ج:۱،ص:۳۳)

حضرت سعد ؓ سے منقول ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے موزوں پر مسح کیا۔

(۲) عن عمرو بن اُمَیَّۃَ اَنَّـہٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ یَمْسَحُ عَلَی الخفین. (بخاری ج:۱،ص:۳۳)

یعنی حضرت عمرو بن امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے امام حسن بصری سے منقول ہے میں نے ستر بدری صحابہ کو مسح علی الخفین کا قائل پایا ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۷۷، نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۴، معارف السنن ج:۱،ص:۳۳۱)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہل سنت والجماعت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مسح علی الخفین کو جائز سمجھے چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع ج:۱،ص:۷۷ پر اہل سنت والجماعت کی چار شرطیں نقل فرمائی ہیں۔

(۱) شیخین کو فضیلت دینا (۲) ختنین سے محبت رکھنا (۳) مسح علی الخفین کو جائز سمجھنا (۴) نبیذ تمر کو حلال سمجھنا۔

مسح علی الخفین جائز ہے یا نہیں

اس سلسلہ میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

۱ ابوبکر بن داؤد ظاہری شیعہ امامیہ اور خوارج کے نزدیک مسح علی الخفین علی الاطلاق جائز نہیں۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۵، عینی شرح ہدایہ، ج:۱،ص:۳۴۲)

دلیل: آیت وضو (فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلِکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ) سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسح علی الخفین کے متعلق جملہ احادیث آیت وضو سے منسوخ ہیں۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۵)

جواب: آیت مائدہ نازل ہونے کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے لہٰذا یہ کہنا کہ آیت مائدہ جملہ احادیث کے لئے ناسخ ہے درست نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۵)

اس جواب کی تائید حضرت جریر کی روایت سے ہوتی ہے حضرت جریر نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا لوگوں نے کہا کیا تم مسح کرتے ہو حضرت جریر نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں پر مسح کرتے تھے، حضرت جریر کا اسلام رمضان ۱۰ ہجری میں ہے۔ آیت مائدہ نازل ہونے کے بعد اور آیت کا نزول ۴ھ یا ۵ھ میں

ہے۔(درمنضود ج:۱،ص:۲۹۵،نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۴،ترمذی ج:۱،ص:۲۷)

دوسرا مذہب: حنفیہ شافعیہ حنابلہ جمہور فقہاء ومحدثین اور امام مالک کی ایک روایت کے مطابق مسح علی الخفین مقیم ومسافر دونوں کے لئے جائز ہے۔(معارف السنن ج:۱،ص:۳۳۱ نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۴)

دلیل: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِي السَّفَرِ لَانَنْزَعُ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهِنَّ وَنَكُوْنُ مَعَهُ الْحَضَرَ نَمْسَحُ عَلٰى خِفَافِنَا يَوْمًا وَلَيْلَةً (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ج:۱،ص:۷۴)

ترجمہ: اسامہ بن شریک کہتے ہیں کہ ہم لوگ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے تو تین دن تین رات سے قبل موزے نہ نکالتے اور حضر میں آپ کے ساتھ ہوتے تو ایک دن ایک رات اپنے موزوں پر مسح کرتے،اس حدیث سے مقیم ومسافر دونوں کے لئے مسح کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۱/۸۱) اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ جَائِزٌ بِالسُّنَّةِ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوْجِبٍ لِلْوُضُوْءِ اَذَا لَبِسَ الْخُفَّيْنِ عَلٰى طَهَارَةٍ ثُمَّ اَحْدَثَ

ترجمہ: (۱/۸۱) موزوں پر مسح کرنا جائز ہے سنت سے ہر ایسے حدث سے جو وضو کا واجب کرنے والا ہو جب پہنے موزوں کو طہارت پر پھر حدث ہو جائے۔

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین کا جواز سنت سے ثابت ہے۔

اور اس بارے میں بہت سی احادیث قولی وفعلی مشہور ہیں۔(اللباب ج:۱،ص:۵۶ حاشیہ) موزوں پر مسح کرنا محدث کے لئے جائز ہے محدث خواہ مرد ہو یا عورت لیکن شرط یہ ہے کہ وہ موزے طہارت پر پہنے گئے ہوں۔

فوائد قیود

بِالسُّنَّةِ. اس قید کو لگا کر ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ مسح علی الخفین کا جواز وَاَرْجُلِكُمْ کی قرأت جر سے ہے۔(البحر الرائق ج:۱،ص:۱۷۳)

موجب لِلْوُضوءِ: اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ جس شخص پر غسل کرنا واجب ہے اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔(عنایہ:۱/۱۲۸)

اختلاف الائمہ

موزے پہننے کے وقت طہارتِ کاملہ ضروری ہے یا نہیں یعنی اگر دونوں پیر دھونے کے بعد موزے پہن لئے اور اس کے بعد وضوء کی تکمیل کرے یہ صحیح ہے یا مکمل وضو کے بعد پہننا شرط ہے اس سلسلہ میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

۱ امام شافعی امام مالک امام احمد اسحاق بن راہویہ کے نزدیک طہارت کاملہ عند اللبس شرط ہیں۔
۲ احناف اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک موزے پہننے کے وقت طہارت کاملہ شرط نہیں ہے بلکہ حدث کے وقت طہارت کاملہ شرط ہے۔
چنانچہ اگر کسی نے پہلے اپنے پاؤں دھو کر موزے پہنے پھر باقی وضو پورا کیا پھر حدث ہوا تو اس کو موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۱۹۹)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ثُمَّ اَهْوَيْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَاِنِّى اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا. (نیل الاوطار، ج:۱، ص:۱۹۸)

مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ موزے رہنے دو کیونکہ میں نے اپنے پاؤں موزے میں داخل کئے ہیں اور وہ دونوں طاہر تھے، چنانچہ آپ نے ان پر مسح کیا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موزہ پہنتے وقت طہارت کاملہ شرط ہے۔

جواب: حدیث سے لُبس کے وقت صرف پیروں کی طہارت ثابت ہو رہی ہے نہ کہ مکمل طہارت کیونکہ محاورہ عرب کے بموجب اِنِّىْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ کا مفہوم ومراد اِنِّىْ اَدْخَلْتُ كُلًّا مِنْهُمَا وَهِىَ طَاهِرَةٌ ہے یعنی میں نے اپنے پاؤں موزے میں داخل کئے ہیں اور ان دونوں پیروں میں سے ہر ایک پاک تھا، محاورہ عرب دخلنا البلد رکباناً ہے جس کا مطلب ای دخل کلّ منا وھو راکب ہے نہ کہ ان جمیعنا راکب عند دخول کل منّا حاصل یہ کہ حکم میں وحدت رجل مراد ہے نہ کہ رجلین تثنیہ پر حکم مرتب ہے۔

احناف کی دلیل: موزہ قدم میں حدث حلول کرنے کو روکتا ہے لہٰذا روکنے کے وقت کمال طہارت کی رعایت کی جائے گی۔ (عینی ج:۱، ص:۳۴۶)

(۸۲/۲) فَاِنْ كَانَ مُقِيْمًا مَسَحَ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَاِنْ كَانَ مُسَافِرًا مَسَحَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا

ترجمہ: (۸۲/۲) چنانچہ اگر مقیم ہے تو مسح کرے ایک دن اور ایک رات اور اگر مسافر ہے تو مسح کرے تین دن اور تین رات۔

مدت مسح کیا ہے

اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) امام مالک، لیث بن سعد، حسن بصری اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق مسح علی الخفین کے لئے کوئی مدت متعین نہیں ہے، ایک مرتبہ موزہ پہن کر جب تک چاہے مسح کر سکتے ہیں۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۱۹۹، بذل المجہود ج:۱، ص:۱۹۵ اعلاء السنن ج:۱، ص:۲۳۸)

دلیل: حضرت ابی بن عمارہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبلتین کی جانب نماز پڑھی ہے ان کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم سات دن تک مسح کر سکتے ہو پھر فرمایا اِمْسَحْ مَا بَدَا لَكَ (طحاوی ج:۱، ص:۶۳-۶۴) جتنے دن چاہو مسح کر سکتے ہو۔ (بذل المجہود ج:۱، ص:۹۵، ابوداؤد ج:۱، ص:۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت مسح کی کوئی بھی توقیت نہیں ہے۔

جواب: سند کے اعتبار سے یہ روایت کمزور ہے جیسا کہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں۔

وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي إِسْنَادِهِ وَلَيْسَ هُوَ فِي الْقَوِيِّ (ابوداؤد ج:۱، ص:۲۱، نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۰۰ عینی ج:۱، ص:۳۴۷، اعلاء السنن ص:۲۳۹)

لہٰذا ان متواتر روایتوں کے مقابلہ میں جن کے اندر مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن تین رات سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے ابی بن عمارۃ کی روایت قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔ (طحاوی ج:۱، ص:۶۴)

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام شافعی کے نزدیک مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات مسح کرنا جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۰۰، معارف السنن ج:۱، ص:۳۳۵ اعلاء السنن ج:۱، ص:۲۳۸)

دلیل: عن عبد الرحمن بن ابی بکرٍ عن أبیهِ أنَّ رسولَ اللّٰهِ وَقَّتَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ لِلْمُسَافِرِ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً. (الدرایہ ج:۱، ص:۳۷ اعلاء السنن ج:۱، ص:۲۳۸)

اس کے علاوہ حضرت عمر حضرت علی عبداللہ بن مسعود کی روایات حنفیہ کا مستدل ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج:۱، ص:۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷)

(۸۳/۳) وَابْتِدَاءُهَا عَقِيْبَ الْحَدَثِ

ترجمہ (۸۳/۳): اور مسح کی ابتداء حدث کے بعد سے ہے۔

تشریح: جس وقت وضوٹوٹا ہے اس وقت سے ایک دن ایک رات یا تین دن تین رات کا حساب کیا جائے گا، جس وقت موزہ پہنا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جیسے کسی نے ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا پھر سورج ڈوبنے کے وقت وضوٹوٹا تو اگلے دن کے سورج ڈوبنے تک مسح کرنا درست ہے اور سفر میں تیسرے دن سورج ڈوبنے تک۔ جب سورج ڈوب جائے گا تو اب مسح درست نہ ہوگا۔

مدت مسح کی ابتداء کب سے ہوگی

اس بارے میں تین مذاہب ہیں۔

امام حسن بصری کے نزدیک موزہ پہننے کے وقت سے ابتداء ہوگی۔ (عینی ج:۱، ص:۳۵۱)

دلیل: مسح کا جواز موزہ پہننے کی وجہ سے ہے لہٰذا مدت مسح کی ابتداء بھی موزہ پہننے کے وقت سے ہوگی۔

دوسرا مذہب: امام اوزاعی ابو ثور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ مسح کرنے کے وقت سے ابتداء ہوگی۔ (عینی ۳۵۱)

دلیل: مسح کی مدت کی مقدار مسح کی وجہ سے ہے اسلئے مدت مسح کی ابتداء مسح کرنے کے وقت سے معتبر ہوگی۔

تیسرا مذہب: حنفیہ شافعیہ سفیان ثوری جمہور علماء امام احمد کی اصح روایت یہ ہے کہ مدت مسح کی ابتداء حدث کے وقت سے ہوگی۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۳۵۱)

دلیل: موزہ حدث سرایت کرنے سے مانع ہے چنانچہ مدت کا اعتبار اسی وقت سے ہوگا جس وقت سے اس نے حدث سرایت کرنے سے روکا ہے، جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے۔

(۸۴/۴) وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا خُطُوْطًا بِالْاَصَابِعِ يَبْتَدِأُ مِنَ الْاَصَابِعِ اِلَى السَّاقِ وَفَرْضُ ذَالِكَ مِقْدَارُ ثَلٰثِ اَصَابِعَ مِنْ اَصَابِعِ الْيَدِ.

ترجمہ: (۸۴/۴) اور مسح دونوں موزوں کے ظاہری حصہ پر ہے اس حال میں کہ خط کھینچتے ہوئے انگلیوں سے (اس طرح کہ) شروع کرے (پاؤں کی) انگلیوں سے پنڈلیوں کی جانب (کھینچ لے جائے) اور اس کا فرض ہاتھ کی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مسح کی کیفیت اور مقدار فرضیت کا بیان ہے۔

موزوں کے ظاہری حصہ پر مسح کرنا ضروری ہے موزوں پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے پھر ان دونوں کو پنڈلیوں کی جانب ٹخنوں کے اوپر کھینچ کر لے جائے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے اور ہتھیلی موزوں سے الگ رکھے۔

فرض تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا ہے لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ پاؤں کی انگلیاں معتبر ہیں یا ہاتھ کی امام کرخی کے نزدیک پاؤں کی انگلیاں معتبر ہے۔

دلیل: مسح پاؤں پر واقع ہوتا ہے اور تین انگلیاں ممسوح کا اکثر ہے چنانچہ تین انگلیاں پورے پاؤں کے قائم مقام ہوں گی۔ (بدائع الصنائع ج:۱، ص:۸۸)

ہمارے عام علماء کے نزدیک مقدار مسح میں ہاتھ کی انگلیوں کا اعتبار ہے۔

دلیل: مسح ایک فعل ہے جو فاعل کی جانب منسوب ہوتا ہے محل کی جانب نہیں اور ہاتھ آلۂ مسح ہے چنانچہ اسی کا اعتبار ہوگا عام علماء کا قول ہی اصح ہے۔ (عنایہ من ہامش الفتح ج:۱، ص:۱۳۲)

تنبیہ: ہر موزے پر تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے۔

مسح علی الخفین صرف اوپر کی جانب ہوگا یا اوپر اور نیچے دونوں طرف اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام مالک امام شافعی کے نزدیک مسح علی الخفین اعلیٰ و اسفل دونوں جانبوں میں ہوگا امام مالک جانبین کے مسح کو واجب کہتے ہیں اور امام شافعی اعلیٰ کو واجب اور اسفل کو مستحب کہتے ہیں۔ (معارف السنن ج:۱،ص: ۳۳۹، اعلاء السنن ج:۱ص: ۲۴۰)

دلیل: عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ اَعْلَى الْخُفِّ وَاَسْفَلَهُ. (ترمذی، ج:۱،ص: ۲۸ نیل الاوطار ص: ۲۰۳) یعنی مغیرہ بن شعبہ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح علی الخفین اعلیٰ و اسفل دونوں پر مسح کیا ہے۔

جواب: اس حدیث کو امام ترمذی نے معلول اور امام ابوداؤد نے ضعیف قرار دیا ہے امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ثور بن یزید کا سماع رجاء بن حیوۃ سے ثابت نہیں گویا کہ حدیث منقطع ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص: ۳۵۴، البحر الرائق ج:۱،ص: ۱۸۱، اعلاء السنن ج:۱،ص: ۲۴۰)

(۲) اور اگر حدیث کو قابل استدلال مان بھی لیا جائے تب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل میں مسح صرف ظاہر پر کیا تھا لیکن موزوں کی سختی کی وجہ سے اسفل خف کو بھی پکڑا تھا جس کو راوی نے مسح علی الاسفل سے تعبیر کر دیا۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص: ۲۴۱)

(۳) حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں حضرت مغیرہ کی یہ روایت مسند بزار میں ساٹھ طریقوں سے منقول ہیں لیکن اس حدیث کے سوا کسی بھی روایت میں اسفل خف کا تذکرہ نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص: ۳۴۵)

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ امام احمد بن حنبل سفیان ثوری امام اوزاعی کے نزدیک بالائی حصہ پر مسح کرنا جائز ہے اسفل پر مسح کرنا جائز نہیں۔ (معارف ج:۱،ص: ۳۳۹)

دلیل: عن الحسن عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ بَالَ ثم جَاءَ حَتّٰى تَوَضَّأَ ومسحَ عَلٰى خُفَّيْهِ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى على خُفِّهِ الْاَيْمَنِ وَيَدَهُ الْيُسْرٰى على خفهِ الايسرِ ثم مَسَحَ اَعْلَاهُمَا مَسْحَةً وَاحِدَةً حَتّٰى كَاَنِّيْ انظرُ اِلٰى اَصَابِعِ رسولِ اللّٰهِ على الخفينِ (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ج:۱،ص: ۷۹، عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص: ۳۵۴)

حدیث کا ترجمہ: امام حسن سے منقول ہے وہ حضرت مغیرہ سے روایت کرتے ہیں حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے پیشاب کیا پھر آ کر وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا اور اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں موزے پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں موزے پر رکھا پھر موزوں کے بالائی حصہ پر ایک مرتبہ مسح کیا۔ گویا کہ میں آپ کے موزوں پر ان نشانات کو دیکھ رہا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پیدا ہوئے تھے۔

علاوہ ازیں احناف کا مستدل حضرت علی کی روایت بھی ہے جس کو علامہ شوکانی اور بدر الدین عینی نے نقل فرمایا ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص: ۲۰۲ عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص: ۳۵۴)

(۵/۸۵) ولَايَجُوزُ الْمَسْحُ عَلٰى خُفٍّ فِيهِ خَرْقٌ كَثِيرٌ يَتَبَيَّنُ مِنْهُ قَدْرُ ثَلٰثِ اَصَابِعِ الرِّجْلِ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ جَازَ .

ترجمہ: (۵/۸۵) اور جائز نہیں ہے مسح کرنا ایسے موزے پر جس میں زیادہ پھٹن ہو کہ اس سے پیر کی تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہو جائے اور اگر پھٹن اس سے کم ہو تو جائز ہے۔

تشریح: جو موزہ اتنا پھٹ گیا ہو کہ چلنے میں پیر کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر پاؤں کھل جاتا ہے تو اس پر مسح درست نہیں اور اگر اس سے کم کھلتا ہو تو مسح درست ہے۔

اگر موزے میں پھٹن پیدا ہو جائے تو اس پر مسح کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں امام اکمل الدین نے عنایہ من ہامش الفتح ج:۱،ص:۱۳۲ پر چار مذاہب نقل کئے ہیں۔

(۱) امام زفر اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ موزے میں پھٹن کم ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں مسح کرنا ناجائز ہے۔(بدائع الصنائع ج:۱،ص:۸۵)

دلیل: جب زیادہ پھٹن مانع مسح ہے تو تھوڑی پھٹن بھی مانع مسح ہوگی جیسے حدث مطلقاً مسح کو توڑنے والا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

دوسرا مذہب: سفیان ثوری کے نزدیک دونوں صورتوں میں مسح کرنا جائز ہے۔

دلیل: موزہ پاؤں میں حدث آنے کو منع کرتا ہے چنانچہ جب تک اس پر موزہ کا اطلاق صحیح ہے تو اس پر مسح بھی جائز ہے۔(بدائع الصنائع ج:۱،ص:۸۶) چاہے کتنا ہی پھٹا ہو، اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔

تیسرا مذہب: احناف علماء کے نزدیک اگر پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار پاؤں کھل گیا یا اس سے زائد کھل گیا تو یہ خرق کثیر کے اندر داخل ہے اس صورت میں موزے پر مسح جائز نہیں اور اگر اس سے کم مقدار میں کھلا ہے تو یہ خرق قلیل ہے اس صورت میں موزے پر مسح کرنا جائز اور درست ہے۔(بدائع الصنائع ج:۱،ص:۸۶)

دلیل: موزے عام طور پر معمولی پھٹن سے خالی نہیں ہوتے چنانچہ اگر معمولی پھٹن کی وجہ سے موزے نکالدینے کا حکم کیا گیا تو لوگ حرج میں مبتلا ہو جائیں گے اس لئے اس کو معاف کر دیا گیا اور خرق کثیر سے موزے بالعموم خالی ہوتے ہیں نکالنے میں کوئی حرج بھی نہ ہوگا، اس لئے معافی کا حکم بھی نہیں دیا گیا۔

چوتھا مذہب: امام اوزاعی کے نزدیک پھٹن کی وجہ سے جو حصہ پیر کا کھل گیا اس کو دھویا جائے اور جو نہیں کھلا اس پر مسح کر لیا جائے۔

دلیل: ایک عضو میں غسل اور مسح دونوں کو جمع کرنا جائز ہے اس لئے یہ مذہب امام اوزاعی نے اختیار کیا ہے۔(عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۱۳۲،۱۳۳)

(۶/۸۶) وَلَايَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ

ترجمہ: (۸۶/۶) اور جائز نہیں موزوں پر مسح کرنا اس شخص کے لئے جس پر غسل واجب ہے۔

تشریح: جس شخص پر غسل واجب ہو اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

صاحب عنایہ نے اس کی صورت یہ لکھی ہے: رَجُلٌ تَوَضَّأَ وَلَبِسَ الخُفَّ ثُمَّ اَجْنَبَ ثم وَجَدَ مَاءً يكفي لِلْوُضُوْءِ وَلَا يَكْفِيْ لِلْاِغْتِسَالِ فَاِنَّهٗ يَتَوَضَّأُ وَيَغْسِلُ رِجْلَيْهِ وَلَا يَمْسَحُ وَيَتَيَمَّمُ لِلْجَنَابَةِ (عنایہ ج:۱،ص:۱۳۴)

ایک شخص نے وضو کر کے موزے پہنے پھر جنبی ہو گیا پھر اس کو اتنا پانی میسر آ گیا جو وضو کے لئے کافی ہے مگر غسل کے لئے کافی نہیں تو یہ شخص اس پانی سے وضو کرے اور پاؤں دھوئے اور مسح نہ کرے اور جنابت کے لئے تیمم کرے۔

دلیل: مسح علی الخفین حرج دور کرنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے اور حرج حدث اصغر کی صورت میں ہے: لہٰذا حدث کی صورت میں مسح علی الخفین جائز ہوگا اور جنابت کی صورت میں جائز نہ ہوگا۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۱۳۵)

(۸۷/۷) وَيَنْقُضُ الْمَسْحَ مَايَنْقُضُ الْوُضُوْءَ (۸۸/۸) وَيَنْقُضُهٗ اَيْضًا نَزْعُ الْخُفِّ (۸۹/۹) وَمُضِيُّ الْمُدَّةِ فَاِذَا مَضَتِ الْمُدَّةُ نَزَعَ خُفَّيْهِ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ وَصَلّٰى وَلَيْسَ عَلَيْهِ اِعَادَةُ بَقِيَّةِ الْوُضُوْءِ.

ترجمہ: (۸۷/۷) اور توڑ دیتی ہے مسح کو وہ چیزیں جو توڑ دیتی ہیں وضو کو۔ (۸۸/۸) اور توڑ دیتا ہے مسح کو موزہ کا اتارنا بھی۔ (۸۹/۹) اور مدت کا گذرنا بھی چنانچہ جب مدت گذر جائے تو دونوں موزے نکالدے اور دونوں پیر دھو کر نماز پڑھے اور نہیں ہے اس پر باقی وضوء کا دوبارہ کرنا۔

تشریح: ہر وہ چیز جو ناقض وضو ہے وہ ناقض مسح بھی ہے لیکن موزے کا پیروں سے نکل جانا یا نکال لینا ناقض مسح ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

(۱) ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک اگر طہارت پر نکل جائے تو صرف پیر دھو کر موزہ پہن لینا کافی ہے، وضو کی ضرورت نہیں ہے اور اگر حدث پر نکل جائے تو وضو کی ضرورت ہے۔

(۲) امام عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور داؤد ظاہری کے نزدیک موزہ کے نکل جانے کی وجہ سے طہارت ختم نہیں ہوتی لہٰذا اگر طہارت پر موزہ نکل جائے تو پیر دھونے کی ضرورت نہیں ہے بغیر دھلے موزہ پہن کر مسح کرنا جائز ہے لیکن اگر موزہ نکل جانے کے بعد حدث لاحق ہو جائے تو پھر طہارت کی ضروت ہے۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ مدت مسح گذر جانے سے بھی مسح علی الخفین ٹوٹ جاتا ہے اور جب مدت مسح پوری ہو گئی تو موزے نکال کر پیر دھو کر نماز پڑھ لے باقی وضو کا اعادہ ضروری نہیں ہے، یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک اس پر وضو کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔

دلیل: مدت مسح گذر جانے سے پیروں کی طہارت ٹوٹ گئی اور حدث میں تجزی (ٹکڑے) نہیں ہے چنانچہ طہارت کا ٹوٹنا باقی اعضاء کی جانب بھی متعدی ہوگا۔

لہٰذا دوبارہ وضو کرنا واجب ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۸۸عنایہ من ہامش الفتح ج:۱،ص:۱۳۵)

جواب: حدث نام ہے ناپاکی نکلنے کا اور مدت مسح کا گذر جانا ایسا نہیں ہے لہٰذا حدث مسح گذرنے کو حدث پر قیاس کرنا درست نہیں ہے (عنایہ ج:۱،ص:۱۳۵)

احناف کی دلیل: وقد رُوِیَ عن ابن عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ فی غَزْوَةٍ فَنَزَعَ خُفَّيْهِ وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ وَلَمْ يُعِدِ الْوُضُوْءَ.

حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ آپ کسی غزوہ میں تھے چنانچہ آپ نے موزے نکال کر صرف اپنے پیروں کو دھویا اور باقی وضو کا اعادہ نہیں کیا۔ (عنایہ ج:۱،ص:۱۳۵)

(۹۰/۱۰) وَمَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيْمٌ فَسَافَرَ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَسَحَ تَمَامَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا (۹۱/۱۱) وَمَنِ ابْتَدَاءَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُسَافِرٌ ثُمَّ اَقَامَ فَاِنْ كَانَ مَسَحَ يَوْمًا وَلَيْلَةً اَوْ اَكْثَرَ لَزِمَهُ نَزْعُ خُفَّيْهِ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْهُ تَمَّمَ مَسْحَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ

ترجمہ: (۹۰/۱۰) جس شخص نے مسح شروع کیا اقامت کی حالت میں پھر سفر شروع کر دیا ایک دن اور رات مکمل ہونے سے پہلے تو تین دن اور ان کی راتیں مسح کرے۔

(۹۱/۱۱) اور جس شخص نے مسح شروع کیا سفر کی حالت میں پھر مقیم ہوگیا تو اگر وہ مسح کر چکا ہے ایک دن رات یا اس سے زیادہ تو اس کے لئے موزے کا نکالنا ضروری ہے اور اگر اس سے کم کیا ہو تو مکمل کرے ایک دن رات کے مسح کی مدت۔

تشریح: صاحب عنایہ وکفایہ نے تین صورتیں لکھی ہیں۔

۱ مقیم نے جس طہارت پر موزے پہنے تھے اس کے ٹوٹنے سے پہلے سفر شروع کر دیا پھر سفر کی حالت میں کسی وجہ سے اس کی طہارت ختم ہوگئی تو اس صورت میں بالاتفاق مسح کی مدت تین دن رات پوری کرے گا۔ (عنایہ ج:۱،ص:۱۳۶)

۲ حدث کے بعد اور مدت اقامت پوری ہونے کے بعد سفر شروع کیا تو اس صورت میں بالاجماع ایک دن رات پورے ہونے پر موزے نکال دے۔ (عنایہ کفایہ، ج:۱،ص:۱۳۴)

۳ حدث کے بعد اور مدت اقامت پوری ہونے سے قبل سفر شروع کر دیا تو اب مدت اقامت مدت سفر کی جانب منتقل ہوگی یا نہیں۔

اس بارے میں دو مذہب ہیں:

۱ حنفیہ، سفیان ثوری امام احمد بن حنبل کا مرجوع الیہ قول یہ ہے کہ مدت اقامت مدت سفر کی جانب منتقل ہو جائے گی یعنی تین روز تک مسح کرے گا۔ (مسافر والی مسح کی مدت کو اس طرح پورا کرے کہ مجموعہ تین دن ہو جائیں یہ

مطلب نہیں کہ از سر نو تین دن تک مسح کرتا رہے)

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا یعنی ہر مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مسح کرنے کی اجازت ہے اور یہ شخص بھی مسافر ہے اس لئے اس کو بھی تین دن مسح کرنے کی اجازت ہوگی۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۳۶۳)

دوسرا مذہب: امام شافعی کے نزدیک مدت اقامت مدت سفر کی جانب منتقل نہ ہوگی بلکہ ایک دن پورا کر کے موزے نکالنا ضروری ہوگا۔

دلیل: مسح ایک عبادت ہے اور ہر وہ عبادت جو اقامت کی حالت میں شروع ہوگئی ہو، سفر کی وجہ سے متغیر نہیں ہوتی، اس میں ابتدائی حال کا اعتبار ہوتا ہے جیسے کسی نے بحالت اقامت کشتی میں نماز شروع کی اور نماز تمام ہونے سے قبل سفر شروع ہو گیا یا جیسے روزہ ہے کہ اس نے حالت اقامت میں شروع کیا پھر مسافر ہوا ان دونوں صورتوں میں اقامت کا اعتبار ہے یعنی نماز چار رکعت پڑھنی ہوگی اور روزہ بھی رکھنا ہوگا، مسح علی الخفین بھی چونکہ حالت اقامت میں شروع کیا پھر سفر کرنے سے بھی اقامت کا اعتبار ہونا چاہئے۔ (عنایہ کفایہ، ج:۱،ص:۱۳۷، البحر الرائق۔ج:۱،ص:۱۸۸)

جواب: مسح عبادت کو مستلزم نہیں کیونکہ نفس وضو کا فی نفسہ عبادت ہونا ضروری نہیں ہے ہاں وضو نیت سے عبادت بنتی ہے ایسے ہی مسح نیت سے عبادت واقع ہوگا، لیکن جو مسح عبادت نہیں یعنی بلا نیت والا مفتاح صلوٰۃ ہونے کے لئے وہ بھی کافی ہو جاتا ہے پس ایسے عمل کو جو عبادت، غیر عبادت دونوں ہو سکتا ہے اس کو قیاس کرنا ایسے عمل پر جو من کل الوجوہ عبادت ہے، صحیح نہیں کیونکہ مقیس ومقیس علیہ کے مابین علت جامع مشترک نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۸۸)

تنبیہ: ماقبل میں جس صورت میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے اسے امام قدوری نے وَمَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيْمٌ اِلٰى وَلَيَالِيْهَا میں ذکر کیا ہے۔

(۹۲/۱۲) وَمَنْ لَبِسَ الْجُرْمُوْقَ فَوْقَ الْخُفِّ مَسَحَ عَلَيْهِ

ترجمہ: (۹۲/۱۲) اور جس شخص نے موزے پر جرموق پہنا تو وہ جرموق پر مسح کرے۔

جرموق کی تعریف وہ موزے جو موزے کے اوپر پہنے جاتے ہیں تا کہ موزے کو کیچڑ ونجاست وغیرہ سے بچایا جا سکے۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۴۳)

جرموق پر مسح جائز ہے یا نہیں

اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی کے نزدیک جرموق پر مسح جائز نہیں ہے یہی ایک روایت امام مالک سے ہے۔ (عینی ۱/۳۶۴)

دلیل: موزہ پیروں کا بدل ہے اور بدل کا بدل نہیں ہوتا کیونکہ مسح علی الخفین پر احادیث وارد ہوئی ہیں پاؤں کا

بدل ہوکر پس جرموق پرمسح جائز قرار دینا موزہ کا بدل ہوکر ہوگا حالانکہ یہ ناجائز ہے اس لئے جرموق پرمسح جائز نہیں ہے۔
(البحر الرائق ج:۱،ص:۱۸۹،عینی ج:۱،ص:۳۶۵)

جواب: جرموق بدل کا بدل ہے ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے کیونکہ جرموق موزہ کا بدل نہیں بلکہ پاؤں کا بدل ہے جیسا کہ موزہ پاؤں کی حفاظت کے واسطے ہوتا ہے اسی طرح جرموق موزے کی حفاظت کے واسطے ہوتا ہے چنانچہ موزہ پر جرموق ایسا ہوگیا جیسے دوتہ والا موزہ اور دوتہ والے موزے کے اوپری حصہ پرمسح جائز ہے اسی طرح جرموق پر بھی جائز ہوگا۔(البحر الرائق ج:۱،ص:۱۸۹،عینی ج:۱،ص:۳۶۶)

دوسرا مذہب: حنفیہ امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری اور جمہور علماء کے نزدیک جرموق پرمسح جائز ہے۔(عینی ۱/۳۶۴)

دلیل: حضرت بلال سے روایت ہے رأیتُ رسولَ اللّٰهُ مَسَحَ عَلَى الْمُوْقَيْن. (اعلاء السنن ج:۱، ص:۲۴۳، نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۷، ابوداؤد ج:۱/۲۱) موق بھی جرموق ہی کا نام ہے (اعلاء ج:۱،ص:۲۴۳) اس کے علاوہ حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بھی احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔(درایہ ج:۱،ص:۶۷ عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۳۶۵)

(۱۳/۹۳) وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَا مُجَلَّدَيْنِ اَوْ مُنَعَّلَيْنِ وَقَالَا يَجُوْزُ اِذَا كَانَا ثَخِيْنَيْنِ لَا يَشُفَّانِ

ترجمہ: (۱۳/۹۳) اور جائز نہیں مسح کرنا جوربین پر مگر یہ کہ وہ مجلد ہوں یا منعل ہوں اور صاحبین نے کہا کہ جائز ہے بشرطیکہ موٹے کپڑے کے ہوں چھنتے نہ ہوں۔

جورب کی تعریف: سوت یا اون کے بنے ہوئے موزے جو سخت جاڑے میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

مجلد کی تعریف: اگر ایسے موزوں پر اوپر نیچے دونوں طرف چمڑا چڑھا ہوا ہو تو اس کو مجلد کہتے ہیں۔

منعل کی تعریف: اگر صرف نیچے کے حصہ میں چمڑا چڑھا ہوا ہو یعنی جوتے کے برابر تو اس کو منعل کہتے ہیں۔
(عینی ج:۱،ص:۳۶۶)

جوربین پرمسح جائز ہے یا نہیں؟

(۱) جوربین مجلدین، جوربین منعلین پر بالاتفاق مسح کرنا جائز ہے۔

(۲) اگر جوربین مجلد یا منعل نہ ہوں اور رقیق ہو یعنی ان میں ثخینین کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں تو ان پر بالاتفاق مسح جائز نہیں ہے۔(عینی ج:۱،ص:۳۶۷، اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۴۴)

ثخینین کا مطلب: وہ موزے جن میں تین شرائط پائی جائیں، (۱) اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پاؤں تک نہ پہنچے (۲) بغیر باندھے خود ہی پنڈلیوں پر رکے رہیں، (۳) ان کو پہن کر بغیر جوتے کے ایک دو میل پیدل چلا جاسکے۔

رقیق کا مطلب: وہ موزے جن میں مذکورہ بالا شرائط نہ پائی جائیں۔
(۳) جوربین غیر مجلدین وغیر منعلین ثخینین پر مسح کرنے کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔
امام مالک امام شافعی امام ابوحنیفہؒ کا مرجوع عنہ قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ (معارف ج ۱ ص: ۳۴۶)
دوسرا مذہب: صاحبین امام احمد کے نزدیک مسح کرنا جائز ہے۔ (عینی ج: ۱، ص: ۳۶۷)
فائدہ: امام ابوحنیفہ نے وفات سے تین یا سات یا نو دن قبل اپنے قول سے رجوع کر کے صاحبین کا قول اختیار کرلیا تھا۔ (عینی ۱/۳۶۹، معارف السنن ۱/۳۴۶، اعلاء السنن ۱/۲۴۴) مسح علی الجوربین کے متعلق تین روایات وارد ہوئی ہیں، (۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری سے (۲) حضرت بلالؓ سے، یہ دونوں روایات ضعیف ہیں۔ (۳) حضرت مغیرہ بن شعبہ سے جس کے اندر بڑا اختلاف ہے اور مسح علی الخفین کے جواز کے سلسلہ میں بکثرت احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں اس لئے جوربین کی جن قسموں میں خفین والی شرائط پائی جائیں گی ان کو علت کے مشترک ہونے کی بنیاد پر خفین کا حکم دے کر مسح کے جواز کا قول اختیار کیا جائے گا اور جن میں وہ شرائط نہیں پائی جائیں گی ان کو خفین کا حکم نہ دے کر مسح کے عدم جواز کا قول اختیار کریں گے۔ (معارف السنن ج: ۱، ص: ۳۵۰)

(۹۴/۱۴) وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْبُرْقُعِ وَالْقُفَّازَيْنِ

ترجمہ: (۹۴/۱۴) اور جائز نہیں مسح کرنا پگڑی ٹوپی برقع اور دستانوں پر۔
تشریح: پگڑی پر مسح درست نہیں ہے اسی طرح ٹوپی پر بھی مسح جائز نہیں ہے اسی طرح عورت کے لئے برقع پر مسح کرنا جائز نہیں اور بعض لوگ جو شکاری پرندے پکڑتے ہیں وہ ہاتھوں میں دستانے پہنتے ہیں تا کہ پرندوں کے چنگل کی ضرب سے محفوظ رہ سکیں یا بعض لوگ سردی کی وجہ سے دستانے پہنتے ہیں ان پر بھی مسح درست نہیں ہے۔
یعنی خفین پر مسح کے جواز کو قیاس کر کے ان چیزوں (پگڑی ٹوپا برقع دستانے) پر مسح جائز قرار دینا درست نہیں کیونکہ مذکورہ چیزوں پر مسح کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

پگڑی پر مسح کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں دو قول ہیں

۱ امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ امام اوزاعی کے نزدیک سر پر مسح کرنے کے بجائے مسح علی العمامہ پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ (نیل الاوطار ج: ۱، ص: ۱۸۱)
دلیل: عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْعِمَامَةِ. (ترمذی شریف ج: ۱، ص: ۲۹) ۲ اس کے علاوہ عمرو بن امیہ کی حدیث بخاری ج: ۱، ص: ۳۳ حضرت ثوبان کی روایت ابوداؤد ج: ۱، ص: ۱۹ ابوموسیٰ اشعری کی روایت نیل الاوطار ج: ۱، ص: ۱۸۰ سے مسح علی العمامہ کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب: امام محمد نے فرمایا کہ مسح علی العمامہ پہلے تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔ (فیض الباری ج:۱،ص:۳۰۲ اعلاء السنن ج:۱،ص:۷ معارف السنن ج:۱،ص:۳۵۶)

دوسرا جواب: جن روایتوں میں مسح علی العمامہ کا ذکر ہے وہ مختصر ہیں اصل میں علی ناصیته وعمامته تھا جیسا کہ حضرت بلال کی روایت میں ہے: مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَبِنَاصِيَتِهِ وَالعَمَامَةِ (معارف السنن ج:۱،ص:۳۵۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تنہا پگڑی کا مسح نہیں فرمایا لہٰذا اب مسح علی العمامہ کی جملہ روایات کا محمل یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی مقدار مفروض کا مسح فرمایا اور اس کے بعد پگڑی پر ہاتھ پھیرا اور یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا۔

تیسرا جواب: ممکن ہے آپ نے مسح علی العمامہ زکام یا سر میں تکلیف کی وجہ سے کیا ہو، یہ جواب قاضی عیاض نے دیا ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۳۵۲)

دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ سفیان ثوری کے نزدیک صرف مسح علی العمامہ کافی نہیں اس سے مسح کا فرض ادا نہ ہوگا۔
(نیل الاوطار ص ۱۸۱، معارف السنن ۱/۵۲)

دلیل: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ آیت کا یہ ٹکڑا قطعی ہے اور اس میں سروں پر مسح کرنے کا حکم ہے ظاہر ہے کہ جو شخص پگڑی پر مسح کرے اس کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے سر پر مسح کیا ہے ایسے ہی مسح علی الرأس سے متعلق احادیث تواتر کے ساتھ ثابت ہیں اور مسح علی العمامہ کی احادیث اخبار آحاد ہیں لہٰذا اخبار آحاد کی وجہ سے مسح علی الرأس کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۳۵۳ تا ۳۵۴ اعلاء السنن ج:۱،ص:۷، نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۸۱)

مذکورہ مسئلہ کی مزید تفصیل بدائع الصنائع مع حاشیہ ج:۱،ص:۱۷ بذل المجہود ج:۱،ص:۸۷ پر ملاحظہ کرلیجئے

فائدہ: مقدار مفروض (جو احناف کے نزدیک چوتھائی سر شافعیہ کے یہاں ایک بال یا تین بال ہے) کے بعد بقیہ سر پر جو مسح کرنا سنت ہے وہ سنت پگڑی پر کرنے سے ادا ہوسکتی ہے یا نہیں اس بارے میں دو قول ہیں۔

(۱) امام احمدؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک باقی مسح پگڑی پر کرنے سے سنت ادا ہوجائے گی۔

(۲) حنفیہ و موالک کے نزدیک ادا نہ ہوگی۔

(۱۵/۹۵) وَيَجُوْزُ عَلَى الْجَبَائِرِ وَاِنْ شَدَّهَا عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ (۱۶/۹۶) فَاِنْ سَقَطَتْ مِنْ غَيْرِ بُرْءٍ لَمْ يَبْطُلِ الْمَسْحُ (۱۷/۹۷) وَاِنْ سَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ.

ترجمہ: (۱۵/۹۵) اور جائز ہے مسح جبائر پر اگرچہ باندھی ہوں بغیر وضو کے۔ (۱۶/۹۶) چنانچہ اگر گر جائے جبیرہ زخم اچھا ہوئے بغیر تو مسح باطل نہ ہوگا۔

(۱۷/۹۷) اور اگر زخم اچھا ہونے پر گر جائے تو مسح باطل ہوجائے گا۔

جبائر: جبیرہ کی جمع ہے ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی یا پٹی یا زخم کی پٹی کو جبیرہ کہتے ہیں۔
جبیرہ پر مسح کرنا محدث کے لئے جائز ہے خواہ وہ پٹی طہارت کی حالت میں باندھی گئی ہو یا حدث کی حالت میں۔
مسح علی الجبیرہ دلیل عقلی ونقلی دونوں سے ثابت ہے۔
دلیل عقلی: جبیرہ کھولنے اور باندھنے میں موزہ اتارنے کی بہ نسبت زیادہ حرج ہے اور حرج دور کرنے کیلئے ہی موزوں پر مسح جائز ہوا ہے تو جبیرہ پر بدرجہ اولی مسح کرنا جائز ہوگا۔
دلیل نقلی: حضرت جابر فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں تھے ہمارے ایک ساتھی کے سر پر پتھر آلگا جس سے اس کا سر زخمی ہوگیا پھر اتفاق سے ان کو احتلام بھی ہوگیا انہوں نے اپنے ساتھیوں سے معلوم کیا کہ کیا میرے لئے تیمم کی گنجائش ہے؟ انہوں نے کہا تمہارے لئے ہم کوئی رخصت نہیں پاتے (انہوں نے اجازت نہ دی) حالانکہ تم کو پانی کے استعمال پر قدرت بھی ہے ان صحابی نے غسل کرلیا (جس سے دماغ کے اندر پانی پہنچا) اور انتقال ہوگیا واپسی میں جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو فرمایا ان ہی لوگوں نے اس شخص کو مار ڈالا اللہ انہیں قتل کرے جب وہ جانتے نہ تھے تو پوچھا کیوں نہیں مصیبت زدہ کی شفا سوال ہی ہے، اسے تیمم کافی تھا یا وہ زخم پر پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کرلیتا اور باقی بدن کو دھولیتا۔ (بذل المجہود ج:۱ ص:۲۰۵ عینی ج:۱ ص:۳۷۲)

بَابُ الْحَيْضِ

(یہ) باب حیض (کے بیان میں) ہے

ماقبل سے مناسبت: سابق میں ان احداث کا ذکر تھا جو کثرت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اس باب میں قلیل الوقوع احداث مذکور ہیں۔ (اللباب ج:۱ ص:۶۰)
حیض کی لغوی تعریف: بہنا۔
اصطلاحی تعریف: حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو رحم کی گہرائی سے بحالت صحت مقررہ وقت کے مطابق جاری ہوتا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱ ص:۳۷۶)
حیض کا سبب: حضرت حواء علیہا السلام نے جب شجرۂ ممنوعہ کھانے کی وجہ سے رب حقیقی کی حکم عدولی کی تو اللہ نے ان کو حیض کے ساتھ مبتلا کردیا پس اس وقت سے اب تک ان کی اولاد بنات میں یہ ابتلاء برابر جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ (عینی ج:۱ ص:۳۷۶، البحر الرائق ج:۱ ص:۲۰۰)

(۱/۹۸) اَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَمَا نَقَصَ مِنْ ذَالِكَ فَلَيْسَ بِحَيْضٍ وَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ وَاَكْثَرُهٗ

عَشَرَةُ اَیَّامٍ وَمَازَادَ عَلٰی ذَالِکَ فَھُوَ اِسْتِحَاضَۃٌ .

ترجمہ: (۹۸/۱) حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور ان کی راتیں ہیں اور جو اس سے کم ہو وہ حیض نہیں بلکہ وہ استحاضہ ہے اور حیض کی اکثر مدت دس دن ہے اور جو اس پر زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

تشریح: کم سے کم حیض کی مدت تین دن تین رات ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن اور دس رات ہے کسی کو تین دن تین رات سے کم خون آیا وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے اور اگر دس دن رات سے زیادہ آیا ہے وہ بھی استحاضہ ہے۔

حیض کی اقل مدت واکثر مدت میں اختلاف ائمہ مع دلائل وجوابات

امام مالک کے نزدیک کم کی کوئی حد نہیں ایک قطرہ بھی ان کے نزدیک حیض ہوگا امام شافعی وامام احمد کے نزدیک ایک دن ایک رات ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۷۷، معارف السنن، ج:۱،ص:۴۱۲)

حنفیہ کے نزدیک تین دن تین رات ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۱۲)

اکثر مدت کے سلسلہ میں امام شافعی واحمد کا مذہب یہ ہے کہ پندرہ دن ہے۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۲۰۱)

امام مالک کے نزدیک سترہ دن احناف کے نزدیک دس دن۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۱۳)

احناف کی دلیل: عَنْ أَبِیْ اُمَامَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَقَلُّ الْحَیْضِ ثَلَاثٌ وَاَکْثَرُہٗ عَشَرٌ. (اعلاء، ج:۱،ص:۲۴۹)

اس کے علاوہ وَاثِلہ اَنس معاذ بن جبل ابوسعید خدری عائشہؓ کی روایات احناف کے مذہب کی تائید کرتی ہیں یہ تمام روایات اگرچہ ضعیف ہیں لیکن اس روایت کے مقابلہ میں اَحسن ہیں جس سے شوافع کا استدلال ہے۔

(معارف السنن، ج:۱،ص:۴۱۳، عینی ج:۱،ص:۳۷۹)

شوافع وحنابلہ کا استدلال: اس روایت سے ہے جس کے الفاظ ہیں تَمْکُثُ اِحْدَاکُنَّ شَطْرُ عُمْرِھَا لَاتُصَلِّیْ. (معارف ج:۱،ص:۴۱۳)

یعنی تم میں سے ہر ایک اپنی عمر کا آدھا حصہ ٹھہری رہتی ہو نماز نہیں پڑھ سکتی اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آدھی عمر نماز کے قابل نہیں رہتی اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ حیض کی اکثر مدت پندرہ دن مانی جائے۔

جواب: اس حدیث کے متعلق ابن الجوزی فرماتے ہیں حَدِیْثٌ لَایُعْرَفُ امام بیہقی فرماتے ہیں اَنَّہٗ لَمْ یَجِدْہُ امام نووی فرماتے ہیں۔

حَدِیْثٌ بَاطِلٌ لَایُعْرَفُ. (معارف السنن ج:۱،ص:۴۱۳)

اور اگر بالفرض یہ حدیث درست بھی مان لی جائے اور شوافع وحنابلہ کے مذہب کے مطابق پندرہ دن حیض شمار کیا جائے تب بھی مجموعی عمر میں حیض کا حصہ نصف نہیں ہو سکتا کیونکہ قبل البلوغ اور بعد الایاس کا سارا زمانہ بغیر حیض کا ہے۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۴۹) امام مالکؒ کا استدلال وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ھُوَ اَذًی اس آیت میں بغیر

تعیین وتقدیر کے حیض کو گندگی قرار دیا ہے۔

جواب: حضرت ابوامامہ وغیرہ صحابہ کی تمام روایات اس آیت کے اجمال کی تفسیر بیان کررہی ہیں۔
(بدائع ج:۱،ص:۱۵۴)

(۲/۹۹) وَمَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ والكُدْرَةِ فِيْ اَيَّامِ الْحَيْضِ فَهُوَ حَيْضٌ حَتّٰى تَرَى الْبَيَاضَ خَالِصًا.

ترجمہ: (۲/۹۹) اور وہ جس کو دیکھے عورت سرخ، زرد، اور مٹیالا خون حیض کے دنوں میں تو وہ سب حیض ہے یہاں تک کہ دیکھے خالص سفیدی کو۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ حیض کی رنگتوں کو بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا حیض کی مدت کے اندر سرخ زرد سبز خاکی یعنی مٹیالا سیاہ گدلا، جس رنگ کا خون آئے سب حیض ہے جب تک گدی بالکل سفید نہ دکھائی دے اور جب بالکل سفید دکھائی دے جیسی کہ رکھی گئی تھی تو اب عورت حیض سے پاک ہوگئی۔

اختلاف الائمہ

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک حیض کے خون چار ہیں سرخ کالا زرد مٹیالا۔
(۲) امام شافعی اور امام احمدؒ بن حنبل کے نزدیک صرف سرخ اور سیاہ رنگ کا خون حیض ہے باقی استحاضہ کے رنگ ہیں
(۳) امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس رنگ کا بھی خون آئے وہ حیض ہے شرط یہ ہے کہ ایام حیض میں آئے۔

فائدہ: احناف کے نزدیک حیض کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا دار و مدار ایام پر ہے رنگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے ہر رنگ کا حیض آسکتا ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک صرف تمیز کا اعتبار ہے عادت کا کوئی اعتبار نہیں ہے امام شافعی وامام احمد کے نزدیک اگر صرف عادت ہو تو اس کا بھی اعتبار ہے اور صرف تمیز ہو تو وہ بھی معتبر ہے اور اگر دونوں باتیں جمع ہوجائیں تو امام شافعی کے نزدیک تمیز مقدم ہوگی اور امام احمد کے نزدیک عادت۔

تمیز بالالوان کی مشروعیت پر ائمہ ثلاثہ کا استدلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اذا كَانَ دَمُ الْحَيْضَةِ فَإِنَّهُ اسودُ يُعْرَفُ فَاذَا كَانَ كَذَالِكَ فَامْسِكِيْ عَنِ الصَّلَاةِ الخ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۹۱)

یعنی حیض کا خون ایک خاص قسم کا سیاہ ہوتا ہے جو کہ پہچان لیا جاتا ہے چنانچہ اگر ایسا ہوجائے تو نماز چھوڑ دے اور

جب وہ خاص رنگ کا خون ختم ہوجائے اور دوسرا شروع ہوجائے تو نماز شروع کردے۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رنگ سے حیض کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

جواب: امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور ابوحاتم نے اس کو منکر قرار دیا۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۹۱) نیز ابن ابی حاتم نے اپنی عِلَل میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد ابوحاتم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا **هُوَ مُنْكَرٌ** ابن القطان نے فرمایا **هُوَ فِيْ رَأْيِيْ مُنْقَطِعٌ**. (معارف السنن ج:۱،ص:۴۱۴)
لہٰذا یہ حدیث قوت وصحت کے اعتبار سے حنفیہ کے دلائل کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

حنفیہ کی دلیل: **اِنَّ النِّسَآءَ كُنَّ يَبْعَثْنَ بِالْكُرْسُفِ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَكَانَتْ تَقُوْلُ لَا حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَآءَ.** (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۵۲)

یعنی عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس کُرسُف (حیض کے خون سے آلودہ کپڑا) بھیجتی تھیں (وہ عورتیں نماز کے بارے میں دریافت کرتیں) پس حضرت عائشہ ان سے فرماتی تھیں نہیں (جلدی نہ کرو) یہاں تک کہ خالص سفیدی نہ دیکھ لو (جو حیض کے ختم ہونے کی علامت ہے) اس روایت سے معلوم ہوا کہ رنگوں کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ سارے رنگ سفیدی کے علاوہ حیض کے ہوسکتے ہیں۔

(۳/۱۰۰) وَالْحَيْضُ يُسْقِطُ عَنِ الْحَائِضِ الصَّلٰوةَ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهَا الصَّوْمَ وَتَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۳/۱۰۰) اور حیض ساقط کردیتا ہے حائضہ سے نماز کو اور حرام کردیتا ہے اس پر روزہ رکھنا اور حائضہ عورت روزہ کی قضا کرے گی اور نماز کی قضا نہیں کرے گی۔

تشریح: حیض کے زمانہ میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا درست نہیں اتنا فرق ہے کہ نماز تو بالکل معاف ہوجاتی ہے پاک ہونے کے بعد بھی اس کی قضا واجب نہیں ہوتی لیکن روزہ معاف نہیں ہوتا پاک ہونے کے بعد قضا رکھنا پڑے گا؛ یہاں سے امام قدوری حیض کے احکام کو بیان فرمارہے ہیں۔

مذکورہ مسئلہ میں اختلاف

علامہ نوویؒ شافعی اور ابن المنذرؒ نے فرمایا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حائضہ نماز کی قضا نہیں کرے گی لیکن روزہ کی قضا کرے گی، لیکن خوارج کے نزدیک روزہ کی قضا کی طرح نماز کی بھی قضا حائضہ پر ضروری ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۳۰۱ معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۱ بذل المجہود ج:۱،ص:۱۵۷)

حائضہ سے نماز ساقط ہونے کی علتیں

(۱) امام الحرمینؒ کے نزدیک یہ حکم خلاف قیاس ہے کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث کے الفاظ ہیں۔

كُنَّا نُؤمَرُ بِقَضاءِ الصَّوْمِ وَلاَ نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ. (معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۲)

ہم کوصرف روزوں کی قضا کا حکم ہوتا تھا نماز کی قضا کا حکم نہیں ہوتا تھا۔

دوسری علت

اگر نمازوں کی قضاواجب ہوتو فرض مکرراور دوگنا ہو جائیگا جس کے ادا کرنے میں حرج ہے اس لئے شارعؑ نے ان کی قضا کو ساقط کر دیا اور قضاء صوم میں یہ بات لازم نہیں آتی اس علت کو علامہ نووی نے شرح مہذب میں پسند کیا ہے۔
(معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۲)

(۱۰۱/۴) وَلاَ تَدْخُلُ الْمَسْجِدَ

ترجمہ: (۱۰۱/۴) اور نہ داخل ہو مسجد میں۔

تشریح: جوعورت حیض سے ہو یا نفاس سے ہو اور جس پر غسل کرنا واجب ہو، اس کو مسجد میں جانا درست نہیں ہے

اختلاف الائمہ

امام شافعیؒ کے نزدیک حائضہ اور جنبی کا مسجد سے گذرنا تو جائز ہے مگر ٹھہرنا جائز نہیں۔ (مستفاد معارف السنن ج:۱،ص:۴۵۴،عینی ج:۱،ص:۳۹۲ نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۴۷)

دلیل: حضرت جابر اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہما کی روایات سے استدلال ہے جن کے اندر ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہونے کی حالت میں مسجد سے گذرتے تھے۔ (نیل الاوطار، ج:۱،ص:۲۴۷، معارف السنن ج:۱،ص:۴۵۵)

جواب: کسی روایت سے یہ بات ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس فعل کا علم ہوا ہو اور آپ نے ان کو اس پر برقرار رکھا ہو یہ صحابہ کا اپنا فعل تھا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں۔ (عینی ج:۱،ص:۳۹۳)

دوسرا مذہب

امام ابوحنیفہ امام مالک سفیان ثوری اور جمہور علماء کے نزدیک جنبی اور حائضہ کے لئے نہ مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے اور نہ گذرنا جائز ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۵۴، عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۳۹۱ نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۴۷)

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لاَ أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلاَ جُنُبٍ. (ابوداؤد ج:۱، ص:۳۰ نیل، ج:۱،ص:۲۴۷) میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد حلال نہیں کرتا یعنی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا یہ حدیث مطلق ہے اس میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں ہے خواہ ٹھہرنے کی غرض سے ہو یا گذرنے کی غرض سے۔
(بدائع الصنائع ۱/۱۵۱)

تیسرا مذہب

امام احمد بن حنبل کے نزدیک حائضہ عورت کے لئے کسی بھی صورت میں مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر جنبی حدث دور کرنے کی نیت سے وضو کرے تو اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا اور ٹھہرنا جائز ہے۔
(معارف السنن ج:۱،ص:۴۵۵)

(۱۰۲/۵) وَلَا تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ.

ترجمہ: (۱۰۲/۵) اور نہ خانہ کعبہ کا طواف کرے۔

تشریح: حائضہ عورت بیت اللہ کا طواف نہ کرے کیونکہ بیت اللہ کا طواف نماز کے مانند ہے اور حائضہ کے واسطے نماز پڑھنا ممنوع ہے لہذا طواف کرنا بھی ممنوع ہوگا۔ (عینی ج:۱،ص:۳۹۴ فتح القدیر ج:۱،ص:۱۴۷)

(۱۰۳/۶) وَلَا يَاتِيهَا زَوْجُهَا

ترجمہ: (۱۰۳/۶) اور اس کے پاس اس کا شوہر نہ آئے یعنی وطی نہ کرے۔

تشریح: حیض کے زمانہ میں صحبت کرانا بہت بڑا گناہ ہے صحبت کے علاوہ اور تمام باتیں درست ہیں یعنی ساتھ کھانا پینا لیٹنا وغیرہ۔

اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں

(۱) حائضہ سے صحبت کرنا بالاتفاق حرام ہے۔
(۲) ناف سے اوپر اور گھٹنے کے نیچے سے لطف اندوز ہونا بالاجماع جائز ہے۔
(۳) ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ سے استمتاع مختلف فیہ ہے اور اس بارے میں دو مذہب ہیں۔
(۱) امام احمد بن حنبل امام محمد امام اوزاعی اسحاق بن راہویہ کے نزدیک شرمگاہ کے علاوہ باقی جسم سے لطف اندوز ہونا جائز ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۹ نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۹۷)

دلیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہود کی عادت یہ تھی کہ جب کسی عورت کو حیض آتا تو نہ وہ اس عورت کو اپنے ساتھ کھلاتے تھے اور نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

صحابہ نے اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا اللہ نے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ آیت نازل فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ. (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۹۶/ ۲۹۷، البحر الرائق ج:۱،ص:۲۰۸، فتح القدیر ج:۱،ص:۱۴۷) یعنی وطی کے علاوہ ہر کام کرو۔

جواب: مذکورہ حدیث میں جو صحبت کی جگہ سے لطف اندوز ہونے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس میں ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ بھی شامل ہے سَدًّا لِلذَّرِیْعَةِ. (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۶۵)

اس جواب کی تائید فرمان نبی سے بھی ہوتی ہے مَنْ وَقَعَ حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِكُ اَنْ یُّوَاقِعَهٗ. "جو شخص خصوصی چراگاہ کے آس پاس وقوع پذیر ہوتا ہے اکثر اس کے اندر گھسنے کے بھی مواقع پیش آجاتے ہیں۔

(نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۹۷، البحر الرائق ج:۱،ص:۲۰۸)

دوسرا مذہب: شیخین امام مالکؒ امام شافعیؒ کا اصح قول یہ ہے کہ حائضہ عورت کی ناف سے لے کر زانو تک مرد کو نزدیکی کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۹ نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۹۷ البحر الرائق ج:۱،ص:۲۰۷ فتح القدیر ج:۱،ص:۱۴۷)

دلیل: حضرت عبد اللہ بن سعد سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حالت حیض میں میرے لئے اپنی بیوی سے کونسی چیز حلال ہے آپ نے فرمایا لَكَ مَا فَوْقَ الْاِزَارِ. (البحر الرائق ج:۱، ص:۲۰۸ ابوداؤد ج:۱،ص:۲۸) یعنی ازار سے اوپر سب کچھ جائز ہے تحت الازار جائز نہیں۔

علاوہ ازیں مذہب ثانی کے قائلین کے دلائل حرمت پر دلالت کرتے ہیں اور مذہب اول کے قائلین کے دلائل حلت پر دال ہیں اور حلت و حرمت میں اگر تعارض ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۵۱)

(۱۰۴/۷) وَلَا یَجُوْزُ لِحَائِضٍ وَلَا لِجُنُبٍ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ.

ترجمہ: (۱۰۴/۷) اور جائز نہیں حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن پڑھنا۔

تشریح: جو عورت حیض سے ہو یا نفاس سے ہو اور جس شخص پر غسل کرنا واجب ہو ان کو قرآن کریم پڑھنا اور چھونا درست نہیں لیکن اگر قرآن شریف جزدان میں لپٹا ہو تو اس وقت قرآن مجید کا چھونا اور اٹھانا درست ہے۔

اگر کوئی عورت لڑکیوں کو قرآن پڑھاتی ہو تو ایسی صورت میں ہجے کروانا درست ہے اور رواں پڑھاتے وقت پوری آیت نہ پڑھے بلکہ ایک ایک دو دو لفظ کے بعد سانس توڑ دے اور کاٹ کاٹ کر آیت رواں کہلائے۔

اختلاف الائمہ

امام ابوحنیفہؒ امام احمدؒ امام شافعیؒ کے نزدیک حائضہ اور جنبی کے لئے تلاوت قرآن ناجائز ہے۔

(معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۵ اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۶۶)

دوسرا مذہب: امام مالک کے نزدیک حائضہ کے واسطے قرأت قرآن جائز ہے۔

(عینی ج:۱،ص:۳۹۶، معارف ج۱،ص:۴۴۵)

دلیل: حائضہ عورت معذور ہے اور قرأت قرآن کی محتاج ہے اور پاکی حاصل کرنے پر بھی قادر نہیں ہے کیونکہ مدت حیض طویل ہوتی ہے اگر اس عرصہ کے اندر مطلقاً نہیں پڑھے گی تو نسیان کا خوف ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۹۶)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل مع جواب مالکؒ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئاً مِنَ الْقُرْآنِ.
(ترمذی ج:۱،ص:۳۴)

یعنی حائضہ اور جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتے، یہ حدیث پاک صراحتاً حائضہ کے لئے تلاوت قرآن کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہے لہٰذا امام مالک کی عقلی دلیل حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتی۔

(۱۰۵/۸) وَلَا يَجُوْزُ لِلْمُحْدِثِ مَسُّ الْمُصْحَفِ إِلَّا أَنْ يَّأْخُذَهُ بِغِلَافِهِ.

ترجمہ: (۱۰۵/۸) اور جائز نہیں ہے بے وضو کے لئے قرآن کو چھونا مگر یہ کہ اس کو اس کے غلاف سے پکڑے۔

تشریح: بے وضو کے لئے قرآن شریف چھونا ناجائز ہے لیکن اگر جز دان میں لپٹا ہوا ہو تو پھر چھونا درست ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے قرآن کو پاک آدمی ہی چھو سکتا ہے۔

(۱۰۶/۹) فَإِذَا انْقَطَعَ دَمُ الْحَيْضِ لِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ أَيَّامٍ لَمْ يَجُزْ وَطْيُهَا حَتّٰى تَغْتَسِلَ أَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ كَامِلَةٍ (۱۰۷/۱۰) وَإِنِ انْقَطَعَ دَمُهَا لِعَشَرَةِ أَيَّامٍ جَازَ وَطْيُهَا قَبْلَ الْغُسْلِ.

ترجمہ: (۱۰۶/۹) چنانچہ جب بند ہو جائے حیض کا خون دس دن سے کم میں تو اس سے صحبت جائز نہیں یہاں تک کہ غسل کرے یا گذر جائے اس پر ایک کامل نماز کا وقت۔ (۱۰۷/۱۰) اور اگر بند ہوا اس کا خون دس دن میں تو اس سے صحبت جائز ہے غسل کرنے سے پہلے۔

تشریح: کسی کی عادت پانچ دن کی تھی جتنے دن کی عادت تھی اتنے ہی دن خون آیا پھر بند ہو گیا تو جب تک غسل نہ کرے تب تک صحبت کرنا جائز نہیں کیونکہ خون کبھی بہنے لگتا ہے اور کبھی بند ہو جاتا ہے چنانچہ بند ہونے کی جہت کو ترجیح دینے کے لئے غسل کرنا ضروری ہے۔

اور اگر غسل نہیں کیا تو جب ایک نماز کا وقت گزر جائے یعنی ایک نماز کی قضا اس کے ذمہ واجب ہو جائے تب صحبت درست ہے اس سے پہلے درست نہیں اور اگر پورے دس دن رات حیض آیا تو جب سے خون بند ہوا ہے اسی وقت سے صحبت کرنا درست ہے خواہ غسل کر چکی ہو یا ابھی نہ کیا ہو کیونکہ حیض دس روز سے زیادہ نہیں آتا۔

(۱۰۸/۱۱) وَالطُّهْرُ إِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِي مُدَّةِ الْحَيْضِ فَهُوَ كَالدَّمِ الْجَارِيْ (۱۰۹/۱۲) وَأَقَلُّ الطُّهْرِ

خَمْسَةَ عَشَرَ یَوْمًا وَلَا غَایَةَ لِاَکْثَرِہٖ.

ترجمہ: (۱۱/ ۱۰۸) اور پاکی جب واقع ہو دونوں خونوں کے درمیان حیض کی مدت میں تو وہ جاری خون کی طرح ہے۔ (۱۲/ ۱۰۹) اور پاکی کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی انتہا نہیں۔

تشریح: طہر کی تعریف: وہ زمانہ جو دو خونوں کے درمیان حدِ فاصل ہے اس کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اگر پندرہ دن ہو تو اس کو طہر کامل کہتے ہیں اور اس پر حیض سے طہارت حاصل کرنے کے احکام مرتب ہوں گے اور اگر پندرہ دن سے کم مدت ہو تو اس کو طہر ناقص کہتے ہیں اس کے فاصل ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

طہر کامل کی مثال: ایک عورت تین دن خون دیکھے پھر پندرہ دن پاکی دیکھے اور پھر تین دن خون دیکھے تو یہ پندرہ دن بالاتفاق طہر ہے اور دو خونوں کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ طہر ناقص کے فاصل ہونے اور نہ ہونے میں امام صاحب سے چار روایتیں ہیں۔

طہر ناقص مطلقاً فاصل نہیں ہوگا، (یعنی اگر طہر ناقص کو دونوں طرف سے خون گھیرے ہوئے ہو خواہ ایک دن ہو یا زیادہ دس دن ہو یا دس سے باہر) درمیان کی پاکی کو حیض سمجھا جائے گا! اگر عورت کی عادت مقرر ہے تو ایام عادت حیض اور باقی استحاضہ ہے اور اگر عادت مقرر نہیں ہے تو دس دن حیض اور باقی استحاضہ ہے۔

مثال: ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا پھر چودہ دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا اور ہر ماہ اس کی عادت اٹھ روز خون آنے کی ہے تو اس کی عادت کے مطابق آٹھ دن حیض قرار دیئے جاویں گے اور باقی استحاضہ۔

اور اگر عادت مقرر نہیں ہے تو شروع کے دس دن حیض اور باقی استحاضہ ہوگا یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا آخری قول ہے عورتوں پر آسانی کی خاطر اسی قول پر علماء نے فتویٰ دیا ہے صاحب عنایہ کے بقول اسی مذہب میں مفتی و مستفتی دونوں کے لئے آسانی ہے اسی قول کو امام قدوری نے کتاب میں ذکر کیا ہے مزید افادہ کے لئے امام ابوحنیفہ سے منقول اور تین روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ تاکہ قدوری میں ذکر کردہ نقشہ کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

(۱) امام محمد کی روایت جو امام صاحب سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ طہر ناقص اگر دو خونوں کے درمیان مدت حیض میں واقع ہو تو یہ طہر فاصل نہ ہوگا بلکہ مسلسل خون کے حکم میں ہوگا جیسے ایک دن خون دیکھا پھر پانچ دن پاک رہی، پھر ایک دن خون دیکھا تو سات دن حیض کے شمار ہوں گے اور امام محمد کا مذہب جس میں مذکورہ شرط کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ درمیان کی پاکی جب تین دن سے کم ہو تو سارے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے اور دونوں خونوں کے درمیان کی پاکی تین دن یا اس سے زیادہ ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ پاکی دونوں خونوں کے برابر ہے یا کم ہے ان دونوں صورتوں میں بھی سب ایام حیض کے ہی سمجھے جائیں گے، اور اگر درمیان کی پاکی دونوں طرف کے خونوں سے زیادہ ہے تو پھر غور کیا جائیگا اگر دونوں جانب کے خونوں میں سے کوئی ایک حیض بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اسے حیض بنا دیا جائے گا اور دوسری

طرف کے خون کو استحاضہ اور اگر حیض بنانے کی صلاحیت نہیں ہے تو پھر سارے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے۔
مثالیں: ایک عورت دو دن خون دیکھے پھر پانچ دن پاک رہے پھر تین دن خون دیکھے اس صورت میں خون کا مجموعہ طہر کے برابر ہے۔
دوسری صورت: تین دن خون دیکھا تین دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا اس صورت میں خون کا مجموعہ طہر سے زیادہ ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں طہر فاصل نہ ہوگا بلکہ سارے ایام حیض میں شمار ہوں گے۔
تیسری صورت: ایک عورت دو دن خون دیکھے پھر پانچ دن پاک رہے پھر دو دن خون دیکھے چونکہ اس صورت میں پاکی خون کے مجموعہ سے زیادہ ہے اور کسی ایک جانب حیض بننے کی صلاحیت بھی نہیں ہے لہٰذا سارے ایام استحاضہ کے ہوں گے۔
دوسری روایت: امام زفر کے نزدیک جب حیض کی اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون دیکھے تو درمیان کی پاکی جاری خون کے مانند ہے چنانچہ سارے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے اور اگر حیض کی اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون نہیں دیکھا تو پھر کچھ بھی حیض نہیں سمجھا جائے گا۔
مثال: ایک عورت نے دو دن خون دیکھا سات دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا تو سارے ایام حیض کے ہیں کیونکہ حیض کی اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون دیکھا ہے۔
دوسری مثال: ایک دن خون دیکھا آٹھ دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا اس صورت میں کچھ بھی حیض نہیں ہے کیونکہ اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون نہیں دیکھا۔
تیسری روایت جو حسن بن زیاد کی امام صاحب سے منقول ہے: وہ یہ ہے کہ درمیان کی پاکی جب تین دن سے کم ہو تو سارے ایام حیض کے ہوں گے جیسا کہ امام محمد نے فرمایا ہے اور اگر تین دن ہو یا تین دن سے زیادہ خواہ پاکی دونوں جانب کے خونوں کے برابر ہو یا دونوں طرف کا خون پاکی سے زیادہ ہو تو تمام صورتوں میں مطلقاً فاصل ہوگا۔
مثال: ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا دو دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا تو سارے ایام حیض کے ہیں۔
دوسری مثال: ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا سات دن پاک رہی پھر دو دن خون دیکھا اس صورت میں کچھ حیض نہیں ہے۔
فائدہ: جملہ مذاہب اور مثالوں کو سامنے رکھ کر مندرجہ ذیل نقشہ ملاحظہ کیجئے انشاء اللہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت اور پریشانی نہیں ہوگی۔

نقشہ طہر متخلل مع اختلاف ائمہ اربعہ

صورت مسئلہ	مسئلہ کا حکم	اور اصحاب مذاہب		
	امام ابو یوسفؒ	امام محمدؒ	امام زفرؒ	حسن بن زیادؒ
ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا آٹھ دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا۔	مکمل حیض ہے	حیض نہیں ہے	حیض نہیں ہے	حیض نہیں ہے
(۲) ایک گھنٹہ خون دیکھا اور دو گھنٹہ کم دس دن پاک رہی پھر ایک گھنٹہ خون دیکھا۔	•	•	•	•
(۳) ایک عورت نے دو دن خون دیکھا سات دن پاک رہی اور ایک دن خون دیکھا یا ایک دن خون دیکھا اور سات دن پاک رہی اور دو دن خون دیکھا۔	مکمل حیض ہے	حیض نہیں ہے	مکمل حیض ہے	حیض نہیں ہے
(۴) ایک عورت نے تین دن خون دیکھا چھ دن پاک رہی اور ایک دن خون دیکھا	•	پہلے تین دن حیض اور باقی استحاضہ	•	پہلے تین دن حیض باقی استحاضہ
(۵) ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا چھ دن پاک رہی پھر تین دن خون دیکھا	•	آخری تین دن حیض باقی استحاضہ	•	آخری تین دن حیض باقی استحاضہ
(۶) ایک عورت نے چار دن خون دیکھا پانچ دن پاک رہی اور ایک دن خون دیکھا یا ایک دن خون دیکھا، پانچ دن پاک رہی اور چار دن خون دیکھا۔	•	مکمل حیض ہے	•	چار دن حیض ہے خواہ شروع میں ہو یا آخر میں ہو

(۷) ایک دن خون دیکھا دو دن طہر ایک دن خون	۔	۔	۔	مکمل حیض ہے
(۸) تین دن خون دیکھا چھ دن پاک رہی پھر تین دن خون دیکھا	پہلے دس دن حیض اور باقی استحاضہ	پہلے تین دن حیض اور باقی استحاضہ	پہلے دس دن حیض اور باقی استحاضہ	پہلے تین دن حیض اور باقی استحاضہ

نوٹ ہرایک مسئلہ کی دلیل ماقبل میں مذہب کے تحت دیکھ سکتے ہیں۔

(۱۱۰/۱۳) وَدَمُ الْاِسْتِحَاضَةِ هُوَ مَا تَرَاهُ الْمَرْاَةُ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ اَوْ اَكْثَرَ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الرُّعَافِ لَا يَمْنَعُ الصَّلٰوةَ وَلَا الصَّوْمَ وَلَا الْوَطِيَ (۱۱۱/۱۴) وَاِذَا زَادَ الدَّمُ عَلَى الْعَشَرَةِ وَلِلْمَرْاَةِ عَادَةٌ مَعْرُوْفَةٌ رُدَّتْ اِلٰى اَيَّامِ عَادَتِهَا وَمَازَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ (۱۱۲/۱۵) وَاِنِ ابْتَدَأَتْ مَعَ الْبُلُوْغِ مُسْتَحَاضَةً فَحَيْضُهَا عَشَرَةُ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَالْبَاقِيْ اِسْتِحَاضَةٌ .

ترجمہ: (۱۱۰/۱۳) اور استحاضہ کا خون وہ ہے جس کو دیکھے عورت تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ چنانچہ اس کا حکم نکسیر کا حکم ہے کہ نہ نماز کو روکتا ہے اور نہ روزے کو اور نہ صحبت کو۔ (۱۱۱/۱۴) اور اگر بڑھ گیا خون دس دن پر حالانکہ عورت کی عادت مقرر ہے تو وہ اپنی عادت کے ایام کی طرف لوٹائی جائیگی اور جو اس سے زائد ہو وہ استحاضہ ہے۔ (۱۱۲/۱۵) اور اگر عورت استحاضہ ہی کی حالت میں بالغ ہوئی تو اس کا حیض دس دن ہے ہر ماہ میں سے اور باقی استحاضہ ہے

تشریح: استحاضہ کے لغوی معنی بہنا۔

اصطلاحی تعریف: وہ خون ہے جو رحم کے راستہ سے کسی بیماری کی بنا پر غیر معین وقت میں جاری ہوتا ہے، استحاضہ کا حکم ایسا ہے جیسے کسی کی نکسیر پھوٹے اور بند نہ ہو، مستحاضہ عورت نماز بھی پڑھے روزہ بھی رکھے قضا نہ کرنی چاہئے اور اس سے صحبت کرنا بھی درست ہے۔

کسی عورت کو ہمیشہ تین یا چار دن خون آتا ہے پھر کسی مہینہ میں زیادہ آگیا اور دس دن سے بھی بڑھ گیا تو جتنے دن پہلے سے عادت کے ہیں اتنا تو حیض ہے باقی سب استحاضہ ہے ان دنوں کی نمازیں قضا پڑھنا واجب ہے۔

اور اگر ایسی عورت ہو کہ پہلے اس کو حیض نہ آیا تھا اسی حیض سے بالغہ ہوئی مگر جو حیض بلوغ کا آیا دس دن سے تجاوز کر گیا تو اس کا حیض ہر ماہ دس دن ہوگا اور باقی استحاضہ ہے۔

مستحاضہ کے ساتھ جماع کا حکم: مستحاضہ کے ساتھ وطی کے جواز وعدم جواز میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں ہے البتہ طول مدت کی وجہ سے وطی کی جاسکتی ہے اور طول مدت چار ماہ ہیں بہر کیف نماز پڑھنا ضروری ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک اس کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے۔

نوٹ: متن کی تشریح یہاں تک مکمل ہو چکی آگے مزید افادے کے لئے اقسام المستحاضہ کا بیان ہے۔

احناف: کے نزدیک مستحاضہ کی تین قسمیں ہیں (۱) مبتدءہ (۲) معتادہ (۳) متحیرہ۔

مبتدءہ: وہ بالغ لڑکی جس کو زندگی میں پہلی مرتبہ حیض شروع ہوا اور پھر مستقل جاری ہو گیا۔

حکم: دس دن حیض میں شمار کرے گی اور نماز روزہ چھوڑ دے گی اور دس دن گذرنے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے گی اور بیس دن بعد پھر ایام حیض شمار کرے گی۔

معتادہ: وہ عورت جس کو پہلے حیض آچکا تھا اور بعد میں استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہو گئی اور استحاضہ سے قبل دم حیض کے لئے عادت متعین تھی۔

حکم: ایام عادت کے بعد جو خون آرہا ہے اگر دس دن سے پہلے پہلے بند ہو جائے تو پورا خون حیض ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت تبدیل ہو گئی اور اگر دس دن کے بعد بھی خون جاری ہے تو ایام عادت کے بعد کے خون کو استحاضہ کا خون قرار دیا جائے گا اور ایام عادت کے بعد جتنی نمازیں چھوڑی ہیں ان کی قضا لازم ہو گی۔

متحیرہ: وہ عورت جو معتادہ تھی پھر برابر خون جاری ہو گیا اور اپنی پہلی عادت بھی بھول گئی اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) متحیرہ بالعدد: وہ عورت جس کو ایام حیض کی تعداد یاد نہیں رہی کہ پانچ دن آتا تھا یا سات دن۔

حکم: جس دن سے حیض آنا شروع ہوا اس دن سے وہ تین دن تین رات تک نماز چھوڑ دے گی، تین دن کے بعد اکثر مدت حیض کے جو سات دن باقی ہیں، ان میں نماز غسل کر کے پڑھے گی کیونکہ ہر ایک دن حیض سے فارغ ہونے کا احتمال ہے اس کے بعد بیس دن تک وضو لکل صلوٰۃ کرے گی۔

(۲) متحیرہ بالوقت: جس کو یہ یاد نہیں کہ مہینے کے شروع میں حیض آیا کرتا تھا یا بیچ میں یا اخیر میں۔

حکم: ایسی عورت کا حکم یہ ہے کہ جتنے ایام اس کے حیض کے ہوا کرتے تھے اتنے دن (مثلاً شروع کے پانچ دن) ہر نماز کے لئے نیا وضو کرے گی اور باقی پچیس دن ہر نماز کے لئے غسل کرے گی۔

(۳) متحیرہ بالعدد والزمان: وہ عورت جس کو نہ ایام حیض یاد ہے اور نہ اس کا زمانہ یاد ہے دونوں ہی چیزیں بھول گئی۔

حکم: مہینے کے شروع میں تین دن تک ہر نماز کے لئے نیا وضو کرے گی اور باقی ستائیس دن تک غسل لِكُلِّ صَلوٰةٍ کرے گی۔

(۱۱۳/۱۶) وَالْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ وَالرُّعَافُ الدَّائِمُ وَالْجَرْحُ الَّذِيْ لَايَرْقَأُ يَتَوَضَّؤُنَ لِوَقْتِ كُلِّ صَلوٰةٍ وَيُصَلُّوْنَ بِذٰلِكَ الْوُضُوْءِ فِي الْوَقْتِ مَاشَاءُوْا مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ فَاِذَا خَرَجَ الْوَقْتُ بَطَلَ وُضُوْءُهُمْ وَكَانَ عَلَيْهِمْ اِسْتِيْنَافُ الْوُضُوْءِ لِصَلوٰةٍ اُخْرٰى.

ترجمہ: (۱۶/۱۱۳)اور مستحاضہ اور جس کو ہر وقت پیشاب ٹپکتا ہو اور جس کو دائمی نکسیر ہو اور جس کو ایسا زخم ہو کہ نہیں بھرتا تو یہ لوگ وضو کریں ہر نماز کے وقت کے لئے اور پڑھیں اس وضو سے وقت کے اندر جو چاہیں فرائض ونوافل سے اور جب وقت نکل جائے تو ان کا وضو باطل ہو جائے گا اور ان پر لازم ہے از سر نو وضو کرنا دوسری نماز کے لئے۔

تشریح: اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) مستحاضہ عورت اور جس کو پیشاب آنا نہ تھمتا ہو اور جس کی نکسیر پھوٹے اور بند نہ ہو اور جس کے ایسا زخم ہو کہ اس سے خون نہیں رکتا ان معذورین کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کریں پھر اس وضوء سے وقت کے اندر جتنی چاہیں نمازیں پڑھیں خواہ فرض ہو یا نوافل واجب ہو یا قضاء ہو یا نذر کی نمازیں۔

(۲) جب فرض نماز کا وقت نکل جائے تو ان معذورین کا وضوء باطل ہو جائے گا، اب اگر کوئی معذور دوسری فرض نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لئے نیا وضو کرنا ضروری ہوگا۔

اختلاف الائمہ

مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی یا ہر نماز کے وقت کے لئے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام شافعی سفیان ثوری اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق ہر فرض نماز کے لئے معذورین اور مستحاضہ پر وضو کرنا لازم ہے نہ کہ نماز کے وقت کے لئے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۹۶ بذل المجہود ج:۱،ص:۱۷۸)

دلیل: اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ. (عینی ج:۱،ص:۴۱۵ درایہ، ج:۱،ص:۸۹) یعنی مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے حدیث پاک میں لفظ صلاۃ مطلق ہے اور اَلْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ اِلَى الْفَرْدِ الْكَامِلِ کے قاعدہ کے اعتبار سے نماز کا فرد کامل فرض ہوتا ہے اس لئے صلاۃ سے فرض نماز مراد ہے مطلق نماز نہیں۔

جواب: لِكُلِّ صَلَاةٍ میں لام ظرفیت کے لئے ہے یعنی لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ اس کی دلیل وہ روایت ہے جس کے اندر لِكُلِّ صَلَاةٍ کے بجائے عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ کا لفظ آیا ہے جیسا کہ ام حبیبہ کی روایت کے اندر ہے۔

(طحاوی ج:۱،ص:۷۷)

مذہب (۲) امام ابوحنیفہ امام زفر امام ابو یوسف امام محمد اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق ہر نماز کے وقت کے لئے معذورین اور مستحاضہ پر ایک وقت وضو کرنا ضروری ہے اور وقت کے اندر اندر جتنی نمازیں چاہیں فرض نفل واجب نذر کی پڑھ سکتے ہیں۔ (بذل المجہود ج:۱،ص:۱۷۸)

دلیل: اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ (البحر الرائق ج:۱،ص:۲۲۶)

مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے نیز شوافع کی پیش کردہ روایت نص ہے۔ اور ہماری پیش کردہ روایت مفسر ہے نص اور مفسر کے درمیان تعارض کی صورت میں مفسر کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ (نور الانوار ص:۹۳)

معذورین کے لئے خروجِ وقت ناقض وضو ہے یا دخول وقت اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے امام زفر کے نزدیک معذورین کے لئے دخول وقت ناقض وضو ہے۔

دلیل: طہارت کا اعتبار ضرورت ادائیگی نماز کے لئے کیا گیا ہے اور وقت سے پہلے اس کی ضرورت ہی نہیں اس لئے یہ معتبر نہ ہوگی۔

امام یوسف کے نزدیک خروج و دخول دونوں ناقض ہیں۔

دلیل: طہارت کی ضرورت وقت پر منحصر ہے نہ اس سے پہلے ہے نہ اس کے بعد لہٰذا وقت کے علاوہ طہارت غیر معتبر ہوگی اس لئے خروج و دخول دونوں ہی منافی ہوں گے۔

طرفین: کے نزدیک خروج وقت ناقض وضو ہے کیونکہ وقت سے پہلے طہارت کی ضرورت اس وجہ سے ہے تا کہ اول وقت میں نماز ادا کر سکے اور خروجِ وقت سے اصل میں حاجت ختم ہو جانے کی دلیل ہے۔

(۱۷/۱۱۴) وَالنِّفَاسُ هُوَ الدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيْبَ الْوِلَادَةِ (۱۸/۱۱۵) وَالدَّمُ الَّذِىْ تَرَاهُ الْحَامِلُ وَمَا تَرَاهُ الْمَرْاَةُ فِي حَالِ وِلَادَتِهَا قَبْلَ خُرُوْجِ الْوَلَدِ اِسْتِحَاضَةٌ (۱۹/۱۱۶) وَاَقَلُّ النِّفَاسِ لَاحَدَّ لَهُ وَاَكْثَرُهُ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا وَمَازَادَ عَلٰى ذَالِكَ فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ.

ترجمہ: (۱۷/۱۱۴) اور نفاس وہ خون ہے جو نکلے پیدائش کے بعد۔ (۱۸/۱۱۵) اور وہ خون جس کو حاملہ دیکھے یا عورت ولادت کے وقت بچہ ہونے سے پہلے دیکھے تو وہ استحاضہ ہے۔ (۱۹/۱۱۶) اور کم سے کم نفاس کی کوئی حد نہیں اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اور جو اس پر زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

تشریح: نفاس کی تعریف: وہ خون جو ولادت کے بعد نکلتا ہو۔ (معارف السنن ج:۱، ص:۴۶۳) اگر حاملہ عورت حمل کے دوران یا بچے کی پیدائش کے وقت پیدا ہونے سے پہلے خون دیکھے تو حنفیہ کے نزدیک یہ خون استحاضہ کا خون ہوگا امام اوزاعی امام زہری سفیان ثوری امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۴۲۵)

دوسرا مذہب: امام شافعی کا اصح قول اور امام مالک کے نزدیک حیض ہے یہ حضرات اس کو نفاس پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ دونوں رحم سے ہی آتے ہیں۔ (عینی ج:۱، ص:۴۲۵)

احناف کی دلیل: حمل کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے تو حالت حمل میں جو خون نکلے گا وہ رحم کے علاوہ سے ہوگا اور رحم کے علاوہ سے جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا ہوتا ہے۔ (عنایہ ج:۱، ص:۱۶۵)

امام شافعی کی دلیل کا جواب: نفاس پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے رحم کا منہ کھل گیا اور رحم کا منہ کھلنے کے بعد جو خون آتا ہے وہ نفاس ہی کا ہوتا ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۴۲۶)

نفاس کی اکثر مدت میں اختلاف ہے

اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں

(۱) امام مالک کی ایک روایت اور امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نفاس کی اکثر مدت ساٹھ دن ہے۔

(معارف السنن ج:۱،ص:۴۶۳ نیل الاوطار ج:۱،ص:۳۰۴ عینی ج:۱،ص:۴۲۹)

دلیل: امام شعبی سے منقول ہے کہ اکثر مدت نفاس ساٹھ دن ہے۔ (بدائع ج:۱،ص:۱۵۷)

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں عورتیں دو ماہ نفاس کا خون دیکھتی تھیں اور ربیعہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عورت کو زیادہ سے زیادہ ساٹھ روز نفاس کا خون آتا ہے۔ (ہدایہ مع الحاشیہ ج:۱،ص:۷۰)

جواب: آپ کا مذہب نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی کے قول سے بلکہ بعض تابعین کے اقوال سے ثابت ہے لہٰذا یہ اقوال احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ امام احمد امام مالک کی ایک روایت سفیان ثوری کے نزدیک اکثر مدت چالیس دن ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۶۳ عینی ج:۱،ص:۴۲۹)

دلیل: حضرت ام سلمہ نے فرمایا کہ نفاس والی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چالیس دن بیٹھتی تھی۔ (ترمذی ج:۱،ص:۳۶ ابوداؤد ج:۱،ص:۴۳ اس کے علاوہ عائشہ ابن عباس ابوہریرہ کی روایات بھی ہمارے مذہب کی تائید کرتی ہیں۔ (بدائع ج:۱،ص:۱۵۸)

(۲۰/۱۱۷) وَاِذَا تَجَاوَزَ الدَّمُ عَلَى الْاَرْبَعِيْنَ وَقَدْ كَانَتْ هٰذِهِ الْمَرْاَةُ وُلِدَتْ قَبْلَ ذَالِكَ وَلَهَا عَادَةٌ فِي النِّفَاسِ رُدَّتْ اِلٰى اَيَّامِ عَادَتِهَا وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهَا عَادَةٌ فَنِفَاسُهَا اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا.

ترجمہ: (۲۰/۱۱۷) اور جب بڑھ جائے خون چالیس دن پر اور حال یہ ہے کہ یہ عورت اس سے پہلے بچہ جن چکی ہے اور اس کی نفاس میں عادت ہے تو وہ اپنے ایام عادت کی جانب پھیری جائے گی اور اگر اس کی عادت مقرر نہ ہو تو اس کا نفاس چالیس دن ہے۔

تشریح: اگر خون چالیس دن سے بڑھ گیا تو اگر پہلا ہی بچہ ہوا تو چالیس دن نفاس کے ہیں اور جتنا زیادہ آیا ہے وہ استحاضہ ہے چنانچہ چالیس دن کے بعد غسل کرے اور نماز پڑھنا شروع کر دے خون بند ہونے کا انتظار نہ کرے اور اگر یہ پہلا بچہ نہیں بلکہ اس سے پہلے جن چکی ہے اور اس کی عادت معلوم ہے کہ اتنے دن نفاس آتا ہے تو جتنے دن نفاس کی عادت ہو اتنے دن نفاس کے ہیں اور جو اس سے زیادہ ہے وہ استحاضہ ہے۔

(۲۱/۱۱۸) وَمَنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنِفَاسُهَا مَا خَرَجَ مِنَ الدَّمِ عَقِيْبَ الْوَلَدِ الْاَوَّلِ عِنْدَ اَبِيْ

حَنِیْفَۃَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی مِنَ الْوَلَدِ الثَّانِیْ.

ترجمہ: (۱۱۸/۲۱) اور جس عورت نے جنے دو بچے ایک پیٹ میں تو اس کا نفاس وہ خون ہوگا جو نکلے پہلے بچہ کی پیدائش کے بعد شیخین کے نزدیک امام محمد اور امام زفر نے فرمایا کہ دوسرے بچہ کی پیدائش کے بعد سے ہوگا۔

تشریح: اگر چھ مہینے کے اندر اندر آگے پیچھے دو بچے ہوں تو نفاس کی مدت پہلے بچہ سے شمار کی جائے گی یہ مذہب شیخین کے نزدیک ہے امام محمد و امام زفر کے نزدیک دوسرے بچہ کی ولادت کے بعد سے نفاس شمار کیا جائے گا۔

دلیل: دوسرے بچہ کی ولادت سے پہلے وہ حاملہ تھی اور حاملہ عورت کو جس طرح حیض نہیں آتا اس طرح وہ نفاس والی بھی نہ ہوگی اسی وجہ سے اگر یہ عورت مطلقہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق دوسرے بچہ کی ولادت سے پوری ہوگی۔

شیخین کی دلیل: جب اس نے پہلا بچہ جنا تو رحم کا منہ کھل گیا اور خون جاری ہو گیا لہٰذا رحم سے آنے والا خون نفاس ہی کا ہوگا۔

امام محمد کی دلیل کا جواب: عدت کا تعلق وضع حمل سے ہے جو عورت کی طرف منسوب ہے، اللہ نے فرمایا وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ حمل کہتے ہیں جو کچھ بھی پیٹ میں ہو اور ظاہر ہے کہ حمل صرف پہلا بچہ ہی نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ جتنے بچے ہیں سب حمل ہیں لہٰذا سب کی وضع کے بعد عدت پوری ہوگی۔

بَابُ الْاَنْجَاسِ

یہ باب نجاستوں کے بیان میں ہے

اَنْجاس واحد نَجَسٌ عین نجاست اور نَجِسٌ بکسر الجیم. وہ چیز جو پاک نہ ہو۔

نجاست کی دو قسمیں ہیں

(۱) حکمیہ (۲) حقیقیہ

حکمیہ کی تعریف: انسان کی وہ حالت جس میں نماز اور قرآن کریم پڑھنا درست نہیں ہے۔

نجاست حقیقیہ کی تعریف وہ چیز جس سے انسان نفرت کرتا ہے اپنے بدن کپڑوں اور کھانے پینے کی چیزوں کو اس سے بچاتا ہے۔ (علم الفقہ ج:۱ص:۴۳)

اس سے قبل امام قدوری نے نجاست حکمی اور اس سے پاکی کے طریقے اور احکامات کو بیان فرمایا ہے اب اس باب میں نجاست حقیقی اس کی قسمیں اور احکامات کو بیان کریں گے، چونکہ نجاست حکمی اقویٰ ہے بہ نسبت نجاست حقیقی کے اس لئے نجاست حکمی کے احکام پہلے ذکر کئے گئے۔

(۱۱۹/۱) تطهيرُ النَّجاسَةِ وَاجبٌ مِنْ بَدَنِ الْمُصَلِّيْ وَثَوْبِهٖ وَالمَكَانِ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْهِ

ترجمه: (۱۱۹/۱) نجاست کا پاک کرنا واجب (فرض) ہے نمازی کے بدن سے اس کے کپڑے سے اور اس جگہ سے جہاں وہ نماز پڑھتا ہے۔

تشریح: تطہیر النجاسۃ عین نجاست پاک نہیں کی جاسکتی اس لئے یہاں پر مضاف محذوف مانا جائے گا یعنی تطهيرُ محلِ النجاسةِ جیسے واسئل القريةَ اى اهل القريةِ حاشیہ (۲)

صورت مسلہ یہ ہے کہ نمازی کے بدن اور اس کے کپڑے اور اس جگہ سے جہاں پر وہ نماز پڑھتا ہے نجاست زائل کرنا فرض ہے۔

(۱۲۰/۲) وَيَجُوْزُ تَطْهِيْرُ النَّجاسَةِ بِالْمَاءِ وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ يُمْكِنُ اِزَالَتُهَا بِهٖ كَالْخَلِّ وَمَاءِ الْوَرْدِ.

ترجمه: (۱۲۰/۲) اور جائز ہے نجاست کو پاک کرنا پانی سے اور ہر ایسی چیز کے ساتھ جو بہتی ہو پاک ہو اس کے ساتھ نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔

تشریح: پانی کی طرح جو چیز پتلی اور پاک ہو اس سے بھی نجاست کا دھونا درست ہے جیسے گلاب کا پانی سرکہ وغیرہ لیکن گھی تیل وغیرہ چکنی چیز سے دھونا درست نہیں ہے وہ چیز ناپاک رہے گی۔

کن چیزوں سے نجاست حقیقی زائل کرنا جائز ہے اور کن سے جائز نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام محمد امام زفر امام شافعی امام مالک اور عامۃ الفقہاء کا مذہب یہ ہے کہ پانی کے علاوہ دوسری بہنے والی چیزوں سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ (عینی ج:۱ص:۴۳۷ بدائع ج:۱ص:۲۴۰)

دلیل: جس طرح نجاست حکمی پانی کے علاوہ سے زائل نہیں ہوتی اسی طرح نجاست حقیقی بھی پانی کے علاوہ سے زائل نہیں ہوگی۔ (عینی ۱/ ۴۳۷)

جواب نجاست حکمی پر نجاست حقیقی کو قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ نجاست حکمی ایک شرعی مانع ہے، لہٰذا یہ اس طور پر زائل ہوگی جیسے شرع وارد ہوئی ہے یعنی پانی سے، برخلاف نجاست حقیقیہ کے، کہ وہ محسوس چیز ہے۔ (بدائع ۱/ ۲۴۰)

دوسرا مذہب: شیخین کے نزدیک پانی اور ہر ایسی چیز کے ساتھ نجاست حقیقیہ کا زائل کرنا جائز ہے جو بہتی ہو، پاک ہو، اور اس سے نجاست زائل کرنا ممکن بھی ہو۔ (نیل الاوطار: ۱/ ۴۹، عینی: ۱/ ۴۳۷)

نقلی دلیل: قَالَتْ عَائِشَةُ مَاكَانَ لِاِحْدَانَا اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيْضُ فِيْهِ فَاِذَا اَصَابَهُ شَئٌ مِن دمٍ بَلَّتْهُ بِرِيْقِهَا ثُمَّ قَصَعَتْهُ بِرِيْقِهَا. (ابوداؤد ج:۱ص:۵۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے زمانہ حیض میں پہننے کے لئے ایک ہی کپڑا ہوتا تھا اگر اس پر خون لگا ہوا ہوتا تو

اس کو اپنی ریق اور لعاب دہن سے تر کر کے رگڑ تیں اس حدیث میں لعاب کے ذریعہ ازالہ نجاست مذکور ہے اگر لعاب دہن کو مزیل نجاست نہ مانا جائے تو پھر اس سے اور زیادتی ہو جائیگی معلوم ہوا کہ پانی کے علاوہ سے ازالہ نجاست ہو سکتا ہے۔

عقلی دلیل: بہنے والی چیز نجاست کو اکھاڑ کر دور کر دیتی ہے اور پانی میں پاک کرنے والی صفت اسی وجہ سے ہے کہ وہ نجاست کو دور کر دیتا ہے چنانچہ جب یہ معنی دوسری بہنے والی چیزوں میں موجود ہے تو پانی کی طرح یہ بھی پاک کرنے والی اور مزیل نجاست ہوں گی۔ (بدائع الصنائع ج:۱، ص:۲۴۰، عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۴۳۷، ۴۳۸)

(۳/۱۲۱) وَإِذَا أَصَابَتِ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ لَهَا جِرْمٌ فَجَفَّتْ فَدَلَكَهُ بِالْأَرْضِ جَازَ الصَّلٰوةُ فِيْهِ

ترجمہ: (۳/۱۲۱) اور جب لگ گئی موزہ کو ایسی نجاست کہ جس کا جسم ہے پھر یہ خشک ہو گئی اور اس کو زمین سے رگڑ دیا تو اس میں نماز جائز ہے۔

تشریح: جوتے اور چمڑے کے موزے میں اگر دلدار نجاست لگ جائے جیسے گوبر پاخانہ خون تو زمین پر اتنا رگڑ ڈالے اور گھس دے کہ نجاست کا نام ونشان باقی نہ رہے تو پاک ہو جائے گا اور اگر پیشاب کی طرح کوئی پتلی نجاست جوتے یا چمڑے کے موزے میں لگ گئی جو دلدار نہیں ہے تو بغیر دھوئے پاک نہ ہوگا۔

(۴/۱۲۲) وَالْمَنِيُّ نَجِسٌ يَجِبُ غَسْلُ رَطْبِهٖ فَإِذَا جَفَّ عَلَى الثَّوْبِ أَجْزَاهُ فِيْهِ الْفَرْكُ.

ترجمہ: (۴/۱۲۲) اور منی ناپاک ہے تر منی کو دھونا واجب ہے اور جب کپڑے پر خشک ہو جائے تو اس میں کھرچ دینا کافی ہے۔

انسان کی منی پاک ہے یا ناپاک اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام شافعی امام احمد اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک انسان کی منی پاک ہے۔ (بذل المجہود ج:۱، ص:۱۲۸، معارف السنن ج:۱، ص:۳۸۳)

دلیل: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس منی کے متعلق دریافت کیا گیا جو کپڑے کو لگ جائے تو آپ نے فرمایا: إِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُخَاطِ وَالْبُصَاقِ. (نیل الاوطار ج:۱، ص:۶۴)

کہ وہ بمنزلہ رینٹ اور تھوک کے ہے اور فرمایا کہ یہی کافی ہے کہ اس کو کسی چیتھڑے یا اذخر گھاس سے پونچھے۔

(عینی ج:۱، ص:۴۴۴، معارف السنن ج:۱، ص:۳۸۵)

اس حدیث میں منی کو رینٹ اور تھوک کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور یہ دونوں چیزیں پاک ہیں لہٰذا منی بھی پاک ہوگی اس کے علاوہ شوافع کا استدلال ان تمام روایات سے ہے کہ جن میں منی کے رگڑنے کا ذکر آیا ہے۔

جواب: حدیث ابن عباس مرفوع نہیں موقوف ہے اس کے مقابلے میں حضرت عائشہ عمار بن یاسر کی روایات مرفوع ہیں لہٰذا حدیث موقوف احادیث مرفوعہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (عینی ج:۱، ص:۴۴۵، ج:۱، ص:۴۴۶)

دوسرا جواب: اگر رفع بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی یہ حدیث آپ کا مستدل نہیں بن سکتی کیونکہ منی کو رینٹ کے ساتھ تشبیہ چکنے پن میں دی گئی ہے جس طرح رینٹ اور تھوک میں چکنا پن ہوتا ہے اس طرح منی بھی چکنی ہوتی ہے اس احتمال کی بنیاد پر بھی منی کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۳۸۵)

جن روایات میں منی کے رگڑنے کا تذکرہ ہے ان سب کا جواب یہ ہے کہ اشیائے نجسہ کی پاکی کے طریقے مختلف ہیں بعض جگہ تطہیر کے لئے غسل ضروری ہے بعض جگہ فرک ہی کافی ہے جیسے روئی پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے دھن دیا جائے اسی طرح زمین خشک ہوجانے سے پاک ہوجاتی ہے اسی طرح منی سے طہارت حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ خشک ہونے کی صورت میں اس کو کھرچ دیا جائے۔ (درس ترمذی ج:۱،ص:۳۴۹)

دوسرا مذہب: احناف موالک امام اوزاعی سفیان ثوری کے نزدیک انسان کی منی ناپاک ہے؛ لیکن احناف کے نزدیک ترمنی کا دھونا واجب ہے اور خشک منی کا کھرچ دینا کافی ہے امام مالک وامام اوزاعی کے نزدیک خشک وتر دونوں طرح کی منی کو پانی سے دھونا ضروری ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۳۸۳، الکوکب الدری ج:۱،ص:۶۹)

دلیل: حدیث عمار ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے میں اپنے کپڑوں سے ناک کی رینٹ دھو رہا تھا آپ نے فرمایا اے عمار ناک کی رینٹ آنکھوں کے آنسو اور چھاگل کا پانی سب پاک ہے البتہ پانچ چیزوں کی وجہ سے کپڑا دھویا جاتا ہے پیشاب پاخانہ خون، منی، قے۔ (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ج:۱،ص: ۹۲ عینی ج:۱،ص:۴۴۶)

نیز حضرت عائشہ فرماتی ہیں **كنتُ افركُ المَنِيَّ من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يَابِساً واَغْسِلُهُ اذا كانَ رطبًا.** (اعلاء السنن، ج:۱،ص:۲۷۱) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر منی خشک ہوتی تو میں اس کو کھرچ دیا کرتی تھی اور جب تر ہوتی تو دھو دیا کرتی تھی۔

یہ احادیث منی کے نجس ہونے پر دال ہیں۔

(۱۲۳/۵) وَالنَّجَاسَةُ إِذَا اَصَابَتِ المِرْاٰةَ اَوِ السَّيْفَ إِكْتَفٰى بِمَسْحِهِمَا

ترجمہ: (۱۲۳/۵) اور نجاست جب لگ جائے آئینہ کو یا تلوار کو تو ان کو پونچھ دینا کافی ہے۔

تشریح: آئینہ کا شیشہ چھری چاقو چاندی وسونے کے زیور تانبے لوہے گلٹ شیشے وغیرہ کی چیزیں اگر نجس ہوجائیں تو خوب صاف کرلینے یا رگڑنے یا مٹی سے مانجھ ڈالنے سے پاک ہوجاتی ہیں لیکن اگر نقشیں چیزیں ہوں تو بغیر دھوئے پاک نہ ہوں گی۔

(۱۲۴/۶) وَاِنْ اَصَابَتِ الْاَرْضَ نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ وَذَهَبَ اَثَرُهَا جَازَتِ الصَّلٰوةُ عَلٰى مَكَانِهَا وَلَايَجُوْزُ التَّيَمُّمُ مِنْهَا.

ترجمه: (۱۲۴/۶) اور اگر نجاست زمین کو لگ جائے پھر وہ سورج سے خشک ہو جائے اور اس کا اثر بھی جاتا رہے تو اس جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس جگہ سے تیمم کرنا جائز نہیں۔

تشریح: ناپاک زمین خشک ہو جانے سے خود بخود پاک ہو جاتی ہے لیکن طہارت کاملہ حاصل نہیں ہوتی یعنی طاہر تو ہو جاتی ہے مطہر نہیں ہوتی اس لئے ایسی زمین پر نماز پڑھ سکتے ہیں اس سے تیمم نہیں کر سکتے۔
(اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۸۱)

احناف کے نزدیک ناپاک زمین کو پاک کرنے کے تین طریقے ہیں:
(۱) جفاف جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا۔
(۲) پانی بہانے سے بھی ناپاک زمین پاک ہو جائے گی۔
(۳) ناپاک جگہ کھودنے اور ناپاک مٹی منتقل کر دینے سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۹۸ اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۸۱،ص:۲۸۲)

(۱) جَفَاف (خشک ہونا) کا ثبوت عبداللہ بن عمر کی روایت سے ہے کَانَتِ الكِلَابُ تَبُوْلُ وَتُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا من ذالكَ (معارف السنن ج:۱،ص:۵۰۴، اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۷۹، ابوداؤد ج:۱،ص:۵۵) یعنی کتے مسجد میں آجاتے اور اس میں پیشاب کر جاتے تھے اور اس کے بعد اصحاب رسول ﷺ اس پر پانی وغیرہ کچھ نہ چھڑکتے تھے اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ خشک ہو جانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

(۲) صَبُّ الماءِ (پانی بہانا) کا ثبوت اس روایت سے ہے جس میں ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں آکر پیشاب کر دیا اس کے بعد آپ نے صحابہ کو حکم دیا اَهْرِيْقُوْا عَلَيْهِ سَجْلاً مِنْ مَّاءٍ (معارف السنن ج:۱،ص:۵۰۲، ترمذی ج:۱،ص:۳۸) کہ اس پر ایک ڈول پانی بہادو، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کی پاکی کے لئے پانی بہانا ضروری ہے۔

(۳) حفر: (کھودنا) کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہے خُذُوْ مَا بَالَ عَلَيْهِ مِنَ التُّرَابِ فَالْقُوْهُ وَاَهْرِيْقُوا عَلٰى مكانِهِ مَاءً. (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۸۰، بذل المجھود ج:۱،ص:۲۲۲، نیل ج:۱،ص:۵۳)
جس جگہ اس نے پیشاب کیا ہے اس جگہ کی مٹی نکال کر پھینک دو اور اس جگہ پانی بہادو۔

دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زمین کی پاکی صرف پانی بہانے سے ہوتی ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۹۸ نیل الاوطار ج:۱،ص:۵۳)

دلیل: اعرابی والی حدیث جس کو ماقبل میں صَبُّ الماءِ کے تحت ذکر کیا گیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تطہیر ارض کے لئے پانی بہانا ضروری ہے جفاف وغیرہ سے پاک نہ ہوگی۔

جواب: آپ کا یہ کہنا کہ صرف پانی بہانے سے ہی زمین پاک ہوتی ہے درست نہیں اس لئے کہ احادیث میں

دوسرے طریقے بھی مذکور ہیں جیسا کہ احادیث کی روشنی میں جفاف اور حفر کے ذریعہ طہارت کو ثابت کیا جا چکا ہے۔

(۷/۱۲۵) وَمَنْ اَصَابَتْهُ مِنَ النَّجَاسَةِ الْمُغَلَّظَةِ كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ وَالْخَمْرِ مِقْدَارُ الدِّرْهَمِ وَمَا دُوْنَهُ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهُ وَاِنْ زَادَ لَمْ يَجُزْ (۸/۱۲۶) وَاِنْ اَصَابَتْهُ نَجَاسَةٌ مُخَفَّفَةٌ كَبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهُ مَالَمْ تَبْلُغْ رُبْعَ الثَّوْبِ

ترجمہ (۷/۱۲۵): اور جس شخص کو نجاست غلیظہ لگ جائے جیسے خون، پیشاب، پاخانہ، شراب، ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم تو جائز ہے نماز اس کے ساتھ اور اگر زائد ہو تو جائز نہیں۔ (۸/۱۲۶) اور اگر لگ جائے نجاست خفیفہ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو جائز ہے نماز اس کے ساتھ جب تک نہ پہنچے چوتھائی کپڑے کو۔

تشریح: نجاست حقیقیہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) غلیظہ، (۲) خفیفہ

(۱) غلیظہ: وہ چیز جس کے ناپاک ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو جملہ دلیلوں سے اس کا ناپاک ہی ہونا ثابت ہے جیسے آدمی کا پاخانہ یا شراب وغیرہ۔ (علم الفقہ ج:۱، ص:۴۳)

(۲) خفیفہ: وہ چیز جس کا نجس ہونا یقینی نہ ہو کسی دلیل سے اس کا ناپاک ہونا معلوم ہوتا ہو اور کسی دلیل سے اس کے پاک ہونے کا شبہ ہوتا ہو جیسے بول ما یوکل لحمہٗ۔

اس عبارت سے مصنف علیہ الرحمہ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے اور کتنی مقدار معاف نہیں ہے چنانچہ فرمایا کہ نجاست غلیظہ میں سے اگر پتلی اور بہنے والی چیز کپڑے یا بدن پر لگ جائے اور وہ پھیلاؤ میں روپیہ کے (ہتھیلی بھر چوڑائی کے) برابر یا اس سے کم ہو تو معاف ہے بغیر اس کے دھوئے اگر نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی لیکن نہ دھونا اور اسی طرح نماز پڑھتے رہنا مکروہ تحریمی اور برا ہے اور اگر روپیہ سے زیادہ ہو تو وہ معاف نہیں اس کے دھوئے بغیر نماز نہ ہوگی اور اگر نجاست غلیظہ میں سے گاڑھی چیز لگ جائے جیسے پاخانہ مرغی کی بیٹ وغیرہ تو اگر وزن میں ساڑھے چار ماشہ۔ (۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام)

یا اس سے کم ہو تو بغیر دھوئے نماز درست ہے اور اگر اس سے زیادہ لگ جائے تو بغیر دھوئے نماز درست نہیں ہے۔

مسئلہ (۲) اگر نجاست خفیفہ کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو جس حصہ یا عضو میں لگی ہے اگر اس کے چوتھائی سے کم میں لگی ہو تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں اس کا دھونا واجب ہے یعنی بغیر دھوئے نماز درست نہیں۔

(۹/۱۲۷) وَتَطْهِيْرُ النَّجَاسَةِ الَّتِيْ يَجِبُ غَسْلُهَا عَلٰى وَجْهَيْنِ فَمَا كَانَ لَهُ عَيْنٌ مَرْئِيَّةٌ فَطَهَارَتُهَا زَوَالُ عَيْنِهَا اِلَّا اَنْ يَّبْقٰى مِنْ اَثَرِهَا مَا يَشُقُّ اِزَالَتُهَا (۱۰/۱۲۸) وَمَا لَيْسَ لَهُ عَيْنٌ مَرْئِيَّةٌ فَطَهَارَتُهَا اَنْ يَغْسِلَ حَتّٰى يَغْلِبَ عَلٰى ظَنِّ الْغَاسِلِ اَنَّهُ قَدْ طَهُرَ.

ترجمہ: (۹/ ۱۲۷) اور وہ نجاست جس کا دھونا واجب ہے اس سے پاکی حاصل کرنا دو طریقے پر ہے چنانچہ جو نجاست بعینہٖ دکھائی دیتی ہو اس کی پاکی اس کے عین کا زائل ہو جانا ہے مگر یہ کہ نجاست کے اثر سے وہ چیز باقی رہ جائے جس کا دور کرنا دشوار ہو۔ (۱۰/ ۱۲۸) اور جو نجاست بعینہٖ دکھائی نہ دے اس کی پاکی یہ ہے کہ دھوتا رہے یہاں تک کہ دھونے والے کے گمان پر غالب آجائے کہ وہ پاک ہوگئی۔

نجاست کی دو قسمیں ہیں

(۱) نجاست مرئیہ (۲) نجاست غیر مرئیہ

نجاست مرئیہ: وہ ہے جو سوکھنے اور خشک ہونے کے بعد نظر آئے جیسے بہنے والا خون۔

نجاست غیر مرئیہ: وہ ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے جیسے نجس پانی اگر دلدار نجاست لگ جائے جیسے پاخانہ خون، تو اتنا دھوئے کہ نجاست چھوٹ جائے اور دھبہ جاتا رہے چاہے جتنی دفعہ میں چھوٹے جب نجاست چھوٹ جائے گی تو کپڑا پاک ہو جائے گا اور اگر بدن میں لگ گئی ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اگر ایسی نجاست ہے کہ کئی دفعہ دھونے اور نجاست کے چھوٹ جانے پر بھی بدبو نہیں گئی یا کچھ دھبہ رہ گیا تب بھی کپڑا پاک ہو گیا صابون وغیرہ لگا کر دھبہ چھڑانا اور بدبو دور کرنا ضروری نہیں۔

اگر پیشاب کے مانند کوئی نجاست لگ گئی جو دلدار نہیں ہے تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ نچوڑے اور تیسری مرتبہ پوری طاقت لگا کر خوب زور سے نچوڑے تب پاک ہوگا اگر خوب زور سے نہ نچوڑے گا تو کپڑا پاک نہ ہوگا۔

(۱۱/ ۱۲۹) وَالْاِسْتِنْجَاءُ سُنَّةٌ يُجْزِئُ فِيْهِ الْحَجَرُ وَالْمَدَرُ وَمَا قَامَ مَقَامَهُمَا يَمْسَحُهُ حَتّٰى يُنَقِّيَهٗ.

ترجمہ: (۱۱/ ۱۲۹) اور استنجاء سنت ہے کافی ہے استنجے میں پتھر، ڈھیلا اور ان کے قائم مقام چیزیں مخرج کو پونچھنے میں یہاں تک کہ اس کو صاف کر دے۔

تشریح: استنجاء نجوٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں جو چیز پیٹ سے نکلے۔ (کفایہ ا، ص: ۱۸۷)

جو نجاست آگے یا پیچھے کی راہ سے نکلے اس سے استنجاء کرنا سنت ہے۔ اور استنجے میں ڈھیلا یا ایسی چیز جو ان کے قائم مقام ہو یعنی خود پاک ہو اور نجاست ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔

ڈھیلے سے استنجاء کرنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے بس اتنا خیال رکھے کہ نجاست ادھر اُدھر نہ پھیلنے پائے اور بدن خوب صاف ہو جائے اگر گرمی کا موسم ہے تو پہلا ڈھیلا سامنے سے پیچھے کی طرف لے جائے دوسرا پیچھے سے سامنے کی طرف، تیسرا سامنے سے پیچھے کی طرف سردی کے موسم میں اس کا برعکس، عورتیں ہر موسم میں گرمی والا طریقہ اختیار کریں یہ پاخانہ سے استنجاء کرنے کے بارے میں ہے۔

حنفیہ امام مالک سعید بن جبیر محمد بن سیرینؒ کے نزدیک استنجاء سنت مؤکدہ ہے امام شافعی کے نزدیک فرض ہے۔
مسنون ہونے پر دلیل: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ پائخانہ سے نکلے مگر یہ کہ پانی چھوتے تھے۔ (عینی ج:۱ص:۴۶۷)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے استنجے پر ہمیشگی فرمائی ہے۔
احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر نجاست مخرج سے قدر درہم سے متجاوز ہو تو پانی کا استعمال فرض ہے اگر بقدر درہم متجاوز ہو تو واجب ہے اور اگر اس سے کم ہو تو سنت ہے۔

(۱۲/۱۳۰) وَلَيسَ فِيهِ عَدَدٌ مَسْنُوْنٌ (۱۳/۱۳۱) وَغَسْلُهُ بِالْمَاءِ اَفْضَلُ

ترجمہ: (۱۲/۱۳۰) اور اس میں کوئی خاص عدد مسنون نہیں۔ (۱۳/۱۳۱) اور اسے پانی سے دھونا افضل ہے

تشریح: ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ استنجاء کرنے کے لئے پتھروں کا کوئی عدد متعین ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام شافعی امام احمد اسحاق بن راہویہ کے نزدیک انقاء (مخرج کو خوب اچھی طرح صاف کرنا) اور تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے بغیر تثلیث کے استنجاء جائز نہیں ہوسکتا۔ (اعلاء السنن ج:۱ص:۳۰۷، معارف السنن ج:۱ص:۱۱۴ ،نیل الاوطار ج:۱ص:۹۰)

دلیل: حضرت سلمانؓ کی روایت کے اندر یہ الفاظ آئے ہیں نَهَانَا اَنْ يَسْتَنْجِيَ اَحَدُنَا بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ (ترمذی ج:۱ص:۱۰) یعنی ہم میں سے کوئی تین پتھروں سے کم سے استنجاء نہ کرے نیز حضرت ابن مسعود سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: اِئْتِنِيْ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ. (ابن ماجہ ج:۱ص:۲۷) میرے پاس تین پتھر لاؤ، ان کے علاوہ اور روایات سے بھی تثلیث کا ثبوت ملتا ہے۔ (دیکھئے نیل الاوطار ص:۹۰ ۱۰۲۷، ۱۰۸ الطحاوی ج:۱ص:۹۲)

جواب: آپ کی پیش کردہ روایات متروک الظاہر ہیں کیونکہ اگر ایسے پتھر سے استنجاء کیا جس کے تین کونے ہوں تو بالاتفاق استنجاء جائز ہے معلوم ہوا تین کا عدد شرط نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱ص:۱۰۳، البحر الرائق ج:۱ص: ۲۵۳، عینی ج:۱ص:۴۷۳، بذل المجھود، ج:۱ص:۵)

دوسرا جواب: آپ کی پیش کردہ روایات میں جو صیغۂ امر آیا ہے وہ استحباب پر محمول ہے۔ (عینی ج:۱ص:۴۷۳)
(۳) آپ نے جو تین پتھروں سے کم کے استعمال سے منع فرمایا یا ابن مسعود والی روایت میں ہے کہ تین پتھر منگوائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور سے تین ہی پتھروں سے مخرج کی صفائی ہو جاتی ہے یہ مطلب نہیں کہ تین پتھر واجب ہیں۔ (اعلاء السنن ج:۱ص:۳۰۹ البحر الرائق ج۱ص:۲۵۳، معارف السنن ج:۱ص:۱۱۵)
نیز ابن مسعود کو جب تین پتھر نہ مل سکے تو وہ گوبر کا ٹکڑا لے کر آگئے آپ نے فرمایا ھذا رِكسٌ (نجس) اگر تین

پتھر واجب ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرا پتھر ضرور منگواتے حالانکہ تیسرا پتھر نہیں منگوایا معلوم ہوا کہ تین کا عدد شرط نہیں۔ (طحاوی ج:۱ص:۹۳، اعلاء السنن ج:۱ص:۳۱۰، بذل ج:۱ص:۵، نیل الاوطار ج:۱ص:۱۰۸)

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ امام مالک داؤد ظاہری وغیرہ کے نزدیک انقاء واجب ہے اور تثلیث واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (معارف السنن ج:۱ص:۱۱۷، بذل، ج:۱ص:۱۵ اعلاء السنن ج:۱ص:۳۰۸)

دلیل: حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث ہے جس کے اندر ہے مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ. (طحاوی ج:۱ص:۹۲ معارف السنن ج:۱ص:۱۱۵ عینی ج:۱ص:۴۷۱)

جو شخص پتھر سے استنجاء کرے اس کو چاہئے کہ طاق عدد اختیار کرے جس نے کیا بہتر ہے اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین پتھر واجب نہیں کیونکہ اگر تین پتھر واجب ہوتے تو یہ نہ فرماتے کہ جس نے نہیں کیا کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ترکِ واجب میں حرج ہوتا ہے، پھر صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ بڑے استنجاء کے وقت ابتداء کس جانب سے کرے، اس مسئلے میں حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ دبر سے ابتداء کرے، کیونکہ وہ اہم مقام ہے نیز دبر اور اس کے اِرد گرد رگڑنے سے بسا اوقات پیشاب کا قطرہ ٹپک جاتا ہے، جیسا کہ اس کا مشاہدہ ہے، لہٰذا قبل سے ابتداء کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا، صاحبین فرماتے ہیں کہ قبل سے ابتداء کرے گا کیونکہ وہ وہی مقدم ہے، فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔ (طحطاوی علی المراقی ص:۲۷)

(۱۴/۱۳۲) وَاِنْ تَجَاوَزَتِ النَّجَاسَةُ مَخْرَجَهَا لَمْ يَجُزْ فِيْهِ اِلَّا الْمَاءُ اَوِ الْمَائِعُ

ترجمہ: (۱۴/۱۳۲) اور اگر بڑھ گئی نجاست اپنے مخرج سے تو نہیں جائز ہے اس میں مگر پانی یا بہنے والی چیز۔

تشریح: اگر نجاست مخرج سے اِدھر اُدھر پھیل جائے تو اس کو صرف پانی سے یا بہنے والی پاک چیز سے (علی اختلاف القولین) دور کیا جاسکتا ہے پتھر وغیرہ سے پونچھنا کافی نہ ہوگا۔

(۱۵/۱۳۳) وَلَا يَسْتَنْجِيْ بِعَظْمٍ وَلَا رَوْثٍ وَلَا بِطَعَامٍ وَلَا بِيَمِيْنِهٖ

ترجمہ: (۱۵/۱۳۳) اور نہ کرے استنجاء ہڈی سے، نہ لید سے، نہ کھانے سے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے۔

تشریح: ہڈی اور نجاست جیسے گوبر لید وغیرہ اور کوئلہ شیشہ کنکر پکی اینٹ کھانے کی چیز اور کاغذ سے اور داھنے ہاتھ سے استنجاء کرنا برا اور منع ہے کھانے سے اس لئے نہ کرے کیونکہ یہ برباد کرنا اور اسراف ہے اور یہ دونوں باتیں حرام ہیں اور استنجاء بالیمین سے حدیث میں منع فرمایا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۴۷۶، ۴۷۷)

ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے اگر ان سے استنجاء کیا جائے اور صفائی بھی حاصل ہو جائے تو یہی کہا جائے گا کہ استنجاء کیا ہی نہیں۔ (ایضاح الطحاوی ج:۱،ص:۳۵۵)

دلیل: عن عبد اللہ بن مسعودٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَاِنَّہٗ زَادُ اِخْوَانِکُمْ مِنَ الْجِنِّ۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو اس لئے کہ وہ تمہارے بھائیوں یعنی جنات کا توشہ ہے اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے سے فریضہ استنجاء ادا نہیں ہو سکتا۔

جواب: جن روایات کے اندر ہڈی اور گوبر سے استنجاء کی ممانعت ہے وہ از قبیل احکام نہیں بلکہ از قبیل شفقت ہے نیز ہڈی سے استنجاء کرنے میں مخرج کے چھل جانے کا خطرہ ہے اور گوبر سے استنجاء کرنے میں انسان کے اندر نظافت باقی نہیں رہتی اس لئے منع فرمایا۔

دوسرا جواب: ہڈی جنات کی خوراک ہے اور گوبر جنات کے جانوروں کی خوراک ہے تو ان کی خوراک کو نجاستوں کے ذریعہ ملوث کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ (طحاوی شریف، ج:۱،ص:۹۴)

لہٰذا جن روایات میں ممانعت ہے وہ ان علتوں کی بناپر ہے اس لئے نہیں کہ ہڈی اور گوبر سے استنجاء ہوتا ہی نہیں۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ کے قول ثانی کے مطابق ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا مکروہ تو ہے لیکن اگر صفائی حاصل ہو جائے تو استنجے کا فریضہ ساقط ہو جائے گا اور یہ نہیں کیا جائیگا کہ اس نے استنجاء نہیں کیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ، ج:۱،ص:۶۷۴)

دلیل: حضرت ابوہریرہ کی ایک طویل حدیث کے اندر ہے فَقَالَ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ اَبْغِنِیْ اَحْجَارًا اَسْتَطِیْبُ بِھِنَّ وَلَا تَاْتِنِیْ بِعَظْمٍ وَلَا رَوْثٍ اِلٰی آخِرِہٖ۔ (طحاوی ج:۱،ص:۹۴، الدرایہ ج:۱،ص:۹۷) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ میرے لئے کچھ ڈھیلے تلاش کرو تاکہ میں ان سے پاکی حاصل کروں ان میں گوبر اور ہڈی نہ ہونی چاہئے پھر میں نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ پتھر ہڈی اور گوبر میں کیا فرق ہے آپ نے جواب دیا کہ ہڈی اور گوبر جنات کا کھانا ہیں۔

اب ان حالات میں اگر گوبر اور ہڈی سے استنجاء کیا جائے تو یقیناً جنات کی خوراک نجاستوں سے ملوث ہو جائے گی اس بناپر آپ نے ممانعت فرمائی، نہ اس لئے کہ ان چیزوں سے طہارت ہی حاصل نہیں ہوتی لہٰذا ہمارا مدعا ثابت اور تمہارا مدعا باطل ہوگا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کِتَابُ الصَّلوٰةِ

ماقبل سے مناسبت: نماز کے لئے طہارت شرط کے درجہ میں ہے اس لئے اس کو مقدم فرمایا کیوں کہ شرطِ شئ، شئ سے مقدم ہوتی ہے۔

صلاۃ کی لغوی تعریف: صلاۃ کے لئے لغوی معنی دعاء کے ہے۔

اصلاحی تعریف: افعال مخصوصہ مشہورہ (قیام، قرأت رکوع، سجود) کا نام ہے۔ (البحر الرائق ج ۱-۲۵۶، بذل المجهود ج ۱، ۲۲۵، عینی ج ۱ص: ۴۷۸)

نماز کی فرضیت

نماز کی فرضیت کتاب سنت اور اجماع سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَّوْقُوْتاً" (پارہ: ۵، آیت: ۱۰۲، سورۂ نساء) بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں۔ (معارف القرآن ج: ۲، ص: ۵۳۱)

حضورؐ کا فرمان ہے: بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ، الحدیث. (مسلم شریف ج: ۱، ص: ۳۲)

اجماع: جو شخص فرضیت نماز کا منکر ہو اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے۔ (عینی ج: ۱، ص: ۴۷۸ تا ۴۷۹)

فائدہ جلیلہ: مجموعہ کے اعتبار سے پانچوں نمازوں کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے عشاء کی نماز کے علاوہ باقی چار نمازیں پہلی امتوں میں متفرق طور سے پائی جاتی تھیں اور عشاء کی نماز صرف اس امت کی خصوصیت ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بذل المجهود میں لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ کی توبہ صبح صادق کے وقت قبول ہوئی تو آپ نے دو رکعت پڑھی اللہ نے صبح کی نماز مشروع فرمادی اور حضرت اسحٰق علیہ السلام یا اسماعیل علیہ السلام (علی اختلاف القولین) کا فدیہ ظہر کے وقت آیا تھا تو انھوں نے بطور شکر چار رکعت پڑھیں اسوقت سے ظہر کی نماز مشروع ہوگئی اور حضرت عزیرؑ کو نوم طویل سے سو سال کے بعد عصر کے وقت جگایا گیا آپ نے چار رکعت پڑھیں جب سے عصر کی نماز مشروع ہوگئی، اور حضرت داؤدؑ کی لغزش غروب کے وقت معاف ہوئی آپ نے چار رکعت پڑھنے کا ارادہ کیا، لیکن تھکاوٹ کی وجہ سے تیسری رکعت پر بیٹھ گئے اسی وقت سے مغرب کی نماز مشروع ہوگئی، اور عشاء کی نماز سب سے پہلے ہمارے نبیؐ اور آپ کی امت نے پڑھی (بذل المجهود ج: ۱، ص: ۲۲۷، معارف السنن ج ۲، ص: ۱۶) اس پر تمام علماء کا

اتفاق ہے کہ پانچوں نمازوں کی مشروعیت شب معراج میں ہوئی اور جمہور کے نزدیک معراج ۵ھ میں ہوئی ہے۔

(۱۳۴/۱) اَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِیْ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْمُعْتَرِضُ فِی الْاُفُقِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ.

ترجمہ: (۱۳۴/۱) فجر کی نماز کا اول وقت وہ ہے جب کہ فجر ثانی طلوع ہو اور وہ ایک سفیدی ہے جو پھیلتی ہے آسمان کے کناروں میں اور فجر کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ سورج نہ نکلے۔

تشریح: آخری رات میں صبح ہوتے وقت مشرق کی جانب آسمان کی لمبائی پر کچھ سفیدی نظر آتی ہے پھر کچھ وقفہ کے بعد آسمان کے کنارے پر چوڑائی میں سفیدی معلوم ہوتی ہے، اور ایک دم بڑھتی جاتی ہے، تھوڑی ہی دیر میں اجالا ہو جاتا ہے، تو جس وقت سے یہ چوڑی سفیدی نظر آئے اسی وقت سے فجر کی نماز کا قوت شروع ہو جاتا ہے، اور سورج نکلنے تک باقی رہتا ہے۔

ہمارے صاحب کتاب نے نماز فجر کے وقت کو سب سے پہلے اس لئے بیان کیا ہے کیوں کہ اس کے اول وقت وآخر وقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (عینی: ج۱ص:۴۸۱، اللباب ج۱ص:۷۱)

(۱۳۵/۲) وَاَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَیْهِ سِوٰی فَیْءِ الزَّوَالِ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهٗ (۱۳۶/۳) وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ اِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَیْنِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ.

ترجمہ: (۱۳۵/۲) اور ظہر کا اول وقت وہ ہے، جب سورج ڈھل جائے اور اس کا آخری وقت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جائے سایۂ اصلی کے علاوہ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا جب ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل ہو جائے۔ (۱۳۶/۳) اور عصر کا اول وقت وہ ہے جب نکل جائے ظہر کا وقت دونوں قولوں کے مطابق اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ سورج غروب نہ ہو۔

تشریح: دوپہر ڈھل جانے سے ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، سورج نکل کر جتنا اونچا ہوتا جاتا ہے، ہر چیز کا سایہ گھٹتا جاتا ہے، جب گھٹنا بند ہو جائے تو اس وقت دوپہر کا وقت ہے، پھر جب سایہ بڑھنا شروع ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے، کہ دن ڈھل گیا، اسی وقت سے ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور سایۂ اصلی کو چھوڑ کر جب تک ہر چیز کا سایہ دوگنا نہ ہو جائے اسوقت تک ظہر کا وقت رہتا ہے، مثلاً ایک ہاتھ لکڑی کا سایہ دوپہر کو چار انگل تھا تو جب تک دو ہاتھ چار انگل نہ ہو جائے تب تک ظہر کا وقت ہے اور جب دو ہاتھ چار انگل ہو گیا تو عصر کا وقت آ گیا اور عصر کا وقت سورج ڈوبنے تک باقی رہتا ہے، لیکن جب سورج کا رنگ بدل جائے اور دھوپ زرد پڑ جائے اس وقت عصر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

اختلاف الائمہ

ظہر کے اول وقت کے سلسلہ میں تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زوال شمس سے شروع ہوتا ہے البتہ انتہائے وقت ظہر واول وقت عصر میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد متصلاً عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

صاحبین اور جمہور کے نزدیک ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۹، عینی ج:۱، ص:۴۸۷، عمدۃ القاری ج:۴، ۴۷)

امام کی دلیل: حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے "فَقَالَ النَّبِیُّ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهٗ اَبْرِدْ حَتّٰی رَأَیْنَا فَیْءَ التُّلُوْلِ". (معارف السنن ج:۲، ص:۲۱)

ترجمہ: یعنی حضرت بلال نے ظہر کے لئے اذان کا ارادہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراد کا حکم فرمایا (ابھی ٹھہرو گرمی کی تیزی کم ہونے دو) پھر کچھ دیر کے بعد اذان دینے کا ارادہ کیا آپ نے پھر فرمایا ابرد پھر حضرت بلال نے اتنی تاخیر کی کہ ہم لوگوں کو ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا۔

وجہ استدلال: عرب کے ٹیلے پھیلے ہوئے اور لمبے ہوتے ہیں ان کا سایہ زمین پر جلدی پڑنا شروع نہیں ہوتا بلکہ کافی تاخیر سے پڑتا ہے، ان کا سایہ ایک مثل اس وقت ہوتا ہے، جبکہ دوسری چیزوں کا سایہ دو مثل ہو جائے۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۲۱)

صاحبین اور جمہور کی دلیل: حدیث جبرئیل میں ہے "ثُمَّ صَلَّی الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ کُلُّ شَیْءٍ مِثْلَ ظِلِّهٖ" (ترمذی ج:۱، ص:۳۸) پھر حضرت جبرئیلؑ نے عصر کی نماز پڑھائی جس وقت کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

جواب: حدیث جبرئیل منسوخ ہے کیوں کہ وہ مقدم ہے اور جن احادیث سے مثلین کا ثبوت ملتا ہے، وہ مؤخر ہیں۔ (فتح القدیر ج:۱، ص:۱۹۴، اعلاء السنن ج:۲، ۴)

(۴/۱۳۷) وَاَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ اِذَا غَرُبَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغِبِ الشَّفَقُ وَهُوَ الْبَیَاضُ الَّذِیْ یُرٰی فِی الْاُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هُوَ الْحُمْرَةُ.

ترجمہ: (۴/۱۳۷) اور مغرب کا اول وقت وہ ہے جب سورج غروب ہو جائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہو اور وہ ایک سفیدی ہے جو کناروں میں نظر آتی ہے، سرخی کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابویوسف اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ شفق وہ سرخی ہی ہے۔

تشریح: جب سورج ڈوب گیا تو مغرب کا وقت ہوگیا پھر جب تک پچھم کی طرف آسمان کے کنارے پر شفق باقی ہے تب تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔

شفق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شفق احمر (۲) شفق ابیض

شفق احمر کی تعریف: وہ سرخی ہے جو سورج ڈوبنے کے بعد مغرب کی جانب ہوتی ہے۔

شفق ابیض کی تعریف: وہ سفیدی ہے جو شفق احمر کے بعد آسمان کے کناروں میں نظر آتی ہے۔

شفق کی تعیین میں ائمہ کا اختلاف

صاحبین اور جمہور کے نزدیک شفق احمر کے غائب ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے، یعنی غروب شمس کے بعد تقریباً پون گھنٹہ تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے، اس کے بعد ختم ہوجاتا ہے، امام اعظم کے نزدیک شفق ابیض کے ختم ہوتے ہی مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے، یعنی سورج ڈوبنے کے بعد تقریباً سوا گھنٹہ تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے اسکے بعد ختم ہوجاتا ہے۔ (نیل الاوطار ج:۲، ص:۱۰ تا ۱۱)

امام اعظم کی دلیل: مغرب کا آخری وقت بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا "حِيْنَ يَسْوَدُّ الْأُفُقُ" (بذل المجہود، ج:۱، ص:۲۲۹) یعنی جس وقت آسمان کے کنارے سیاہ ہوجائیں اور کناروں کا سیاہ ہونا سفیدی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

فائدہ: محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں امام اعظم کے قول کو صحیح اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر ج:۱، ص:۱۹۶، البحر الرائق ج:۱، ص:۲۵۸)

(۱۳۸/۵) وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ الثَّانِيْ (۱۳۹/۶) وَاَوَّلُ وَقْتِ الْوِتْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ.

ترجمہ: (۱۳۸/۵) اور عشاء کا اول وقت وہ ہے جبکہ شفق غائب ہوجائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ فجر ثانی (صبح صادق) طلوع نہ ہو۔ (۱۳۹/۶) اور وتر کا اول وقت عشاء کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک فجر طلوع نہ ہو۔

تشریح: عشاء کے اول وقت کے بارے میں وہی دو قول ہیں جو مغرب کے آخری وقت کے بارے میں گذر چکے ہیں، یعنی صاحبین اور جمہور فقہاء کے نزدیک عشاء کا اول وقت شفق احمر کے اختتام پر شروع ہوتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشاء کا وقت شفق ابیض کے اختتام کے بعد شروع ہوتا ہے، حضرات حنفیہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک طلوع صبح صادق پر عشاء کا وقت ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد وقت قضاء شروع ہوجاتا ہے۔

افضلیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے پوری رات کو تین حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
(۱) شفق کے بعد سے ثلث لیل تک کا اول حصہ ہے۔
(۲) ثلث لیل کے بعد سے نصف لیل تک دوسرا حصہ ہے۔
(۳) نصف لیل سے طلوع فجر تک تیسرا حصہ ہے۔

پہلے حصہ میں نماز ادا کرنے سے بہت فضیلت حاصل ہوتی ہے، اور دوسرے حصہ میں کچھ کم ہوتی ہے اور تیسرے حصہ میں اور زیادہ کم ہو جاتی ہے، لیکن ہر حصہ میں عشاء کی نماز ادا کرنے سے ادا ہی کہا جائے گا قضاء نہیں کہا جاسکتا ہے۔

نماز وتر کا اول وقت صاحبین کے نزدیک عشاء کے بعد سے ہے اور آخری وقت طلوع فجر تک ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱، ص:۶۱۰)

دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے وتروں کو عشاء اور صبح کے درمیان پڑھو۔ (عینی ج:۱، ص:۴۹۷) امام ابوحنیفہ کے نزدیک عشاء اور وتر دونوں کا ایک ہی وقت ہے۔ یعنی غروب شفق سے طلوع صبح صادق تک، لیکن ترتیب واجب ہونیکی وجہ سے وتر کی نماز کو عشاء کی نماز پر مقدم کرنا درست نہیں مگر سہواً (بدائع الصنائع ج:۱، ص:۶۱۰) واضح رہے کہ امام قدوری نے صاحبین کے مذہب کو بیان کیا ہے۔

فائدہ: یہ تفصیل اوقاتِ صلوٰۃ کے سلسلہ میں جو آپ کے سامنے آئی ہے، یہ وقت جواز کے سلسلہ میں ہے آگے وقت استحباب اور وقت فضیلت کے سلسلے میں تفصیل ہے۔

(۷/۱۴۰) وَيَسْتَحِبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ

ترجمہ: (۷/۱۴۰) اور مستحب ہے نماز فجر کو روشنی میں پڑھنا۔

تشریح: مردوں کے لئے مستحب ہے کہ فجر کی نماز ایسے وقت شروع کریں کہ روشنی خوب پھیل جائے اور اس قدر وقت باقی ہو کہ اگر نماز پڑھی جائے اور اس میں چالیس پچاس آیتوں کی تلاوت اچھی طرح کی جائے اور نماز کے بعد اگر کسی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا پڑ جائے تو قرأت مسنونہ کے ساتھ نماز پڑھ سکیں، عورتوں کو فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔

اختلاف الائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر کی نماز غلس (طلوع فجر کے بعد کی تاریکی) میں پڑھنا افضل ہے۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۳۵، نیل الاوطار ج:۲، ۱۹)

دلیل: عورتیں حضور ﷺ کے ساتھ نماز فجر پڑھتی تھیں پھر اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی اس طرح واپس ہوتی تھیں لَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ (نیل الاوطار ج:۲، ص:۱۸) کہ اندھیرے کیوجہ سے

کوئی آدمی ان کو پہچان نہیں سکتا تھا۔

جواب: مذکورہ حدیث میں من الغلس کا لفظ حضرت عائشہؓ کا نہیں ہے، بلکہ ان کا قول تو "لَایَعْرِفُهُنَّ" پر پورا ہو گیا اور حضرت عائشہؓ کا منشا یہ تھا کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی آتی تھیں اس لئے انھیں کوئی پہچانتا نہیں تھا کسی راوی نے یہ سمجھا کہ نہ پہچاننے کا سبب اندھیرا تھا اس لئے اس نے من الغلس کا لفظ بڑھا دیا۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۳۷)

دوسرا مذہب: حضرات حنفیہ کے نزدیک فجر اسفار میں پڑھنا افضل ہے۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۱۹، معارف السنن ج:۲،ص:۳۵)

دلیل: "اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ" (نیل الاوطار ج:۲،ص:۲۰)

یعنی نماز فجر خوب روشنی میں پڑھا کرو کیوں کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

(۸/۱۴۱) وَالْاِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ وَتَقْدِيْمُهَا فِي الشِّتَاءِ.

ترجمہ: (۸/۱۴۱) اور ٹھنڈا کر کے نماز ظہر کو پڑھنا گرمی میں اور اس کو اول وقت میں پڑھنا سردی کے موسم میں

تشریح: گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز میں جلدی نہ کرے گرمی کی تیزی کا وقت جاتا رہے تب پڑھنا مستحب ہے اور جاڑوں میں اول وقت نماز پڑھنا مستحب ہے۔

اختلاف الائمہ

ظہر کے افضل وقت کے سلسلہ میں سردی کے زمانہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ تعجیل افضل ہے، اختلاف گرمی کے زمانہ کے بارے میں ہے کہ گرمی کے زمانے میں ظہر کا افضل وقت کیا ہے؟

اس بارے میں دو مذہب ہیں: (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز جلدی پڑھنا افضل ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۳۲۵، معارف السنن ج:۲،ص:۴۹)

(۲) ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز کے اندر تاخیر افضل ہے۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۴۹، نیل الاوطار ج:۱،ص:۳۲۶)

امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ "كَانَ اَشَدُّ تَعْجِيْلًا لِلظُّهْرِ" (ترمذی ج:۱،ص:۴۰) یعنی نماز ظہر بہت جلدی ادا فرماتے تھے۔

جواب: یہ حدیث سردی کے موسم پر محمول ہے۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۴۷)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ حضورؐ سردی کے موسم میں ظہر کی نماز بہت جلد ادا فرمایا کرتے تھے اور جب گرمی سخت ہوتی تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۱۹۹)

(۱۴۲/۹) وَتَاخِيْرُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ

ترجمه: (۱۴۲/۹) اور عصر کی نماز کو مؤخر کرنا (مستحب ہے) جب تک کہ سورج میں تغیر نہ آئے۔

تشریح: عصر کی نماز اتنی دیر کر کے پڑھنا بہتر ہے کہ وقت آنے کے بعد اگر کچھ نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکے کیوں کہ عصر کے بعد تو نفلیں پڑھنا درست نہیں چاہے گرمی کا موسم ہو یا سردی کا دونوں کا ایک ہی حکم ہے، لیکن اتنی دیر نہ کرے کہ سورج میں زردی آ جائے اور دھوپ کا رنگ بدل جائے۔

اختلاف الائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عصر میں تعجیل افضل ہے۔

دوسرا مذهب: حضرات حنفیہ کے نزدیک عصر کی نماز میں تاخیر افضل ہے بشرطیکہ سورج میں زردی نہ آئے۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۵۸، نیل ج:۱، ص:۳۳۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ صلی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِيْ حُجْرَتِهَا لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا (ترمذی ج:۱، ص:۴۱ تا ۴۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت عصر کی نماز پڑھی جبکہ دھوپ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے فرش پر تھی اور دیوار پر نہیں چڑھی تھی، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر میں تعجیل مستحب ہے۔

جواب: حضرت عائشہؓ کے کمرہ کا دروازہ مغرب میں تھا، لیکن چوں کہ چھت نیچی تھی اور دروازہ چھوٹا، اس لئے اس میں دھوپ اسی وقت اندر آ سکتی ہے جبکہ سورج مغرب کی جانب کافی نیچے آ چکا ہو، لہٰذا یہ حدیث تاخیر عصر کی دلیل ہوگی نہ کہ تعجیل عصر کی۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۶۱، عمدۃ القاری: ج۴، ص:۴۶)

(۱۴۳/۱۰) وَتَعْجِيْلُ الْمَغْرِب

ترجمه: (۱۴۳/۱۰) اور مغرب کو جلدی پڑھنا۔

تشریح: مغرب کی نماز میں جلدی کرنا اور سورج ڈوبتے ہی پڑھ لینا مستحب ہے، اذان و اقامت کے درمیان زیادہ فصل نہ کرے کیوں کہ تاخیر کی صورت میں یہود کے ساتھ مشابہت ہے۔

(۱۴۴/۱۱) وَتَاخِيْرُ الْعِشَاءِ إِلٰى مَاقَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ

ترجمه: (۱۴۴/۱۱) اور عشاء کو مؤخر کرنا تہائی رات سے پہلے تک۔

تشریح: افضل اور مستحب یہ ہے کہ تہائی رات جانے سے قبل ہی عشاء کی نماز پڑھ لے۔

دلیل: آقاءِ مدنی کا فرمان ہے کہ اگر مجھے اپنی امت پر تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو تہائی رات تک عشاء میں

تاخیر کرتا۔ (البحر الرائق ج:۱، ص:۲٦۰)

اختلاف الائمہ

عشاء میں تعجیل افضل ہے یا تاخیر۔

اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) شوافع کا مشہور و معروف قول تعجیل کا ہے۔

(۲) حنفیہ کا مذہب تاخیر عشاء کا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۵۰۷)

شوافع کی دلیل: حضورؐ کا اکثر معمول تعجیل عشاء کا تھا اور تاخیر آپؐ نے کسی عذر یا مشغولی یا بیان جواز کے لئے کی ہے۔ (بذل المجہود ج:۱، ص:۲۴۳، نیل ج:۲، ص:۱۱)

جواب: آپ کا یہ کہنا کہ آپ کا معمول تعجیل کا تھا اس کی وجہ مقتدیوں کے حال کی رعایت ہے کہ وہ خیر کا زمانہ تھا لوگ اول وقت مسجد میں جمع ہو جاتے تھے اس لئے تاخیر میں ان کو مشقت لاحق ہوتی۔ (نیل الاوطار ج:۲، ص:۱۲، درمنضود، ج:۲، ص:۳٦)

(۱۲/۱۴۵) وَيُسْتَحِبُّ فِي الْوِتْرِ لِمَنْ يَالَفُ صَلوٰةَ اللَّيْلِ اَنْ يُؤَخِّرَ الْوِتْرَ إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ وَاِنْ لَمْ يَثِقْ بِالْاِنْتِبَاهِ اَوْتَرَ قَبْلَ النَّوْمِ.

ترجمہ: (۱۲/۱۴۵) اور مستحب ہے وتر میں اس کے لئے جس کو شوق ہو رات کی نماز کا کہ مؤخر کرے وتر کو اخیر رات تک اور اگر بھروسہ نہ ہو جاگنے پر تو وتر پڑھ لے سونے سے پہلے ہی۔

تشریح: جو آدمی تہجد کی نماز اخیر شب میں اٹھ کر پڑھا کرتا ہے تو اگر پکا بھروسہ ہو کہ آنکھ ضرور کھلے گی تو اس کو وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا بہتر ہے، لیکن اگر آنکھ کھلنے کا اعتبار نہ ہو اور سو جانے کا خوف ہو تو عشاء کے بعد سونے سے قبل وتر پڑھ لینا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

بَابُ الْاَذَان

یہ باب اذان (کے بیان میں) ہے

مناسبت: اس سے قبل امام قدوریؒ نے نماز کے اوقات کو بیان فرمایا ہے، اس باب میں نماز کے لئے اعلان کے طریقے کو بیان فرمائیں گے، چوں کہ نماز کے اوقات اسباب کے درجہ میں ہیں اور سبب علامت پر مقدم ہوتا ہے اس لئے اوقات کو پہلے بیان کیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۵۲۸)

اذان کی لغوی تعریف: اعلان کرنا اور اطلاع دینا۔

اصطلاحی تعریف: نماز کے وقت کی مخصوص الفاظ کے ذریعہ اطلاع کرنا۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۳۲)

اذان کا ثبوت قرآن سے: حق سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے۔ "وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ" (پارہ:۶، آیت:۵۸) اور جب تم نماز کے لئے (اذان کے ذریعہ سے) اعلان کرتے ہو۔ (معارف القرآن ج:۳،ص:۱۷۰)

اذان کا ثبوت حدیث سے: حضرت عبداللہ بن زید نے خواب میں ایک شخص سے پورے کلمات اذان سنے، صبح کے وقت خدمت نبوی میں پہنچ کر پورا خواب بیان کر دیا، اس پر آپ ﷺ نے اذان کی مشروعیت کا فیصلہ فرمادیا اور حضرت بلال کو حکم دیا۔ "يَا بلال قُمْ فَانظُرْ مَايَأمُرُكَ بِهِ عبدُالله بن زيدٍ" (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۷) اے بلال کھڑے ہو جاؤ اور کہو ان کلمات کو جن کا عبداللہ بن زید تم کو حکم دیں۔

اذان کی مشروعیت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں نماز بغیر اذان واقامت کے پڑھتے تھے، جب آپ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی تو سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، پھر اذان کے سلسلہ میں مشورہ ہوا اور ایک ۱ھ میں اذان مشروع ہوئی راجح قول یہی ہے۔ (معارف السنن، ج:۲،ص:۱۶۹، بذل المجہود ج:۱،ص:۲۷۹)

(۱۴۶/۱) اَلْاَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ دُوْنَ مَاسِوَاهَا

ترجمہ: (۱۴۶/۱) اذان سنت ہے پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لئے نہ کہ ان کے علاوہ کے لئے۔

تشریح: تمام فرض عین نمازوں کے لئے ایک بار اذان کہنا مردوں پر سنت مؤکدہ ہے۔

(۱۴۷/۲) وَلَاتَرْجِيْعَ فِيْهِ

ترجمہ: (۱۴۷/۲) اور اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

تشریح: کلمات اذان کی تعداد میں اختلاف ہے جس کا دارومدار ترجیع پر ہے۔

ترجیع کی تعریف: اذان میں جو شہادت والے چار کلمات ہیں ان میں سے ہر ایک کو دو دو مرتبہ کہا جائے پہلے آہستہ آواز سے پھر زور سے، اس طرح یہ کلمات چار کے بجائے آٹھ ہو جائیں گے۔ (معارف السنن ج:۲،

ص:۴۰ ۱۷،نیل الاوطار ج:۲،ص:۳۸)

اختلاف الائمہ

امام مالک کے نزدیک اذان میں ترجیع افضل ہے لہٰذا ان کے نزدیک کلمات اذان سترہ ہیں، شروع میں اللہ اکبر دو مرتبہ اور شہادتین میں ترجیع، یعنی آٹھ کلمات اور حیعلتین کے چار کلمات پھر اللہ اکبر دو مرتبہ اور آخر میں کلمہ توحید ایک مرتبہ۔(عمدۃ القاری: ج:۴،ص:۱۴۶)

امام شافعی کے نزدیک بھی اذان میں ترجیع افضل ہے ان کے نزدیک کلمات اذان انیس ہوں گے، شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ اور شہادتین میں ترجیع باقی الفاظ معروف ہیں۔(عمدۃ ج:۴،ص:۱۴۶)

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک کلمات اذان پندرہ ہیں، شروع میں تکبیر چار مرتبہ شہادتین چار مرتبہ (ترجیع نہیں ہے) حیعلتین چار کلمات پھر دو مرتبہ تکبیر ایک مرتبہ کلمۂ توحید۔(معارف السنن ج:۲،ص:۱۷۶،عینی شرح ہدایہ، ج:۱،ص:۵۳۲)

موالک وشوافع کا استدلال حضرت ابومحذورہ کی روایت سے ہے جس کے اندر شہادتیں کی ترجیع کی صراحت موجود ہے۔"وَاسْتَدَلَّ الْقَائِلُوْنَ بِالتَّرْجِيْعِ بِاَذَانِ أَبِی مَحْذُوْرَةَ وَفِيْهِ الترجيعُ".(معارف السنن ج:۲،ص:۱۷۶)

جواب: حضرت ابومحذورہ کی روایت میں جو ترجیع ہے وہ ایک علت کے ساتھ معلول ہے کہ اس وقت انھوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا تو پہلی شہادتین کا مقصد ان کو مسلمان کرنا تھا، اور دوسری مرتبہ شہادتین تعلیم اذن کے طور پر تھی۔

دوسرا جواب: وہ ترجیع نہ تھی بلکہ حضورﷺ تعلیم کی غرض سے بار بار ان سے کلمات کا اعادہ کرا رہے تھے۔(البحر الرائق مع منحۃ الخالق ج:۱،ص،۲۶۹)

حنفیہ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن زید کی روایت جو کہ اذان کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے وہ بغیر ترجیع کے ثابت ہے۔(معارف السنن ج:۲،ص:۱۷۵)

(۳/۱۴۸) وَيَزِيْدُ فِي اَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ.

ترجمہ: (۳/۱۴۸) اور زیادہ کرے فجر کی اذان میں حی علی الفلاح (آؤ کامیابی کی طرف) کے بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" (نماز سونے سے بہتر ہے) دو مرتبہ۔

تشریح: ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" دو مرتبہ کہنا سنت ہے۔

دلیل: حضرت ابومحذورہؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت ان کو حضور ﷺ نے اذان سکھلائی تھی اس وقت فجر کی اذان میں تثویب (حیی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم) بھی سکھلائی تھی، "فَاِنْ كَانَ صَلَاةُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلٰوةُ" الخ (ابوداؤد ج:۱،ص:۷۲)

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر صبح کی اذان ہو تو اس میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہا کرو۔

(۱۴۹/۴) وَالْاِقَامَةُ مِثْلُ الْاَذَانِ اِلَّا اَنَّهٗ يَزِيْدُ فِيْهَا بَعْدَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ

ترجمہ: (۱۴۹/۴) اور تکبیر اذان کے مانند ہے اس کے علاوہ کہ زیادہ کرے تکبیر میں حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰہ (تحقیق کہ نماز کھڑی ہوگئی) دو مرتبہ۔

تشریح: اقامت میں وہ تمام کلمات ہوتے ہیں جو اذان میں کہے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ دو مرتبہ قد قامت الصلوٰہ کا اضافہ بھی ہے۔

اقامت کی تعریف: فقہا کی اصطلاح میں ان الفاظ مخصوصہ کا نام ہے جو حاضرین کی اطلاع کے لئے کہے جاتے ہیں۔

اختلاف الائمہ

کلمات اقامت کتنے ہیں۔

اس سلسلہ میں تین مذاہب بیان کرتے ہیں۔

(۱) امام مالک کے نزدیک کلمات اقامت دس ہیں: لفظ اللہ اکبر دو مرتبہ شہادتین دو مرتبہ حیعلتین دو مرتبہ قد قامت الصلوٰہ ایک مرتبہ، اللہ اکبر دو مرتبہ کلمۂ توحید ایک مرتبہ۔ (نیل ج:۲،ص:۴۲، فتح الملہم ج:۲،ص:۲، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۱۴۶)

(۲) امام شافعی و احمد کے نزدیک اقامت میں گیارہ کلمات ہیں امام مالک کے نزدیک جس طریقہ پر اقامت ہے ان کے نزدیک بھی اسی طریقہ پر ہے صرف اتنا فرق ہے کہ قد قامت الصلوٰہ دو مرتبہ ہے اس لئے کلمات اقامت گیارہ ہیں۔ (فتح الملہم ج:۲،ص:۲، بذل المجہود ج:۱،ص:۲۹۲، نیل الاوطار ج:۲،ص:۴۲، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۱۴۶)

(۳) حنفیہ کے نزدیک کلمات اقامت سترہ ہیں جو کلمات اذان میں کہے جاتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ دو مرتبہ قد قامت الصلوٰہ کا اضافہ بھی ہے۔ (بذل ج:۱،ص:۲۹۲، نیل الاوطار ج:۲،ص:۴۲، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۱۴۶، فتح الملہم ج:۲،ص:۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضرت بلال کو حکم کیا گیا تھا کہ کلمات اقامت ایک ایک مرتبہ کہیں۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۱۸۵، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۳۶۶)

جواب: (فتح الملہم شرح مسلم ج:۲،ص:۳) میں علامہ عثمانیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ احادیث صحیحہ میں اقامت دو دو مرتبہ کہنا اور ایک ایک مرتبہ کہنا دونوں کا ثبوت ملتا ہے، اس لئے ایک ایک مرتبہ کے کہنے کے جواز میں تو کوئی شبہ اور کلام نہیں البتہ دیکھنا یہ ہے کہ ترجیح کس کو حاصل ہے۔

حنفیہ نے سترہ کلمات والی احادیث کو اس لئے ترجیح دی ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ بن زید کی روایت میں یہی صراحت ہے اور حضرت بلال کا آخری عمل بھی یہی منقول ہے۔

احناف کی دلیل: حضرت عبداللہ بن زید کو خواب میں اذان کے ساتھ اقامت بھی سکھلائی گئی تھی، اور وہ بھی اذان کی طرح تشفیع (دو دو مرتبہ) پر مشتمل تھی (طحاوی ج:۱،ص:۱۰۱)

(۵/۱۵۰) وَيَتَرَسَّلُ فِي الْأَذَانِ وَيَحْذُرُ فِي الْإِقَامَةِ

ترجمہ: (۵/۱۵۰) اور ٹھہر ٹھہر کر کہے اذان اور تھوڑی جلدی کہے تکبیر۔

تشریح: ترسل کے معنی اطمینان کے ساتھ کوئی کام کرنا اور اذان میں ترسل سے مراد کلمات اذان پر وقف کرنا ہے۔

حدر کے معنی جلدی کرنے کے ہیں اور حدر اقامت سے مراد کلمات اقامت کو ایک ساتھ روانی سے ادا کرنا۔

اذان کی ترسیل کا طریقہ: اذان کی تکبیروں میں ہر دو تکبیر کے بعد اس قدر سکوت کرے کہ سننے والا اس کا جواب دے سکے اور تکبیر کے علاوہ اور الفاظ میں ہر ایک لفظ کے بعد اسی قدر سکوت کر کے دوسرا لفظ کہے۔

تکبیر کے حدر کا طریقہ: ایک سانس میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہے اس کے بعد ایک ایک سانس میں دو دو کلمات کہے کلمۂ توحید یعنی لا الہ الا اللہ ایک سانس میں کہے۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۱۹۵)

(۶/۱۵۱) وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ (۷/۱۵۲) فَإِذَا بَلَغَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَالْفَلَاحِ حَوَّلَ وَجْهَهُ يَمِيناً وَشِمَالاً

ترجمہ: (۶/۱۵۱) اور ان دونوں (اذان اور اقامت) کو قبلہ رخ ہو کر کہے۔ (۷/۱۵۲) چنانچہ جب پہنچے، "حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح" تک تو گھمائے اپنا چہرہ دائیں اور بائیں (طرف)

تشریح: اذان واقامت قبلہ رخ ہو کر کہے بغیر قبلہ رخ ہوئے اذان واقامت کہنا مکروہِ تنزیہی ہے، اذان میں حی علی الصلوٰۃ کہتے وقت دائیں طرف کو منہ پھیرنا اور حی علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف کو منہ پھیرنا سنت ہے۔

سینہ اور قدم قبلہ سے نہیں پھرنے چاہئیں۔

(۸/۱۵۳) وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيْمُ فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ اَذَّنَ لِلْاُوْلٰى وَاَقَامَ وَكَانَ مُخَيَّراً فِي الثَّانِيَةِ إِنْ شَاءَ اَذَّنَ وَاَقَامَ وَإِنْ شَاءَ اِقْتَصَرَ عَلَى الْإِقَامَةِ.

ترجمہ: (۸/۱۵۳) اور اذان دے چھوٹی ہوئی نماز کے لئے اور تکبیر کہے، چنانچہ اگر فوت ہو جائیں کئی نمازیں تو پہلی نماز کے لئے اذان واقامت کہے اور اختیار ہے باقی نمازوں میں اگر چاہے اذان واقامت دونوں کہے اور اگر چاہے اکتفاء کرے صرف اقامت پر۔

تشریح: قضاء نماز کے لئے اذان واقامت میں اختلاف ائمہ۔

اس بارے میں دو مذہب ہیں

(۱) حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک فائتہ نماز کے لئے اذان واقامت دونوں ہیں۔ (نیل الاوطار ج:۲، ص:۶۱) یہی امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے اور یہی ان کے مذہب میں راجح ہے جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں صراحت کی ہے۔ (البحر الرائق ج:۱، ص:۲۷۶)

(۲) امام مالکؒ کا مذہب اور امام شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ فائتہ نماز کے لئے صرف اقامت ہے اذان نہیں۔ (نیل الاوطار ج:۲، ص:۶۱)

مذہب (۲) کی دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے۔ "وَاَمَرَ بِلَالًا فَاَقَامَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ" (ابوداؤد ج:۱، ص:۶۳) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا انھوں نے اقامت کہی، اس حدیث میں صراحت ہے کہ صرف اقامت پر اکتفا کیا ہے۔

جواب: احادیث صحیحہ میں اذان واقامت دونوں مذکور ہیں لہٰذا زیادتی والی روایات پر عمل کرنا اولیٰ ہوگا۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۵۵۴)

مذہب (۱) کی دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے الفاظ ہیں "فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ وَاَقَامَ" (ابوداؤد ج:۱، ص:۶۳) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو اذان واقامت دونوں کا حکم فرمایا۔

دوسرا مسئلہ: اگر چند نمازیں قضا ہو جائیں تو پہلی نماز کے لئے اذان واقامت دونوں کہے اور بقیہ نمازوں میں اختیار ہے خواہ اذان واقامت دونوں کہے یا صرف اقامت کہہ لے، امام محمدؒ سے منقول ہے کہ پہلی نماز کے علاوہ بقیہ نمازوں کے لئے اقامت ضرور کہنی چاہئے، مشائخ نے امام ابوبکر رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہی قول شیخین کا بھی ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۵۵۵)

(۹/۱۵۴) وَيَنْبَغِيْ اَنْ يُّؤَذِّنَ وَيُقِيْمَ عَلٰى طُهْرٍ فَاِنْ اَذَّنَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ جَازَ (۱۰/۱۵۵) وَيُكْرَهُ اَنْ يُّقِيْمَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ (۱۱/۱۵۶) اَوْ يُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ.

ترجمہ: (۹/۱۵۴) اور مناسب ہے کہ اذان واقامت باوضو کہے چنانچہ اگر اذان کہی بلاوضو تو جائز ہے۔ (۱۰/۱۵۵) اور مکروہ ہے تکبیر کہنا بغیر وضو۔ (۱۱/۱۵۶) اور اذان کہنا ناپاکی کی حالت میں۔

تشریح: اذان کہتے وقت حدث اکبر سے پاک ہونا سنت ہے اور دونوں حدثوں سے پاک ہونا مستحب ہے، تکبیر کہتے وقت دونوں حدثوں سے پاک ہونا ضروری ہے، چنانچہ اگر حدث اکبر کی حالت میں کوئی شخص اذان کہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اس اذان کا لوٹانا مستحب ہے، اسی طرح اگر حدث اکبر یا اصغر کی حالت میں اقامت کہے تو مکروہ تحریمی ہے لیکن تکبیر کا لوٹانا مستحب نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۵۵۶ تا ۵۵۷)

(۱۲/۱۵۷) وَلَا يُؤَذِّنُ لِصَلٰوةٍ قَبْلَ دُخُوْلِ وَقْتِهَا اِلَّا فِي الْفَجْرِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَؒ.

ترجمہ: (۱۲/۱۵۷) اور نہ اذان کہی جائے کسی نماز کے لئے اس کے وقت کے داخل ہونے سے پہلے علاوہ فجر کی نماز کے امام ابو یوسف کے نزدیک۔

تشریح: تمام ائمہ اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فجر کے علاوہ باقی تمام نمازوں کی اذان وقت سے پہلے جائز نہیں ھے، اگر وقت آنے سے پہلے اذان دی جائے تو صحیح نہ ہوگی، وقت آنے کے بعد پھر اس کا اعادہ کرنا واجب ہوگا لیکن فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے جائز ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

اختلاف الائمہ

(۱) ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے دینا جائز ہے۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۲۱۳، نیل الاوطار ج:۲، ص:۴۹، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۱۸۹)

(۲) امام ابو حنیفہ امام محمد کے نزدیک طلوع فجر سے پہلے اذان مشروع نہیں ھے، اگر طلوع فجر سے پہلے اذان دی جائے تو طلوع فجر کے بعد دوبارہ لوٹانا واجب ہوگا۔ (معارف ج:۲، ص:۲۱۳، نیل الاوطار ج:۲، ص:۵۰، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۱۸۹)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: "اِنَّ بِلَالاً یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ" (ترمذی ج:۱، ص:۵۰) یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ بلال رات میں اذان دیا کرتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال صبح صادق سے پہلے اذان کہتے تھے اور حضورؐ نے اس اذان کو مشروع رکھا ہے۔

جواب: حضرت بلال کی اذان اس لئے ہوتی تھی کہ جو لوگ پہلے سے بیدار ہیں اور تہجد پڑھ رہے ہیں وہ تھوڑی دیر آرام کر لیں اور جو اب تک سو رہے تھے وہ بیدار ہو کر چند رکعات تہجد کی پڑھ لیں، تو حضرت بلال کی اذان برائے تہجد تھی اسکی تائید حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے دیکھئے معارف السنن ج:۲، ص:۲۱۷، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۱۸۹۔

دوسرا جواب: اگر اذانِ بلال صبح ہی کی نماز کے لئے ہوتی تھی تو کبھی تو اس پر اکتفا کیا جاتا۔ جبکہ طلوع فجر کے بعد ہمیشہ دوسری اذان کہی جاتی تھی۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۲۲۱)

طرفین کی دلیل: حضرت حفصہ بنت عمرؓ کی روایت کے اندر ہے۔ "وَکَانَ لَایُؤَذِّنُ حَتّٰی یَصْبَحَ" (طحاوی ج:۱، ص:۱۰۵) اور اس زمانہ میں نماز کی اذان طلوع فجر سے پہلے نہیں دی جاتی تھی، اس لئے اگر اذان فجر طلوع کے بعد دی گئی تو معتبر ہوگی ورنہ نہیں۔

☆☆☆

بَابُ شُرُوْطِ الصَّلٰوةِ الَّتِی تَتَقَدَّمُهَا

(نماز کی ان شرطوں کا بیان جونماز پر مقدم ہوا کرتی ہیں)

شُرُوْطٌ: یہ شَرْطٌ (را کے سکون کے ساتھ کی جمع ہے) کسی چیز کولازم پکڑنا۔(منحۃ الخالق ج:۱،ص:۲۸۰)
اصطلاحی تعریف: وہ چیز جس پر کسی دوسری چیز کا وجود موقوف ہو، مگر وہ اس کی حقیقت میں داخل نہ ہو، جیسے وضو نماز کی حقیقت میں داخل نہیں ہے، مگر نماز کا وجود اور اس کی صحت، وضو پر موقوف ہے۔(البحر الرائق ج:۱،ص:۲۸۰)

ماقبل سے مناسبت: اولاً امام قدوری نے طہارت کو بیان کیا ہے جونماز کے لئے شرط ہے، اس کے بعد اوقات صلوٰۃ کو بیان کیا ہے کیوں کہ وہ اسباب وشرائط میں سے ہے، پھر اذان کا تذکرہ اعلام واخبار کی وجہ سے کیا ہے اب اس باب میں نماز کی بقیہ شرائط کا بیان کیا ہے۔(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۵۶۲)

تنبیه: نماز کی کل چھ شرطیں ہیں اس باب میں پانچ کو بیان کیا گیا ہے، چھٹی شرط وقت کا ہونا ہے، جو کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں آچکا ہے، صاحب اللباب نے شرنبلالی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ کو چاہئے تھا کہ چھٹی شرط کو بھی اس باب کے تحت بیان فرماتے۔(اللباب فی شرح الکتاب ج:۱،ص:۷۶)

(۱/۱۵۸) يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّي اَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْاَحْدَاثِ وَالْاَنْجَاسِ عَلٰى مَا قَدَّمْنَاهُ

ترجمه: (۱/۱۵۸) واجب ہے نمازی پر کہ مقدم کرکے پاکی کو احداث اور انجاس (نجاست حقیقی وحکمی) سے اسی کے مطابق جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: نماز کے شروع کرنے سے پہلے کئی چیزیں واجب ہیں اگر وضو نہ ہو تو وضو کرے غسل کی ضرورت ہو تو غسل کرلے بدن یا کپڑے پر کوئی نجاست لگی ہو تو اس کو پاک وصاف کرلے، اس عبارت میں شرط اول وثانی کا بیان ہے۔

(۲/۱۵۹) وَيَسْتُرَ عَوْرَتَهٗ

ترجمه: (۲/۱۵۹) اور چھپائے اپنے ستر کو۔

تشریح: اس عبارت میں نماز کی تیسری شرط کا بیان ہے یعنی اپنے بدن کو اتنا چھپانا شرط ہے جس کا کھلنا بے حیائی سمجھا جاتا ہے، حنفیہ، شوافع، حنابلہ کے نزدیک ستر چھپانا نماز کی صحت کے لئے شرط ہے، اور متاخرین مالکیہ کے نزدیک بھی قول مختار ستر عورت کا شرط ہونا ہی ہے۔

(۳/۱۶۰) وَالْعَوْرَةُ مِنَ الرَّجُلِ مَاتَحْتَ السُّرَّةِ اِلَى الرُّكْبَةِ وَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ دُوْنَ السُّرَّةِ

ترجمہ: (۳/۱۶۰) اور مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے نہ کہ ناف۔

تشریح: ماقبل میں جس ستر کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ کیا ہے اس عبارت میں اس کا بیان ہے، احناف کے نزدیک مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنوں تک ہے یعنی گھٹنا ستر میں داخل ہے، اور ناف خارج۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناف ستر میں داخل ہے اور گھٹنا خارج۔ (درمنضود ج:۲،ص:۱۶۹)

حنفیہ کی دلیل: حضور ﷺ کا فرمان ہے مرد کا ستر ناف اور اس کے گھٹنے کے درمیان ہے، دوسری روایت میں ہے کہ ناف کے نیچے سے یہاں تک کہ گھٹنے سے تجاوز کر جائے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ناف ستر میں داخل نہیں ہے۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۲۲۴)

(۴/۱۶۱) وَبَدَنُ الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ كُلُّهُ عَوْرَةٌ اِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا (۵/۱۶۲) وَمَا كَانَ عَوْرَةً مِّنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْاَمَةِ وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَمَاسِوٰى ذَالِكَ مِنْ بَدَنِهَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ.

ترجمہ: (۴/۱۶۱) اور آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے۔ (۵/۱۶۲) اور جو حصہ ستر ہے مرد کا وہی ستر ہے باندی کا بھی اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی ستر ہے اور اس کے علاوہ باقی بدن باندی کا ستر نہیں ہے۔

تشریح مسئلہ: (۱) عورت کا ستر کتنا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آزاد عورت کا پورا بدن ستر کے اندر داخل ہے، البتہ بعض اعضاء کا استثناء ہے جیسے چہرہ اور دونوں ہتھیلی اول کا استثناء تو ائمہ اربعہ کے درمیان متفق علیہ ہے، اور کفین کا استثناء احناف وشوافع وموالک کے نزدیک ہے، حنابلہ کی دو روایتیں ہیں کما فی المغنی۔ (درمنضود ج:۲،ص:۱۶۹)

عورت کے قدمین میں اختلاف: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قدمین حد عورت میں داخل ہیں، حنفیہ کی اصح روایت یہ ہیکہ قدمین ستر میں داخل نہیں ہیں کیوں کہ ضرورت کا تحقق قدمین میں کہیں زیادہ ہے، چہرہ اور ہتھیلیوں کی بہ نسبت۔

(فتح القدیر مع الکفایہ ج:۱،ص:۲۲۵)

مسئلہ: (۲) مرد کا جو جسم ستر ہے یعنی ناف سے گھٹنے تک وہی باندی کا ستر ہے اس کے علاوہ باندی کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی ستر ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں محلِ شہوت ہیں، لہٰذا ان کا چھپانا بھی فرض ہے، اسکے علاوہ اس کا بدن ستر کے اندر داخل نہیں ہے۔ (عنایہ من ہامش الفتح ج:۱،ص:۲۲۹)

دلیل: حضرت عمرؓ نے ایک باندی کو دیکھا کہ اس نے اوڑھنی اوڑھ رکھی ہے، آپ نے فرمایا اے گندی اپنے اوپر سے اوڑھنی دور کردے کیا تو آزاد عورتوں کے ساتھ مشابہت رکھنا چاہتی ہے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۲۲۹)

(۶/۱۶۳) وَمَنْ لَمْ يَجِدْ مَايُزِيْلُ بِهِ النَّجَاسَةَ صَلّٰى مَعَهَا وَلَمْ يُعِدْ.

ترجمہ: (۶/۱۶۳) اور جو شخص نہ پائے کوئی چیز جس سے دور کرے نجاست تو وہ نماز پڑھ لے نجاست کے

ساتھ اور نماز کا اعادہ نہ کرے۔

تشریح: اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) اگر چوتھائی کپڑا یا اس سے زائد پاک ہو اور باقی ناپاک ہو تو اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھے اگر ننگے ہو کر نماز پڑھی تو ناجائز ہوگی کیوں کہ چوتھائی کپڑے کا پاک ہونا کل کے پاک ہونے کے مانند ہے۔

(۲) اگر چوتھائی کپڑے سے کم پاک ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

امام مالک امام محمد اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا ضروری ہے، اور ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

شیخین کے نزدیک اختیار ہے کہ چاہے ننگے نماز پڑھے اور چاہے اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھے، اور اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۵۷۴ تا ص:۵۷۵)

(۱۶۴/۷) وَمَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْباً صَلّٰى عُرْيَاناً قَاعِداً يُوْمِي بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ (۱۶۵/۸) فَاِنْ صَلّٰى قَائِماً اَجْزَاهُ وَالْاَوَّلُ اَفْضَلُ.

ترجمہ: (۱۶۴/۷) اور جو شخص کپڑا نہ پائے تو نماز پڑھے ننگا بیٹھ کر اشارہ سے کرے رکوع اور سجدہ۔ (۱۶۵/۸) پھر اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، تو اس کو کافی ہے اور پہلی صورت افضل ہے۔

تشریح: اگر کسی کے پاس کپڑا موجود نہ ہو نہ پاک اور نہ ناپاک تو یہ شخص بیٹھ کر ننگے نماز پڑھے اور رکوع وسجدے کا اشارہ کرے۔

دلیل: إِنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ رَكِبُوْا فِي السَّفِيْنَةِ فَانْكَسَرَتْ بِهِمْ فَخَرَجُوْا مِنَ الْبَحْرِ عُرَاةً فَصَلُّوْا قُعُوْداً بِالْإِيْمَاءِ. (فتح القدیر ج:۱ص:۲۳۰ تا ۲۳۱)

یعنی حضورؐ کے صحابہ ایک کشتی میں سوار ہوئے پھر کشتی ٹوٹ گئی پھر وہ حضرات دریا سے ننگے نکلے اور اشارہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

اور اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو یہ بھی جائز ہے کیوں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں عورت غلیظہ کا ستر ہے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں رکوع سجدہ قیام ادا ہو جائیں گے لیکن بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے، کیوں کہ ستر عورت کی فرضیت زیادہ مؤکد ہے، رکوع اور سجود کی فرضیت کی بہ نسبت۔ (عینی ج:۱ص:۵۷۶، عنایہ ج:۱ص:۲۳۰)

(۱۶۶/۹) وَيَنْوِيْ لِلصَّلٰوةِ الَّتِيْ يَدْخُلُ فِيْهَا بِنِيَّةٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيْمَةِ بِعَمَلٍ.

ترجمہ: (۱۶۶/۹) اور نیت کرے اس نماز کی جس کو پڑھنا چاہتا ہے ایسی نیت کے ساتھ کہ نہ فصل کرے اس نیت اور تحریمہ کے درمیان کسی کام سے۔

تشریح: اس عبارت میں نماز کی چوتھی شرط کا بیان ہے۔

ارادۂ خاص کا نام نیت ہے، اور وہ اللہ کے واسطے نماز کا ارادہ ہے، نیت کی شرط یہ ہے کہ اپنے دل کے ساتھ جانے کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے، جس نماز کو پڑھنا چاہتا ہے۔ اس کی نیت کرے، اور تحریمہ کے درمیان کوئی منافی صلوٰۃ عمل نہ پایا جائے اگر نیت کے بعد کھانے پینے یا باتوں میں لگ گیا پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کر دی تو یہ نیت معتبر نہ ہوگی۔

(۱۰/۱۶۷) وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ خَائِفاً فَيُصَلِّىْ اِلٰى اَىِّ جِهَةٍ قَدَرَ (۱۱/۱۶۸) فَاِنِ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهٖ مَنْ يَّسْئَلُهٗ عَنْهَا اِجْتَهَدَ وَصَلّٰى فَاِنْ عَلِمَ اَنَّهٗ اَخْطَأَ بَعْدَ مَاصَلّٰى فَلَا اِعَادَةَ عَلَيْهِ (۱۲/۱۶۹) وَاِنْ عَلِمَ ذٰلِكَ وَهُوَ فِى الصَّلٰوةِ اِسْتَدَارَ اِلَى الْقِبْلَةِ وَبَنٰى عَلَيْهَا.

ترجمہ: (۱۰/۱۶۷) اور قبلہ کی طرف منہ کرے مگر یہ کہ اس کو ڈر ہو تو نماز پڑھ لے جس طرف قادر ہو۔ (۱۱/۱۶۸) چنانچہ اگر مشتبہ ہو جائے اس پر قبلہ اور نہ ہو اس جگہ کوئی جس سے معلوم کر سکے قبلہ کی سمت، تو غور و فکر کر لے اپنے دل میں اور نماز پڑھ لے پھر اگر معلوم ہو کہ اس نے غلطی کی ہے نماز پڑھنے کے بعد تو اس پر اعادہ نہیں ہے۔ (۱۲/۱۶۹) اور اگر معلوم ہو جائے غلطی نماز ہی میں تو گھوم جائے قبلہ کی طرف اور باقی نماز اسی پر پوری کر لے۔

تشریح: اس عبارت میں نماز کی پانچویں شرط کا بیان ہے۔

مسئلہ: (۱) نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط استقبال قبلہ بھی ہے، فرض نماز ہو یا نفل، سجدہ تلاوت ہو یا نماز جنازہ، ہو قبلہ رخ ہونا فرض ہے، اگر جان بوجھ کر بغیر کسی عذر کے قبلہ کی سمت چھوڑ کر دوسری جانب نماز پڑھی تو کفر ہے۔

(اللباب ج:۱ص:۷۸)

(۲) اگر کوئی شخص خوف کیوجہ سے استقبال قبلہ پر قدرت نہ رکھتا ہو تو جس طرف قادر ہو اس طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے خوف جانی ہو یا مالی، دشمن کا ہو یا درندوں کا۔

(۳) اگر کسی ایسی جگہ ہے کہ قبلہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس طرف ہے اور نہ وہاں کوئی ایسا آدمی ہے جس سے پوچھ سکے تو اپنے دل میں سوچے جس طرف اس کا دل گواہی دے اسی طرف نماز پڑھ لے اگر بغیر غور و فکر کے نماز پڑھ لی تو نماز نہ ہوگی، بلکہ اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ بالکل جانب قبلہ ہی پڑھی ہے تب بھی نماز نہیں ہوگی، اگر کوئی بتلانے والا نہ ملا اور دل کی گواہی پر نماز پڑھ لی پھر معلوم ہوا کہ جس طرف نماز پڑھی ہے اس جانب قبلہ نہیں ہے تو نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

(۴) خوب غور و فکر کر کے نماز پڑھ رہا تھا پھر نماز ہی میں معلوم ہو گیا کہ قبلہ اس طرف نہیں ہے بلکہ دوسری طرف ہے تو نماز ہی میں قبلہ کی طرف گھوم جائے اب معلوم ہو جانے کے بعد اگر قبلہ کی جانب نہ پھرے گا تو نماز نہ ہوگی۔

(اللباب فی شرح الکتاب ج:۱ص:۷۸تا۷۹)

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

ترجمہ: (یہ) باب نماز کی صفت کے (بیان میں) ہے۔

ماقبل سے مناسبت: اس سے قبل امام قدوری نے مقدمات نماز کو بیان فرمایا ہے، اب یہاں سے اصل مقصود یعنی نماز کو بیان فرمارہے ہیں۔ (عینی ج:۱ص:۵۸۸، فتح القدیر ج:۱ص:۲۳۸)

صفت کے لغوی معنی: خوبی

صفت سے مراد: نماز کی وہ ہیئت ہے جو اس کے ارکان وعوارض سے حاصل ہو۔ جیسے قیام، قعود، رکوع، سجدہ وغیرہ۔ (عنایہ من هامش الفتح ج:۱ص:۲۳۸)

(۱/۱۷۰) فَرَائِضُ الصَّلٰوةِ سِتَّةٌ: اَلتَّحْرِيْمَةُ (۲/۱۷۱) وَالْقِيَامُ (۳/۱۷۲) وَالْقِرَاْءَةُ (۴/۱۷۳) وَالرُّكُوْعُ (۵/۱۷۴) وَالسُّجُوْدُ (۶/۱۷۵) وَالْقَعْدَةُ الْاَخِيْرَةُ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ (۷/۱۷۶) وَمَا زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ.

ترجمہ: (۱/۱۷۰) نماز کے فرائض چھ ہیں: تکبیر تحریمہ۔ (۲/۱۷۱) قیام، (۳/۱۷۲) قرأت، (۴/۱۷۳) رکوع، (۵/۱۷۴) سجود (۶/۱۷۵) اور قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار۔ (۷/۱۷۶) اور جو افعال ان کے علاوہ ہیں وہ سنت ہیں

تشریح: نماز میں چھ چیزیں فرض ہیں: (۱) نیت باندھتے وقت اللہ اکبر کہنا، (۲) کھڑا ہونا، (۳) قرآن کریم میں سے کوئی سورت یا آیت پڑھنا، (۴) رکوع کرنا، (۵) دونوں سجدے کرنا، (۶) نماز کے اخیر میں جتنی دیر التحیات پڑھنے میں لگتی ہے اتنی دیر بیٹھنا۔

تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر دلیل: حضورؐ نے بغیر ترک کے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے اور یہ فرضیت کی دلیل ہے۔ (فتح القدیر ج:۱ص:۲۳۹)

دوسرا فرض قیام ہے اگر کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے پر قدرت حاصل ہے تو نماز کھڑے ہو کر پڑھنا فرض ہے۔

دلیل: "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ". (پارہ ۲، آیت:۲۳۸) کھڑے ہو اللہ کے واسطے بحالت خضوع یا بحالت خاموشی

تیسرا فرض قرأت ہے، اللہ کا فرمان ہے: "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ". (آیت:۲۰، پارہ:۲۹)

ترجمہ: پڑھو جس قدر آسان ہو قرآن سے اصح قول کے مطابق فرض قرأت ایک آیت ہے۔

چوتھا فرض رکوع، پانچواں فرض سجود ہے: "وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا" (پارہ:۱۷، آیت:۷۷) ان کی فرضیت پر دلیل ہے۔

چھٹا فرض قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار۔

دلیل: حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو آخری سجدے سے اپنا سر اٹھالے اور تشہد کی مقدار بیٹھ جائے تو تیری نماز پوری ہوگئی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کا پورا ہونا تشہد کی مقدار بیٹھنے پر موقوف ہے، لہٰذا بقدر تشہد بیٹھنا فرض ہے۔ (فتح القدیر ج:۱، ص:۲۴۰)

چھ فرائض کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو امام قدوری نے سنت بتلایا ہے، حالانکہ نماز میں کچھ چیزیں واجبات بھی ہیں، اس وہم کا ازالہ یہ ہیکہ ان کے واجب ہونیکا ثبوت سنت سے ہے۔ (عنایہ ج:۱، ص:۲۴۱)

(۸/۱۷۷) وَاِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِی صَلوٰتِہٖ کَبَّرَ (۹/۱۷۸) وَرَفَعَ یَدَیْہِ مَعَ التَّکْبِیْرِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِاِبْهَامَیْهِ شَحْمَةَ اُذُنَیْهِ.

ترجمہ: (۸/۱۷۷) اور جب آدمی اپنی نماز میں داخل ہو تو تکبیر کہے۔ (۹/۱۷۸) اور تکبیر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ اپنے دونوں انگوٹھوں کو اپنے دونوں کانوں کی لو کے مقابل کرے۔

تشریح: جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے خواہ فرض ہو یا نفل تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر کہے مرد اپنے دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ ساتھ اتنے اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے مقابل ہو جائیں۔

بوقت تکبیر تحریمہ رفع یدین کہاں تک کیا جائے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

اختلاف الائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھانا مسنون ہے۔ (التعلیقات علی تنظیم الاشتات ج:۱، ص:۴۹۰، اوجز المسالک ج:۱، ص:۲۰۲، نیل الاوطار ج:۲، ص:۱۸۶)

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے: **رَأَیْتُ النَّبِیَّ اذا قام فی الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی تکونا حذآء منکبیہ.** (بخاری ج:۱، ص:۱۰۲) میں نے حضورؐ کو دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے مقابل کرتے۔

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت عذر کی حالت پر محمول ہے۔ وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام سردی کے زمانہ میں موٹے کپڑے پہنتے تھے اور موٹی موٹی چادریں اوڑھ لیا کرتے تھے، شدتِ سردی کی وجہ سے صرف مونڈھوں تک ہاتھ اٹھایا جاتا تھا۔ (عینی ج:۱، ص:۶۰۱)

دوسرا مذہب: حنفیہ کے نزدیک ہاتھوں کو کانوں کے برابر کرکے اس طرح اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں، یہ مسنون ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱، ص:۲۰۲)

دلیل: حضرت انس ﷺ کی روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے

کانوں کے مقابل کر کے اٹھاتے۔ (عینی ج:۱،ص:۶۰۰،نیل الاوطار ج:۲،ص:۱۸۷)

(۱۷۹/۱۰) فَإِنْ قَالَ بَدَلاً مِّنَ التَّكْبِيْرِ اَللّٰهُ اَجَلُّ اَوْ اَعْظَمُ اَوِ الرَّحْمٰنُ اَكْبَرُ اَجْزَاهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَجُوْزُ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَوِ اللّٰهُ الْاَكْبَرُ اَوِ اللّٰهُ الْكَبِيْرُ.

ترجمه: (۱۷۹/۱۰) پھر اگر اس نے تکبیر کے بدلے اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمٰن اکبر کہا تو طرفین کے نزدیک کافی ہے اور امام ابو یوسف نے کہا کہ جائز نہیں مگر یہ کہ کہے اللہ اکبر یا اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر۔

تشریح: اس عبارت میں افتتاح نماز کے الفاظ کو بیان فرمایا ہے۔ کیا اللہ اکبر کے علاوہ دوسرے الفاظ سے بھی نماز شروع کر سکتے ہیں یا نہیں، اس بارے میں چار مذاہب ہیں:

(۱) طرفین کے نزدیک ہر اس لفظ سے نماز شروع کرنا درست ہے، جو اللہ کی تعظیم پر دلالت کرے، جیسے اللہ اکبر اللہ اجل وغیرہ۔ (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۷۴)

(۲) امام ابو یوسف کے نزدیک اگر اچھی طرح تکبیر کہنے پر قادر ہو تو اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر، اللہ کبیر، ان چاروں میں سے کسی ایک لفظ کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز ہے، ان کے علاوہ جائز نہیں۔
(عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۷۴)

(۳) شوافع کے نزدیک صرف اللہ اکبر، اللہ الاکبر کے ساتھ شروع کرنا درست ہے۔
(اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۰۱،عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۷۴)

(۴) امام مالک و امام احمد کے نزدیک صرف اللہ اکبر کے ساتھ جائز ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۰۱،عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۷۴،عینی ج:۱،ص:۶۰۲/۶۰۳)

طرفین کی دلیل: لغت میں تکبیر کے معنی تعظیم کے ہیں اور تعظیم کے معنی ان تمام الفاظ سے حاصل ہو جاتے ہیں لہٰذا نماز کا شروع کرنا ان تمام الفاظ سے صحیح ہوگا۔ (عینی ج:۱،ص:۶۰۳،اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۰۱)

صحیح قول طرفین کا ہے۔ (اللباب ج:۱،ص:۸۱)

(۱۸۰/۱۱) وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَيَضَعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ (۱۸۱/۱۲) ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ.

ترجمه: (۱۸۰/۱۱) اور پکڑے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ کو اور رکھ لے ان دونوں کو ناف کے نیچے۔ (۱۸۱/۱۲) پھر پڑھے، اے اللہ ہم تیری پاکی کا اقرار کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں اور تیرا نام بہت برکت والا ہے اور تیری بزرگی برتر ہے اور تیرے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں۔

تشریح: نمازی ہاتھ باندھنے کے بعد ثنا پڑھے، اور ثنا کے الفاظ متن میں ہیں، اس عبارت میں تین مسئلے زیر غور ہیں:

(۱) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی کیفیت کے سلسلہ میں، اس کا جواب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کا گٹا پکڑے۔

(عمدۃ القاری ج:۴، ص:۳۸۹)

(۲) دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے یا نہیں، اس میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک خواہ ہاتھ باندھ لے، خواہ چھوڑ دے اختیار ہے، لیکن چھوڑنا عزیمت ہے۔

(کفایہ ج:۱، ص:۲۵۰، فتح الباری ج:۲، ص:۲۸۵ تا ۲۸۶)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۴، ص:۳۸۸، فتح الباری ج:۲، ص:۲۸۵)

دلیل: حضرت علیؓ نے فرمایا: "مِنَ السُّنَّةِ اَنْ يَّضَعَ الْمُصَلِّیْ يَمِيْنَهٗ عَلٰی شِمَالِهٖ" (کفایہ ج:۱، ص:۲۵۰) یعنی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون ہے۔

(۳) محل وضع کیا ہے۔ (ہاتھ کہاں رکھے) اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی کے نزدیک سینے پر ہاتھ رکھنا افضل ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۴، ص:۳۸۹)

دلیل: وائل بن حُجر ؓ کی حدیث کے الفاظ ہیں "صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰی يَدِهِ الْيُسْرٰی عَلٰی صَدْرِهٖ" (نیل الاوطار ج:۲، ص:۱۹۴، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۳۸۹)

یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی چنانچہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر کر کے سینہ پر رکھا۔

جواب: اس حدیث کی سند میں مؤمل بن اسماعیل ہیں جو مکمل ضعیف ہیں اور لفظ "علیٰ صدرہ" کو ان کے علاوہ کسی اور نے نقل نہیں کیا۔ (اعلاء السنن ج:۲، ص:۱۶۹)، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے التعلیقات علی تنظیم الاشتات ج:۱، ص:۴۹۸ تا ۴۹۹، اعلاء السنن ج:۲، ص:۱۶۹۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۴، ص:۳۸۹، نیل ج:۲، ص:۱۹۴)

دلیل: حضرت علیؓ سے منقول ہے: "اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَی الْكَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ". (معارف السنن ج:۲، ص:۴۴۱) یعنی سنت طریقہ یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔

(۱۸۲/۱۳) وَيَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

ترجمہ: (۱۸۲/۱۳) اور پناہ چاہے اللہ کی شیطان مردود سے۔

تشریح: امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ تکبیر اور سورۂ فاتحہ کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں بلکہ تکبیر کے بعد نماز کی ابتداء براہِ راست سورۂ فاتحہ سے ہوتی ہے۔

دلیل: حضرت انسؓ کی روایت کے الفاظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان، کے پیچھے نماز پڑھی، "وَ كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الْقِرَاْةَ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" یعنی سب حضرات الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے تھے۔ (عنایہ علی الکفایہ، ج:۱، ص:۲۵۲)

جواب: اس حدیث میں افتتاح سے مراد جہری قرأت کو شروع کرنا ہے، قرأت سریہ اس کے مخالف نہیں ہے۔
(معارف السنن ج:۲، ص:۳۷۷)

ہمارے نزدیک سنت طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھنے کے بعد ثناء پڑھے پھر تعوذ پڑھے۔

دلیل: "فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ" جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو تو استعاذہ کر۔

(۱۸۳/۱۴) وَيَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَيُسِرُّ بِهِمَا

ترجمہ: (۱۸۳/۱۴) اور پڑھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذ باللہ و بسم اللہ آہستہ پڑھے۔

تشریح: ہر رکعت کے شروع میں الحمد للہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا مسنون ہے۔

بسم اللہ زور سے پڑھے یا آہستہ پڑھے، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی کے نزدیک جہری نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھے اور سری نماز میں سراً۔ (عمدۃ القاری ج:۴، ص:۳۹۶)

دلیل: "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" (فتح القدیر ج:۱، ص:۲۵۴)

جواب: کبھی کبھی صحابہ کی تعلیم کی خاطر بسم اللہ کے ساتھ جہر فرمایا ہے، ورنہ عام عادت شریفہ جہر کی نہ تھی۔
(کفایہ ج:۱، ص:۲۵۴)

(۲) حنابلہ واحناف کے نزدیک بسم اللہ آہستہ پڑھے، خواہ جہری نماز ہو یا سری۔ (اوجز ج:۱، ص:۲۲۸)

دلیل: حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے چار چیزیں ایسی ہیں جن کو امام آہستہ پڑھے، تعوذ، تسمیہ، تحمید، آمین۔
(عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۶۱۹)

(۱۸۴/۱۵) ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ (۱۸۵/۱۶) وَسُوْرَةً مَعَهَا اَوْ ثَلٰثَ آيَاتٍ مِنْ اَيِّ سُوْرَةٍ شَاءَ

ترجمہ: (۱۸۴/۱۵) پھر سورۂ فاتحہ پڑھے۔ (۱۸۵/۱۶) اور کوئی سورت اس کے ساتھ یا تین آیات جس کسی سورت میں سے چاہے۔

تشریح: نماز کے اندر قرأت قرآن کی کتنی مقدار فرض ہے، اس بارے میں تین مذہب ہیں:

(۱) حنفیہ کے نزدیک مطلقاً قرأت قرآن فرض ہے، ایک آیت بھی پڑھ لی تو فرض ادا ہو جائے گا۔
(اوجز المسالک ج:۱، ص:۲۳۷)

دلیل: "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" اس آیت میں القرآن مطلق ہے، لہٰذا المطلق یجری علی اطلاقه کے قاعدہ کے اعتبار سے جس ادنی مقدار پر قرآن ہونا صادق آئیگا اس کا پڑھنا فرض ہوگا۔ (عنایہ ج:۱ص:۲۵۵)

(۲) شوافع کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۳۷)

دلیل: "لَاصَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" (نیل الاوطار ج:۲،ص:۲۱۶)

(۳) موالک کے نزدیک سوۂ فاتحہ اور سورت کا پڑھنا فرض ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۳۷ تا ۲۳۸)

دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے بغیر فاتحہ اور سورت کے نماز نہیں ہوگی۔ (عنایہ ج:۱،ص:۲۵۵)

جواب: مذکورہ دونوں حدیثیں اخبار آحاد میں سے ہیں لہٰذا ان سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

(عنایہ علی الکفایہ ج:۱،ص:۲۵۵)

(۱۸۶/۱۷) وَاِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ آمِيْنَ وَيَقُوْلُهَا الْمُؤْتَمُّ وَيُخْفِيْهَا

ترجمہ: (۱۸۶/۱۷) اور جب کہے امام ولا الضالین تو کہے آمین اور اس کو مقتدی بھی کہے اور آہستہ کہے۔

تشریح: سورۂ فاتحہ کے ختم پر جب امام ولا الضالین کہے تو امام اور مقتدی دونوں کو آمین کہنا چاہئے، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) آمین کس کا وظیفہ ہے؟ امام مالک کی مشہور روایت یہ ہے کہ آمین صرف مقتدی کہے امام نہیں۔

(اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۵۰)

دلیل: حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں: "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا آمِيْنَ" (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۵۰۴، باب جہر الماموم بالتامین)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا کام یہ ہے کہ وہ ولا الضالین کہے اور مقتدی کا کام یہ ہے کہ وہ آمین کہے، "وَالْقِسْمَةُ تُنَافِي الشِّرْكَةَ".

جواب: اس حدیث کا مقصد تقسیم نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں بیک وقت آمین کہیں۔

(۲) جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی اور امام دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے۔ (نیل ج:۲،ص:۲۳۰)

دلیل: حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے "اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا" (ترمذی ج:۱،ص:۵۸) یعنی جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، یہ روایت جمہور کے مذہب پر بالکل واضح دلیل ہے۔

مسئلہ ۲: اس پر علما کا اتفاق ہے کہ آمین سراً اور جہراً دونوں طریقے سے جائز ہے، لیکن افضلیت میں اختلاف ہے

(۱) شافعیہ اور حنابلہ آمین بالجہر کو افضل قرار دیتے ہیں۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۵۱)

(۲) موالک واحناف کے نزدیک اخفاء افضل ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۵۰)

شوافع وحنابلہ کی دلیل حضرت وائل بن حجر کی روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "غیر المغضوب

علیهم و لا الضالین" پڑھتے ہوئے سنا اور آپ نے آمین کہا "وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ" (ترمذی ج:۱،ص:۵۷) اور آمین کے ساتھ اپنی آواز کو کھینچا۔ کھینچنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جہراً آمین کہا اس لئے یہی افضل ہے۔

جواب: اس حدیث میں مدہ سے مراد جہر نہیں بلکہ آمین کی "ی" کو کھینچنا ہے۔

حضرت وائل بن حجر کو سکھانے کی غرض سے نماز میں جہراً آمین کہا تھا اس لئے یہ حدیث آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

موالک واحناف کی دلیل: "إِنَّ النَّبِيَّ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّالين فقال آمين وخَفَضَ بها صَوْتَهُ" (ترمذی ج:۱،ص:۵۸) آپ نے آمین کے ساتھ اپنی آواز کو پست کیا۔

(۱۸/ ۱۸۷) ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ (۱۹/ ۱۸۸) وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَيُفَرِّجُ اَصَابِعَهُ وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ وَلَايَرْفَعُ رَأْسَهُ وَلَايُنَكِّسُهُ (۲۰/ ۱۸۹) وَيَقُوْلُ فِي رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلٰثاً وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ.

ترجمہ: (۱۸/ ۱۸۷) پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے۔ (۱۹/ ۱۸۸) اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو کشادہ کرے اور اپنی پیٹھ کو برابر رکھے اور اپنا سر نہ اٹھائے اور نہ جھکائے۔ (۲۰/ ۱۸۹) اور کہے اپنے رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" (پاک ہے میرا رب بڑی عظمت والا) تین بار اور یہ اس کا ادنی درجہ ہے۔

تشریح: قرأت پوری کرنے کے بعد بلا توقف تکبیر کہے اور رکوع کرے، رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پکڑے اور ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھے اور دونوں پنڈلیوں کو سیدھی کھڑی رکھے، بازو پہلو سے الگ رکھے اور پیروں میں تھوڑا سا فاصلہ رکھے اور رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" تین یا پانچ یا سات مرتبہ کہے۔

(۲۱/ ۱۹۰) ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَيَقُوْلُ الْمُؤْتَمُّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

ترجمہ: (۲۱/ ۱۹۰) پھر اپنا سر اٹھائے اور کہے "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" (سنی اللہ نے بات اس کی جس نے سراہا اس کو) اور کہے مقتدی "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" (اے اللہ تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں اللہ بہت بڑا ہے)

تشریح: امام جب "سمع الله لمن حمده" کہے گا تو اس کے بعد امام کے لئے "ربنا لك الحمد" کہنا بھی درست ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام اعظم امام مالک امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے گا۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۲۵۹، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۵۳۰)

دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا ولك الحمد کہو۔ (ترمذی ج:۱،ص:۶۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی ذمہ داری صرف تسمیع ہے اور مقتدی کی ذمہ داری صرف تحمید کہنا ہے۔
(عمدۃ القاری ج:۴،ص:۵۳۰)

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ تحمید صرف مقتدی ہی کہہ سکتا ہے، غیر مقتدی نہیں منفرد مقتدی نہیں ہے، تو امام بھی مقتدی نہیں ہے، جس طرح منفرد کے لئے دونوں جائز ہیں تو امام کے لئے بھی دونوں کا پڑھنا جائز ہونا چاہئے۔ (مستفاد ایضاح الطحاوی ج:۲، ص:۵۲)

(۲) صاحبین امام شافعی کے نزدیک امام سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد دونوں کہے گا۔
(نیل الاوطار ج:۲، ص:۲۵۹)

دلیل: حضرت علیؓ کی حدیث ہے: "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" (ترمذی ج:۱، ص:۶۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ تسمیع کے ساتھ تحمید کہنا بھی مسنون ہے۔

(۲۲/۱۹۱) فَإِذَا اسْتَوىٰ قَائِماً كَبَّرَ وَسَجَدَ (۲۳/۱۹۲) وَاعْتَمَدَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ

ترجمہ: (۲۲/۱۹۱) پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ (۲۳/۱۹۲) اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھدے اور اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں رکھے۔

تشریح: نمازی جب رکوع سے سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہتا ہوا سجدے میں جائے زمین پر پہلے گھٹنے رکھے پھر کانوں کے برابر ہاتھ رکھے پھر دونوں ہاتھوں کے بیچ میں پیشانی رکھے اولاً ناک رکھے پھر پیشانی، یہ سجدہ میں جانے کی کیفیت ہے سجدہ سے اٹھتے وقت اس کا برعکس کرے۔

(۲۴/۱۹۳) وَسَجَدَ عَلٰى أَنْفِهِ وَجَبْهَتِهِ فَإِنِ اقْتَصَرَ عَلٰى أَحَدِهِمَا جَازَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَايَجُوْزُ الْإِقْتِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ.

ترجمہ: (۲۴/۱۹۳) اور سجدہ کرے اپنی ناک اور پیشانی پر پھر اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء کیا تو جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے کہا کہ ناک پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے مگر عذر کی وجہ سے۔

تشریح: ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سجدے میں پیشانی اور ناک دونوں کا ٹیکنا مسنون ہے لیکن اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آیا کسی ایک پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں تین مذہب ہیں:

اختلاف الائمہ

(۱) امام احمد بن حنبل کے نزدیک سجدے میں پیشانی اور ناک دونوں کا ٹیکنا واجب ہے۔
(فتح الباری ج:۲، ص:۳۷۷، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۵۵۵، نیل الاوطار ج:۲، ص:۲۶۸)

دلیل: رسول اللہ جب سجدہ کرتے اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر ٹیک دیا کرتے تھے۔ (ترمذی ج:۱، ص:۶۱)
جواب: اس حدیث سے وجوب پر استدلال درست نہیں اس لئے محض فعل، وجوب کو مقتضی نہیں ہے۔
(درمنضود ج:۲، ص:۳۴۰)

(۲) صاحبین اکثر مالکیہ اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ پیشانی کا ٹیکنا ضروری ہے، ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۴، ص:۵۵۶)

دلیل: حضرت عباسؓ کی روایت ہے جس میں سات اعضاء کو سجدے میں زمین پر رکھنے کا تذکرہ ہے، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنے، دونوں پیر، اور چہرہ۔ (ترمذی ج:۱، ص:۶۲) اور چہرہ کا رکھنا صرف پیشانی رکھنے سے تو متحقق ہوجاتا ہے، لیکن صرف ناک رکھنے سے متحقق نہیں ہوتا اس لئے اقتصار علی الانف جائز نہیں ہوگا۔

(۳) امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناک اور پیشانی دونوں میں سے کسی ایک کے رکھنے سے سجدہ ادا ہوجائے گا، لیکن صرف ناک ٹیکنے کی صورت میں مع الکراہت جائز ہے۔ (تبیین الحقائق ج:۱، ص:۱۱۶)

دلیل: کلام پاک میں لفظ سجود آیا ہے اور سجود کہتے ہیں چہرے کو تعظیم کے ساتھ زمین پر رکھنے کو چنانچہ چہرہ کا جو حصہ بھی تعظیم کے ساتھ رکھ دیا جائے گا سجدہ ادا ہوجائے گا۔ (فتح القدیر ج:۱، ص:۲۶۴)

فائدہ: امام ابوحنیفہ نے بعد میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا اور یہی قول احناف کے یہاں مفتی بہ ہے۔ (اللباب ج:۱، ص:۸۲)

(۱۹۴/۲۵) فَإِنْ سَجَدَ عَلٰى كَوْرِ عِمَامَتِهٖ أَوْ عَلٰى فَاضِلِ ثَوْبِهٖ جَازَ (۱۹۵/۲۶) وَيُبْدِيْ ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِيْ بَطْنَهٗ عَنْ فَخِذَيْهِ (۱۹۶/۲۷) وَيُوَجِّهُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ (۱۹۷/۲۸) وَيَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثَلٰثاً وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ.

ترجمہ: (۱۹۴/۲۵) پھر اگر سجدہ کیا پگڑی کے پیچ پر یا زائد کپڑے پر تو جائز ہے۔ (۱۹۵/۲۶) اور کشادہ کردے اپنی بغلوں کو اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا کرے۔ (۱۹۶/۲۷) اور متوجہ کرے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف۔ (۱۹۷/۲۸) اور سجدہ کی حالت میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ (پاک ہے میرا پروردگار بہت بڑا) کہے، اور یہ ادنیٰ مقدار ہے۔

تشریح: (۱) ہمارے نزدیک عمامہ کے پیچ (پگڑی کی لپیٹ) یا فاضل کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے۔
(۲) مردوں کو سجدے میں پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے جدا رکھنے چاہئیں۔
(۳) مردوں کو سجدے میں کہنیاں زمین سے جدا رکھنی چاہئیں۔
(۴) مردوں کو سجدے میں دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے رکھنے چاہئیں۔

(۱۹۸/۲۹) ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ وَيُكَبِّرُ.

ترجمہ: (۱۹۸/۲۹) پھر اپنا سر اٹھائے اور تکبیر کہے۔

تشریح: اس عبارت میں دوسرے سجدے کی کیفیت کا بیان ہے، چنانچہ فرمایا کہ پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہے اور اس قدر اٹھانا معتبر ہے کہ جس پر لفظ رفع (سر اٹھانا) بولا جائے اس روایت کو امام ابو یوسف نے امام اعظم سے نقل کیا ہے اور یہ اصح ہے۔ (تبیین الحقائق ج:۱، ص:۱۶۸)

(۱۹۹/۳۰) وَإِذَا اطْمَأَنَّ جَالِساً كَبَّرَ وَسَجَدَ (۲۰۰/۳۱) فَإِذَا اطْمَأَنَّ سَاجِداً كَبَّرَ وَاسْتَوىٰ قَائِماً عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ وَلَايَقْعُدُ وَلَايَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ (۲۰۱/۳۲) وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَافَعَلَ فِي الْأُوْلٰى إِلَّا أَنَّهُ لَايَسْتَفْتِحُ وَلَايَتَعَوَّذُ.

ترجمہ: (۱۹۹/۳۰) اور جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ (۲۰۰/۳۱) پھر جب اطمنان سے سجدہ کر چکے تو تکبیر کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے اپنے پنجوں کے بل اور نہ بیٹھے اور نہ ٹیک لگائے اپنے ہاتھوں کے ساتھ زمین پر۔ (۲۰۱/۳۲) اور کرے دوسری رکعت میں اس کے مثل جو پہلی رکعت میں کیا، مگر یہ کہ سبحانک اللھم اور اعوذ باللہ نہ پڑھے۔

تشریح: کیا جلسۂ استراحت مسنون ہے، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی علیہ الرحمہ پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے فراغت کے بعد جلسۂ استراحت (ھلکا سا جلسہ) مسنون قرار دیتے ہیں۔ (معارف السنن ج:۳، ص:۷۵، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۲۸۱)

دلیل: حضورؐ جب اپنا سر سجدہ سے اٹھاتے تو بیٹھ جاتے پھر اٹھتے۔ (عنایہ ج:۱، ص:۲۶۸)

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت بیان جواز یا حالت عذر پر محمول ہے، یعنی بڑھاپے کے زمانے میں آپ نے ایسا کیا ہے اگر یہ سنت صلوٰۃ ہوتی تو ہرگز صحابہ کرام نہ چھوڑتے۔ (معارف السنن ج:۳، ص:۷۷)

(۲) امام ابو حنیفہ امام مالک کے نزدیک جلسہ استراحت مسنون نہیں اس کے بجائے سیدھا کھڑا ہو جانا افضل ہے، امام احمد بھی اصح قول کے مطابق حنفیہ ہی کے ساتھ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج:۴، ص:۲۸۱، معارف ج:۳، ص:۷۵ تا ۷۴)

دلیل: حضورؐ نماز میں اپنے پنجوں کے بل اٹھتے تھے۔ (ترمذی ج:۱، ص:۶۴، معارف السنن ج:۳، ص:۸۲)

(۲۰۲/۳۳) وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلٰى

ترجمہ: (۲۰۲/۳۳) اور اپنے ہاتھ نہ اٹھائے مگر تکبیر تحریمہ میں۔

اختلاف الائمہ فی رفع الیدین

اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شوافع وحنابلہ کے نزدیک رکوع سے اٹھنے کے وقت اور رکوع میں جانے کے وقت رفع یدین افضل ہے۔

(اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۰۳، معارف ج:۲،ص:۴۵۳)

دلیل: ان حضرات کا سب سے بڑا استدلال حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے ہے، جس میں ہے کہ آپ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے ایسے ہی جب رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے۔ (ترمذی ج:۱،ص:۵۹) اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب: حقیقت میں حضور ﷺ سے رفع اور ترک رفع دونوں ثابت ہیں، اس لئے ثبوت وعدم ثبوت میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف محض افضلیت اور عدم افضلیت کا ہے، ہم نے ترک رفع کو ترجیح دی ہے۔

وجوہ ترجیح: (۱) ترک رفع کی روایات اوفق بالقرآن ہیں کیونکہ "قوموا للّٰہ قانتین" کا تقاضہ یہ ہے کہ نماز میں کم سے کم حرکت ہو۔

(۲) علم کے دو بڑے مرکز مدینہ اور کوفہ کے اصحاب کا تعامل ترک رفع کا رہا ہے۔ (معارف ج:۲،ص:۴۶۶)

دوسرا مذہب: مالکیہ وحنفیہ کے نزدیک ترک رفع افضل ہے۔ (معارف ج:۲،ص:۴۵۳، اوجز ج:۱،ص:۲۰۳)

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے جس میں ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ کیا میں تم کو حضورؐ کی نماز پڑھ کر نہ دکھلاؤں پھر انھوں نے نماز پڑھ کر دکھلائی اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے۔

(ترمذی ج:۱،ص:۵۹)

یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں ہے۔ نیز ابن مسعود کی روایت ہر طرح کے اضطراب سے پاک ہے اور خود ان کا عمل بھی اسی پر ہے۔

(۲۰۳/۳۴) فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَىٰ فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ الْيُمْنَىٰ نَصْباً (۲۰۴/۳۵) وَوَجَّهَ اَصَابِعَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَىٰ فَخِذَيْهِ وَيَبْسُطُ اَصَابِعَهُ.

ترجمہ: (۲۰۳/۳۴) پھر جب اٹھائے اپنے سر کو دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں بالکل کھڑا رکھے۔ (۲۰۴/۳۵) اور انگلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ رکھے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں رانوں پر رکھے اور اپنی ہاتھ کی انگلیاں کشادہ رکھے۔

تشریح: اس عبارت میں قعدے کی کیفیت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھایا تو اپنا بایاں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے، اور دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی جانب متوجہ کرے، بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے اور انگلیاں جس حال پر ہیں چھوڑ دے آپس میں نہ ملائے، اور ہاتھوں سے گھٹنے نہ پکڑے، جلسہ بین السجدتین اور التحیات میں کیسے بیٹھنا چاہئے، اس بارے میں چار مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک مطلقاً تورک ہے یعنی سرین کو زمین پر رکھنا اور دونوں پاؤں زمین پر بچھا کر دائیں طرف نکالنا عورت کے حق میں، حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (اوجز ج:۱،ص:۲۵۴، معارف ج:۳،ص:۹۵، عمدہ ج:۴،ص:۵۷۲)

(۲) امام شافعی کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں تورک مسنون ہے اور قعدہ اولیٰ اور جلسہ میں دائیں پیر کو کھڑا کر کے بائیں پیر کو بچھا کر اسی پر بیٹھنا مسنون ہے۔ (اوجز ج:۱،ص:۲۵۴، معارف السنن ج:۳،ص:۹۵)

(۳) امام احمد کے نزدیک دو رکعت والی نماز میں دائیں پیر کو کھڑا کر کے بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا مسنون ہے، اور چار رکعت والی نماز کے صرف قعدۂ اخیرہ میں تورک افضل ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۵۴، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۵۷۲)

(۴) حنفیہ کے نزدیک قعدہ اولیٰ، قعدہ اخیرہ، اور جلسہ بین السجدتین میں سے ہر ایک میں دائیں پیر کو کھڑا کر کے بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا مسنون ہے۔ (عمدہ ج:۴،ص:۵۷۲، معارف ج:۳،ص:۹۴، اوجز ج:۱،ص:۲۵۴)

(۳۶/۲۰۵) ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَالتَّشَهُّدُ اَنْ يَّقُوْلَ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، (۳۷/۲۰۶) وَلَا يَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا فِي الْقَعْدَةِ الْاُوْلٰى.

ترجمہ: (۳۶/۲۰۵) پھر تشہد پڑھے اور تشہد یہ ہے کہ کہے تمام قولی عبادتیں اور تمام فعلی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں سلام ہو آپ پر اے نبیؐ اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (۳۷/۲۰۶) اور اس سے زیادہ نہ پڑھے پہلے قعدہ میں۔

تشہد پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

اس بارے میں امام مالک فرماتے ہیں قعدہ اولیٰ ہو یا اخیرہ تشہد پڑھنا مسنون ہے۔ (اوجز ج:۱،ص:۲۶۲)

امام احمد کے نزدیک اول واجب ہے ثانی فرض ہے۔ (عمدۃ ج:۴،ص:۵۹۰)

امام شافعی کے نزدیک قعدۂ اولیٰ میں مسنون ہے اور قعدۂ اخیرہ میں واجب ہے۔ (عمدہ القاری ج:۴،ص:۵۷۸)

کتب احناف میں امام صاحب کے نزدیک قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھنا واجب لکھا ہے اور حکم وجوب پر حنفیہ کا فتویٰ ہے۔ (عالمگیری ج:۱،ص:۷۱، اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۶۳، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۵۷/۱)

الفاظ تشہد کیا ہیں؟

احادیث شریفہ میں تشہد کے الفاظ مختلف طریقوں سے ثابت ہیں ان میں تین قسم کے تشہد زیادہ مشہور و معروف ہیں: مندرجہ بالا عبارت میں جو تشہد نقل فرمایا گیا ہے وہ تشہد ابن مسعود ہے، حضرات حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک یہی زیادہ

افضل ہے۔ وجوہ ترجیح کے لئے دیکھئے اوجز المسالک، ج:۱،ص:۲۶۸۔

حضرت ابن مسعود فقہاء صحابہ میں سے ہیں الفاظ تشہد میں کمی زیادتی کو ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے لہٰذا ان کے تشہد میں احتیاط واہتمام کی وجہ سے کسی قسم کی ترمیم کا احتمال نہیں ہے، اس لئے تشہد ابن مسعود سب سے افضل اور اولیٰ ہوگا۔ (موطاء امام محمد ص:۱۱۱، درس ترمذی ج:۲،ص:۵۹)

(۲۰۷/۳۸) وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَاصَّةً (۲۰۸/۳۹) فَإِذَا جَلَسَ فِي آخِرِ الصَّلٰوةِ جَلَسَ كَمَا جَلَسَ فِي الْأُوْلٰى.

ترجمہ: (۲۰۷/۳۸) اور پڑھے آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ۔ (۲۰۸/۳۹) پھر جب بیٹھے نماز کے اخیر میں تو اس طرح بیٹھے جیسے قعدۂ اولیٰ میں بیٹھا تھا۔

تشریح: ظہر، عصر، عشاء، کی آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی آخری ایک رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی۔

امام قدوری نے فرمایا کہ قعدۂ اخیرہ میں اسی طریقہ پر بیٹھے جیسے قعدہ اولیٰ میں بیٹھا تھا اس بارے میں اختلاف ائمہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

(۲۰۹/۴۰) وَتَشَهَّدَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: (۲۰۹/۴۰) اور تشہد پڑھے اور حضورؐ پر درود بھیجے۔

اختلاف الائمہ

(۱) قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد جو درود شریف ہے اس کے متعلق امام شافعی نے فرمایا کہ وہ فرض ہے جیسے تشہد پڑھنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی، یہی مذہب امام احمد کا ہے۔

(نیل ج:۲،ص:۲۹۷، تبیین الحقائق ج:۱،ص:۱۲۳)

دلیل: "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا" اس آیت میں صلوا مطلق ہے اور مطلق امر فرضیت کے لئے آتا ہے۔

(عنایہ علی الکفایہ ج:۱،ص:۲۷۵)

جواب: آیت میں صلوا امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ ندب کے لئے ہے، نیز آیت کریمہ میں مطلق درود بھیجنے کا حکم ہے، جو وجوب فی الجملہ کا تقاضہ کرتا ہے، لہٰذا خارج صلوٰۃ ایک بار پڑھ لینے سے بھی یہ وجوب ساقط ہو جائیگا۔

(عنایہ ج:۱،ص:۲۷۵)

(۲) جمہور ائمہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک نے بعد التشہد درود کو سنت کہا ہے۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۲۹۷)

ان حضرات کی دلیل: حضرت ابن مسعودؓ کی وہ حدیث ہے کہ جس میں حضورؐ نے بقدر تشہد بیٹھنے پر نماز کے مکمل ہونے کا حکم لگایا ہے، یہ بھی عدم فرضیت کی صریح دلیل ہے۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۳۹)

(۴۱/۲۱۰) وَدَعَا بِمَا شَاءَ مِمَّا يُشْبِهُ اَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَالْاَدْعِيَةَ الْمَاثُوْرَةَ وَلَايَدْعُوْا بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَ النَّاسِ

ترجمہ: (۴۱/۲۱۰) اور دعا مانگے جو چاہے ان الفاظ سے جو مشابہ ہوں الفاظ قرآن اور منقول دعاؤں کے اور نہ دعاء مانگے ان الفاظ کے ساتھ جو مشابہ ہوں لوگوں کے کلام کے۔

تشریح: قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد عربی زبان میں دعاء کرے غیر عربی میں دعاء کرنا مکروہ تحریمی ہے، ایسے الفاظ سے دعاء مانگے جو الفاظ قرآنی کے مشابہ ہوں، جیسے ربنا آتنا فی الدنیا الخ اللّٰھم اغفرلی ولوالدی الخ، جن چیزوں کا بندوں سے مانگنا محال نہ ہو وہ کلام الناس کے مشابہ ہے ایسے الفاظ سے دعا نہ مانگے اور جن چیزوں کا بندوں سے مانگنا محال ہو وہ کلام الناس کے مشابہ نہیں ہے، ایسے ہی الفاظ سے دعاء مانگے۔

(۴۲/۲۱۱) ثُمَّ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَيُسَلِّمُ عَنْ يَسَارِهٖ مِثْلَ ذٰلِكَ

ترجمہ: (۴۲/۲۱۱) پھر سلام پھیرے دائیں طرف اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ (سلام ہو تم پر اور رحمت اللہ کی) اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرے۔

تشریح: پہلا سلام پھیرتے وقت ان لوگوں کی نیت کرے جو اس کے دائیں جانب ہیں، اور حفاظت کرنیوالے فرشتوں کی نیت کرے اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے وقت ان کی نیت کرے جو اس کے بائیں طرف ہیں۔

اختلاف الائمہ

سلام کی تعداد و کیفیت میں اختلاف۔

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک منفرد اور امام پر صرف سامنے کی طرف ایک سلام کرنا لازم ہے، اس سے زیادہ مشروع نہیں ہے اور مقتدی پر تین سلام لازم ہیں: (۱) دائیں (۲) بائیں (۳) سامنے کی طرف۔

(معارف السنن، ج:۳،ص:۱۱۰، نیل الاوطار ج:۲،ص:۳۱۲)

(۲) حنفیہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک امام، منفرد اور مقتدی سب کے لئے دو سلام کرنا مشروع ہے، (۱) دائیں، (۲) بائیں۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۱۰۹، نیل الاوطار ج:۲،ص:۳۱۲)

نماز سے فراغت حاصل کرنے کے لئے لفظ السلام کا استعمال کرنا فرض ہے یا واجب یا سنت، اس بارے میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام احمدؒ کے نزدیک لفظ سلام اور دونوں سلام فرض ہیں۔ (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۶۰۲)

(۲) امام شافعی، امام مالک کے نزدیک لفظ سلام فرض ہے، لیکن دونوں سلام فرض نہیں ہیں بلکہ ایک سلام فرض ہے
(۳) حنفیہ کے نزدیک لفظ سلام فرض نہیں ہے، بلکہ دونوں سلام سنت بمعنی واجب ہے، یہی مذہب اصح ہے۔
(معارف السنن ج:۳،ص:۱۱۳،عمدۃ القاری ج:۴،ص:۶۰۲)

(۲۱۲/۴۳) وَيَجْهَرُ بِالْقِرَاْءَةِ فِي الْفَجْرِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِنْ كَانَ إِمَاماً وَيُخْفِي الْقِرَاْءَةِ فِي مَابَعْدَ الْأُوْلَيَيْنِ (۲۱۳/۴۴) وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَهُوَ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ جَهَرَ وَاَسْمَعَ نَفْسَهُ وَإِنْ شَاءَ خَافَتَ (۲۱۴/۴۵) وَيُخْفِي الْإِمَامُ الْقِرَاْءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ.

ترجمہ: (۲۱۲/۴۳) اور قرأت آواز سے پڑھے فجر میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اگر امام ہو اور قرأت آہستہ پڑھے پہلی دو رکعت کے بعد والی رکعات میں۔ (۲۱۳/۴۴) اور اگر تنہا نماز پڑھنے والا ہے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے آواز سے پڑھے اور اپنی ذات کو سنائے اور اگر چاہے آہستہ پڑھے۔ (۲۱۴/۴۵) اور امام آہستہ قرأت کرے ظہر اور عصر میں۔

تشریح: قبل ازیں امام قدوریؒ نے فرائض، واجبات، سنن کو بیان کیا ہے، اس عبارت میں احکام قرأت کو بیان فرما رہے ہیں۔

اگر امام ہو تو فجر کی دونوں رکعتوں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت زور سے کرنا واجب ہے، اور مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی بعد والی دو رکعتوں میں قرأت آہستہ کرنا واجب ہے، ظہر اور عصر کی نماز میں امام پر آہستہ قرأت کرنا واجب ہے۔

اور اگر مصلی تنہا پڑھنے والا ہو تو اس کو اختیار ہے، جی چاہے جہر کرے کیوں کہ وہ اپنی ذات کے حق میں امام ہے، اور جی چاہے اخفا کرے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو سنا دے۔

(۲۱۵/۴۶) وَالْوِتْرُ ثَلٰثُ رَكَعَاتٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ (۲۱۶/۴۷) وَيَقْنُتُ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ فِي جَمِيْعِ السَّنَةِ (۲۱۷/۴۸) وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِّنَ الْوِتْرِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مَعَهَا (۲۱۸/۴۹) فَإِذَا اَرَادَ اَنْ يَّقْنُتَ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَنَتَ (۲۱۹/۵۰) وَلَايَقْنُتُ فِي صَلٰوةٍ غَيْرِهَا.

ترجمہ: (۲۱۵/۴۶) اور وتر تین رکعات ہیں ان کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے۔ (۲۱۶/۴۷) اور قنوت پڑھے تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پورے سال۔ (۲۱۷/۴۸) اور پڑھے وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت۔ (۲۱۸/۴۹) پھر جب ارادہ کرے دعاء قنوت پڑھنے کا تو تکبیر کہے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر قنوت پڑھے۔ (۲۱۹/۵۰) اور قنوت وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں نہ پڑھے۔

تشریح: **مسئلہ** (۱) وتر کی نماز واجب ہے اور واجب کا مرتبہ فرض نماز کے قریب ہے، ترک

کر دینے سے بڑا گناہ ہوتا ہے، اگر کبھی چھوٹ جائے تو جب موقع ملے فوراً اس کی قضا پڑھنی چاہئے۔

(۲) وتر کی تین رکعتیں ہیں دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے اور صرف التحیات پڑھے اس کے بعد فوراً کھڑا ہو کر الحمد اور سورت پڑھ کر اللہ اکبر کہے اور کندھے تک ہاتھ اٹھائے اور پھر ہاتھ باندھ لے پھر دعاء قنوت پڑھ کر رکوع کرے اور تیسری رکعت پر بیٹھ کر التحیات درود شریف اور دعاء پڑھ کر سلام پھیر دے۔

اس عبارت کے تحت چار اہم مسائل بیان کئے جائیں گے:

مسئلہ: (۱) نمازِ وتر واجب ہے یا سنت؟ اس سلسلے میں دو مذاہب ہیں:

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ نماز وتر واجب ہے۔ (اوجز ج:۱،ص:۴۳۰، نیل ج:۳،ص:۳۴)

(۲) ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک وتر کی نماز واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور احناف کا فتویٰ امام اعظم کے قول کے مطابق ہے۔ (اللباب ج:۱،ص:۸۷، اوجز المسالک ج:۱،ص:۴۳۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت علیؓ کا ارشاد ہے "اَلْوِتْرُ لَیْسَ بِحَتْمٍ کَصَلٰوتِکُمُ الْمَکْتُوْبَةُ وَلٰکِنْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" (ترمذی ج:۱،ص:۱۰۳) وتر تمہاری فرض نمازوں کی طرح لازم نہیں ہے، لیکن رسول اللہؐ نے سنت قرار دیا ہے۔

جواب: حضرت علیؓ نے وتر کی فرضیت کی نفی فرمائی ہے، وجوب کی نفی نہیں فرمائی ہے، اور فرضیت کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ نماز وتر کا درجہ فرض نمازوں سے کم ہے، اور فرض سے کم درجہ واجب ہے نہ کہ سنت اس لئے حضرت علیؓ کے ارشاد سے نماز وتر کو سنت ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۱۷۹)

امام ابو حنیفہ کی دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے: "اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا".

(ابوداؤد ج:۱،ص:۲۰۱، اوجز ج:۱،ص:۴۳۱)

وتر حق ہے چنانچہ جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے، یہ جملہ آپؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا، اور حق یہاں واجب کے معنی میں ہے، معلوم ہوا کہ وتر واجب ہے۔

(۲) وتر کی نماز میں کتنی رکعتیں ہیں:

امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک نماز وتر ایک رکعت سے گیارہ رکعات تک ہے، یعنی ایک رکعت، تین رکعات، پانچ رکعات، سات رکعات، نو رکعات اور گیارہ رکعات۔

دلائل مع جوابات: ایک رکعت کے ثبوت میں "اَلْوِتْرُ رَکْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ" (مسلم ج:۱،ص:۲۵۷)

جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ رات کی نماز دو رکعت کرکے پڑھتے تھے، مگر جب نماز وتر کا ارادہ فرماتے تو دو رکعت میں ایک رکعت ملا کر وتر بنا لیا کرتے تھے یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ایک رکعت نماز وتر ادا فرمائی۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۲۱۳)

اَوْتَرَ بِثَلٰثٍ (طحاوی ج:۱،ص:۲۰۱) احناف کا مذہب بھی یہی ہے اس لئے جواب کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

پانچ رکعات والی حدیث: "اَوْتَرَ بِخَمْسٍ" (نسائی ج:۱،ص:۲۴۹)

اس کا جواب یہ ہے کہ پانچ رکعات وتر کی نہیں تھیں، بلکہ تین رکعات وتر کی تھیں، اور دو رکعات نفل کی تھیں، راوی نے دونوں کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

سات رکعات والی حدیث: "اَوْتَرَ بِسَبْعٍ" (نسائی ج:۱،ص:۲۵۰) کا جواب یہ ہے کہ اس میں تین رکعات وتر کی تھیں اور چار رکعات تہجد کی تھیں۔

نو رکعات والی حدیث: "اَوْتَرَ بِتِسْعٍ" (نسائی ج:۱،ص:۲۵۰) کا جواب یہ ہے کہ اس میں چھ رکعات تہجد کی تھیں تین وتر کی راوی نے دونوں کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

گیارہ رکعات والی حدیث: "اِحْدیٰ عَشَرَ رکعة" (نسائی ج:۱،ص:۲۵۱) کا جواب یہ ہے کہ چھ رکعت تہجد کی تھیں اور تین رکعت وتر کی تھی، اور دو رکعت وتر کے بعد والی تھیں جو آپؐ بیٹھ کر ادا فرماتے تھے راوی نے سب کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک وتر کی تین رکعت ہیں اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۱۶۷، اوجز المسالک ج:۱،ص:۴۳۴)

دلیل: حضرت علیؓ کی حدیث ہے کان رسول الله یوتر بثلاث (ترمذی ج:۱،ص:۱۰۶) کہ رسول اللہ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے، یہ حدیث احناف کے مذہب پر واضح دلیل ہے۔

(۳) نماز وتر ایک سلام کے ساتھ ہیں یا دو سلاموں کے ساتھ، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز وتر دو سلاموں کے ساتھ ہے۔

دلیل: اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے پاس کوئی صحیح یا صریح حدیث موجود نہیں ہے، اور نہ ہی صحابہ کرام کا معمول رہا ہے، البتہ یہ حضرات، عبداللہ بن عمرؓ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں "كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَالرَّكْعَةِ" (نیل الاوطار ج:۳،ص:۳۷) کہ وہ نماز وتر میں ایک دو رکعت اور ایک دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے اور دوسرا سلام آخری رکعت پر پھیرتے تھے۔

جواب: یہ ہے کہ ان کا اپنا اجتہاد تھا نیز وہ اپنے اجتہاد میں تنہا تھے، دوسرے یہ کہ اگر وتر دو سلاموں کے ساتھ حضورؐ سے ثابت ہوتے تو یہ ایک غیر معمولی عمل ہوتا اور صحابہ کرام اس کو ضرور نقل کرتے، حالانکہ صحابہ اس کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کرتے، بلکہ اس کا برعکس ثابت ہے۔

(۲) احناف کا مذہب یہ ہے کہ وتر ایک سلام کے ساتھ ہے، درمیان میں کوئی سلام نہیں ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۴۳۴)

دلیل: حضرت عائشہ اعلم الناس بوتر رسول اللہ تھیں لیکن، وہ وتر میں کہیں دوسلاموں کا ذکر نہیں کرتیں، بلکہ بعض احادیث میں ان سے نفی وارد ہوئی ہے۔ایک حدیث میں ہے "ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلاثٍ لَا یَفْصِلُ بَیْنَهُنَّ" (معارف السنن ج:۴،ص:۱۹۱) دوسری حدیث ہے: "اَلْوِتْرُ ثَلاثٌ کَثَلاثِ الْمَغْرِبِ" (اوجز المسالک ج:۱،ص:۴۳۵) علاوہ ازیں کبار صحابہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ وہ نماز وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے، دیکھئے اوجز المسالک ج:۱، ص:۴۳۴۔

مسئلہ: (۴) نماز وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت پڑھے یا نہیں، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شوافع و موالک کے نزدیک نماز فجر میں پورے سال قنوت مشروع ہے۔

دلیل: حضرت انسؓ سے منقول ہے "مازال رسول اللّٰہ یقنت فی الفجر حتی فارق الدنیا" (معارف السنن ج:۴،ص:۱۸) کہ نبیؐ نماز فجر میں قنوت پڑھتے رہے یہاں تک دنیا سے رخصت ہو گئے۔

جواب: جن روایات میں بھی قنوت فی الفجر کا ذکر ہے ان میں قنوت نازلہ مراد ہے، جب بھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آتی تو قنوتِ نازلہ پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(۲) حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک قنوت فی الفجر دائماً مشروع نہیں ہے (اوجز، ج:۲،ص:۱۲۱، معارف السنن ج:۴، ص:۱۷) لیکن جب کفار کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں پر ظلم وستم شروع ہو جائے تو دشمنان اسلام پر بددعاء کے لئے عارضی طور پر نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھنا مشروع ہے اور عام حالات میں مشروع نہیں ہے۔

دلیل: حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے "ان رسول اللہ کان لایقنت فی صلاۃ الا اذا دعا القوم او دعا علی قوم" (اوجز ج:۲،ص:۱۲۲) کہ رسول اللہ نماز فجر میں صرف اس وقت قنوت پڑھتے تھے جب کسی قوم کے لئے دعا یا بددعا کرنی ہوتی تھی یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ قنوت فی الفجر دائماً مشروع نہیں ہے۔

(۲۲۰/۵۱) وَلَیْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ قِرَاْةُ سُوْرَةٍ بِعَیْنِهَا لَا یَجُوْزُ غَیْرُهَا (۲۲۱/۵۲) وَیُکْرَهُ اَنْ یَّتَّخِذَ قِرَاْةَ سُوْرَةٍ بِعَیْنِهَا لِلصَّلٰوةِ لَا یَقْرَاُ فِیْهَا غَیْرَهَا.

ترجمہ: (۲۲۰/۵۱) اور نہیں ہے نماز میں کسی متعین سورت کا پڑھنا کہ اس کے سوا جائز نہ ہو۔ (۲۲۱/۵۲) اور مکروہ ہے یہ کہ متعین کرے کسی خاص سورت کی قرأت نماز کے لئے کہ نہ پڑھے اس نماز میں اس کے علاوہ۔

تشریح: سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز میں واجب ہے اس کے علاوہ کسی مخصوص سورت کے پڑھنے کو ایسے طور پر متعین کرنا کہ اس کے بغیر نماز جائز نہیں ہوگی درست نہیں ہے، ایسے ہی نماز کے لئے کسی خاص سورت کو متعین کر لینا جیسے جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون یا سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ۔

(۲۲۲/۵۳) وَاَدْنٰی مَا یُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاْةِ فِي الصَّلٰوةِ مَا یَتَنَاوَلُهُ اِسْمُ الْقُرْاٰنِ عِنْدَ اَبِي حَنِیْفَةَ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَایَجُوْزُ اَقَلُّ مِنْ ثَلٰثِ آیَاتٍ قِصَارٍ اَوْ آیَةٍ طَوِیْلَةٍ.

ترجمہ: (۲۲۲/۵۳) اور قرأت کی ادنیٰ مقدار جو کافی ہے نماز میں وہ ہے جس کو قرآن کہہ سکے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں تین چھوٹی آیتوں سے کم یا ایک بڑی آیت سے کم۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرأت کی کم سے کم مقدار ایک آیت ہے جس سے نماز ہو جائے گی خواہ آیت چھوٹی ہو یا بڑی۔

دلیل: "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" اس میں آیت اور مافوق الآیت کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے۔
(عنایہ ج:۱،ص:۲۹۰)

صاحبین کے نزدیک کم از کم تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت قرأت کی کم سے کم مقدار ہے۔

دلیل: ایک آیت اگرچہ حقیقتاً قرآن ہے مگر عرف میں چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت پر قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے اس لئے اسی کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ (عنایہ ج:۱،ص:۲۹۰)

(۲۲۳/۵۴) وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْإِمَامِ

ترجمہ: (۲۲۳/۵۴) اور مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔

قرأت الفاتحہ خلف الامام میں مذاہب ائمہ

امام شافعی کے نزدیک مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، خواہ جہری نماز ہو یا سری۔
(اوجز المسالک ج:۱،ص،۱۳۹، بذل المجہود ج:۲،ص:۵۲)

دلیل: حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپ کو قرأت کرنی بھاری ہوگئی پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا کہ میں تم کو امام کے پیچھے قرأت کرتے دیکھ رہا ہوں، راوی کہتے ہیں ہم نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا سوائے سورۂ فاتحہ کے اس لئے کہ اس کے بغیر کسی کی نماز نہیں ہوتی۔　　　(ترمذی ج:۱،ص:۶۹ تا ۷۰)

جواب: مذکور حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ بے انتہا ضعیف ہے، سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے اس لئے اس سے فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۱۹۸)

امام اعظم کے نزدیک قرأت فاتحہ خلف الامام مکروہ تحریمی ہے، خواہ جہری نماز میں ہو یا سری نماز میں۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۱۳۹، بذل المجہود ج:۲،ص:۵۲)

دلیل: "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا" جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو۔
اس آیت کریمہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر قرأت خلف الامام کی ممانعت فرمائی ہے، اس لئے امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں ہو سکتا، چاہے سورۂ فاتحہ ہو یا اور کوئی سورت ہو۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۱۹۷)

امام مالک وامام احمد کے نزدیک جہری نماز میں فاتحہ خلف الامام مکروہ ہے، لیکن سری نماز میں مستحب ہے، یہی ایک روایت امام محمد سے منقول ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۳۹ تا ۲۴۰، بذل المجہود ج:۲،ص:۵۷ وج:۲ص:۵۲)

(۲۲۴/۵۵) وَمَنْ اَرَادَ الدُّخُوْلَ فِي صَلٰوةِ غَيْرِهٖ يَحْتَاجُ اِلٰى نِيَّتَيْنِ نِيَّةِ الصَّلٰوةِ وَنِيَّةِ الْمُتَابَعَةِ

ترجمہ: (۲۲۴/۵۵) اور جو شخص کسی دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا چاہے تو اسے دو نیتیں کرنی ضروری ہیں: نماز کی نیت اور اقتداء کی نیت۔

تشریح: نماز کی نیت: جب نماز پڑھنے کھڑا ہو تو نیت اس طریقے سے کرے نیت کی میں نے مثلاً آج کے ظہر کے چار فرضوں کی منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر اللہ اکبر کہے۔

اقتداء کی نیت: مقتدی کو اپنے امام کی اقتداء کی نیت کرنا بھی شرط ہے لیکن مقتدی کو امام کی تعیین شرط نہیں ہے کہ وہ زید ہے بلکہ صرف اسی قدر نیت کافی ہے کہ میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں، ہاں اگر نام لے کر تعیین کرے گا اور پھر اس کے خلاف ظاہر ہوگا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

(۲۲۵/۵۶) وَالْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ

ترجمہ: (۲۲۵/۵۶) اور جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

تشریح: جماعت کی فضیلت اور تاکید میں صحیح احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں، نبی کریمؐ نے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا حتی کہ حالت مرض میں جب آپ کو خود چلنے کی طاقت نہ تھی دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں تشریف لے گئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔

حکم جماعت میں مذاہب علماء

(۱) امام احمد بن حنبل کے نزدیک فرض عین ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۲۲۶)

(۲) جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۲۲۶)

(۳) بعض شافعیہ و مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام طحاوی اور کرخی کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔

(اوجز المسالک ج:۲،ص:۴ تا ۵)

(۲۲۶/۵۷) وَاَوْلَى النَّاسِ بِالْاِمَامَةِ اَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَقْرَأُهُمْ فَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَوْرَعُهُمْ فَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَسَنُّهُمْ

ترجمہ: (۲۲۶/۵۷) اور لوگوں میں سب سے افضل امامت کے لئے وہ ہے جو سب سے زیادہ سنت کا جاننے والا ہو اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سب سے اچھا قاری ہو، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ

پرہیزگار ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو پھر جو سب سے زیادہ بڑا ہو عمر میں۔

تشریح: امامت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ بہت سے ہیں قرأت، علم، ورع، تقوی، کبیر السن ہونا، ان سب میں زیادہ ترجیح قرأت اور علم کو ہے لہٰذا ان دوصفت والے کو دیگر صفات والے امام پر ترجیح ہوگی لیکن خود ان دونوں میں سے کس کو ترجیح ہے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

امام ابو یوسف و امام احمد کے نزدیک أقرأ أعلم پر مقدم ہوگا۔

(عمدۃ القاری: ج:۴،ص:۲۸۳، معارف السنن ج:۲،ص:۳۲۳)

دلیل: يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ. (ابوداؤد ج:۱،ص:۸۶)

کہ لوگوں کی امامت وہ کرے گا جو قرآن کو سب سے زیادہ اچھا پڑھنے والا ہوگا۔

جواب: مذکورہ روایت اور وہ تمام روایات جن میں اقرأ کو اعلم پر مقدم کیا گیا ہے، ان کا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ کا اقرأ ہی اعلم ہوتا تھا کیوں کہ اس زمانہ میں لوگ قرآن شریف کو احکام سے واقف ہوتے ہوئے پڑھتے تھے، چنانچہ جو جتنا بڑا حافظ وقاری ہوتا وہ اتنا ہی بڑا عالم اور فقیہ بھی ہوتا تھا۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۲،ص:۳۳۷، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۲۸۳)

امام ابوحنیفہ و امام محمد اور جمہور علماء کے نزدیک اعلم اقرأ پر مقدم ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج:۴،ص:۲۸۳، معارف السنن ج:۲،ص:۳۲۳)

دلیل: "مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ" (بخاری ج:۱،ص:۹۳) آپ نے مرض وفات میں فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلم اقرأ پر مقدم ہے کیونکہ آپ نے امامت حضرت ابوبکرؓ کے سپرد فرمائی حالانکہ ابی بن کعبؓ اقرأ موجود تھے اس لئے اعلم اقرأ کے مقابلے میں امامت کا زیادہ حق دار ہوگا۔

(۵۸/ ۲۲۷) وَيُكْرَهُ تَقْدِيْمُ الْعَبْدِ وَالْاَعْرَابِيِّ وَالْفَاسِقِ وَالْاَعْمٰى وَوَلَدِ الزِّنَا فَاِنْ تَقَدَّمُوْا جَازَ

ترجمہ: (۵۸/ ۲۲۷) اور مکروہ ہے غلام، گنوار، فاسق، اندھا اور حرامی کو آگے کرنا اور اگر یہ لوگ آگے بڑھ جائیں تو جائز ہے۔

تشریح: فاسق کا امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر اس کے سوا کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو تو مکروہ نہیں یا فتنہ عظیم برپا ہونے کا خطرہ ہو تو بھی کوئی کراہت نہیں ہے، غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، ایسے ہی گاؤں کے رہنے والے کا امام بنانا اور نابینا جو پاکی کی احتیاط نہ رکھتا ہو اور حرامی کا امام بنانا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں اگر یہ لوگ صاحب علم وفضل ہوں اور لوگوں کو ان کا امام بنانا ناگوار نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں۔

(۵۹/ ۲۲۸) وَيَنْبَغِيْ لِلْاِمَامِ اَنْ لَّا يُطَوِّلَ بِهِمُ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۵۹/۲۲۸) اور مناسب ہے امام کے لئے کہ وہ مقتدیوں کے ساتھ نماز کو لمبی نہ کرے۔

تشریح: امام کو نماز میں زیادہ بڑی سورتیں پڑھنا جو مقدار مسنون (فجر اور ظہر میں سورۂ حجرات سے لیکر سورۂ بروج تک، عصر اور عشاء میں سورۂ طارق سے سورۂ لم یکن تک، مغرب میں سورۂ زلزال سے آخر قرآن تک مسنون ہے) سے بھی زیادہ ہوں یا رکوع وسجدے وغیرہ میں بہت زیادہ دیر تک رہنا مکروہ تحریمی ہے بلکہ امام کو چاہئے کہ اپنے مقتدیوں کی حاجت اور ضرورت اور ضعف وغیرہ کا خیال رکھے بلکہ زیادہ ضرورت کے وقت مقدار مسنون سے بھی کم قرأت کرنا بہتر ہے، تاکہ لوگوں کا حرج نہ ہو جو قلت جماعت کا سبب ہو جائے۔

(۶۰/۲۲۹) وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ اَنْ يُصَلِّيْنَ وَحْدَهُنَّ بِجَمَاعَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ وَقَفَتِ الْاِمَامَةُ وَسْطَهُنَّ كَالْعُرَاةِ

ترجمہ: (۶۰/۲۲۹) اور مکروہ ہے عورتوں کے لئے تنہا جماعت سے نماز پڑھنا اگر وہ ایسا کریں تو کھڑی ہو نماز پڑھانیوالی عورت ان کے درمیان میں جیسے ننگے نماز پڑھنے والے مردوں کا حکم ہے۔

تشریح: عورت کے لئے تنہا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یہ مسلک ہے حنفیہ ومالکیہ کا حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ (در منضود ج:۲،ص:۱۴۷)

اگر کراہت تحریمی کے باوجود عورتوں نے جماعت کرلی تو عورتوں کی امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو، البتہ نماز جنازہ میں عورتوں کی جماعت مکروہ نہیں ہے۔

(۶۱/۲۳۰) وَمَنْ صَلّٰى مَعَ وَاحِدٍ اَقَامَهُ عَنْ يَمِيْنِهٖ

ترجمہ: (۶۱/۲۳۰) اور جو شخص ایک شخص کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کو اپنی داھنی طرف کھڑا کرے۔

تشریح: اس بات پر اتفاق ہے کہ مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگا، البتہ کھڑے ہونے کے طریقے میں اختلاف ہے۔

شیخین، کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں برابر کھڑے ہوں گے کوئی آگے پیچھے نہیں ہوگا۔

امام محمد، کے نزدیک مقتدی اپنا پنجہ امام کی ایڑی کے برابر میں رکھے گا، فقہاء احناف نے کہا کہ اگرچہ دلیل کے اعتبار سے شیخین کا قول راجح ہے، لیکن تعامل امام محمد کے قول پر ہے، کیونکہ برابر کھڑا ہونے میں غیر شعوری طور پر آگے بڑھ جانے کا خوف ہے، جبکہ امام محمد کے قول میں یہ خطرہ نہیں ہے، اسی لئے فتویٰ بھی امام محمد کے قول پر ہے۔

(معارف السنن ج:۲،ص:۳۱۳ تا ۳۱۴، بدائع ج:۱،ص:۳۹۱)

(۶۲/۲۳۱) وَاِنْ كَانَا اِثْنَيْنِ تَقَدَّمَهُمَا

ترجمہ: (۶۲/۲۳۱) اور اگر دو ہوں تو امام ان کے آگے ہو جائے۔

تشریح: اگر درمیان میں کھڑا ہوگا تو مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر مقتدی دو سے زیادہ ہوں تو پھر امام کا درمیان

میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، جمہور علماء کے نزدیک اگر مقتدی ایک سے زائد ہوں تو امام آگے کھڑا ہو۔
امام ابو یوسف، کے نزدیک اگر مقتدی دو ہوں تو امام کو بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے۔
(معارف السنن ج:۲،ص:۳۱۶، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۳۹۰)

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت علقمہ واسود کے ساتھ نماز پڑھی ان میں سے ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں جانب کھڑا کیا۔ (ترمذی ج:۱،ص:۵۵، بدائع ج:۱،ص:۳۹۰)

جواب: ابن مسعودؓ کا مذکور اثر مکروہ تنزیہی پر محمول ہے، جو جواز ہی کا ایک شعبہ ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ حضورؐ نے بعض مقامات پر بیان جواز کے لئے مکروہ تنزیہی پر عمل فرمایا ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہو، اور ابن مسعودؓ نے اس کی اقتداء فرمائی ہو۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۳۱۸)

جمہور کی دلیل: "اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا كُنَّا ثَلٰثَةً اَنْ يَّتَقَدَّمَنَا اَحَدُنَا" (ترمذی ج:۱،ص:۵۵) ہم کو رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ جب تم تین آدمی ہو تو تم میں سے ایک آگے کھڑا ہو۔

(۲۳۲/۶۳) وَلَا يَجُوْزُ لِلرِّجَالِ اَنْ يَّقْتَدُوْا بِاِمْرَأَةٍ اَوْ صَبِيٍّ

ترجمہ: (۲۳۲/۶۳) اور جائز نہیں مردوں کو کہ وہ اقتداء کریں عورت یا بچہ کی۔

تشریح: عورتوں کا مردوں کی امامت کرنا بالاتفاق ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز نہیں ہے "لِحَدِيْثِ اَخِّرُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ" (ابن ماجہ مع الحاشیہ ج:۱،ص:۷۰، عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۳۸۷) عورتوں کو مؤخر کرو اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر کیا ہے، پس جب اللہ نے عورت کو مؤخر کیا تو اس کو مقدم کرنا یعنی امام بنانا بھی جائز نہیں ہوگا۔
جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بچے کی امامت بھی جائز نہیں ہے، البتہ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔
(بذل المجہود ج:۱،ص:۳۲۷، نیل ج:۳،ص:۱۷۶)

امام شافعی کی دلیل: عمرو بن سلمہ کا واقعہ ہے جو ابوداؤد ج:۱،ص:۸۶ پر موجود ہے۔

جواب: اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ایسا اپنے اجتہاد سے کیا اور ظاہر ہے کہ اس کی اطلاع بھی حضورؐ کو نہیں ہوئی۔ (بذل المجہود ج:۱،ص:۳۲۷)

(۲۳۳/۶۴) وَيُصَفُّ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ الْخُنْثٰى ثُمَّ النِّسَاءُ

ترجمہ: (۲۳۳/۶۴) اور صف بنائی جائے مردوں کی پھر بچوں، پھر ہجڑوں، پھر عورتوں کی۔

تشریح: اگر مقتدیوں میں مختلف قسم کے لوگ ہوں کچھ مرد کچھ عورتیں کچھ نابالغ تو امام کو چاہئے کہ اس ترتیب سے ان کی صفیں قائم کرے، پہلے مردوں کی صفیں پھر نابالغ لڑکوں کی اور ان کے پیچھے عورتوں کی۔

(۲۳۴/۶۵) فَاِنْ قَامَتْ اِمْرَأَةٌ اِلٰى جَنْبِ رَجُلٍ وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِيْ صَلٰوةٍ وَاحِدَةٍ فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ

ترجمہ: (۶۴/۲۳۴) پھر اگر کھڑی ہو جائے کوئی عورت مرد کے برابر اور حال یہ ہے کہ دونوں ایک نماز میں شریک ہیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت نماز میں کسی مرد کے برابر میں نیت باندھ لے اور دونوں ایک نماز میں مشترک ہیں اور امام نے اس عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہے تو ایسی صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۶۶/۲۳۵) وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ حُضُوْرُ الْجَمَاعَةِ (۶۷/۲۳۶) وَلَابَأْسَ بِاَنْ تَخْرُجَ الْعَجُوْزُ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجُوْزُ خُرُوْجُ الْعَجُوْزِ فِيْ سَائِرِ الصَّلَوَاتِ.

ترجمہ: (۶۶/۲۳۵) اور مکروہ ہے عورتوں کے لئے جماعت میں شریک ہونا۔ (۶۷/۲۳۶) اور کوئی حرج نہیں ہے اس میں کہ نکلے بوڑھی عورت، فجر، مغرب، عشاء، میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف وامام محمد نے فرمایا کہ جائز ہے بوڑھی عورت کا تمام نمازوں میں نکلنا۔

تشریح: خروج النساء إلى المساجد.

امام شافعی کے نزدیک عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے جانا جائز ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۷۳۹) اور عیدین میں بوڑھی عورتوں کا جانا مستحب ہے۔ (معارف السنن ج:۴، ص:۴۴۶)

امام احمد کے نزدیک عورتوں کا صرف عیدین میں جانا جائز ہے۔ (معارف ج:۴، ص:۴۴۶)

امام مالک کے نزدیک جوان عورتوں کا پنجگانہ نمازوں اور عیدین میں جانا جائز نہیں ہے لیکن بوڑھی عورتوں کے لئے جائز ہے۔ (معارف ج:۴، ص:۴۴۶)

صاحبین کے نزدیک بوڑھی عورتوں کے لئے پنجگانہ نمازوں میں شریک ہونا جائز ہے۔ (معارف ج:۴، ص:۴۴۷)

دلیل: حضرت ام عطیہ کی حدیث کے الفاظ ہیں "إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يُخْرِجُ الْاَبْكَارَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضَ فِي الْعِيْدَيْنِ" (معارف السنن ج:۴، ص:۴۴۷) "حضور ﷺ عیدین کے لئے نوعمر بوڑھی اور پردہ نشیں بلکہ حیض والی عورتوں تک کو نکلنے کا حکم فرماتے تھے" اس حدیث سے عورتوں کا عیدین میں شرکت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے: "إِذَا اسْتَأْذَنَتْ اِمْرَأَةُ اَحَدِكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعَنَّهَا" (بخاری ج:۱، ص:۱۲۰) اگر تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو اس کو ہرگز مت روکو، اس حدیث سے عورتوں کے مسجد میں جانیکا جواز معلوم ہوتا ہے۔

جواب جن احادیث سے عورتوں کے مسجد میں جانیکا جواز معلوم ہوتا ہے، وہ اس زمانے سے متعلق ہیں جبکہ عورتوں کو اس کی اجازت تھی، بعد میں فتنہ کے ڈر سے ان کو روک دیا گیا اور اس زمانہ میں تو فتنہ کا مزید اندیشہ ہے اس لئے متاخرین

نے عدم خروج پر اجماع کیا ہے۔

(فتح القدیر ج:۱،ص:۳۱۷، البحر الرائق، ج:۱،ص:۳۸۰، عمدۃ القاری ج:۳،ص:۱۶۶)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جوان عورتوں کے لئے نماز پنجگانہ کے لئے مسجد میں اور عیدین کے لئے عیدگاہ میں جانا جائز نہیں ہے، البتہ بوڑھی عورتوں کے لئے صرف فجر، مغرب، عشاء میں مسجد میں جانے کی اجازت ہے مگر ان کے لئے بھی افضل یہی ہے، کہ گھر میں نماز پڑھیں۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۴۶ تا ۴۴۷)

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے "وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ" (ابوداؤد ج:۱،ص:۸۴) ان کے لئے ان کے گھر ہی بہتر ہیں۔

حضرت عائشہؓ اپنے زمانہ کے بارے میں فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ان چیزوں کو دیکھ لیتے جو عورتوں نے نکالی ہیں تو ان کو بالضرور منع فرمادیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

(بخاری ج:۱،ص:۱۲۰، مسلم ج:۱،ص:۱۸۳)

معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے مسجد میں جانا فتنہ کا سبب بن سکتا ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔

(۶۸/۲۳۷) وَلَا يُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ وَلَاالطَّاهِرَاتُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ (۶۹/۲۳۸) وَلَا الْقَارِئُ خَلْفَ الْاُمِّيِّ وَلَا الْمُكْتَسِيْ خَلْفَ الْعُرْيَانِ.

ترجمہ: (۶۸/۲۳۷) اور نماز نہ پڑھے پاک مرد اس شخص کے پیچھے جس کو پیشاب ٹپکنے کا مرض ہو اور نہ پاک عورت مستحاضہ کے پیچھے۔ (۶۹/۲۳۸) اور نہ پڑھا ہوا ان پڑھ کے پیچھے اور نہ کپڑے پہننے والا ننگے کے پیچھے پڑھے۔

تشریح: مقتدی کے مقابلہ میں امام کا اعلیٰ ہونا یا کم از کم برابر ہونا ضروری ہے، اسی قاعدہ کی روشنی میں یہ چند مسائل بیان کئے گئے ہیں، کیوں کہ ان تمام مسائل میں امام کی نماز کا حال کمتر اور ادنیٰ ہے۔

(۷۰/۲۳۹) وَيَجُوْزُ اَنْ يَؤُمَّ الْمُتَيَمِّمُ الْمُتَوَضِّئِيْنَ وَالْمَاسِحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ الْغَاسِلِيْنَ.

ترجمہ: اور جائز ہے تیمم کرنے والے کے لئے وضو کرنے والوں کی امامت اور موزوں پر مسح کرنے والا دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔

اختلاف الائمہ

شیخین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔

امام محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

دلیل: تیمم طہارت ضروریہ ہے یعنی ضرورت کی بنیاد پر اس کو کافی سمجھا گیا ہے۔ اور طہارت بالماء طہارت اصلیہ

ہے لہٰذا جو شخص طہارت اصلیہ پر مشتمل ہے اس کا حال قوی ہے اس شخص کے مقابلے میں جو طہارت ضروریہ پر مشتمل ہے۔
(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۲۴۷)

شیخین کی دلیل وامام محمد کی دلیل کا جواب: حضورؐ کا فرمان ہے، پاک مٹی مسلمان کے لئے وضو کا کام دیتی ہے، اگر چہ دس برس تک پانی نہ ملے۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیمم وضو کے حکم میں ہے، اور طہارت مطلقہ ہے لہٰذا امام محمد کا تیمم کو طہارت ضروریہ قرار دینا درست نہیں ہے۔

(۷۱/۲۴۰) وَيُصَلِّي الْقَائِمُ خَلْفَ الْقَاعِدِ

ترجمہ: (۷۱/۲۴۰) اور کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

تشریح: اگر کوئی معذور مرض کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو صحیح وتندرست لوگوں کے لئے اس کے پیچھے اقتداء صحیح ہے یا نہیں، نیز اگر اقتداء کرے تو مقتدی کھڑے ہوکر اقتداء کرے یا بیٹھ کر، اس بارے میں تین مذہب ہیں:

اختلاف الائمہ

(۱) امام احمد کے نزدیک اگر امام معذور ہے تو اس کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھانا جائز ہے اور مقتدیوں کا بھی بیٹھ کر اقتداء کرنا لازم ہے، ورنہ اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۱۵)

دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے: "وَاِذَا صَلّٰى جَالِساً فَصَلُّوْا جُلُوْساً اَجْمَعُوْنَ" (ابوداؤد ج:۱،ص:۸۹) کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

نوٹ: مرض الوفات میں حضورؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور صحابہ کرام نے کھڑے ہوکر اقتداء کی اس واقعہ سے مذکورہ حدیث منسوخ ہے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۲۶)

دوسرا مذہب: امام مالک وامام محمد کے نزدیک معذور کے پیچھے تندرست شخص کے لئے اقتدا ہی صحیح نہیں ہے نہ کھڑے ہوکر نہ بیٹھ کر، لیکن اگر مقتدی بھی معذور ہوں اور کھڑے نہ ہو سکتے ہوں تو وہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۱۵)

دلیل: "لَايُؤمَّنَّ اَحَدٌ بَعْدِیْ جَالِساً" (معارف السنن ج:۳،ص:۴۱۵) میرے بعد ہرگز کوئی بیٹھ کر نماز نہ پڑھائے۔

نوٹ: اس حدیث کا مدار جابر جعفی پر ہے جو ضعیف ہے اس لئے روایت قابل استدلال نہیں بن سکتی۔ (درس ترمذی، ج:۲،ص:۱۳۲)

تیسرا مذہب: امام شافعی اور شیخین کا مذہب یہ ہے کہ امام معذور کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھانا درست ہے لیکن مقتدی (غیر معذور) کھڑے ہوکر ہی اقتداء کریں گے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۱۴)

دلیل: حضورؐ کے مرض وفات کا واقعہ ہے جس میں آپؐ نے بیٹھ کر امامت فرمائی جب کہ تمام صحابہ کرام نے کھڑے ہوکر اقتداء کی۔ (بخاری ج:۱،ص:۹۵)

(۲۴۱/۷۲) وَلَا يُصَلِّي الَّذِي يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ خَلْفَ الْمُوْمِيْ

ترجمہ: (۲۴۱/۷۲) اور رکوع سجدہ کرنے والا اقتداء نہ کرے اشارہ کرنے والے کے پیچھے۔

تشریح: رکوع اور سجدہ کرنیوالا اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا، کیوں کہ مقتدی کی حالت امام کی حالت سے اقویٰ ہے۔

(۲۴۲/۷۳) وَلَايُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ

ترجمہ: (۲۴۲/۷۳) اور نہ پڑھے فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے۔

اقتداء المفترض خلف المتنفل کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی کے نزدیک نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء جائز ہے۔
(بذل المجہود ج:۱،ص:۳۳۳ تا ۳۳۴، اوجز المسالک ج:۲،ص:۲۲)

دلیل: حضرت معاذ بن جبلؓ حضورؐ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر پھر اپنے قبیلہ کے لوگوں کو دوبارہ عشاء کی نماز پڑھایا کرتے تھے، حضرت معاذ نے جب ایک مرتبہ نماز پڑھ لی تو فرض ساقط ہوگیا اب وہی نماز اپنی قوم کو پڑھائی تو وہ نفل ہوگی، معلوم ہوا کہ صلاۃ المفترض خلف المتنفل جائز ہے۔ (بذل المجہود ج:۱،ص:۳۳۳، ۳۳۴)

(۲) حضرات حنفیہ، مالکیہ اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق متنفل کے پیچھے مفترض کا اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ (بذل المجہود ج:۱،ص:۳۳۴، اوجز المسالک ج:۲،ص:۲۲)

دلیل: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ میں نے نبیؐ سے سنا کہ ایک دن میں دو مرتبہ ایک ہی نماز کو مت پڑھو۔
(معارف السنن ج:۵،ص:۹۵)

نیز نماز فرض قوی ہوتی ہے نماز نفل کے مقابلہ میں اور ضعیف قوی کے تابع ہوا کرتا ہے، نہ کہ قوی ضعیف کے تابع لہٰذا صلوٰۃ نفل فرض نماز کے تابع ہوکر صحیح ہوسکتی ہے، لیکن اس کا برعکس نہیں ہوسکتا۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب: حضرت معاذؓ کی حدیث میں دو احتمال ہیں:

(۱) حضورؐ کے ساتھ بطور نفل کے شرکت کیا کرتے تھے، اور پھر قبیلہ میں جا کر بطور فرض کے پڑھاتے تھے۔

(۲) حضورؐ کے ساتھ بطور فرض شرکت کرتے تھے، اور قبیلہ میں جا کر بطور نفل پڑھاتے تھے، جب حدیث میں دونوں احتمال موجود ہیں تو بغیر دلیل شرعی کے کسی ایک کو ترجیح حاصل نہ ہوگی اور حدیث سے استدلال درست نہ ہوگا۔
(طحاوی ج:۱،ص:۲۷۳)

(۲۴۳/۷۴) وَلاَ مَنْ يُصَلِّيْ فَرْضاً خَلْفَ مَنْ يُصَلِّيْ فَرْضاً آخَرَ (۲۴۴/۷۵) وَيُصَلِّي الْمُتَنَفِّلُ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ.

ترجمه: (۲۴۳/۷۴) اور ایک فرض پڑھنے والا دوسرے فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ (۲۴۴/۷۵) اور نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

تشریح: اقتداء کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ امام ومقتدی دونوں کی نماز ایک ہو اور یہاں اتحاد مفقود ہے، لہٰذا اقتداء بے فائدہ ہے۔

(۲۴۵/۷۶) وَمَنِ اقْتَدَىٰ بِاِمَامٍ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ اَعَادَ الصَّلٰوةَ

ترجمه: (۲۴۵/۷۶) اور جس نے کسی امام کی اقتداء کی پھر معلوم ہوا کہ امام محدث ہے تو یہ شخص اپنی نماز کا اعادہ کرے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے امام کی اقتداء کی پھر مقتدی کو معلوم ہوا کہ اس کا امام محدث ہے تو یہ شخص اپنی نماز کا اعادہ کرے اور اگر اقتداء کرنے سے پہلے امام کا محدث ہونا معلوم ہوگیا تو بالاتفاق اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲۴۶/۷۷) وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّيْ اَنْ يَّعْبَثَ بِثَوْبِهٖ اَوْ بِجَسَدِهٖ

ترجمه: (۲۴۶/۷۷) اور مکروہ ہے نماز پڑھنے والے کے لئے کہ اپنے کپڑے سے یا اپنے جسم سے کھیلے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کا اپنے کپڑے یا بدن سے کھیلنا مکروہ ہے کیوں کہ حضور ؐ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزیں مکروہ کی ہیں: ۱ نماز کے اندر کھیلنا، ۲ روزہ کی حالت میں گندی بات کرنا، ۳ قبرستان میں قہقہہ لگانا۔

عبث کی تعریف: وہ فعل ہے جس میں غرض تو ہو مگر شرعی نہ ہو۔

(۲۴۷/۷۸) وَلاَ يُقَلِّبُ الْحَصٰى اِلاَّ اَنْ لاَّيُمْكِنَهُ السُّجُوْدُ عَلَيْهِ فَيُسَوِّيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً (۲۴۸/۷۹) وَلاَ يُفَرْقِعُ اَصَابِعَهٗ (۲۴۹/۸۰) وَلاَ يُشَبِّكُ (۲۵۰/۸۱) وَلاَ يَتَخَصَّرُ (۲۵۱/۸۲) وَلاَ يَسْدُلُ ثَوْبَهٗ (۲۵۲/۸۳) وَلاَ يَكُفُّهٗ (۲۵۳/۸۴) وَلاَ يَعْقِصُ شَعْرَهٗ (۲۵۴/۸۵) وَلاَ يَلْتَفِتُ يَمِيْناً وَشِمَالاً (۲۵۵/۸۶) وَلاَ يُقْعِيْ كَاِقْعَاءِ الْكَلْبِ.

ترجمه: (۲۴۷/۷۸) اور کنکریاں الٹ پلٹ نہ کرے مگر یہ کہ اس کو سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک مرتبہ اس کو برابر کردے۔ (۲۴۸/۷۹) اور نہ چٹخائے اپنی انگلیاں۔ (۲۴۹/۸۰) اور نہ ایک دوسرے میں داخل کرے۔ (۲۵۰/۸۱) اور نہ کوکھ پر ہاتھ رکھے۔ (۲۵۱/۸۲) اور نہ اپنے کپڑے کو لٹکائے۔ (۲۵۲/۸۳) اور نہ اس کو سمیٹے۔ (۲۵۳/۸۴) اور نہ

اپنے بال گوندھے۔(۸۵/۲۵۴)اور نہ دائیں بائیں دیکھے۔(۸۶/۲۵۵)اور نہ کتے کی طرح بیٹھے۔

تشریح: اس عبارت میں مکروہات نماز کو بیان کر رہے ہیں: ۱ اگر کنکریوں کی وجہ سے سجدہ نہ کر سکے تو ایک دو مرتبہ ہاتھ سے برابر کرنا اور ہٹانا درست ہے، ۲ نماز میں انگلیاں چٹخانا اور کولھے پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے ۳ نماز میں کپڑے کا خلاف دستور پہننا بھی مکروہ ہے۔

سدل سے مراد یہ ہے کہ اپنا کپڑا اپنے سر یا کندھوں پر ڈال کر اس کے کنارے اپنے چاروں طرف لٹکے چھوڑ دے۔(نیل الاوطار ج:۲،ص:۷۸)

کف ثوب سے مراد یہ ہے کہ نماز میں ادھر ادھر سے اپنے کپڑے کو سمیٹنا اور سنبھالنا کہ مٹی سے گندے نہ ہونے پائیں، مکروہ ہے۔

عقص شعر سے مراد: یہ ہے کہ بالوں کو پیشانی پر جمع کر کے دھاگے سے باندھے یا کسی لیسدار چیز یا گوند سے چپکادے، اس طرح بالوں کا جوڑا بنا کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے، ایسے ہی نماز کی حالت میں گردن موڑ کر ادھر ادھر دیکھنا بھی مکروہ تحریمی ہے اور اگر بغیر گردن پھیرے اپنی نظر کے گوشہ سے دائیں بائیں دیکھا تو مکروہ نہیں ہے، نیز نماز میں اپنی دونوں رانوں کو کھڑا کر کے اور اپنے دونوں گھٹنوں کو سینہ سے ملا کر اپنی سرین پر بیٹھنا جیسے کتا بیٹھتا ہے یہ بھی مکروہ ہے۔

(۸۷/۲۵۶) وَلَا يَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِهٖ وَلَا بِيَدِهٖ (۸۸/۲۵۷) وَلَا يَتَرَبَّعُ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ (۸۹/۲۵۸) وَلَا يَاكُلُ وَلَا يَشْرَبُ.

ترجمہ: (۸۷/۲۵۶)اور سلام کا جواب نہ دے اپنی زبان اور نہ اپنے ہاتھ سے۔(۸۸/۲۵۷) اور چارزانو نہ بیٹھے مگر عذر کی وجہ سے۔(۸۹/۲۵۸)اور نہ کھائے اور نہ پئے۔

تشریح: (۱) نماز میں زبان سے سلام کا جواب دینا مفسد صلوٰۃ ہے کیونکہ یہ کلام ہے اور کلام نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

مسئلہ ۲: نماز کے درمیان سلام اور دیگر امور کے لئے اشارہ کرنا ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک نماز میں کراہت پیدا کرتا ہے۔

مسئلہ ۳: نماز کی حالت میں بلا عذر چارزانو بیٹھنا مکروہ ہے، ۴ نماز میں کوئی چیز کھالی یا پی لی تو نماز فاسد ہوگئی حتی کہ اگر ایک تل اٹھا کر کھالے تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی اگر کوئی چیز دانتوں میں اٹکی ہوئی تھی اس کو نگل گیا اگر چنے سے کم ہو تو نماز ہوگئی اور اگر چنے کے برابر یا زیادہ ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۹۰/۲۵۹) فَاِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ اِنْصَرَفَ وَتَوَضَّاَ وَبَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ اِنْ لَمْ يَكُنْ اِمَامًا (۹۱/۲۶۰) فَاِنْ كَانَ اِمَامًا اِسْتَخْلَفَ وَتَوَضَّاَ وَبَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ مَالَمْ يَتَكَلَّمْ وَالْاِسْتِيْنَافُ اَفْضَلُ.

ترجمہ: (۹۰/۲۵۹) اگر نماز میں کسی کو حدث پیش آجائے تو لوٹ جائے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے اگر امام نہیں ہے۔ (۹۱/۲۶۰) اور اگر یہ امام ہو تو اپنا نائب بنادے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے جب تک کہ اس نے بات چیت نہ کی ہو اور از سر نو نماز پڑھنا افضل ہے۔

تشریح: اگر مقتدی کو حدث ہو جائے تو اس کو فوراً وضو کر لینا چاہئے وضو کے بعد اگر جماعت باقی ہو تو جماعت میں شریک ہو جائے ورنہ اپنی نماز پوری کر لے، بہتر یہ ہے کہ بناء نہ کرے بلکہ وہ نماز سلام کے ساتھ ختم کرے، پھر از سر نو نماز پڑھے اور اگر امام کو حدث لاحق ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ فوراً وضو کرنے چلا جائے، اگر تین تسبیح کے بقدر رکا رہے تو بناء جائز نہیں ہے اور اپنے مقتدیوں میں جس کو امامت کے لائق سمجھتا ہو اس کو اپنی جگہ کھڑا کر دے، پھر جب وضو کر چکے تو اگر جماعت باقی ہو تو جماعت میں آکر اپنے خلیفہ کا مقتدی بن جائے اور اگر جماعت ہو چکی ہو تو اپنی نماز پوری کرے خواہ جہاں وضو کیا ہے وہیں یا جہاں پہلے تھا وہاں پر۔

(۹۲/۲۶۱) وَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ جُنَّ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوْ قَهْقَهَ إِسْتَأْنَفَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۹۲/۲۶۱) اگر سو گیا اور احتلام ہو گیا یا دیوانہ ہو گیا یا بے ہوش ہو گیا یا کھلکھلا کر ہنسا تو دوبارہ وضو کرے اور نماز پڑھے۔

تشریح: اگر نمازی نماز کی حالت میں سو گیا اور احتلام ہو گیا یا مجنون ہو گیا یا اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی تو وہ از سر نو وضو بھی کرے اور نماز بھی پڑھے۔

دلیل: نماز میں ان عوارض کا پایا جانا بہت کم ہے لہٰذا یہ عوارض ان عوارض کے معنی میں نہ ہوں گے، جن کے ساتھ نص وارد ہوئی ہے، اور حدث نادر الوجود میں بناء جائز نہیں ہے، ایسے ہی اگر کسی نے قہقہہ لگایا تو یہ بمنزلہ کلام ہے اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۹۳/۲۶۲) وَإِنْ تَكَلَّمَ فِي صَلَاتِهٖ عَامِدًا أَوْ سَاهِيًا بَطَلَتْ صَلَاتُهٗ

ترجمہ: (۹۳/۲۶۲) اور اگر بات کر لی اپنی نماز میں جان بوجھ کر یا بھول کر تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

نماز میں کلام کی شرعی حیثیت

امام شافعی کے نزدیک اگر کلام بھول کر ہو یا حکم سے ناواقفیت کی بنا پر ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، بشرطیکہ کلام طویل نہ ہو۔ (معارف السنن ج:۳، ص:۵۰۵)

امام مالک کے نزدیک اصلاح صلوٰۃ کے لئے امام کا مقتدی سے اور مقتدی کا امام سے درمیان نماز کے گفتگو کرنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۳، ص:۵۰۶)

امام احمد سے چار روایتیں منقول ہیں: تین روایات ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق ہیں اور چوتھی روایت یہ ہے کہ اگر نمازی نے یہ سمجھتے ہوئے گفتگو کی کہ میری نماز ابھی پوری نہیں ہوئی ہے، تو یہ کلام مفسد صلوٰۃ ہوگا اور اگر یہ سمجھتے ہوئے گفتگو کی کہ میری نماز پوری ہو چکی ہے تو پھر اس کلام سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۰۶تا۵۰۸)

دلیل: حدیث ذوالیدین ہے جس میں اس کی تصریح ہے کہ نبی کریمؐ نے ایک مرتبہ ظہر کی نماز میں بھول سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو حضرت ذوالیدین ؓ نے آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے بالقصد نماز مختصر کی ہے یا آپ بھول گئے؟ پھر حضورؐ نے دو رکعت اور پڑھا کر چار رکعتیں پوری کر دیں۔ (ترمذی ج:۱،ص:۹۱)

اس واقعہ میں حضرت ذوالیدین کی یاددہانی اور آپ کا تصدیق کرنا یہ سب نماز کے درمیان میں ہوا لیکن نماز فاسد نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ نماز میں بات چیت کرنے کی گنجائش ہے۔

جواب حدیث ذوالیدین منسوخ ہو چکی ہے اور اس کے لئے وہ تمام احادیث ناسخ ہیں جن میں کلام فی الصلوٰۃ سے روکا گیا ہے، اس لئے یہ واقعہ آپ کا مستدل نہیں بن سکتا۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۴۲)

حنفیہ کے نزدیک نماز کے درمیان میں کلام کرنا جائز نہیں ہے، چاہے اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو، یا سہو وغیرہ کیوجہ سے کسی بھی طرح کا کلام کرنا ہر حال میں ناجائز اور مفسد صلوٰۃ ہے۔ (معارف ج:۳،ص:۵۰۵، اوجز ج:۱،ص:۲۹۵)

دلیل: حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث ہے کہ ہم نماز میں گفتگو کرلیا کرتے تھے، آدمی اپنے ساتھی سے جو کہ نماز میں اس کے برابر میں ہوتا تھا گفتگو کرلیا کرتا تھا، یہاں تک کہ آیت "وقوموا للّٰہ قانتین" نازل ہوگئی چنانچہ ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور گفتگو کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۰۹)

یہ حدیث پاک صراحتاً دلالت کر رہی ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ منسوخ ہو چکا ہے۔

(۲۶۳/۹۴) وَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ مَاقَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ

ترجمہ: (۲۶۳/۹۴) اور اگر نمازی کو حدث پیش آ جائے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد تو وضو کر کے سلام پھیرے

تشریح: کسی نمازی کو تشہد کے بعد حدث ہوا تو حکم یہ ہے کہ وہ وضو کرے اور پھر سلام پھیرے، کیونکہ سلام پھیرنا واجب ہے اور وہ ابھی باقی ہے، اس لئے وضو کرنا ضروری ہوا تا کہ وجوب سلام ادا کرے۔

(۲۶۴/۹۵) وَإِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ عَمِلَ عَمَلاً يُنَافِي الصَّلٰوةَ تَمَّتْ صَلَاتُهُ

ترجمہ: (۲۶۴/۹۵) اور اگر کسی نے جان بوجھ کر حدث کیا اس حالت میں یا بات کی یا کوئی ایسا عمل کیا جو نماز کے مخالف ہے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔

تشریح: اگر تشہد کے بعد نمازی نے جان بوجھ کر حدث کر دیا یا عمداً گفتگو کرلی یا کوئی ایسا کام کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز پوری ہوگئی لیکن سلام پھیرنا واجب ہے اس لئے ترک واجب کی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔

(۹۶/۲۶۵) وَاِنْ رَأَى الْمُتَيَمِّمُ الْمَاءَ فِيْ صَلَاتِهٖ بَطَلَتْ صَلَاتُهٗ

ترجمہ: (۹۶/۲۶۵) اوراگرتیمم کرنے والے نے اپنی نماز میں پانی دیکھا تواس کی نماز باطل ہوگئی۔
تشریح: یہ مسئلہ باب التیمم میں گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

(۹۷/۲۶۶) وَاِنْ رَاٰهُ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ (۹۸/۲۶۷) اَوْكَانَ مَاسِحاً فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مَسْحِهٖ (۹۹/۲۶۸) اَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ قَلِيْلٍ (۱۰۰/۲۶۹) اَوْ كَانَ اُمِّيًّا فَتَعَلَّمَ سُوْرَةً (۱۰۱/۲۷۰) اَوْ عُرْيَاناً فَوَجَدَ ثَوْباً (۱۰۲/۲۷۱) اَوْ مُوْمِياً فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ (۱۰۳/۲۷۲) اَوْ تَذَكَّرَ اَنَّ عَلَيْهِ صَلَاةً قَبْلَ هٰذِهٖ (۱۰۴/۲۷۳) اَوْ اَحْدَثَ الْاِمَامُ الْقَارِئُ فَاسْتَخْلَفَ اُمِّيًّا (۱۰۵/۲۷۴) اَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ (۱۰۶/۲۷۵) اَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ (۱۰۷/۲۷۶) اَوْ كَانَ مَاسِحاً عَلَى الْجَبِيْرَةِ فَسَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ (۱۰۸/۲۷۷) اَوْ كَانَتْ مُسْتَحَاضَةً فَبَرِأَتْ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ فِي قَوْلِ اَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ تَمَّتْ صَلَاتُهُمْ فِي هٰذِهِ الْمَسَائِلِ.

ترجمہ: (۹۷/۲۶۶) اوراگرمتیمم بقدرتشہد بیٹھنے کے بعد پانی دیکھ لے۔(۹۸/۲۶۷) یا مسح کرنے والا تھا پس اس کے مسح کی مدت گزرگئی۔(۹۹/۲۶۸) یااپنے دونوں موزے نکال دیئے تھوڑے عمل سے۔(۱۰۰/۲۶۹) یا ان پڑھ تھا، پس اس نے کوئی سورت سیکھ لی۔(۱۰۱/۲۷۰) یا ننگا تھاپس اس نے کپڑا پایا۔(۱۰۲/۲۷۱) یااشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنے والا تھا پھر رکوع اور سجدے پر قادر ہوگیا۔(۱۰۳/۲۷۲) یایاد آ گیا کہ اس کے ذمہ اس سے پہلی نماز ہے۔(۱۰۴/۲۷۳) یاامام قاری کوحدث ہوااوراس نے اَن پڑھ کوخلیفہ بنادیا۔(۱۰۵/۲۷۴) یا سورج نکل گیا فجر کی نماز میں۔(۱۰۶/۲۷۵) یاعصر کا وقت داخل ہوگیا نماز جمعہ میں۔(۱۰۷/۲۷۶) یا وہ جبیرہ پر مسح کرنیوالا تھا، پس زخم اچھا ہوکر پٹی گر پڑی۔(۱۰۸/۲۷۷) یا کوئی عورت مستحاضہ تھی پس وہ اچھی ہوگئی تو ان سب کی نماز باطل ہوگئی امام ابوحنیفہ کےقول کے مطابق صاحبین نے فرمایا کہ ان کی نماز پوری ہوگئی ان تمام مسائل میں۔

تشریح: اس عبارت میں ان بارہ مسائل کا بیان ہے جوتشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پیش آئیں: ۱۔ تیمم کرنے والے نمازی نے بقدرتشہد بیٹھنے کے بعد اتنا پانی دیکھ لیا جو وضو کے لئے کافی ہے، ۲۔ موزوں پر مسح کی مدت پوری ہوگئی ۳۔ عمل قلیل سے موزے نکال دیئے اور عمل قلیل یہ ہے کہ موزے اتنے ڈھیلے تھے کہ ہاتھوں کی ضرورت نہ پڑی صرف پاؤں کے اشارہ سے کوئی موزہ نکل گیا، ۴۔ نمازی ان پڑھ تھا اس نے کوئی سورت سیکھ لی یعنی قرآن بھولا ہوا تھا لیکن مقدارتشہد کے بعد یاد آ گیا، ۵۔ ننگے نے اتنا کپڑا پالیا جس سے ستر چھپ سکے، ۶۔ اشارہ سے نماز پڑھنے والا رکوع وسجدے پر قادر ہوگیا، ۷۔ صاحب ترتیب کوقضا نماز یاد آ گئی، ۸۔ امام قاری نے کسی امی کوخلیفہ بنادیا، ۹۔ نماز فجر میں سورج نکل گیا، ۱۰۔ نماز جمعہ میں وقت عصر داخل ہوگیا، (۱۱) زخم اچھا ہونے پر پٹی گر پڑی، (۱۲) مستحاضہ یا سلس البول کا

مریض ہے ان کا عذر ختم ہو گیا۔

ان بارہ مسائل میں امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہو گئی اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہو گئی۔

اختلاف کی بنیاد: امام اعظم کے نزدیک نماز سے باہر ہونا نمازی کے اختیاری فعل سے فرض ہے، اس لئے قعدۂ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہی ہے جیسے درمیان نماز میں پیش آنا اس لئے نماز باطل ہو جائے گی، صاحبین کے نزدیک قعدۂ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہے، جیسے سلام پھیرنے کے بعد پیش آنا اس لئے نماز فاسد نہ ہو گی، احتیاط امام اعظم کے قول میں ہے۔ (شامی ج:۱، ص:۵٦۸)

باب قضاء الفوائت

ترجمہ: (یہ) باب فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنے (کے بیان) میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: گذشتہ باب میں اداء نماز کا بیان فرمایا ہے اس باب میں قضاء کے احکام ذکر کریں گے، چونکہ اداء اصل اور قضاء اس کا خلیفہ ہے اس لئے اداء کو قضاء پر مقدم کیا گیا ہے۔

(۲۷۸/۱) وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ قَضَاهَا اِذَا ذَكَرَهَا (۲۷۹/۲) وَقَدَّمَهَا عَلٰى صَلٰوةِ الْوَقْتِ اِلَّا اَنْ يَّخَافَ فَوْتَ صَلٰوةِ الْوَقْتِ فَيُقَدِّمُ صَلٰوةَ الْوَقْتِ عَلَى الْفَائِتَةِ ثُمَّ يَقْضِيْهَا.

ترجمہ: (۲۷۸/۱) اور جس شخص کی نماز فوت ہو گئی تو اسے پڑھ لے جب یاد آئے۔ (۲۷۹/۲) اور اسے وقتیہ نماز پر مقدم کرے، مگر یہ کہ ڈر ہو وقتیہ نماز کے فوت ہو جانے کا تو وقتیہ کو فوت شدہ پر مقدم کرے، پھر فوت شدہ کو پڑھے۔

تشریح: اگر کوئی شخص سو جائے اور نماز کا وقت نکل جائے یا نماز کو بھول جائے اور نماز کا وقت فوت ہو جائے تو ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک جس وقت بھی یاد آ جائے اس وقت علی الفور پڑھنا ضروری ہے، آئندہ کسی نماز کے وقت آنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا، نیز ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر اوقات ممنوعہ (جن کا بیان اگلے باب میں آ رہا ہے) میں یاد آ جائے تو اوقات ممنوعہ میں پڑھنا ہو گا، اور حضرات حنفیہ کے نزدیک اوقات ممنوعہ میں نہیں پڑھے گا بلکہ اوقات مشروعہ کا انتظار کرنا ضروری ہے۔

پھر امام قدوری فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کی ایک ہی نماز قضاء ہوئی اس سے پہلے اس کی کوئی نماز قضاء نہیں ہوئی یا اس سے پہلے نمازیں تو قضاء ہوئیں لیکن سب کی قضا پڑھ چکا ہے، فقط اسی ایک نماز کی قضاء پڑھنا باقی ہے تو پہلے اس کی قضاء پڑھ لے اس کے بعد ادا نماز پڑھے، ہاں اگر قضاء پڑھنا یاد نہیں رہا بالکل بھول گیا یا وقت بہت تنگ ہو گیا کہ اگر پہلے قضاء پڑھے گا، تو ادا نماز کا وقت باقی نہ رہے گا تو پہلے ادا پڑھ لے پھر قضاء پڑھے۔

(۳/۲۸۰) وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ رَتَّبَهَا فِي الْقَضَاءِ كَمَا وَجَبَتْ فِي الْأَصْلِ إِلَّا أَنْ تَزِيْدَ الْفَوَائِتُ عَلَى خَمْسِ صَلَوَاتٍ فَيَسْقُطُ التَّرْتِيْبُ فِيْهَا.

ترجمہ: (۳/۲۸۰) اور جس کی فوت ہو جائیں چند نمازیں تو قضاء میں ان کو ترتیب وار پڑھے جیسے اصل میں واجب ہوئیں، مگر یہ کہ فوت شدہ نمازیں پانچ نمازوں سے زائد ہوں تو ان میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

تشریح: ترتیب جس طرح وقتیہ اور فائتہ کے درمیان فرض ہے، اسی طرح خود فوائت کے درمیان بھی فرض ہے، چنانچہ اگر چند نمازیں فوت ہو جائیں تو ان کی قضاء اسی ترتیب کے ساتھ کرے جس ترتیب کے ساتھ ادا واجب ہوئی تھی، ہاں اگر فوائت کی تعداد بڑھ کر چھ ہو گئیں تو ان کے درمیان ترتیب ساقط ہو جائے گی۔

بَابُ الْأَوْقَاتِ الَّتِيْ تُكْرَهُ فِيْهَا الصَّلٰوةُ

ترجمہ: (یہ) باب ان اوقات کے بیان میں ہے جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

ماقبل سے مناسبت: فوات عوارض میں سے ہے اور کراہت بھی عوارض میں سے ہے اس معنی کے اعتبار سے کراہت فوات کے مشابہ ہے اس لئے امام قدوری نے باب قضاء الفوائت کے بعد اس باب کو بیان فرمایا ہے۔

(۱/۲۸۱) لَايَجُوْزُ الصَّلَاةُ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَاعِنْدَ غُرُوْبِهَا اِلَّا عَصْرَ يَوْمِهٖ وَلَا عِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظَّهِيْرَةِ (۲/۲۸۲) وَلَا يُصَلِّيْ عَلٰى جَنَازَةٍ (۳/۲۸۳) وَلَا يَسْجُدُ لِلتِّلَاوَةِ

ترجمہ: (۱/۲۸۱) نہیں جائز ہے نماز سورج نکلنے کے وقت اور نہ اس کے غروب کے وقت مگر اسی دن کی عصر اور نہ دوپہر میں سورج کے سیدھا کھڑا ہونے کے وقت۔ (۲/۲۸۲) اور نہ پڑھے نماز جنازہ۔ (۳/۲۸۳) اور نہ کرے سجدہ تلاوت۔

تشریح: سورج نکلتے وقت اور ٹھیک دوپہر کو اور سورج ڈوبتے وقت کوئی نماز صحیح نہیں ہے، البتہ عصر کی نماز اگر ابھی نہ پڑھی ہو تو وہ سورج ڈوبتے وقت بھی پڑھ لینے سے کراہت تحریمی کے ساتھ درست ہو جائے گی اور ان تینوں وقتوں میں سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ بھی مکروہ وممنوع ہے، لیکن اگر جنازہ اسی وقت تیار ہوا ہے یا تلاوت کرتے کرتے سجدہ والی آیت پر انھیں اوقات ممنوعہ میں پہنچا ہے تو پھر کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(۴/۲۸۴) وَيُكْرَهُ اَنْ يَّتَنَفَّلَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ (۵/۲۸۵) وَلَا بَأْسَ بِاَنْ يُّصَلِّيَ فِيْ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الْفَوَائِتَ.

ترجمہ: (۴/۲۸۴) اور مکروہ ہے نفل پڑھنا فجر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج نکل جائے اور عصر کی نماز

کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ (۲۸۵/۵) اور کوئی حرج نہیں ہے اس بات میں یہ کہ پڑھے ان دونوں وقتوں میں قضاء نمازیں۔

تشریح: فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد جب تک سورج نکل کر اونچا نہ ہو جائے نفل نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ سورج نکلنے سے پہلے قضا نماز پڑھنا درست ہے اور سجدہ تلاوت بھی درست ہے، ایسے ہی عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ قضاء نماز اور سجدہ کی آیت کا سجدہ ادا کرنا درست ہے، امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک عصر کے بعد سنت مؤکدہ کی قضاء جائز ہے۔

(۲۸۶/۶) وَيُكْرَهُ اَنْ يَّتَنَفَّلَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِاَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

ترجمہ: (۲۸۶/۶) اور مکروہ ہے نفل پڑھنا صبح صادق کے بعد سنت فجر سے زیادہ۔

تشریح: جب صبح ہو جائے اور فجر کا وقت آ جائے تو دو رکعت سنت اور دو رکعت فرض کے سوا اور کوئی نفل نماز پڑھنا درست نہیں یعنی مکروہ تحریمی ہے البتہ قضاء نمازیں پڑھنا اور سجدہ کی آیت پر سجدہ کرنا درست ہے، امام شافعی کے نزدیک طلوع فجر کے بعد فرض فجر پڑھنے سے پہلے پہلے نفلیں پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

(۲۸۷/۷) وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبْلَ الْمَغْرِب

ترجمہ: (۲۸۷/۷) اور نہ نفل پڑھے مغرب سے پہلے۔

تشریح: حنفیہ کے یہاں اس میں دو قول ہیں: ۱۔ صاحب درمختار وغیرہ نے تو کراہت کا قول اختیار کیا ہے اور بذل المجہود میں حضرت سہارنپوری کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (بذل المجہود ج:۲، ص:۲۷۰)

۲۔ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر ج:۱، ص:۳۸۹ میں اباحت کو ترجیح دی ہے، حضرت گنگوہی کی رائے بھی یہی ہے بشرطیکہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔ (کوکب الدری ج:۸، ص:۱۰۳۰)

بَابُ النَّوَافِلِ

ترجمہ: (یہ) باب نفل نمازوں (کے بیان) میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: سابق میں فرائض اور واجبات کا بیان تھا اس باب میں سنن ونوافل کا بیان ہے۔

لغوی تعریف: نوافل نافلۃ کی جمع ہے معنی زیادتی۔

اصطلاحی تعریف: نفل اس عبادت کا نام ہے جو فرائض اور واجبات پر زائد ہو اور اس کے کرنے پر ثواب ہو اور چھوڑنے پر کوئی عذاب نہ ہو چونکہ نوافل سنن کو بھی شامل ہے اس وجہ سے باب کے عنوان میں صرف نوافل کا ذکر کیا ہے اور سنن کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۲۸۸/۱) اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلٰوةِ اَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ (۲۸۹/۲) وَاَرْبَعاً قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا (۲۹۰/۳) وَاَرْبَعاً قَبْلَ الْعَصْرِ وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ (۲۹۱/۴) وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ (۲۹۲/۵) وَاَرْبَعاً قَبْلَ الْعِشَاءِ وَاَرْبَعاً بَعْدَهَا وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ: (۲۸۸/۱) سنت نمازیں یہ ہیں کہ پڑھے دو رکعت صبح صادق کے بعد۔ (۲۸۹/۲) اور چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں اس کے بعد۔ (۲۹۰/۳) اور چار رکعتیں عصر سے پہلے اور اگر چاہے دو رکعتیں پڑھے۔ (۲۹۱/۴) اور دو رکعتیں مغرب کے بعد۔ (۲۹۲/۵) اور چار رکعتیں عشاء سے پہلے اور چار اس کے بعد اور اگر چاہے دو رکعتیں پڑھے۔

تشریح: دن رات میں بارہ رکعات سنت مؤکدہ ہیں:

نماز فجر سے پہلے دو رکعت ظہر سے پہلے چار رکعت، اور ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت ان کے علاوہ سب سنت غیر مؤکدہ ہیں، فرض فجر سے پہلے دو رکعت پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

ائمہ ثلاثہ اور اکثر احناف کے نزدیک واجب نہیں ہے بلکہ سنت مؤکدہ ہے اور اسی پر حنفیہ کا فتویٰ بھی ہے، مذکورہ بارہ رکعات کے سنت مؤکدہ ہونے میں اصل یہ حدیث ہے: حضورؐ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے بارہ رکعات مسنونہ پر ہیشگی کی اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ (ترمذی ج:۱،ص:۹۴، ابن ماجہ ج:۱،ص:۸۰)

(۲۹۳/۶) وَنَوَافِلُ النَّهَارِ اِنْ شَاءَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ وَاِنْ شَاءَ اَرْبَعاً وَيُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلٰى ذٰلِكَ (۲۹۴/۷) فَاَمَّا نَوَافِلُ اللَّيْلِ فَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ اِنْ صَلّٰى ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ جَازَ وَيُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلٰى ذٰلِكَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَزِيْدُ بِاللَّيْلِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: (۲۹۳/۶) اور دن کی نفلیں اگر چاہے دو رکعت پڑھے ایک سلام کے ساتھ اور اگر چاہے چار رکعتیں پڑھے اور مکروہ ہے زیادتی اس پر۔ (۲۹۴/۷) رہ گئیں رات کی نفلیں تو ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اگر آٹھ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے اور اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے، اور صاحبین نے کہا کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پر زیادتی نہ کرے۔

تشریح: دن میں ایک تحریمہ سے کتنی رکعتیں سنت، نفل پڑھنا مشروع ہے، اسی طرح رات میں ایک تحریمہ سے کتنی رکعت مشروع ہے، اس بارے میں چار مذاہب ہیں:

اختلاف الائمہ

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دن رات دونوں میں ایک تحریمہ سے دو سے زائد سنن و نوافل مشروع نہیں ہے۔
(معارف السنن ج:۴،ص:۱۱۷)

(۲) ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دن کے نوافل وسنن ایک تحریمہ سے چار چار رکعت پڑھنا بھی جائز ہے بلکہ چار چار رکعت زیادہ افضل ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۱۱۷)

(۳) امام ابوحنیفہ کے نزدیک رات کی نوافل ایک تحریمہ سے دو دو چار چار چھ چھ آٹھ آٹھ رکعتیں پڑھنا مشروع ہے اور اس سے زیادہ مکروہ ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۱۱۷)

(۴) صاحبین کے نزدیک رات کی نفلیں ایک تحریمہ سے دو سے زائد مشروع نہیں ہیں۔

(معارف السنن ج:۴،ص:۱۱۷، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۱۳)

مذہب اول کی دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے: "صَلٰوةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى" (طحاوی ج:۱،ص:۱۳۲، ابوداؤد ج:۱،ص:۱۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو دو رکعت ہی افضل ہے۔

جواب مذکورہ حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور آپ کا عمل روایت کے خلاف ہے کیونکہ آپ رات میں دو دو رکعت اور دن میں چار چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کرتا ہے تو روایت قابل اعتبار نہیں ہوا کرتی۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۳۳)

مذہب ثانی کی دلیل: حضرت ابوایوبؓ کی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں: "اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ اَبْوَابُ السَّمَاءِ" (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۸۰، باب الاربع قبل الظهر وبعدها) یعنی ظہر سے پہلے جو چار سنتیں ہیں وہ ایک سلام سے ہونی چاہئیں اس نماز کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

مذہب ثالث کی دلیل: حضورؐ رات میں گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے ان میں سے تین رکعات وتر کی ہوتی تھیں اور بقیہ آٹھ رکعت نفل۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کے علاوہ آٹھ رکعت ایک ہی تحریمہ سے ہوا کرتی تھیں۔

جواب حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ ان میں سے ہر دو رکعت کے درمیان سلام پھیرا کرتے تھے، حضرات صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال میں سے کسی سے ایک تحریمہ سے دو رکعت سے زائد پڑھنا ثابت نہیں ہے، لہٰذا رات کی نماز دو دو رکعت سے زائد مشروع نہ ہوگی۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۳۳، ابوداؤد ج:۱،ص:۱۸۹)

دلیل کے اعتبار سے صاحبین کا مذہب راجح ہے اور متاخرین کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ (درس ترمذی، ج:۲،ص:۱۹۹)

مذہب رابع کی دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے: "صلوة الليل مثنى مثنى" (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۸۷) یہ روایت صریح ہے کہ رات میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے اور جس روایت میں لفظ نہار کی زیادتی ہے وہ ضعیف ہے۔ (در منضود ج:۲،ص:۵۳۵)

(۸/۲۹۵) وَالْقِرَاءَةُ فِي الْفَرَائِضِ وَاجِبَةٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ وَهُوَ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ وَإِنْ شَاءَ سَكَتَ وَإِنْ شَاءَ سَبَّحَ (۹/۲۹۶) وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي جَمِيْعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ وَجَمِيْعِ الْوِتْرِ.

ترجمہ: (۸/۲۹۵) اور قرأت فرض ہے فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور اختیار ہے آخری دو میں اگر دل چاہے سورۂ فاتحہ پڑھے اور جی چاہے خاموش رہے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے۔ (۹/۲۹۶) اور نفل کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں۔

تشریح: ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک نماز میں قرأت کرنا رکن اور فرض ہے پھر آگے تفصیل ہے امام شافعی واحمد کے نزدیک تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے، امام مالک کے نزدیک تین رکعات میں فرض ہے، اور حنفیہ کے نزدیک شروع کی صرف دو رکعات میں قرأت فرض ہے۔

(التعلیقات علی تنظیم الاشتات ج:۱ص:۵۱۰، معارف السنن ج:۳ص:۱۴۷)

صاحب قدوری نے کہا کہ آخری دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے سورۂ فاتحہ کی قرأت کرے یا تین تسبیحات کی مقدار خاموش کھڑا رہے یا تین تسبیح پڑھے مگر اخیرین میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کرنا افضل ہے، جیسا کہ معارف السنن میں ج:۳ص:۱۴۷ پر لکھا ہے۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ قرأت نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں واجب ہے کیونکہ نفل کی ہر دو رکعت الگ نماز ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت اس لئے واجب ہے کہ نماز میں قرأت رکن اصلی ہے اور وتر کا وجوب حدیث سے ثابت ہوا ہے، چنانچہ وتر کے نفل ہونے کا احتمال پیدا ہوگیا اس لئے احتیاطاً وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب کی گئی۔

(۱۰/۲۹۷) وَمَنْ دَخَلَ فِي صَلٰوةِ النَّفْلِ ثُمَّ اَفْسَدَهَا قَضَاهَا (۱۱/۲۹۸) فَاِنْ صَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَقَعَدَ فِي الْاُوْلَيَيْنِ ثُمَّ اَفْسَدَ الْاُخْرَيَيْنِ قَضٰى رَكْعَتَيْنِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ يَقْضِيْ اَرْبَعاً.

ترجمہ: (۱۰/۲۹۷) جس نے نفل نماز شروع کی پھر اس کو فاسد کر دیا تو اس کی قضا کرے۔ (۱۱/۲۹۸) پھر اگر چار رکعتوں کی نیت کی اور پہلی دو رکعات میں بیٹھ کر آخری دو رکعات فاسد کر دی تو دو رکعتوں کی قضاء کرے، امام ابویوسف نے فرمایا کہ چار رکعات کی قضاء کرے گا۔

تشریح: نفل نماز کی جب کسی نے نیت باندھ لی تو اس کا پورا کرنا واجب ہوگیا اگر توڑے گا تو گناہ گار ہوگا اور جو نماز توڑی ہے اس کی قضاء پڑھنی ضروری ہے یہ مذہب حنفیہ کا ہے، شوافع کے نزدیک نفل نماز شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اگر نفل شروع کر کے توڑ دے تو قضاء واجب نہ ہوگی۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر چار رکعت نفل کی نیت باندھی اور دو رکعت پڑھ چکا، تیسری یا چوتھی رکعت میں نیت توڑ دی تو اگر دو رکعت پر قعدہ بھی کر چکا ہے تو آخری دو رکعتوں کی قضاء پڑھے، یہ طرفین کے نزدیک ہے کیونکہ نفل کی ہر دو رکعت الگ ہے اور دو رکعت پر بقدر تشہد بیٹھنے کیوجہ سے وہ مکمل ہوگئی، امام ابویوسفؒ چونکہ چاروں رکعتوں کو ایک ہی نماز کا درجہ دیتے ہیں اس لئے احتیاطاً چاروں کی قضاء کرنی ضروری ہے۔

(۱۲/۲۹۹) وَيُصَلِّي النَّافِلَةَ قَاعِداً مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ

ترجمه: (۲۹۹/۱۲) اورنفل پڑھ سکتا ہے بیٹھ کر کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود۔

تشریح: نفل بیٹھ کر پڑھنا بھی درست ہے لیکن بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے اس لئے کھڑے ہوکر پڑھنا بہتر ہے اس میں وتر کے بعد کی نفلیں بھی آگئیں البتہ اگر بیماری کی وجہ سے کھڑا نہ ہوسکے تو پورا ثواب ملے گا، نماز نفل بیٹھ کر پڑھنے والے کو ائمہ ثلاثہ ہر طرح بیٹھنے کا اختیار دیتے ہیں، اور امام زفر تشہد کی طرح بیٹھنے کے قائل ہیں یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ (البحر الرائق ج:۲،ص:۶۸)

(۳۰۰/۱۳) وَإِنِ افْتَتَحَهَا قَائِماً ثُمَّ قَعَدَ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا لَا يَجُوزُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ

ترجمه: (۳۰۰/۱۳) اور اگر نفل کو کھڑے ہوکر شروع کیا پھر بیٹھ گیا تو جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز نہیں مگر عذر کی وجہ سے۔

تشریح: نفل نماز کھڑے ہوکر شروع کی، پھر بلا عذر پہلی ہی رکعت یا دوسری رکعت میں بیٹھ گیا تو امام اعظم کے نزدیک درست ہے، صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(۳۰۱/۱۴) وَمَنْ كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ يَتَنَفَّلُ عَلٰى دَابَّتِهٖ إِلٰى أَيِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ يُوْمِئُ إِيْمَاءً

ترجمه: (۳۰۱/۱۴) اور جو شخص شہر سے باہر ہو تو وہ اپنی سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے، جس طرف چاہے متوجہ ہو درآنحالیکہ اشارہ کرے۔

تشریح: شہر سے باہر سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ عذر کی وجہ سے ہو یا بلا عذر کے، جس طرف بھی سواری کا رخ ہو اسی طرف منہ کر کے ادا کرے۔

دلیل: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گدھے پر اشارے سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا درآنحالیکہ آپ ﷺ خیبر کی جانب متوجہ تھے۔ (ابوداؤد ج:۲،ص:۱۷۳، مسلم ج:۱،ص:۲۴۴)

باب سجود السهو

ترجمه: (یہ) باب سہو کے سجدوں کے (بیان میں) ہے۔

ماقبل سے مناسبت: جس طرح نفل کی مشروعیت اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے ہے جو فرائض میں پایا جائے ایسے ہی سجدہ سہو کی مشروعیت نماز کے نقصان کی تلافی کے لئے ہے، اس لئے نوافل کے بعد متصلاً سجدہ سہو کے بیان کو لائے ہیں، یہاں سے سجدہ سہو اور اس کے احکام شروع کر رہے ہیں۔ (البحر الرائق ج:۲،ص:۹۸)

(۳۰۲/۱) سُجُوْدُ السَّهْوِ وَاجِبٌ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ بَعْدَ السَّلَامِ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ

ترجمہ: (۱/۳۰۲) سجدۂ سہو واجب ہے زیادتی اور کمی کی صورت میں سلام کے بعد، دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے۔

تشریح: اس عبارت میں چند مسائل کا بیان ہے:

۱ سجدہ سہو واجب ہے یا سنت ۲ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہے یا سلام کے بعد ۳ سجدہ سہو کرنے کا طریقہ۔

۱ سجدہ سہو حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۳۱۶)

۲ شوافع کے نزدیک سجدہ سہو قبل السلام افضل ہے، خواہ نماز میں کمی ہوئی ہو یا زیادتی، حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو بعد السلام افضل ہے مطلقاً۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۶۳۳)

امام مالک کے نزدیک اگر سجدہ سہو کسی نقصان کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو قبل السلام سجدہ افضل ہے اور اگر کسی زیادتی کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو بعد السلام افضل ہے ان کا مذہب یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ عبارت ذہن نشین کرلیں "اَلْقَافُ بِالْقَافِ وَالدَّالُ بِالدَّالِ" یعنی نقصان والا سجدہ قبل السلام اور زیادتی والا بعد السلام۔

امام احمد کے نزدیک جس سہو میں حضورؐ نے سجدہ قبل السلام کیا ہے، ہم لوگ بھی اس سہو میں سجدہ قبل السلام کریں گے، اور جس سہو میں آپ ﷺ نے سجدہ بعد السلام کیا ہے اس میں ہم بھی سجدہ بعد السلام کریں گے اور جن صورتوں میں آپؐ سے کچھ منقول نہیں ہے ان میں قبل السلام ہوگا۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۸۵ تا ۴۸۶، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۶۳۵)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن بُحَینہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ ظہر کی نماز میں (دوسری رکعت میں) کھڑے ہوگئے حالانکہ آپؐ کو بیٹھنا تھا، چنانچہ جب آپؐ نے اپنی نماز پوری کرلی تو دو سجدے فرمائے ہر سجدے میں تکبیر بھی کہتے تھے پھر آپؐ بیٹھے بیٹھے سلام پھیرنے سے پہلے۔ (ترمذی ج:۱،ص:۸۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو قبل السلام ہے۔

جواب حدیث مذکور جواز پر محمول ہے، یعنی آپؐ نے بیان جواز کے لئے قبل السلام سجدہ فرمایا تھا۔

(معارف السنن ج:۳،ص:۴۹۰، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۶۳۵)

حنفیہ کی دلیل: حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ" (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۴۹) ہر سہو کے لئے دو سجدے ہیں سلام پھیرنے کے بعد، اس حدیث میں مطلق ارشاد فرمایا ہے کہ ہر سہو کے لئے دو سجدے ہیں سلام پھیرنے کے بعد اب خواہ وہ نقصان کا ہو یا زیادتی کا یا کسی اور وجہ سے واجب ہوا ہو سب کا حکم ایک ہی ہوگا۔ (بذل المجہود ج:۲،ص:۱۵۵)

مسئلہ ۳ سجدہ سہو کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ اخیر رکعت میں صرف التحیات پڑھ کر ایک جانب سلام پھیر کے دو سجدے کرلے پھر بیٹھ کر التحیات، درود شریف اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرے اور نماز ختم کرے۔

(۲/۳۰۳) وَيَلْزَمُهُ سُجُوْدُ السَّهْوِ إِذَا زَادَ فِي صَلٰوتِهٖ فِعْلاً مِنْ جِنْسِهَا لَيْسَ مِنْهَا (۳/۳۰۴) أَوْ تَرَكَ فِعْلاً مَسْنُوْنًا أَوْ تَرَكَ قِرَاءَةَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ أَوِ الْقُنُوْتَ أَوِ التَّشَهُّدَ أَوْ تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ أَوْ جَهَرَ الْإِمَامُ فِيْمَا يُخَافَتُ أَوْ خَافَتَ فِيْمَا يُجْهَرُ

ترجمہ: (۳/۳۰۳) اور لازم ہوتا ہے سجدہ سہو جب زائد کرے اپنی نماز میں کوئی ایسا فعل جو نماز کی جنس سے ہو نماز کا جز نہ ہو۔ (۳/۳۰۴) یا کوئی فعل مسنون چھوڑ دیا ہو یا سورۂ فاتحہ کی تلاوت یا قنوت یا تشہد یا تکبیرات عیدین کو چھوڑ دیا ہو یا امام نے زور سے قرأت کی ہو ان نمازوں میں جن میں آہستہ قرأت کرنا واجب ہے، یا آہستہ کی ہو ان نمازوں میں جن میں زور سے قرأت کی جاتی ہے۔

تشریح: صاحب قدوری نے فرمایا کہ سجدہ سہو اس فعل کو زیادہ کرنے سے لازم ہوگا جو فعل نماز کی جنس سے تو ہے مگر نماز کا جز نہیں ہے، مثلاً ایک رکعت کے اندر دو رکوع کر لئے تو ایک رکوع جو زائد ہے وہ اگر چہ نماز کی جنس سے ہے مگر نماز کا جز نہیں ہے، اس کے بعد امام قدوری فرماتے ہیں کہ نمازی نے اگر کوئی فعل مسنون چھوڑ دیا تو اس پر سجدہ واجب ہوگا، عبارت میں فعل مسنون سے مراد فعل واجب ہے کیونکہ فعل مسنون کو ترک کر دینے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، آگے کچھ اور تفصیل سے بیان کرتے ہیں جن کے ترک کر دینے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا کہ نماز کے اندر قرأت فاتحہ کو چھوڑ دینے سے بھی سجدہ سہو واجب ہوگا یا وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا، سورت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا تو سجدہ سہو واجب ہے، ایسے ہی تشہد کا چھوڑنا اور تکبیرات عیدین کا چھوڑنا یہ سب موجب سجدہ ہیں اسی طرح حنفیہ کے نزدیک سری نماز میں کوئی شخص امام ہو یا منفرد بلند آواز سے قرأت کرے، یا جہری نماز میں امام آہستہ آواز سے قرأت کرے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

(۴/۳۰۵) وَسَهْوُ الْإِمَامِ يُوْجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُوْدَ فَإِنْ لَمْ يَسْجُدِ الْإِمَامُ لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمُّ (۵/۳۰۶) فَإِنْ سَهَى الْمُؤْتَمُّ لَمْ يَلْزَمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُوْدُ.

ترجمہ: (۴/۳۰۵) اور امام کا سہو واجب کرتا ہے مقتدی پر سجدہ کو پھر اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے۔ (۵/۳۰۶) پھر اگر مقتدی کو سہو ہوا تو نہ امام پر سجدہ کرنا لازم ہے اور نہ مقتدی پر۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ امام سے کوئی سہو ہو گیا تو سجدہ سہو امام پر بھی واجب ہوگا اور مقتدی پر بھی، اگر سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی پر بھی سجدہ سہو کرنا واجب نہ ہوگا، اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی سے نماز میں کوئی سہو ہو گیا مثلاً قعدۂ اولیٰ میں تشہد نہیں پڑھا تو اس کی وجہ سے نہ امام پر سجدہ سہو لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر کیونکہ صحت و فساد کے اعتبار سے امام کی نماز مقتدی کی نماز پر مبنی نہیں ہے۔

(۶/۳۰۷) وَمَنْ سَهَى عَنِ الْقَعْدَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ تَذَكَّرَ وَهُوَ إِلٰى حَالِ الْقُعُوْدِ أَقْرَبُ عَادَ فَجَلَسَ وَتَشَهَّدَ

وَاِنْ كَانَ إِلٰى حَالِ الْقِيَامِ اَقْرَبُ لَمْ يَعُدْ وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ.

ترجمہ: (۶/ ۳۰۷)اور جو شخص قعدۂ اولیٰ بھول گیا پھر یاد آیا ایسی حالت میں کہ وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو وہ لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشہد پڑھے اور اگر قیام سے زیادہ قریب ہے تو نہ لوٹے اور سجدہ سہو کرے۔

تشریح: تین رکعت یا چار رکعت والی نماز میں اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ بھول گیا اور دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا پھر یاد آیا تو اگر نیچے کا آدھا دھڑ ابھی سیدھا نہیں ہوا تو بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ لے تب کھڑا ہو اور ایسی حالت میں سجدہ سہو کرنا واجب نہیں، اور اگر آدھا دھڑ سیدھا ہو گیا تو نہ بیٹھے بلکہ کھڑے ہو کر چاروں رکعتیں یا تینوں رکعتیں پڑھ لے، صرف اخیر میں بیٹھے اور اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے۔

(۷/ ۳۰۸) وَاِنْ سَهٰى عَنِ الْقَعْدَةِ الْاَخِيْرَةِ فَقَامَ إِلَى الْخَامِسَةِ رَجَعَ إِلَى الْقَعْدَةِ مَالَمْ يَسْجُدْ وَاَلْغَى الْخَامِسَةَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ.

ترجمہ: (۷/ ۳۰۸)اور اگر بھول جائے قعدۂ اخیرہ اور کھڑا ہو جائے پانچویں رکعت کے لئے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے جب تک سجدہ نہ کیا ہو اور پانچویں رکعت کو چھوڑ دے اور سجدہ سہو کر لے۔

تشریح: اگر چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا تو بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لے۔

(۸/ ۳۰۹) وَاِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهُ وَتَحَوَّلَتْ صَلٰوتُهُ نَفْلاً وَكَانَ عَلَيْهِ اَنْ يَّضُمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً

ترجمہ: (۸/ ۳۰۹)اور اگر پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دے تو اس کا فرض باطل ہو جائے گا اور نماز نفل ہو جائے گی اور اس پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ چھٹی رکعت ملا لے۔

تشریح: اگر قعدہ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو فرض نماز دوبارہ پڑھے یہ نماز نفل ہو گئی، ایک رکعت اور ملا کر چھ رکعت کر لے اور سجدہ سہو نہ کرے، شیخین تو یوں فرماتے ہیں کہ اس کا فرض باطل ہو گا، ویسے اس کی یہ نماز نفل ہو جائے گی لہٰذا ایک رکعت اور شامل کر لے، اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً ہی باطل ہو جائے گی۔
(بذل المجہود ج:۲،ص:۱۴۵)

(۹/ ۳۱۰) وَاِنْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ يَظُنُّهَا الْقَعْدَةَ الْاُوْلٰى عَادَ إِلَى الْقُعُوْدِ مَالَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ وَسَلَّمَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ (۱۰/ ۳۱۱) وَاِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ ضَمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً اُخْرٰى وَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهُ وَالرَّكْعَتَانِ نَافِلَةٌ.

ترجمه: (۳۱۰/۹) اور اگر بیٹھ چکا تھا چوتھی رکعت میں پھر کھڑا ہوا اور سلام نہیں پھیرا قعدۂ اولیٰ سمجھتے ہوئے تو لوٹ آئے قعدہ کی طرف جب تک کہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے۔ (۳۱۱/۱۰) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دے تو چھٹی رکعت اور ملا لے اور اس کی نماز پوری ہو جائے گی اور دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔

تشریح: اگر چوتھی رکعت پر بیٹھا پھر کھڑا ہو گیا سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آئے تو بیٹھ جائے اور التحیات نہ پڑھے بلکہ بیٹھ کر فوراً سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا تب یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چھ رکعت کر لے چار فرض ہو گئے اور دو نفل اور چھٹی رکعت پر سجدہ سہو بھی کر لے، فرض نماز اس لئے پوری ہو گئی کہ لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا ہمارے نزدیک واجب ہے اور اس صورت میں لفظ سلام ہی باقی رہ گیا اور ترک واجب سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ ترک واجب کیوجہ سے جو نقصان پیدا ہوا ہے تو وہ سجدہ سہو سے پورا ہو جائے گا۔

(۳۱۲/۱۱) وَمَنْ شَكَّ فِي صَلوٰتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ اَثَلٰثاً صَلّٰى اَمْ اَرْبَعاً وَذٰلِكَ اَوَّلُ مَاعَرَضَ لَهٗ اِسْتَأْنَفَ الصَّلوٰةَ (۳۱۳/۱۲) فَاِنْ كَانَ يَعْرِضُ لَهٗ كَثِيْراً بَنٰى عَلٰى غَالِبِ ظَنِّهٖ اِنْ كَانَ لَهٗ ظَنٌّ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ ظَنٌّ بَنٰى عَلَى الْيَقِيْنِ.

ترجمه: (۳۱۲/۱۱) اور جس شخص کو شک ہو جائے اپنی نماز میں اس کو معلوم نہیں کہ تین رکعتیں پڑھیں یا چار پڑھیں اور یہ شک پہلا شک ہے جو اس کو پیش آیا ہے تو یہ شخص نئے سرے سے نماز پڑھے۔ (۳۱۳/۱۲) اور اگر اس کو یہ بھول بہت ہوتی ہو تو اپنے غالب گمان پر بناء کرے اگر غالب گمان ہو اور اگر اس کی کوئی رائے نہ ہو تو یقین پر بنا کرے۔

تشریح: اگر کسی شخص کو نماز کی حالت میں عدد رکعت میں شک وشبہ ہو جائے کہ تین رکعت ہوئیں یا چار تو اس کو کیا کرنا چاہئے اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر نمازی کو اس طرح کا شک وشبہ پہلی بار پیش آیا ہے تو اس پر نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے اور اگر شک پیش آتا رہتا ہے تو اس پر اعادہ واجب نہیں، بلکہ غالب ظن پر عمل کرنا لازم ہوگا کہ اگر تین رکعت کا ظن غالب ہے تو ایک رکعت اور پڑھے اور اگر چار رکعت کا ظن غالب ہے تو چار ہی شمار کرے اور سجدہ سہو کر لے تو نماز درست ہو جائے گی، اور اگر سوچنے کے بعد دونوں طرف برابر خیال رہے نہ تین رکعت کی طرف زیادہ گمان جاتا ہے نہ چار کی طرف تو تین ہی رکعتیں سمجھے اور ایک رکعت اور پڑھ لے لیکن اس صورت میں تیسری رکعت پر بھی التحیات پڑھے تب کھڑا ہو کر چوتھی رکعت پڑھے اور سجدہ سہو بھی کرے، پھر نماز کے ختم کا سلام پھیرے۔ (معارف السنن ج:۳، ص:۴۹۸)

متن کی عبارت "اَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهٗ" سے مراد یہ ہے کہ سہو اس کی عادت نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھار ہو جاتا ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عمر بھر کبھی سہو ہی نہیں ہوا ہے۔ (معارف السنن ج:۳، ص:۴۹۹، فتح القدیر ج:۱، ص:۴۵۲)

(۲) ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں صرف سجدہ سہو سے نماز درست نہ ہوگی بلکہ اقل پر محمول کر کے مزید ایک رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کرے گا تو نماز درست ہوسکتی ہے ورنہ واجب الاعادہ ہوگی، اس لئے کہ تین رکعت شمار کرنے میں یقین پر عمل ہو جاتا ہے، اور چار پر یقین نہیں ہے نیز ہر اس رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے جس کے بارے میں یہ امکان ہو کہ یہ آخری رکعت ہوسکتی ہے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۹۸)

اختلاف کی بنیاد:

اصل میں اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ ایسی صورت کے بارے میں روایات کا اختلاف ہے بعض روایات میں اعادہ کا حکم ہے "کما فی روایة ابن عمر". (معارف ج:۳،ص:۵۰۰)

اور ابن مسعودؓ کی روایت سے تحری کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۰۱)

بعض روایات میں بناء علی الاقل کا حکم ہے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۰۰)

ائمہ ثلاثہ نے ان احادیث میں سے بناء علی الاقل والی احادیث کو اختیار کر لیا، جبکہ حنفیہ نے ان تمام احادیث پر عمل کیا ہے اور ہر حدیث کا ایک مخصوص محمل قرار دے کر تمام احادیث میں بہترین تطبیق کر دی اور تمام احادیث معمول بہا ہو گئیں ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر استیناف اور تحری کی احادیث متروک ہو کر رہ گئیں۔

(معارف السنن ج:۳،ص:۴۹۸، درس ترمذی ج:۲،ص:۱۴۹ تا ۱۵۰)

بَابُ صَلٰوةِ الْمَرِيْضِ

ترجمہ: (یہ) باب بیمار آدمی کی نماز (کے بیان) میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: مرض اور سہو دونوں عوارض سماویہ ہیں سہو چونکہ مریض اور تندرست سب کو پیش آتا ہے اس لئے باب سجود السہو اولاً بیان کیا اور باب صلوٰۃ المریض ثانیاً بیان کیا ہے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۴۵۷)

(۱/۳۱۴) إِذَا تَعَذَّرَ عَلَى الْمَرِيْضِ الْقِيَامُ صَلّٰى قَاعِداً يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ أَوْمىٰ إِيْمَاءً وَجَعَلَ السُّجُوْدَ أَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ.

ترجمہ: (۱/۳۱۴) جب مشکل ہو جائے بیمار پر کھڑا ہونا تو نماز پڑھے بیٹھ کر رکوع و سجدہ کرتے ہوئے اگر رکوع و سجدہ بھی نہ کر سکے تو اشارہ کرے اور سجدہ کا اشارہ رکوع کی بہ نسبت زیادہ پست کرے۔

تشریح: فرض نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر یا لیٹ کر بالاتفاق جائز نہیں اور اگر عذر سے پڑھے تو جائز ہے بلکہ ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں پورا ثواب ملتا ہے۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ جب تک کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی قوت ہو کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہے اور جب کھڑا نہ ہوا

جائے تو بیٹھ کر نماز پڑھے بیٹھے بیٹھے رکوع کرلے اور رکوع کر کے دونوں سجدے کرے اور رکوع کے لئے اتنا جھکے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہو جائے، اگر رکوع وسجدہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہو تو رکوع وسجدہ کو اشاروں سے ادا کرے اور سجدے کے لئے رکوع سے زیادہ جھک جایا کرے۔

بیٹھ کر اگر نماز پڑھی جائے تو بیٹھنے کی کیفیت کیا ہوگی؟ اس بارے میں اختلاف ہے جو مریض قیام سے عاجز ہو جائے وہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جیسے چاہے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اور امام زفر کے نزدیک اس طرح بیٹھ کر نماز پڑھیگا جیسے تشہد کی حالت میں بیٹھا جاتا ہے، فتویٰ امام زفر کے قول پر دیا گیا ہے۔ (البحر الرائق ج:۲،ص:۱۲۲، بیروت تاتارخانیہ ج:۲،ص:۱۳۱، درمختار مع شامی ص:۷۰۹تا۷۱۰)

(۳۱۵/۲) وَلَا يَرْفَعُ إِلٰى وَجْهِهٖ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ

ترجمہ: (۳۱۵/۲) اور نہ اٹھائے اپنے چہرہ کی طرف کوئی چیز جس پر سجدہ کرے۔

تشریح: شیخ ابوالحسین قدوری فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے لئے تکیہ وغیرہ کوئی چیز اٹھانا اور اس پر سجدہ کرنا ممنوع ہے، جب سجدے کی قدرت نہ ہو تو بس اشارہ کرلیا کرے، اور اگر تکیہ وغیرہ زمین پر رکھا ہے تو اس پر سجدہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳۱۶/۳) فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ اِسْتَلْقٰى عَلٰى قَفَاهُ وَجَعَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْقِبْلَةِ أَوْمٰى بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ (۳۱۷/۴) وَاِنِ اضْطَجَعَ عَلٰى جَنْبِهٖ وَوَجْهُهٗ إِلَى الْقِبْلَةِ وَأَوْمٰى جَازَ.

ترجمہ: (۳۱۶/۳) اور اگر مریض کو بیٹھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت کے بل چت لیٹ جائے اور کرے اپنے پاؤں قبلہ کی طرف اور رکوع اور سجدے کے ساتھ اشارہ کرے۔ (۳۱۷/۴) اور اگر بیمار کروٹ پر لیٹ جائے اور اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ سے پڑھے تب بھی جائز ہے۔

تشریح: لیٹ کر نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ اگر مریض کو بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی تو پیچھے کوئی تکیہ وغیرہ لگا کر اس طرح لیٹ جائے کہ سر خوب اونچا رہے بلکہ قریب بیٹھنے کے رہے اور پاؤں قبلہ کی جانب پھیلا لے اور اگر کچھ طاقت ہو تو قبلہ کی طرف پیر نہ پھیلائے بلکہ گھٹنے کھڑے رکھے پھر سر کے اشارہ سے نماز پڑھے اور سجدہ کا اشارہ رکوع کے مقابلہ میں زیادہ نیچا کرے۔

۲۔ اگر چت نہ لیٹے بلکہ دائیں یا بائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف منھ کر کے لیٹے اور سر کے اشارہ سے رکوع وسجدہ کرے تو بھی جائز ہے، حنفیہ کے نزدیک مذکورہ دونوں صورتیں صحیح ہیں لیکن پہلی صورت اولیٰ ہے، شوافع کے نزدیک اگر کوئی کروٹ پر قدرت کے باوجود چت لیٹ کر نماز پڑھے تو صحیح نہ ہوگی گویا شافعیہ وجوب کے قائل ہیں۔ احناف کے نزدیک صرف استحباب کا درجہ ہے۔ (درمنضود ج:۲،ص:۳۵۴)

(۳۱۸/۵) فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعِ الْاِیْمَاءَ بِرَأْسِہٖ اَخَّرَ الصَّلٰوۃَ وَلَا یُؤْمِیْ بِعَیْنَیْہِ وَلَا بِحَاجِبَیْہِ وَلَا بِقَلْبِہٖ

ترجمہ: (۳۱۸/۵) اوراگر بیمار آدمی سر سے بھی اشارہ نہ کر سکے تو نماز مؤخر کردے اور اشارہ نہ کرے اپنی آنکھوں اپنی بھوؤں اوراپنے دل سے۔

تشریح: اگر بیماری اس قدر بڑھ گئی کہ سر کے ساتھ اشارہ کرنیکی قدرت بھی باقی نہ رہی تو نماز مؤخر کردی جائے گی، لیکن آنکھوں سے ایسے ہی قلب اور بھوؤں کے ساتھ اشارہ کرنا کافی نہ ہوگا۔

قدوری کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایسے مریض کے ذمہ سے نماز ساقط نہ ہوگی بلکہ نماز اس کے ذمہ باقی رہے گی تندرست ہونے پر قضاء واجب ہوگی اگر یہ مرض ایک دن رات سے زیادہ رہا ہو بشرطیکہ اس زمانہ میں ہوش وحواس باقی رہا ہو یہی قول صحیح ہے اوراسی پر فتویٰ ہے۔ (اللباب ج:۱،ص:۱۰۶)

(۳۱۹/۶) فَاِنْ قَدَرَ عَلَی الْقِیَامِ وَلَمْ یَقْدِرْ عَلَی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ لَمْ یَلْزَمْہُ الْقِیَامُ وَجَازَ اَنْ یُّصَلِّیَ قَاعِدًا یُؤْمِیْ اِیْمَاءً.

ترجمہ: (۳۱۹/۶) اگر قادر ہو قیام پر اور قادر نہ ہو رکوع وسجدہ پر تو اس پر کھڑا ہونا لازم نہیں اور جائز ہے یہ کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

تشریح: اگر مریض کھڑا ہوسکتا ہے، لیکن رکوع وسجدہ نہیں کرسکتا تو چاہے کھڑا ہوکر نماز پڑھے اور رکوع وسجدہ اشارے سے ادا کرے اور چاہے بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع وسجدہ کو اشارہ سے ادا کرے لیکن بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ بیٹھ کر سجدہ کا اشارہ کرنا حقیقی سجدہ کے زیادہ مشابہ ہے اس لئے کہ بیٹھ کر اشارہ کرتے وقت سر زمین سے زیادہ قریب ہوجائے گا، بہ نسبت کھڑے ہوکر اشارہ کرنے کے۔

امام زفر وامام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر قیام پر قدرت ہو اور رکوع وسجود پر قدرت نہ ہو تو قیام اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۴۶۰)

(۳۲۰/۷) فَاِنْ صَلَّی الصَّحِیْحُ بَعْضَ صَلٰوتِہٖ قَائِمًا ثُمَّ حَدَثَ بِہٖ مَرَضٌ اَتَمَّہَا قَاعِدًا یَرْکَعُ وَیَسْجُدُ وَیُؤْمِیْ اِیْمَاءً اِنْ لَمْ یَسْتَطِعِ الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ اَوْ مُسْتَلْقِیًا اِنْ لَمْ یَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ.

ترجمہ: (۳۲۰/۷) اگر تندرست نے کچھ نماز کھڑے ہوکر پڑھی پھر اس کو کوئی بیماری لاحق ہوگئی تو بیٹھ کر رکوع سجدہ کرکے نماز کو پورا کرے یا اشارہ کرے اگر رکوع وسجدہ نہ کرسکتا ہو یا چت لیٹ کر اگر بیٹھ بھی نہ سکتا ہو۔

تشریح: ایک شخص نے جب نماز شروع کی تو اس وقت بالکل تندرست تھا پھر جب تھوڑی نماز پڑھ چکا تو نماز ہی میں کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوگیا کہ کھڑا نہ ہوسکا تو باقی نماز بیٹھ کر پڑھے اگر رکوع وسجدہ کرسکے تو کرے ورنہ رکوع وسجدہ کو سر کے اشارہ سے ادا کرے اور اگر ایسا حال ہوگیا کہ بیٹھنے کی بھی قدرت نہیں تو اسی طرح لیٹ کر باقی نماز کو پورا

کرے۔

(۳۲۱/۸) وَمَنْ صَلّٰی قَاعِداً یَرْکَعُ وَیَسْجُدُ لِمَرَضٍ ثُمَّ صَحَّ بَنٰی عَلٰی صَلٰوتِهٖ قَائِماً (۳۲۲/۹) فَاِنْ صَلّٰی بَعْضَ صَلٰوتِهٖ بِاِیْمَاءٍ ثُمَّ قَدَرَ عَلَی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اِسْتَأْنَفَ الصَّلٰوۃَ.

ترجمه: (۳۲۱/۸) اور جو شخص کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع، سجدہ، کرتا ہوا، نماز پڑھ رہا تھا پھر تندرست ہو گیا تو وہ اپنی نماز کھڑے ہو کر پوری کرے۔ (۳۲۲/۹) اور اگر نماز کا ایک حصہ اشارہ کے ساتھ ادا کیا، پھر رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو نماز از سر نو پڑھے۔

تشریح: ایک شخص نے بیماری کی وجہ سے تھوڑی نماز بیٹھ کر پڑھی اور رکوع کی جگہ رکوع اور سجدہ کی جگہ سجدہ کیا پھر نماز میں ہی اچھا ہو گیا تو اسی نماز کو کھڑا ہو کر پورا کرے، یہ تفصیل شیخین کے مذہب کے مطابق ہے، امام محمد کے نزدیک از سر نو نماز پڑھے۔

شیخین اور امام محمد کا اختلاف اس بات میں ہے کہ قائم قاعد کے پیچھے اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں۔

امام محمد کے نزدیک اقتداء درست نہیں، شیخین کے نزدیک درست ہے، اس بارے میں اختلاف اور دلائل صفحہ ۵۴ پر ملاحظہ فرمائیں، اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر بیماری کیوجہ سے رکوع، سجدہ کی قوت نہ تھی اس لئے سر کے اشارہ سے رکوع سجدہ کر رہا تھا، پھر درمیان نماز میں رکوع وسجدے پر قادر ہو گیا تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز از سر نو پڑھے۔ امام زفر کے نزدیک اس صورت میں بھی بناء جائز ہے۔ ہمارے نزدیک رکوع کرنے والے کا اشارہ کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے، امام زفر کے نزدیک جائز ہے یہی مذکورہ مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد ہے۔

(۳۲۳/۱۰) وَمَنْ اُغْمِیَ عَلَیْهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فَمَادُوْنَهَا قَضَاهَا اِذَا صَحَّ وَاِنْ فَاتَتْهُ بِالْاِغْمَاءِ اَکْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ لَمْ یَقْضِ.

ترجمه: (۱۷۰/۱۳) اور جس پر پانچ نماز دن تک یا اس سے کم بیہوشی رہی تو وہ ان کی قضا کرے تندرست ہونے کے بعد اور اگر بے ہوشی کی وجہ سے اس سے زیادہ فوت ہو گئیں تو ان کی قضاء نہ کرے۔

تشریح: اگر کوئی شخص ایک دن رات سے کم بے ہوش رہا تو تندرست ہونے کے بعد نمازوں کی قضاء کرنا واجب ہے اور اگر پانچ نمازوں سے زائد بے ہوش رہا تو ان کی قضاء واجب نہیں ہے یہ تفصیل حنفیہ کے نزدیک ہے۔ مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ کسی بھی صورت میں قضاء واجب نہ ہوگی، حنابلہ کے نزدیک۔ بے ہوشی کیوجہ سے فوت شدہ نمازیں قلیل ہوں یا کثیر ہر صورت میں قضاء کرنا واجب ہے۔ (فتح القدیر ج:۱ص:۴۶۲تا۴۶۳، عینی ج:۱ص:۹۳۴ ''جزء ثانی'')

بَابُ سُجُوْدِ التِّلَاوَةِ

ترجمہ: (یہ) باب تلاوت کے سجدہ (کے بیان) میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: چوں کہ سجدۂ سہو اور سجدۂ تلاوت دونوں میں سجدہ کا وجود ہے، اس لئے سجدۂ سہو کے بعد سجدۂ تلاوت کو بیان فرمانا چاہئے تھا، لیکن جبکہ مریض کی نماز عارض سماوی کی وجہ سے ہے اور سہو بھی عارض سماوی سے ہی ہوتا ہے اس مناسبت سے سجدۂ سہو کے بعد صلوٰۃ مریض کو بیان کیا ہے، تو یقینی طور پر سجدۂ تلاوت کے بیان کو مؤخر کرنا ہی ضروری تھا۔ (عنایہ ج:۱، ص:۴۶۴)

سجدہ کی آیتوں کی فضیلت اور دعا کی قبولیت

پورے قرآن میں چودہ آیت سجدہ ہیں ان سب کو ایک مجلس میں ایک ہی بیٹھک میں بالترتیب پڑھا جائے اور ہر ایک کے ساتھ سجدہ بھی کیا جائے اور پھر اس کے بعد دعاء کی جائے تو انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی اور اگر مصیبت زدہ ہے تو اس کی مصیبت اور پریشانی بہت جلد دور ہو جائے گی یہ اکابر فقہاء اور ائمہ مجتہدین کا مجرب عمل ہے۔

(ایضاح المسائل ص:۴۴)

(۱/۳۲۴) فِي الْقُرْآنِ اَرْبَعَةَ عَشَرَ سَجْدَةً فِي آخِرِ الْاَعْرَافِ وَفِي الرَّعْدِ وَفِي النَّحْلِ وَفِي بَنِي اِسْرَائِيْلَ وَمَرْيَمَ وَالْاُوْلٰى فِي الْحَجِّ وَالْفُرْقَانِ وَالنَّمْلِ وَالٓمٓ تَنْزِيْلُ وَصٓ وَحٰمٓ السَّجْدَةِ وَالنَّجْمِ وَالْاِنْشِقَاقِ وَالْعَلَقِ (۲/۳۲۵) وَالسُّجُوْدُ وَاجِبٌ فِي هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ عَلَى التَّالِي وَالسَّامِعِ سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ الْقُرْآنِ اَوْلَمْ يَقْصِدْ.

ترجمہ: (۱/۳۲۴) قرآن میں چودہ سجدے ہیں، سورۂ اعراف کے آخر میں، سورۂ رعد میں، سورۂ نحل میں، سورۂ بنی اسرائیل میں، سورۂ مریم میں، سورۂ حج میں پہلا سجدہ، سورۂ فرقان میں، سورۂ نمل میں، سورۂ الٓمٓ تنزیل میں، سورۂ صٓ میں، سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں، سورۂ نجم میں، سورۂ انشقاق میں، سورۂ علق میں۔ (۲/۳۲۵) اور سجدہ کرنا ان جگہوں میں واجب ہے تلاوت کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی خواہ قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں دو مسئلے بیان فرمائے ہیں، ۱۔ سجدۂ تلاوت کی تعداد، ۲۔ سجدہ تلاوت کا حکم۔

۱۔ چودہ سورتیں جن میں آیات سجدہ ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

"(۱) سورۂ اعراف (۲) سورۂ رعد (۳) سورۂ نحل (۴) سورۂ بنی اسرائیل (۵) سورۂ مریم (۶) سورۂ حج (۷) سورۂ فرقان (۸) سورۂ نمل (۹) الٓمٓ تنزیل (۱۰) صٓ (۱۱) سورہ حٰمٓ سجدہ (۱۲) سورۂ نجم (۱۳) سورۂ انشقاق (۱۴) سورۂ

اقراء" ان میں سے ہر سورت میں سجدہ کے مقام میں نشان سجدہ موجود ہے، لیکن سورۃ حج میں صرف اول مقام میں سجدہ لازم ہے، مقام ثانی میں حضرت امام اعظم کے نزدیک سجدہ لازم نہیں ہے۔

اور سورہ صٓ میں "رَاكِعاً وَّأَنَابَ" پر سجدہ کا نشان موجود ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ "حُسْنَ مَآبٍ" پر سجدہ کیا جائے اور سورۂ حم سجدہ میں "لَايَسْئَمُوْنَ" پر سجدہ کرنا چاہئے۔ (الجوہرۃ النیرہ ج:۱ص:۹۷)

(۲) پورے قرآن کریم میں کل چودہ مقامات میں آیات سجدہ ہیں ان آیتوں کے پڑھنے والے پر اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے، چاہے قرآن شریف سننے کے قصد سے بیٹھا ہو یا کسی اور کام میں لگا ہوا ہو اور بغیر ارادہ کے سجدہ کی آیت سن لی ہو، ان مقامات میں سجدہ نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ (عالمگیری ج:۱ص:۱۳۲)

سجدہ تلاوت کی تعداد میں اختلاف ائمہ

پورے قرآن کریم میں کتنے سجدے ہیں اس سلسلہ میں تین مذاہب بیان کئے جائیں گے۔

۱ حنابلہ کے نزدیک پورے قرآن کریم میں پندرہ جگہوں پر آیات سجدہ ہیں اس لئے سجدہ تلاوت ۱۵ر ہوں گے، سورۂ حج میں دو اور باقی کی تفصیل حنفیہ کی طرح ہے۔ (بذل المجہود ج:۲ص:۳۱۴، عمدۃ القاری ج:۵ص:۳۴۴)

۲ مالکیہ کے نزدیک پورے قرآن کریم میں کل گیارہ مقامات پر سجدہ ہے، سورۂ نجم، سورۂ انشقاق اور سورۂ اقراء میں سجدہ نہیں ہے۔ (عمدہ ج:۵ص:۳۴۴، بدائع الصنائع ج:۱ص:۴۵۳)

۳ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک کل چودہ مقامات میں سجدے ہیں اتنا فرق ہے کہ امام اعظم کے نزدیک سورۂ حج میں ایک سجدہ ہے اور سورۂ صٓ میں بھی ایک سجدہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک سورہ حج میں دو سجدے ہیں اور سورۂ صٓ میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱ص:۴۵۱)

سورہ حج میں دوسرے سجدہ کے بارے میں شوافع وحنابلہ کا استدلال حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے ہے کہ میں نے کہا یارسول اللہ سورۂ حج کو فضیلت دی گئی، کیونکہ اس میں دو سجدے ہیں آپ نے فرمایا ہاں جس نے ان دونوں کو نہیں کیا گویا ان کو نہیں پڑھا۔ (ترمذی ج:۱ص:۱۲۸)

جواب اس روایت کا دارومدار ابن لہیعہ پر ہے جن کا ضعف معروف ہے۔ (معارف السنن ج:۵ص:۸۲)

شوافع سورۂ صٓ کے اندر سجدہ کے نہ ہونے پر حضرت ابن عباس کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ میں نے حضورﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سورۂ صٓ میں سجدہ کرتے ہیں ابن عباس نے فرمایا کہ یہ عزائم سجود میں سے نہیں ہے۔ (ترمذی ج:۱ص:۱۲۷)

جواب یہ ابن عباس کی اپنی رائے ہے اور حضور ﷺ کا عمل اتباع کے زیادہ لائق ہے۔ (اوجز المسالک ج:۲، ص:۸۰، ۲۷، عمدۃ القاری ج:۵ص:۳۴۷)

امام مالک کا استدلال: حضرت زید بن ثابت کی روایت سے ہے کہ میں نے حضورؐ کے سامنے سورۂ نجم پڑھی آپؐ نے سجدہ نہیں کیا۔ (ابوداؤد ج:۱، ص:۱۹۹ باب من لم یر السجود فی المفصل)

جواب: ایسے وقت میں تلاوت کی گئی تھی جس میں سجدۂ تلاوت مشروع نہیں ہے، یعنی طلوع شمس، نصف النہار، غروب شمس کا وقت تھا۔ (بذل المجہود ج:۲، ص:۳۱۶)

مسئلہ : ۲ سجدہ تلاوت واجب ہے یا سنت۔

اس بارے میں دو مذہب ہیں:

۱ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۳۴۳)

دلیل: حضرت زید بن ثابت نے حضورؐ کے سامنے سورۂ نجم کی تلاوت کی لیکن کسی نے سجدہ نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

جواب: یہ سجود علی الفور کی نفی ہے اور فی الفور سجدہ ہمارے نزدیک بھی واجب نہیں ہے، اس حدیث میں وجوب کی نفی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۳۴۳)

حنفیہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۳۴۲)

دلیل: حنفیہ کا استدلال ان تمام آیات سجدہ سے ہے جن میں صیغۂ امر وارد ہوا ہے، شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ آیات سجدہ تین طرح کی ہیں: ۱ ان میں سجدہ کا حکم ہے۔ ۲ کفار کے سجدہ سے انکار کا ذکر ہے۔ ۳ انبیاء کے سجدہ کو نقل کیا گیا ہے اور امر کی تعمیل بھی واجب ہے کفار کی مخالفت بھی اور انبیاء کی اتباع بھی۔ (فتح القدیر ج:۱، ص:۴۶۲)

(۳/۳۲۶) **فَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَ هَا وَسَجَدَ الْمَأْمُوْمُ مَعَهُ** (۴/۳۲۷) **فَإِنْ تَلَا الْمَأْمُوْمُ لَمْ يَلْزَمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمَأْمُوْمَ السُّجُوْدُ.**

ترجمہ: (۳/۳۲۶) جب امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تو امام سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے۔ (۴/۳۲۷) اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ لازم نہیں نہ امام پر نہ مقتدی پر۔

تشریح: امام نے سجدہ کی آیت تلاوت کی تو امام نماز میں فوراً سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے کیوں کہ مقتدی نے اقتداء کی نیت کر کے امام کے متابعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تو نہ مقتدی پر سجدہ واجب ہوگا نہ اس کے امام پر نہ ان لوگوں پر جو اس نماز میں شریک ہیں، کیوں کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے شرعاً قرأت کرنا ممنوع ہے اور جو شخص کسی تصرف سے روک دیا گیا ہو اس تصرف کا کوئی حکم نہیں ہوتا لہٰذا مقتدی کی قرأت کا کوئی حکم نہیں ہوگا تو اس پر سجدہ تلاوت بھی واجب نہ ہوگا اور جب تالی پر واجب نہیں تو سامع پر بھی واجب نہ ہوگا۔

(۳۲۸/۵) وَإِنْ سَمِعُوْا وَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ آيَةَ سَجْدَةٍ مِنْ رَجُلٍ لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ لَمْ يَسْجُدُوْهَا فِي الصَّلٰوةِ وَسَجَدُوْهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَإِنْ سَجَدُوْهَا فِي الصَّلٰوةِ لَمْ تُجْزِءْهُمْ وَلَمْ تَفْسُدْ صَلٰوتُهُمْ.

ترجمہ: (۳۲۸/۵) اور اگر لوگ نماز کی حالت میں آیت سجدہ سن لیں ایسے آدمی سے جو ان کے ساتھ نماز میں نہیں ہے، تو وہ نماز میں سجدہ نہ کریں اور نماز کے بعد سجدہ کریں، اگر نماز کے اندر ہی کرلیں تو یہ سجدہ ان کو کافی نہ ہوگا، لیکن نماز فاسد نہ ہوگی۔

تشریح: اگر کچھ لوگوں نے نماز پڑھتے ہوئے کسی ایسے شخص سے سجدے کی آیت سنی جو ان کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہے، تو یہ لوگ نماز میں سجدہ نہ کریں کیوں کہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں ہے، بلکہ نماز کے بعد کریں کیوں کہ سجدہ کا سبب یعنی آیت کا سننا پایا گیا اگر ان لوگوں نے نماز ہی میں سجدہ کرلیا تو وہ سجدہ ادا نہ ہوگا، پھر کرنا پڑے گا اور گناہ بھی ہوگا لیکن نماز بھی فاسد نہ ہوگی کیوں کہ سجدہ افعال صلوٰۃ میں سے ہے۔

(۳۲۹/۶) وَمَنْ تَلَا آيَةَ سَجْدَةٍ خَارِجَ الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتّٰى دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا وَسَجَدَ أَجْزَأَتْهُ السَّجْدَةُ عَنِ التِّلَاوَتَيْنِ (۳۳۰/۷) وَإِنْ تَلَاهَا فِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ فَسَجَدَ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا سَجَدَهَا ثَانِياً وَلَمْ تُجْزِنه السَّجْدَةُ الْأُوْلٰى.

ترجمہ: (۳۲۹/۶) اور جس شخص نے آیت سجدہ کی تلاوت کی نماز سے باہر اور اس نے سجدہ کو ادا نہ کیا یہاں تک کہ نماز شروع کردی پھر اسی آیت کو پڑھا اور سجدہ کیا تو کافی ہے، یہ سجدہ دونوں تلاوتوں کی طرف سے۔ (۳۳۰/۷) اور اگر نماز سے باہر تلاوت کر کے سجدہ کرلیا پھر نماز شروع کر کے اسی آیت سجدہ کی تلاوت کی تو پھر سجدہ کرے اب پہلا سجدہ کافی نہ ہوگا۔

تشریح: سجدہ کی کوئی آیت پڑھی اور سجدہ نہیں گیا پھر اسی جگہ نماز کی نیت باندھ لی اور وہی آیت پھر نماز میں پڑھی اور نماز میں سجدۂ تلاوت کیا تو یہی سجدہ کافی ہے دونوں سجدے اسی سے ادا ہو جائیں گے، کیوں کہ دوسرا سجدہ اقویٰ ہے اور پہلا سجدہ جو خارج صلوٰۃ واجب ہوا تھا اس کے تابع ہے، لہٰذا دوسرا سجدہ ادا کرنے سے پہلا سجدہ بھی ادا ہو جائے گا، اس کے بعد امام قدوری فرماتے ہیں کہ اگر سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرلیا پھر اسی جگہ نماز کی نیت باندھ لی اور وہی آیت نماز میں پڑھی تو اب نماز میں پھر سجدہ کرے۔

(۳۳۱/۸) وَمَنْ كَرَّرَ تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ أَجْزَأَتْهُ سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ

ترجمہ: (۳۳۱/۸) اور جس شخص نے بار بار پڑھی سجدہ کی آیت ایک مجلس میں تو کافی ہوگا اس کو صرف ایک سجدہ۔

تشریح: ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے سجدہ کی آیت کو بار بار پڑھتا ہے تو صرف ایک ہی سجدہ لازم ہے چاہے سب دفعہ پڑھ کر اخیر میں سجدہ کرے یا پہلی دفعہ پڑھ کر سجدہ کرے پھر اسی آیت کو بار بار پڑھتا رہے دوبارہ سجدہ کرنیکی ضرورت نہیں

(۳۳۲/۹) وَمَنْ اَرَادَ السُّجُوْدَ كَبَّرَ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ رَأْسَهٗ وَلَاتَشَهُّدَ عَلَيْهِ وَلَاسَلَامَ

ترجمہ: (۳۳۲/۹) اور جو شخص سجدۂ تلاوت کرنا چاہے وہ تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ میں چلا جائے پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر اٹھائے اور اس پر نہ تشہد ہے اور نہ سلام ہے۔

تشریح: اس عبارت میں سجدۂ تلاوت کی کیفیت کا بیان ہے، چنانچہ فرمایا کہ سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ طہارت کی حالت میں قبلہ رو ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جائے اور تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھ کر اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ جائے اور سجدہ تلاوت بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں طرح جائز ہے لیکن کھڑے ہو کر کرنا افضل ہے۔(عالمگیری ج:۱ص:۱۳۵)

باب صلٰوة المسافر

ترجمہ: (یہ) باب مسافر کی نماز کے (بیان میں) ہے۔

ماقبل سے مناسبت: تلاوت کی طرح سفر بھی ان عوارض میں سے ہے جن کا انسان کسب کرتا ہے اس لئے سجدۂ تلاوت کے احکام بیان کرنے کے بعد سفر کے احکام بیان کررہے ہیں۔

سفر کی لغوی تعریف: مسافت طے کرنا۔

اصطلاحی تعریف: سفر وہ ہے جس سے احکام میں تبدیلی ہوجاتی ہے جیسے جمعہ، عیدین قربانی کے وجوب کا ساقط ہونا، نماز کا قصر، رمضان میں افطار کی اجازت۔

(۳۳۳/۱) اَلسَّفَرُ الَّذِیْ یَتَغَیَّرُ بِهِ الْاَحْکَامُ هُوَ اَنْ یَّقْصِدَ الْاِنْسَانُ مَوْضِعاً بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْمَقْصِدِ مَسِیْرَةُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ بِسَیْرِ الْاِبِلِ وَمَشْیِ الْاَقْدَامِ وَلَامُعْتَبَرَ فِیْ ذٰلِكَ بِالسَّیْرِ فِی الْمَاءِ

ترجمہ: (۳۳۳/۱) وہ سفر جس سے احکام بدل جاتے ہیں یہ ہے کہ آدمی ایسی جگہ کا ارادہ کرے کہ اس کے اور اس جگہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو اونٹ یا پیدل کی رفتار سے اور اس (خشکی) میں دریائی رفتار کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جس سفر سے احکام متغیر ہوجاتے ہیں وہ سفر یہ ہیکہ انسان تین دن تین رات کے چلنے کا ارادہ کرے چال کے اندر اونٹ کی چال معتبر ہے یا پیدل کی یا بیل گاڑی کی، متن کی عبارت میں دن سے مراد سب سے چھوٹا دن ہے جیسے ہمارے ملک میں سردی کے دن ہوتے ہیں، اسی طرح ۲۴ گھنٹے چلتے رہنا مراد نہیں ہے بلکہ ہر دن صبح سے زوال تک ہر منزل پر پہنچ کر آرام کرکے تین دن تین رات میں جو مسافت طے ہو وہ مسافت غر

ہے، اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ دریائی سفر میں خشکی کی رفتار معتبر نہیں ہے، مثلاً ایک مقام پر جانے کے دوراستے ہیں، ایک دریا کا دوسرا خشکی کا، خشکی کے راستے سے اس مقام تک پہنچنے کے لئے تین دن تین رات لگتے ہیں اور دریا کے راستے سے دو دن تو اگر کوئی خشکی کے راستے سے سفر کریگا تو مسافروں کی رخصت حاصل ہوگی اور اگر دریائی راستہ سے گیا تو سفر کی رخصت حاصل نہ ہوگی۔

سفر شرعی کی مسافت پر تحقیقی بحث

مسافت سفر کے بارے میں شامی وغیرہ معتبر کتب فقہ میں چار اقوال نقل کئے گئے ہیں ۱ ۶۳ رمیل، ۲ ۵۴ رمیل، ۳ ۴۸ رمیل، ۴ ۴۵ رمیل۔ (شامی کراچی ج:۲،ص:۷۲۵، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۷۶)

لیکن اکابر فقہاء اہل فتاوی نے ۴۸ میل کو ترجیح دی ہے اور ۴۸ رمیل شرعی موجودہ زمانے کے اعتبار سے ۸۷ رکلومیٹر ۸۲ رمیٹر، ۴۰ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اگر ۴۵ رمیل شرعی کا اعتبار کیا جائے تو ۸۲ رکلومیٹر، ۲۹۶ میٹر مسافت بنتی ہے تو معلوم ہوا کہ شرعی میل کے لحاظ سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے کم کی مسافت میں قصر جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد ایضاح المسائل ص:۶۸)

(۲/۳۴۴) وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ عِنْدَنَا فِي كُلِّ صَلٰوةٍ رُبَاعِيَّةٍ رَكْعَتَانِ وَلَاتَجُوْزُ لَهُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِمَا

ترجمہ: (۲/۳۴۴) اور مسافر کا فرض ہمارے نزدیک ہر چار رکعت والی نماز میں دو رکعتیں ہیں، اور اس کے لئے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک رباعی نماز میں مسافر پر دو رکعت فرض ہیں ان پر اضافہ جائز نہیں ہے۔

سفر میں قصر (رباعی نمازوں کا نصف ہو جانا) کی مشروعیت پر اجماع ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ بحالت سفر نماز میں قصر کا حکم عزیمت اور فرض کے درجہ میں ہے یا رخصت وسنت کے درجہ میں ہے۔

اختلاف الائمہ

۱ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسافر کے لئے قصر کا حکم عزیمت اور فرض کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ رخصت اور سنت کے درجہ میں ہے۔ (بذل المجہود ج:۲،ص:۲۲۹، نیل الاوطار ج:۳،ص:۲۱۳، معارف السنن ج:۴،ص:۵۴۳)

۲ حنفیہ کے نزدیک مسافر کے لئے قصر کا حکم رخصت اور سنت کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ فرض کے درجہ میں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبیؐ سفر میں قصر بھی فرماتے تھے، اتمام بھی افطار بھی کرتے تھے، اور روزہ بھی رکھتے تھے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۵۹)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر فرض یا عزیمت بالکل نہیں ہے بلکہ رخصت ہے۔

جواب اس حدیث کا جواب علامہ ابن تیمیہ نے یہ دیا ہے کہ (حضرت عائشہؓ کی جانب منسوب کر کے) حضور پر جھوٹ باندھنا ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۵۹)

علاوہ ازیں حدیث کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ آپ چھوٹے سفر میں جو کہ تین منزل سے کم ہوتا اتمام فرماتے اور لمبے سفر میں قصر فرماتے تھے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عباسؓ کی روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبانی نماز فرض فرمائی ہے حضر میں چار رکعت اور سفر کی حالت میں دو رکعات۔ (مسلم شریف: ج:۱،ص:۲۴۱)

(۳۳۵/۳) فَإِنْ صَلّٰی اَرْبعاً وَقَدْ قَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ أَجْزَاءَتْهُ رَكْعَتَانِ عَنْ فَرْضِهٖ وَكَانَتْ الْاُخْرَيَانِ لَهٗ نَافِلَةً (۳۳۶/۴) وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ فِي الثَّانِيَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُولَيَيْنِ بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ

ترجمہ: (۳۳۵/۳) اگر مسافر چار رکعت پڑھے اور دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار بیٹھ جائے تو دو رکعتیں کافی ہوں گی اس کے فرض کی طرف سے اور آخری دو رکعت اس کے لئے نفل بن جائیں گی۔ (۳۳۶/۴) اور اگر نہ بیٹھا دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار تو اسکی نماز باطل ہو جائیگی۔

تشریح: اگر مسافر بھولے سے چار رکعتیں پڑھ لے تو اگر دوسری رکعت پر التحیات پڑھی ہے تب تو دو رکعتیں فرض ہوگئیں اور دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور سجدہ سہو کرنا پڑے گا اور اگر دو رکعت پر نہ بیٹھا ہو تو چاروں رکعتیں نفل ہوگئیں فرض نماز دوبارہ پڑھے۔

(۳۳۷/۵) وَمَنْ خَرَجَ مُسَافِراً صَلّٰی رَكْعَتَيْنِ إِذَا فَارَقَ بُيُوْتَ الْمِصْرِ وَلَايَزَالُ عَلٰی حُكْمِ الْمُسَافِرِ حَتّٰی يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلْدَةٍ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْماً فَصَاعِداً فَيَلْزَمُهُ الْإِتْمَامُ فَإِنْ نَوَی الْإِقَامَةَ اَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ لَمْ يُتِمَّ.

ترجمہ: (۳۳۷/۵) اور جو شخص سفر کے ارادہ سے نکلا تو دو رکعت پڑھے جب وہ شخص شہر کی آبادی سے نکل جائے اور برابر مسافر کے حکم میں رہے گا یہاں تک کہ ٹھہرنے کی نیت کرلے کسی شہر میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ کی پس لازم ہوگی اس کو پوری نماز پڑھنی اور اگر اس سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو پوری نماز نہ پڑھے۔

تشریح: جب آبادی سے باہر نکل جائے تو مسافر پر قصر کرنا واجب ہوگیا اور سفر کا یہ حکم اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت نہ کرے چار رکعت فرض والی نماز دو رکعت پڑھتا رہے، پھر جب پندرہ دن یا اس سے زیادہ کے قیام کی نیت کرے گا تو سفر کا حکم ختم ہو جائیگا اور یہ شخص مقیم کہلائے گا۔

مسافر نماز کا اتمام کب کرے گا

جب سفر پورا کر کے اپنے وطن واپس آجائے یا یہ کہ سفر میں منزل پر پہنچ کر وہاں اقامت کی نیت کر لے۔

مدتِ اقامت میں مذاہب ائمہ

(۱) حنفیہ کے نزدیک پندرہ روز کے قیام کے ارادہ سے مقیم بن جاتا ہے اس سے کم ہو تو مسافر رہتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج:۵، ص:۳۷۲)
(۲) امام مالک و شافعی کے نزدیک چار دن کے قیام کے ارادہ سے مقیم بن جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۳۷۱)
(۳) امام احمد کے نزدیک بائیس نمازوں تک قیام کا ارادہ کرے گا تو مقیم بن جائے گا۔
(عمدۃ القاری ج:۵، ص:۳۷۲)

(۳۳۸/۶) وَمَنْ دَخَلَ بَلَداً وَلَمْ يَنْوِ اَنْ يُّقِيْمَ فِيْهِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْماً وَاِنَّمَا يَقُوْلُ غَداً أَخْرُجُ اَوْ بَعْدَ غَدٍ اَخْرُجُ حَتّٰى بَقِيَ عَلٰى ذَالِكَ سِنِيْنَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ: (۳۳۸/۶) اور جو شخص کسی شہر میں داخل ہوا اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی بلکہ یہ کہتا رہا کہ کل نکلوں گا یا پرسوں نکلوں گا، حتی کہ اسی طرح کئی سال گذر گئے تو دو ہی رکعت پڑھتا رہے گا۔

تشریح: اگر مسافر کسی شہر میں داخل ہوا کہ اور روز نیت ہوتی ہے کل پرسوں چلا جاؤں گا لیکن کچھ ایسی باتیں ہو جاتی ہیں کہ جانا نہیں ہوتا، اسی طرح پندرہ یا بیس دن یا ایک ماہ یا اس سے بھی زیادہ رہنا ہو گیا، لیکن پورے پندرہ دن کی نیت کبھی نہیں ہوئی تو یہ قصر نماز پڑھتا رہیگا مقیم نہیں کہلائیگا۔

دلیل: حضرت ابن عمرؓ آذربیجان میں چھ ماہ تک مقیم رہے، قصر کرتے رہے کیونکہ پندرہ دن قیام کی نیت نہیں کی تھی۔ (در منضود، ج:۲، ص:۴۹۴)

(۳۳۹/۷) وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ فِي اَرْضِ الْحَرْبِ فَنَوَوْا الْاِقَامَةَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْماً لَمْ يُتِمُّوْا الصَّلٰوةَ.

ترجمہ: (۳۳۹/۷) اور جب لشکر دار الحرب میں داخل ہوا اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تب بھی لشکر والے پوری نماز نہ پڑھیں۔

تشریح: اقامت کی نیت اس جگہ معتبر ہے جہاں اقامت کی صلاحیت وقدرت ہو چوں کہ دشمن کی زمین میں اقامت کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے پندرہ دن کے قیام کی نیت کے باوجود بھی حکم یہ ہے کہ یہ فوجی مسلمان قصر نماز پڑھیں، جیسا کہ منقول ہے کہ صحابہ کرام رامہرمز میں نو ماہ تک مقیم رہے نماز میں قصر ہی کرتے رہے۔
(بیہقی، در منضود ج:۲، ص:۴۹۴)

(۳۴۰/۸) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِي صَلٰوةِ الْمُقِيْمِ مَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ أَتَمَّ الصَّلٰوةَ (۳۴۱/۹) وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ

فِي فَائِتَةٍ لَمْ تَجُزْ صَلَاتُهُ خَلْفَهُ.

ترجمہ: (۳۴۰/۸) اور جب مسافر مقیم کی نماز میں شامل ہو جائے (مقتدی بن جائے) وقت باقی رہنے کے باوجود تو وہ پوری نماز پڑھے۔ (۳۴۱/۹) اور اگر مسافر مقیم کے ساتھ کسی قضاء نماز میں شریک ہو جائے تو اس کے پیچھے اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔

تشریح: مسافر مقیم امام کی اقتداء کر سکتا ہے مگر وقت کے اندر اور اگر وقت نکل گیا تو فجر اور مغرب میں اقتداء کر سکتا ہے، ظہر، عصر، اور عشاء میں نہیں کر سکتا۔

(۳۴۲/۱۰) وَإِذَا صَلَّى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِيْنَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَتَمَّ الْمُقِيْمُوْنَ صَلٰوتَهُمْ وَيَسْتَحِبُّ لَهُ إِذَا سَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ لَهُمْ اَتِمُّوْا صَلٰوتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ.

ترجمہ: (۳۴۲/۱۰) اور جب نماز پڑھائے مسافر مقیم لوگوں کو تو دو رکعت پڑھے اور سلام پھیر دے پھر مقیم لوگ اپنی نماز پوری کر لیں اور مستحب امام کے لئے جب وہ سلام پھیرے تو یوں کہے تم لوگ اپنی نماز پوری کر لو ہم تو مسافر ہیں۔

تشریح: مقیم کی اقتداء مسافر کے پیچھے ہر حال میں درست ہے خواہ ادا نماز ہو یا قضاء، اور مسافر امام جب دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے تو مقیم مقتدیوں کو چاہئے کہ اپنی نماز اٹھ کر پوری کر لیں اور ان بقیہ رکعتوں میں سورہ فاتحہ نہ پڑھیں، بلکہ تھوڑی دیر خاموش کھڑا ہو کر رکوع وسجدہ سے پوری کر لیں، مسافر امام کے لئے مستحب ہے کہ اپنے مقتدیوں کو دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد فوراً اپنے مسافر ہونے کی اطلاع کر دے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے قبل بھی اپنے مسافر ہونے کی اطلاع کر دے۔

(۳۴۳/۱۱) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ مِصْرَهُ اَتَمَّ الصَّلٰوةَ وَإِنْ لَّمْ يَنْوِ الْإِقَامَةَ فِيْهِ.

ترجمہ: (۳۴۳/۱۱) اور جب مسافر اپنے شہر میں داخل ہوا تو وہ پوری نماز پڑھے اگر چہ وہاں ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مسافر سفر شرعی کی مسافت طے کر کے اپنے وطن اصلی میں داخل ہوا تو آبادی میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو جائے گا، اگر چہ اقامت کی نیت نہ کی ہو۔ فقہ کے اعتبار سے آدمی کے وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں اور شرعاً وطن اصلی صرف اس جگہ کو نہیں کہتے جہاں پیدا ہوا ہو بلکہ ہر اس جگہ کو وطن اصلی کا درجہ حاصل ہے جہاں انسان نے اپنے اثاثہ اور اہل وعیال کے ساتھ مستقل قیام کر رکھا ہو، لہٰذا جب بھی مسافر ہو کر وہاں پہنچ جائے گا نماز کا قصر نہیں کرے گا بلکہ اتمام لازم ہے، اگر چہ پندرہ روز قیام کا ارادہ نہ ہو۔

(۱۲/۳۴۴) وَمَنْ كَانَ لَهُ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ عَنْهُ وَاسْتَوْطَنَ غَيْرَهُ ثُمَّ سَافَرَ فَدَخَلَ وَطَنَهُ الْاَوَّلَ لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۱۲/۳۴۴) اور جس شخص کا کوئی وطن تھا پھر اس وطن سے وہ منتقل ہوگیا اور اس کے علاوہ کو وطن بنالیا پھر سفر کیا اور اپنے پہلے وطن میں داخل ہوگیا تو یہ پوری نماز نہ پڑھے۔

تشریح: کسی نے وطن اصلی بالکل چھوڑ دیا اور کسی دوسری جگہ گھر بنالیا اور وہیں رہنے سہنے لگا اب پہلے شہر اور پہلے گھر سے کچھ مطلب نہیں رہا تو اگر سفر کرتے وقت راستے میں وہ پہلا شہر پڑے اور پندرہ دن سے کم وہاں رہنا پڑ جائے تو مسافر رہے گا۔

(۱۳/۳۴۵) وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ اَنْ يُّقِيْمَ بِمَكَّةَ وَمِنٰى خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْماً لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۱۳/۳۴۵) اور جب مسافر مکہ اور منیٰ میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ نماز پوری نہ پڑھے۔

تشریح: مسافر نے مکہ اور منیٰ میں اقامت کی نیت کی تو مقیم نہ ہوگا، بلکہ مسافر ہی رہے گا اور نماز قصر پڑھے گا، کیونکہ مکہ اور منیٰ دو الگ الگ مقام ہیں اور دو مقام میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے۔

(۱۴/۳۴۶) وَالْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ لِلْمُسَافِرِ يَجُوْزُ فِعْلاً وَلَا يَجُوْزُ وَقْتاً

ترجمہ: (۱۴/۳۴۶) اور دو نمازوں کو جمع کرنا مسافر کے لئے جائز ہے فعلاً اور جائز نہیں ہے وقتاً۔

تشریح: سفر کے احکام چل رہے ہیں منجملہ ان کے ایک حکم یہ ہے کہ سفر کیوجہ سے جمع بین الصلوٰتین جائز ہے لیکن علماء کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ جمع سے مراد جمع حقیقی ہے یا جمع صوری۔

جمع حقیقی کی تعریف: ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا۔

جمع صوری کی تعریف: پہلی نماز کو اس کے بالکل اخیر وقت میں ادا کیا جائے اور دوسری نماز کو اس کے اول وقت میں، اس کا دوسرا نام جمع من حیث الفعل بھی ہے۔ جمہور علماء ائمہ ثلاثہ جمع حقیقی و جمع صوری دونوں کے جواز کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ وصاحبین کے نزدیک جمع صوری جائز ہے، مگر جمع حقیقی جائز نہیں ہے لیکن عرفات و مزدلفہ میں جو جمع بین الصلوٰتین ہوتا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے ان دونوں جگہوں میں جمع بین الصلوٰتین بالاتفاق جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۴۱۹/۴۲۰)

(۱۵/۳۴۷) وَتَجُوْزُ الصَّلٰوةُ فِي سَفِيْنَةٍ قَاعِداً عَلٰى كُلِّ حَالٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا لَاتَجُوْزُ اِلَّا بِعُذْرٍ

ترجمہ: (۱۵/۳۴۷) اور جائز ہے نماز پڑھنا کشتی میں بیٹھ کر ہر حال میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں مگر عذر کی وجہ سے۔

تشریح: کشتی میں نماز پڑھنے والا اگر قیام سے عاجز ہے تو بالاتفاق بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اور چلتی ہوئی کشتی میں اگر قیام سے عاجز نہیں ہے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر کسی بیماری کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔

ائمہ ثلاثہ وصاحبین کے نزدیک بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ جب قیام پر قدرت ہے تو بغیر عذر اس کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ چلتی ہوئی کشتی میں عام طور سے چکر آتا ہے اور جو چیز اکثر واقع ہوتی ہے وہ متحقق کے مانند ہوتی ہے، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (درمختار مع الشامی ج:۱ص:۷۱۴)

(۱۶/۳۴۸) وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فِي السَّفَرِ قَضَاهَا فِي الْحَضَرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فِي الْحَضَرِ قَضَاهَا فِي السَّفَرِ أَرْبَعاً.

ترجمہ: (۱۶/۳۴۸) اور جس شخص کی کوئی نماز فوت ہو جائے سفر میں تو قضاء پڑھے اس کی حضر میں دو رکعت اور جس کی نماز فوت ہوگئی حضر میں تو قضاء پڑھے اس کی سفر میں چار رکعت۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ سفر کی حالت میں اگر چار رکعت والی نماز فوت ہوگئی اور حالت اقامت میں اس کو پڑھنا چاہتا ہے تو دو رکعت پڑھے اور حالت اقامت میں کوئی رباعی نماز فوت ہوگئی پھر اس کو سفر میں پڑھنا چاہتا ہے تو چار رکعت پڑھے، کیونکہ قضاء ادا کے موافق واجب ہوتی ہے یعنی جس پر اداء چار رکعت واجب ہوئی تو وہ قضاء بھی چار رکعت ہی کرے گا اور جس پر اداء دو رکعت واجب ہوئی تو قضاء بھی دو رکعت ہی واجب ہوگی۔

(۱۷/۳۴۹) وَالْعَاصِيْ وَالْمُطِيْعُ فِي السَّفَرِ فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ

ترجمہ: (۱۷/۳۴۹) گناہ گار اور فرمانبردار رخصتِ سفر میں برابر ہیں۔

تشریح: سفر معصیت جیسے عورت کا بغیر محرم کے حج کے لئے سفر کرنا، سفر طاعت جیسے جہاد کے لئے سفر کرنا، حنفیہ کے نزدیک دونوں طرح کا سفر رخصت کا سبب ہے، کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے "يَمْسَحُ الْمُقِيْمُ يَوْماً وَلَيْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا" اس حدیث میں مطیع وعاصی کی کوئی تفصیل نہیں ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک معصیت کرنے [illegible] ت نہیں ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ

ترجمہ: یہ باب جمعہ کی نماز کے (بیان میں) ہے۔

ماقبل سے مناسبت: مسافر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے؛ لیکن مسافر کی ہر رباعی نماز میں تنصیف ہے اور یہاں تنصیف صرف ظہر میں ہے یہ باب خاص ہوا اور ماقبل کا باب عام ہوا اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے

دوسری مناسبت: اب تک صلوات خمسہ اور ان سے متعلق احکام و مسائل کا بیان چل رہا تھا اب یہاں سے مصنفؒ صلوات مخصوصہ جیسے جمعہ اور استسقاء کسوف اور عیدین کا بیان شروع کرتے ہیں۔

جمعہ کا ثبوت قرآن سے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (پارہ:۲۸، آیت:۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی جانب چلو۔

اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے اور امر کا صیغہ وجوب کے لئے ہے، چنانچہ آیت سے خطبہ کی طرف سعی کا واجب ہونا ثابت ہوا اور سعی الی الخطبہ جمعہ کی نماز کے شرائط میں سے ہے، چنانچہ جب جمعہ کی جانب سعی کا واجب ہونا ثابت ہو گیا تو نمازِ جمعہ جو مقصود ہے بدرجۂ اولیٰ فرض ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۵)

جمعہ کا ثبوت حدیث سے: اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ (ابوداؤد ج:۱، ص:۱۵۳)

جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ پڑھنا فرض ہے۔

جمعہ کا ثبوت اجماع سے: پوری امت مسلمہ جمعہ کے فرض ہونے پر متفق ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۵)

جمعہ کی مشروعیت اھ میں ہوئی۔ (معارف السنن ج:۱، ص:۱۶۹)

جمعہ کے فرض ہونے کی بارہ شرطیں ہیں: چھ وجوب کی چھ صحت کی: وجوب کی شرطیں (۱) آزاد ہونا (۲) مرد ہونا (۳) مقیم ہونا (۴) تندرست ہونا (۵) پاؤں کا سلامت ہونا (۶) آنکھوں کا سلامت ہونا، چھ صحت کی: (۱) شہر (۲) بادشاہ یا اس کا نائب ہو (۳) وقت (۴) خطبہ (۵) جماعت (۶) عام اجازت

(۳۵۰/۱) لَاتَصِحُّ الْجُمُعَةُ اِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ فِيْ مُصَلَّى الْمِصْرِ وَلَاتَجُوْزُ فِي الْقُرٰى

ترجمہ: (۳۵۰/۱) صحیح نہیں ہوتا جمعہ مگر شہر جامع میں یا شہر کی فناء میں اور جمعہ گاؤں میں جائز نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ یہ بیان کر رہے ہیں کہ جمعہ کی نماز کس جگہ قائم کی جا سکتی ہے اور کہاں نہیں؟ متن میں دو لفظ ''مصر جامع''، ''مصلی المصر'' قابل تشریح ہیں۔

مصر جامع: وہ بڑا شہر جس میں باقاعدہ سڑکیں ہوں گلی کوچے اور بازار ہوں، امیر یا قاضی ہو جو احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہو، اس کے علاوہ مختلف تعریفیں کی گئیں ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ مصر کی کوئی جامع مانع تعریف نہیں کی جا سکتی بلکہ اس کا مدار عرف پر ہے، اگر عرف میں کسی بستی کو شہر یا قصبہ سمجھا جاتا ہے تو وہاں نمازِ جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں۔

مصلی المصر: شہر کا مصلیٰ عیدگاہ ہوتا ہے لیکن یہاں مصلیٰ سے فناء شہر مراد ہے، فناء شہر کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ شہر کی ضروریات جہاں تک بھی پوری ہوتی ہوں وہاں تک کا علاقہ شہر میں داخل ہے، جیسے قبرستان، عیدگاہ، مذبح وغیرہ۔

(۲) بعض لوگوں نے فناء شہر سے مراد یہ لیا ہے کہ جو لوگ شہر سے اتنے فاصلہ پر رہتے ہیں کہ اگر وہ شہر میں جمعہ کی نماز ادا کر کے شام ہونے سے پہلے بلا تکلف اپنے مقام پر پہنچ سکتے ہیں تب تو ان پر جمعہ فرض ہے، ورنہ نہیں صاحب بدائع نے اسی قول کو پسند کیا ہے وہذا احسن۔ (بدائع ج:۱، ص:۵۸۵)

اس تفصیل کے بعد ملاحظہ ہو کہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز شہر اور فناء شہر دونوں جگہ جائز ہے؛ البتہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

امام شافعی وغیرہ کے نزدیک جمعہ کی نماز ہر ایسی بستی میں قائم کر سکتے ہیں جو مستقل آباد ہو یعنی چند روز کے لئے وہاں عارضی قیام نہ ہو وہاں باقاعدہ تعمیر شدہ مکانات ہوں خواہ کچے ہوں یا پکے، اور چالیس عاقل، بالغ، مقیم، آزاد، مرد ہوں (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۴۰) الحاصل امام شافعی و جمہور علماء کے نزدیک مطلقاً قریۂ صغیرہ ہو یا کبیرہ دونوں میں جمعہ جائز ہے۔

دلیل: حضرت عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک کی روایت ہے کہ میں نے اپنے والد کعب کو دیکھا کہ جب بھی جمعہ کے روز وہ جمعہ کی اذان کی آواز سنتے تو اسعد بن زرارہ کے لئے دعاء مغفرت کیا کرتے تھے، عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے اپنے والد سے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے فرمایا کہ اسعد بن زرارہ نے ہی یہاں مدینہ منورہ کے ایک مقام جس کا نام ہزم النبیت ہے، ہم لوگوں کو سب سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھائی تھی۔ (ابوداؤد ج:۱، ص:۱۵۳)

ہزم النبیت ایک قریہ ہی تو ہے شہر تو نہیں معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ درست ہے۔

جواب ان حضرات نے یہ جمعہ اپنے اجتہاد سے فرضیت جمعہ سے پہلے ہی پڑھ لیا تھا جبکہ ابھی جمعہ کی نماز شروع بھی نہ ہوئی تھی، اس کی تفصیل مصنف عبد الرزاق میں موجود ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ص:۱۵۹ تا ۱۶۰)

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے مصر شرط ہے، اور اہل فتاویٰ نے قصبہ اور قریۂ کبیرہ کو بھی اسی حکم میں لکھا ہے کہ جس گاؤں کی آبادی تین چار ہزار ہو مطلقاً مسلم ہو خواہ غیر مسلم نیز وہاں ضروری حوائج کی اشیاء بھی ملتی ہوں دکانیں ہوں وہ قریۂ کبیرہ اور قصبہ کہلاتا ہے اس میں بھی اقامت جمعہ جائز ہے۔

دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: "قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي" (بخاری ج:۱، ص:۱۲۳، باب من این یولی الجمعة) یعنی اہل عوالی (مدینہ کے قریب کی جگہوں کا نام) باریاں مقرر کر کے جمعہ میں شریک ہونے کے لئے مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر چھوٹی بستیوں میں جمعہ جائز ہوتا تو ان کو جمعہ کے لئے باریاں مقرر کر کے مدینہ آنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ "عوالی" ہی میں جمعہ قائم کر سکتے تھے۔

(۲/۳۵۱) وَلَا تَجُوْزُ إِقَامَتُهَا إِلَّا لِلسُّلْطَانِ أَوْ لِمَنْ أَمَرَهُ السُّلْطَانُ

ترجمہ: (۲/۳۵۱) اور جائز نہیں جمعہ قائم کرنا مگر بادشاہ کے لئے یا اس شخص کے لئے جسے بادشاہ حکم دے۔

تشریح: نماز جمعہ صحیح ہونے کے لئے دوسری شرط بادشاہ یا اس کا نائب ہونا ہے، کیوں کہ جمعہ ایک عظیم جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، اور اس کے قائم کرنے میں لڑائی جھگڑا ہو سکتا ہے مثلاً ایک آدمی کہتا ہے کہ میں امامت کروں گا دوسرا کہتا ہے کہ میں امامت کروں گا یا امام فلاں بزرگ ہوں گے، دوسرا کہتا ہے کہ فلاں بزرگ ہوں گے، کوئی کہے گا جلدی ادا کیا جائے، کوئی تاخیر سے کہے گا، اس لئے بادشاہ یا اس کا نائب ہونا ضروری ہے، تاکہ اس قسم کے اختلافات نہ ہوسکیں، یہ بات ذہن نشیں رہے کہ نماز جمعہ کے لئے بادشاہ کی شرط اس جگہ ہے جہاں بادشاہ مسلمان؛ وورنہ مسلمان آپس کی رضامندی سے جس کو امام مقرر کرلیں وہ امام جمعہ ہوجاتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم عزیز الفتاویٰ ج:۲، ص:۲۹۷)

موجودہ زمانہ میں شرط بادشاہ کی جگہ مسلمانوں کا اتفاق کافی سمجھا گیا ہے اور اتفاق کے لئے مسجد کے نمازیوں کا اپنے امام پر اتفاق کافی ہے۔ (کفایت المفتی ج:۳، ص:۲۱۰)

(۳/۳۵۲) وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْوَقْتُ فَتَصِحُّ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ وَلَاتَصِحُّ بَعْدَهٗ

ترجمہ: (۳/۳۵۲) اور جمعہ کی شرائط میں سے وقت ہے چنانچہ جمعہ وقت ظہر میں صحیح ہے اور ظہر کے وقت کے بعد صحیح نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں صحت جمعہ کے لئے تیسری شرط کا بیان ہے، وقت ظہر سے پہلے اور اس کے بعد نماز جمعہ درست نہیں، اگر جمعہ کی نماز میں ظہر کا وقت ختم ہوجائے تو جمعہ فاسد ہوجائے گا، اگرچہ بقدر تشہد قعدہ کرنے کے بعد ظہر کا وقت ختم ہوا تب بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہے۔

اختلاف الائمہ

جمعہ کا وقت کیا ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام احمد کے نزدیک جمعہ کی نماز زوال سے پہلے پڑھنا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۵۹)

دلیل: ما کنا نقیل و لانتغدیٰ الا بعد الجمعة (مسلم ج:۱، ص:۲۸۳)

یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قیلولہ اور صبح کا کھانا جمعہ کے بعد ہی کیا کرتے تھے۔ عربی زبان میں "غداء" کہتے ہیں اس کھانے کو جو سورج نکلنے کے بعد اور زوال سے پہلے کھایا جائے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز زوال سے بہت پہلے پڑھ لیتے تھے۔

جواب اگرچہ لغت کے اعتبار سے غداء کا اطلاق زوال سے پہلے کے کھانے کے لئے آتا ہے مگر عرفاً زوال کے بعد کے کھانے پر بھی بول دیا جاتا ہے، اس لئے لفظ "نتغدیٰ" سے استدلال درست نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۵۹)
دلیل: إِنَّ النَّبِيَّ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ. (ترمذی ج:۱،ص:۱۱۲، عمدۃ ج:۵،ص:۵۸)
یعنی آپ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جبکہ سورج ڈھلنے لگتا تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ زوال کے بعد ہے نہ کہ زوال سے پہلے۔

(۳۵۳/۴) وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْخُطْبَةُ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يَخْطُبُ الْإِمَامُ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ (۳۵۴/۵) وَيَخْطُبُ قَائِماً عَلَى الطَّهَارَةِ (۳۵۵/۶) فَإِنِ اقْتَصَرَ عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا لَابُدَّ مِنْ ذِكْرٍ طَوِيْلٍ يُسَمّٰى خُطْبَةً (۳۵۶/۷) فَإِنْ خَطَبَ قَاعِداً أَوْ عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ جَازَ وَيُكْرَهُ.

ترجمہ: (۳۵۳/۴) اور شرائط جمعہ میں سے خطبہ ہے نماز سے پہلے امام دو خطبے پڑھے جن کے درمیان ایک بیٹھک سے فصل کرے۔ (۳۵۴/۵) اور خطبہ باوضو کھڑے ہوکر پڑھے۔ (۳۵۵/۶) اگر خطیب ذکر اللہ پر اکتفاء کرے تو جائز ہے ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ایسا ذکر طویل ضروری ہے جس کا نام خطبہ رکھا جاسکے۔ (۳۵۶/۷) اگر خطبہ دیدے بیٹھ کر یا بے وضو تو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

تشریح: اس عبارت میں چوتھی شرط کا بیان ہے، یعنی جمعہ کی نماز صحیح ہونیکی چوتھی شرط خطبہ ہے خطبہ میں دو چیزیں فرض ہیں:
(۱) خطبہ کا نماز سے پہلے ہونا اگر نماز کے بعد خطبہ پڑھا جائے تو نماز نہ ہوگی۔
(۲) لوگوں کے سامنے اللہ کا ذکر کرنا۔

مسنونات خطبہ

خطبہ میں بارہ چیزیں مسنون ہیں، چند چیزیں یہاں بیان کی ہیں، حنفیہ کے نزدیک چونکہ دو خطبے مسنون ہیں اس لئے ان کے درمیان بیٹھنا بھی مسنون ہوگا دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھنا کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں، خطبہ پڑھنے کے حالت میں خطبہ پڑھنے والے کا کھڑا رہنا بیٹھ کر خطبہ پڑھنا ایسے ہی بلا وضو خطبہ پڑھنا مکروہ ہے ورامام ابویوسف کے نزدیک ناجائز ہے۔

خطبہ کی مقدار میں علماء احناف کا اختلاف

امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اگر خطبہ کی نیت سے صرف الحمدللہ کہا یا سبحان اللہ کہا تو جائز ہے مگر اسی پر اکتفاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

دلیل: اللہ کا فرمان ہے: "فاسعوا الی ذکر اللہ" اس آیت شریفہ میں قلیل وکثیر کی کوئی تفصیل نہیں ہے اس لئے مطلقاً ذکر اللہ سے خطبہ ادا ہو جائے گا۔

صاحبین کے نزدیک خطبہ کے لئے ذکر طویل ہونا شرط ہے جسے خطبہ کہا جائے اور عرف میں صرف سبحان اللہ اور الحمد للہ کو خطبہ نہیں کہتے۔ (مظاہر حق جدید ج:۲، ص:۲۸۹، مکتبہ اسلامیہ دیوبند)

اس لئے متعارف خطبہ ہی پڑھنا ضروری ہے، مثلاً (۱) جس میں اللہ کی ایسی تعریف کرنا جو اس کے لائق ہو (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا (۳) وعظ ونصیحت کرنا (۴) دوسرے خطبہ میں تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرنا (۵) قرآن شریف پڑھنا جس کی مقدار تین چھوٹی آیتیں یا بڑی ایک آیت ہے۔

(۸/ ۳۵۷) وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ وَاَقَلُّهُمْ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ ثَلٰثَةٌ سِوَى الْاِمَامِ وَقَالَا اِثْنَانِ سِوَى الْاِمَامِ

ترجمہ: (۸/ ۳۵۷) اور جمعہ کی شرطوں میں سے جماعت کا ہونا ہے اور ان کی کم از کم تعداد امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین آدمی ہیں امام کے علاوہ، اور صاحبین نے فرمایا دو ہیں امام کے علاوہ۔

تشریح: جماعت بالاتفاق جمعہ کی شرط ہے البتہ افراد کی تعداد میں اختلاف ہے کہ نماز جمعہ میں کتنے افراد کی شرکت ضروری ہے۔

اختلاف الائمہ

اس بارے میں چار مذاہب ہیں:

(۱) شوافع وحنابلہ کے نزدیک چالیس آدمیوں کی شرکت ضروری ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۱۲۵)

دلیل: حضرت عبدالرحمن بن کعب بن مالک کی روایت کے آخر میں ہے "قُلْتُ كَمْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ قَالَ اَرْبَعُوْنَ".

(ابوداؤد ج:۱، ص:۱۵۳)

اس سے معلوم ہوا کہ چالیس آدمیوں کی شرکت ضروری ہے۔

جواب: آپ کی ذکر کردہ روایت ضعیف ہے۔

(۲) امام مالک کے نزدیک بارہ افراد کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۱۲۵)

(۳) امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، یہی امام زفر کا قول ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۵، ص:۱۲۵)

دلیل: "فَاسْعَوْا اِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ" میں فاسعوا کے ذریعہ خطاب جمع سے ہے اور جمع صحیح کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۱۲۵)

(۴) صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو کا ہونا کافی ہے۔(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۲۵)

دلیل: جمعہ کے لغوی معنی جمع ہونے کے ہیں اور دو میں اجتماع کے معنی موجود ہیں، شراح نے امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

(۳۵۸/۹) وَيَجْهَرُ الْإِمَامُ بِقِرَاءَتِهِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ وَلَيْسَ فِيهِمَا قِرَاءَةُ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا

ترجمہ: (۳۵۸/۹) اور زور سے پڑھے امام قرأت دونوں رکعتوں میں اور دونوں رکعتوں میں کوئی سورت متعین نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے ہیں:

(۱) جمعہ کی نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے۔(کفایت المفتی ج:۳،ص:۴۱۰)

(۲) نبی کریمؐ سے نمازوں میں جن سورتوں کی قرأت منقول ہے ان کو پڑھنا مستحب ہے لیکن ان پر پابندی کرنا مناسب نہیں ہے، تاکہ عوام ان سورتوں کو واجب نہ سمجھ لیں۔ جمعہ میں تین طریقہ پر قرأت منقول ہے:

(۱) پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ، دوسری میں سورۂ منافقون۔(ابوداؤد ج:۱،ص:۱۶۰)

(۲) پہلی میں سبح اسم، دوسری میں سورۂ غاشیہ۔(ابوداؤد ج:۱،ص:۱۶۰)

(۳) پہلی میں سورۂ جمعہ، دوسری میں سورۂ غاشیہ۔(ابوداؤد ج:۱،ص:۱۶۰)

اگر کبھی ان کے علاوہ پڑھے تو خلاف سنت نہیں اسی وجہ سے احناف کے یہاں تعیینِ سورت نہیں ہے۔

(۳۵۹/۱۰) وَلَاتَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلٰى مُسَافِرٍ وَلَاامْرَأَةٍ وَلَامَرِيْضٍ وَلَاصَبِيٍّ وَلَاعَبْدٍ وَلَاأَعْمٰى (۳۶۰/۱۱) فَاِنْ حَضَرُوْا وَصَلُّوْا مَعَ النَّاسِ اَجْزَأَهُمْ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ.

ترجمہ: (۳۵۹/۱۰) اور واجب نہیں جمعہ مسافر پر اور نہ عورت پر اور نہ بیمار پر اور نہ بچے پر اور نہ غلام پر اور نہ اندھے پر۔ (۳۶۰/۱۱) پھر اگر یہ لوگ حاضر ہوئے اور لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھا تو اس وقت کے فرض کی طرف سے ان کو جمعہ کافی ہو گیا۔

تشریح: جاننا چاہئے کہ جمعہ کی نماز ہر شخص کے حق میں فرض نہیں ہے بلکہ اس مسلم پر فرض ہے جو مرد ہو، مقیم ہو اور آزاد ہو، ائمہ اربعہ کے نزدیک غلام، عورت، بچہ، مریض، مسافر ان سب پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اندھے پر جمعہ فرض نہیں۔

صاحبین کے نزدیک فرض ہے بشرطیکہ اس کو جامع مسجد تک لے جانے والا موجود ہو جن لوگوں کو جمعہ کی ادائیگی سے معذور قرار دیا گیا ہے اگر انھوں نے جمعہ میں حاضر ہو کر لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کر لی تو ان کا فریضۂ وقت ادا ہو گیا۔

(۳۶۱/۱۲) وَيَجُوْزُ لِلْعَبْدِ وَالْمُسَافِرِ وَالْمَرِيْضِ اَنْ يَّؤُمُّوْا فِي الْجُمُعَةِ

ترجمہ: (۳۶۱/۱۲) اور جائز ہے غلام، مسافر، اور مریض کے لئے جمعہ میں امام بننا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ مسافر، بیمار، اور غلام پر اگر چہ جمعہ فرض نہیں ہے لیکن ان کو جمعہ میں امام بنانا جائز ہے، اندھا چونکہ اکثر طہارت کا اہتمام نہیں کرسکتا اور نجاست سے نہیں بچ سکتا اس لئے اسکی امامت ہر نماز میں مکروہ ہے البتہ اگر وہ سب سے افضل ہے اور طہارت کا اہتمام کرتا ہے اور نجاست سے بچتا ہے تو اس کی امامت مکروہ نہیں اور جمعہ میں بھی اس کی امامت کا یہی حکم ہے۔

(۳۶۲/۱۳) وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنْزِلِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْإِمَامِ وَلَاعُذْرَ لَهُ كُرِهَ لَهُ ذَالِكَ وَجَازَتْ صَلٰوتُهُ (۳۶۳/۱۴) فَإِنْ بَدَأَ لَهُ اَنْ يَّحْضُرَ الْجُمُعَةَ فَتَوَجَّهَ إِلَيْهَا بَطَلَتْ صَلٰوةُ الظُّهْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِالسَّعْيِ إِلَيْهَا وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَاتَبْطُلُ حَتّٰى يَدْخُلَ مَعَ الْإِمَامِ.

ترجمہ: (۳۶۲/۱۳) اور جس شخص نے ظہر کی نماز پڑھ لی اپنے گھر میں جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے حالانکہ اس کو کوئی عذر بھی نہیں ہے، تو اس کے لئے یہ مکروہ ہے، اور اس کی نماز ہو جائے گی۔ (۳۶۳/۱۴) پھر اس کے دل میں آیا کہ جمعہ میں حاضر ہو جائے، چنانچہ وہ جمعہ کے طرف متوجہ ہوا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی طرف چلنے کے ساتھ ہی، اور صاحبین نے فرمایا کہ باطل نہ ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ شہر میں غیر معذور نے جمعہ کے دن امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے اپنے گھر میں نماز ظہر پڑھ لی تو اس کی نماز جائز تو ہوگئی لیکن مکروہ تحریمی ہے، یہ تفصیل ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے، امام زفر کے نزدیک جائز نہ ہوگی یہی قول ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ (عینی ج:۲، ص:۱۰۰۲)

اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اب اگر اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ جمعہ میں حاضر ہو اور اسی ارادہ سے جمعہ کے لئے روانہ ہوا امام نماز جمعہ میں تھا، لیکن اس کے پہنچتے پہنچتے امام نمازِ جمعہ سے فارغ ہو گیا اور یہ شخص نمازِ جمعہ کو امام کے ساتھ نہیں پا سکا تو اس بارے میں امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ گھر سے چلنے کے ساتھ ہی اس کی نماز ظہر باطل ہوگئی اب چوں کہ اس کو نماز جمعہ تو مل نہیں سکی اور ادا کی ہوئی ظہر باطل ہوگئی اس لئے نماز ظہر کا اعادہ کرے، اور صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ محض چلنے سے ظہر باطل نہ ہوگی بلکہ نماز جمعہ میں شرکت کرنے سے باطل ہوگی یعنی اگر امام کے ساتھ نماز جمعہ کے کسی حصہ میں شریک ہو گیا تو اس کی ظہر باطل ہو جائے گی۔

(۳۶۴/۱۵) وَيُكْرَهُ اَنْ يُّصَلِّيَ الْمَعْذُوْرُ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَكَذٰلِكَ اَهْلُ السِّجْنِ

ترجمہ: (۳۶۴/۱۵) اور مکروہ ہے یہ کہ نماز ظہر پڑھیں معذور لوگ جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن اسی طرح قیدیوں کے لئے مکروہ ہے۔

تشریح: شہر میں معذورین جیسے، قیدی، مسافر، بیمار، غلام اگر امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے یا بعد میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں تو مکروہ تحریمی ہے اس لئے الگ الگ نماز ظہر پڑھیں اور تنہا میں بھی اذان واقامت نہ کہیں۔ (عالمگیری ج:۱،ص:۱۴۸ کوئٹہ)

(۳۶۵/۱۶) وَمَنْ اَدْرَكَ الْإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلّٰى مَعَهُ مَا اَدْرَكَ وَبَنىٰ عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ (۳۶۶/۱۷) وَإِنْ اَدْرَكَهُ فِي التَّشَهُّدِ اَوْ فِيْ سُجُوْدِ السَّهْوِ بَنىٰ عَلَيْهِ الْجُمُعَةَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِنْ اَدْرَكَ مَعَهُ اَكْثَرَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بَنىٰ عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ وَإِنْ اَدْرَكَ مَعَهُ اَقَلَّهَا بَنىٰ عَلَيْهَا الظُّهْرَ.

ترجمہ: (۳۶۵/۱۶) اور جس شخص نے پایا امام کو جمعہ کے دن تو پڑھ لے اس کے ساتھ جو پائے اور اسی پر جمعہ کی بناء کرے۔ (۳۶۶/۱۷) اور اگر پایا امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں تو اس پر جمعہ کی بناء کرلے شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا اگر پایا امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر حصہ تو اس پر جمعہ کی بناء کرے اور اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا کم حصہ پایا تو اس پر ظہر کی بناء کرے۔

تشریح: اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کو نماز جمعہ میں پایا اور دوسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوگیا تو بالاتفاق یہ شخص امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے اور ایک رکعت جو فوت ہوگئی اس کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرے، اس کی یہ نماز جمعہ کی ہی سمجھی جائے گی نہ کی ظہر کی۔

اور اگر امام کو نماز جمعہ کے تشہد میں یا سجدہ سہو میں پایا یعنی دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہیں پایا بلکہ دوسری رکعت میں رکوع کے بعد شریک ہوا، تو اس صورت میں جمعہ کی نماز پوری کرے یا ظہر کی نماز پوری کرے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر ظہر کی نماز واجب ہوجائے گی اور وہ جمعہ کو پانے والا نہیں کہلائیگا یہی مذہب امام محمد کا ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۱۷)

دلیل: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پالی اس کو چاہئے کہ دوسری رکعت بھی پڑھ لے اور جس کی دونوں رکعتیں چھوٹ جائیں تو وہ ظہر کی چار رکعت ادا کرے۔ (بذل المجہود ج:۲،ص:۱۹۶)

جواب رکعتان کے فوت ہونے سے پوری نماز کا فوت ہونا مراد ہے، یہ نہیں کہ دوسری رکعت کا رکوع چھوٹ گیا تو ظہر کی نماز ادا کرے بلکہ دوسری رکعت پوری فوت ہوجائے مع سلام کے تب یہ حکم ہے۔ (بذل المجہود ج:۲،ص:۱۹۶)

(۲) امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز میں سلام سے پہلے پہلے شریک ہوگیا تو وہ جمعہ کو پانے والا کہلائے گا یہی مسلک امام ابویوسف کا ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۱۷)

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: "مَنْ اَدْرَكَ التَّشَهُّدَ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ" (بدائع مع الحاشیہ، ج:۱،ص:۶۰۰) جس نے تشہد پالیا اس نے نماز پالی، اس روایت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نماز پانے کے لئے آخری

رکوع کو پانا ضروری نہیں بلکہ اگر اس کے بعد سلام سے پہلے شریک ہوگیا تو جمعہ مل جائے گا۔

(۱۸/ ۳۶۷) وَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَكَ النَّاسُ الصَّلٰوةَ وَالْكَلَامَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ وَقَالَا لَابَاسَ بِاَنْ يَّتَكَلَّمَ مَالَمْ يَبْدَأْ بِالْخُطْبَةِ.

ترجمہ: (۱۸/ ۳۶۷) اور جب نکلے امام جمعہ کے دن تو چھوڑ دیں لوگ نماز کو اور بات چیت کو یہاں تک کہ فارغ ہو جائے امام خطبہ سے اور صاحبین نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں بات چیت کرنے میں جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے۔

تشریح: امام صاحبؒ کے نزدیک امام کے منبر پر پہنچنے سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک آپس میں بات چیت کرنا کوئی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، ہاں قضاء نماز پڑھنا صاحب ترتیب کے لئے اس وقت بھی جائز بلکہ واجب ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۰۶)

دلیل: حضرت ابن عمرؓ کی روایت مرفوعہ ہے "إذا صعد الامام المنبر فلاصلوٰة ولا كلام حتى يفرغ" (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۰۲)

جب امام منبر پر آ جائے تو نہ کوئی نماز ہے اور نہ کوئی کلام، یہاں تک کہ امام فارغ ہو جائے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وکلام ممنوع ہے خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی اور ختم ہونے کے بعد تکبیر سے پہلے بھی۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک خطبہ شروع ہونے سے اس کے ختم ہونے تک بات کرنا مکروہ تحریمی ہے لہٰذا ان کے نزدیک خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد بات کرنا جائز ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۰۶)

دلیل: حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا کہ آپ منبر پر سے اترے تو کوئی صاحب حاجت اپنی ضرورت کے سلسلہ میں آپ سے کلام کرنا چاہتا تو آپؐ اس سے بات کر لیتے تھے اس کے بعد نماز پڑھاتے تھے۔

(ابوداؤد ج:۱،ص۱۵۹، ترمذی ج:۱،ص:۱۱۵)

جواب یہ حدیث منکر اور شاذ ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہوسکتا۔ (ابوداؤد ج:۱ص:۱۵۹)

(۱۹/ ۳۶۸) وَإِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُوْنَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الْاَذَانَ الْاَوَّلَ تَرَكَ النَّاسُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَتَوَجَّهُوْا اِلَى الْجُمُعَةِ.

ترجمہ: (۱۹/ ۳۶۸) اور جب اذان دیں مؤذن لوگ جمعہ کے دن پہلی اذان تو چھوڑ دیں لوگ خرید وفرخت اور چل پڑیں جمعہ کے لئے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ مؤذن لوگ جب پہلی اذان دیں تو لوگ خرید وفروخت کو چھوڑ کر جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں، رہی یہ بات کہ وہ کونسی اذان ہے جس کے بعد خرید وفروخت حرام اور سعی واجب ہوتی ہے، سو جاننا چاہئے کہ

حضورؐ اور شیخین کے زمانہ تک جمعہ کے لئے ایک ہی اذان جاری رہی جو منبر کے سامنے ہوتی تھی، جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی وسیع ہوگئی اور یہ اذان اطلاع عام کے لئے کافی نہ ہوئی، تو حضرت عثمانؓ نے اس اذان سے پہلے ایک اور اذان بڑھائی، اس اذان اول پر اجماع ہوگیا اور یہ اذان بھی سنت ہوگئی اس تفصیل کے بعد آپ سمجھیں کہ اذان اول کی مراد کے بارے میں اختلاف ہے، علامہ شامی کے بقول اذان اول سے مراد وہ اذان ہے جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بڑھائی گئی۔ (شامی ج:۱ص:۷۷۰، البحر الرائق ج:۲ص:۱۶۸، فتاویٰ دارالعلوم عزیز الفتاویٰ ج:۲ص:۲۸۱)

(۳۶۹/۲۰) فَإِذَ صَعِدَ الْإِمَامُ الْمِنبَرَ جَلَسَ وَاَذَّنَ الْمُؤَذِّنُوْنَ بَيْنَ يَدَى الْمِنبَرِ ثُمَّ يَخْطُبُ الْإِمَامُ (۳۷۰/۲۱) وَإِذَا فَرَغَ مِنْ خُطْبَتِهِ اَقَامُوْا الصَّلٰوةَ.

ترجمہ: (۳۶۹/۲۰) پھر جب امام منبر پر چڑھ کر بیٹھ جائے تو مؤذن لوگ منبر کے سامنے اذان دیں پھر امام خطبہ پڑھے۔ (۳۷۰/۲۱) اور جب امام فارغ ہوجائے اپنے خطبہ سے تو لوگ نماز قائم کریں۔

تشریح: خطیب کا منبر پر پہنچنے کے بعد شروع میں بیٹھنا اذان پورا ہونے کے انتظار میں جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحب ہے۔

کیا دوسری اذان پہلی صف میں ہونا ضروری ہے؟

جمعہ کی دوسری اذان منبر کے سامنے اور قریب ہونی چاہئے منبر سے قریب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ صف اول ہی میں ہو بلکہ منبر سے دور امام کے سامنے دو چار صفوں کے بعد یا تمام صفوں کے بعد بھی کہیں جائز ہے۔

اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اذان ہوجانے کے بعد امام خطبہ پڑھے اور خطبہ جمعہ ختم ہوتے ہی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلیجائیں تاکہ تکبیر سکون سے سن سکیں اور اس وقت کسی قسم کا شور وشغب نہ ہو۔

باب صلٰوۃ العیدین

ترجمہ: یہ باب عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے احکام کے بیان میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: نماز جمعہ اور نماز عیدین میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں دن کی نمازیں ہیں دونوں میں جہری قرأت ہے جس پر جمعہ واجب ہے اس پر عید کی نماز بھی واجب ہے، چونکہ جمعہ فرض ہونے کی وجہ سے قوی ہے اور عیدین کی نماز فرض نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، اس لئے اولاً احکام جمعہ بیان کئے گئے ہیں۔

عید کی نماز کا ثبوت: قرآن کی اس آیت سے ہے: "فصل لربك وانحر" پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر۔

عیدین کا ثبوت حدیث سے: حضور عیدین کی نماز پڑھتے تھے۔

اجماع سے بھی ثابت ہے کہ حضورؐ کے زمانہ سے لے کر آج تک عام مسلمانوں کا اتفاق چلا آ رہا ہے۔

(معارف السنن ج:۴،ص:۴۲۶)

عید کی وجہ تسمیہ: عید عود سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ ہیں بار بار آنا، چوں کہ یہ مقدس دن بھی ہر سال بار بار آتا ہے اس لئے اس کا نام عید رکھا گیا عید الفطر کی نماز کے بارے میں لکھا ہے کہ ۲ھ میں مشروع ہوئی اور اسی سنہ کے ماہِ شعبان میں روزوں کی فرضیت ہوئی ہے۔ (بذل المجھود ج:۲،ص:۲۰۰)

(۱/۳۷۱) يَسْتَحِبُّ يَوْمَ الْفِطْرِ اَنْ يَطْعَمَ الإِنْسَانُ شَيْئًا قَبْلَ الْخُرُوْجِ إِلَى الْمَصَلّٰى (۲/۳۷۲) وَيَغْتَسِلَ (۳/۳۷۳) وَيَتَطَيَّبَ (۴/۳۷۴) وَيَلْبَسَ أَحْسَنَ ثِيَابِهٖ (۵/۳۷۵) وَيَتَوَجَّهَ إِلَى الْمُصَلّٰى.

ترجمہ: (۱/۳۷۱) مستحب ہے عید الفطر کے دن یہ کہ کھائے آدمی کوئی چیز عید گاہ جانے سے پہلے۔ (۲/۳۷۲) اور غسل کرے۔ (۳/۳۷۳) اور خوشبو لگائے۔ (۴/۳۷۴) اور اپنے کپڑوں میں سے اچھے کپڑے پہنے۔ (۵/۳۷۵) اور جائے عید گاہ کی طرف۔

تشریح: عیدین کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں: (۱) عید گاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز جیسے چھوہارے وغیرہ کھانا، (۲) غسل کرنا، (۳) خوشبو لگانا، (۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے (نئے یا دھلے ہوئے) جو اپنے پاس موجود ہوں پہننا، (۵) مسواک کرنا، (۶) صبح کو بہت سویرے اٹھنا، (۷) عید گاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر دیدینا، (۸) عید کی نماز عید گاہ میں جاکر پڑھنا، (۹) جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا، (۱۰) پیدل جانا، (۱۱) محلہ کی مسجد میں نماز فجر پڑھنا، (۱۲) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا، (۱۳) راستے میں تکبیر تشریق پڑھتے ہوئے جانا۔

(۶/۳۷۶) وَلَايُكَبِّرُ فِي طَرِيْقِ الْمُصَلّٰى عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُكَبِّرُ عِنْدَهُمَا.

ترجمہ: (۶/۳۷۶) اور تکبیر نہ کہے عید گاہ کے راستے میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور تکبیر کہے صاحبین کے نزدیک۔

تشریح: امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک نماز عید الفطر کے لئے جاتے وقت راستہ میں آہستہ آواز سے تکبیر کہے اور صاحبین کے نزدیک بلند آواز سے۔

(۷/۳۷۷) وَلَايَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلّٰى قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِيْدِ.

ترجمہ: (۷/۳۷۷) اور نفل نہ پڑھے عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے۔

تشریح: عیدین کی نماز سے پہلے حنفیہ کے نزدیک نوافل پڑھنا مکروہ ہے عیدگاہ میں پڑھے یا گھر وغیرہ میں اور عیدین کی نماز کے بعد کا حکم یہ ہے کہ عیدگاہ میں نہ پڑھے اگر گھر میں آ کر پڑھے تو درست ہے۔
(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۷٦)

دلیل: حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آپ نے گھر سے نکل کر لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی آپ نے نہ عید سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھی اور نہ عید کے بعد۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۲۰)

(۳۷۸/۸) فَإِذَا حَلَّتِ الصَّلٰوةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُهَا إِلَى الزَّوَالِ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ وَقْتُهَا.

ترجمہ: (۳۷۸/۸) پھر جب نماز پڑھنا جائز ہو جائے سورج کے بلند ہونے سے تو نماز عید کا وقت شروع ہو گیا سورج کے ڈھلنے تک پھر جب سورج ڈھل جائے تو عید کی نماز کا وقت نکل گیا۔

تشریح: اس عبارت میں نماز عید کے وقت کی ابتداء وانتہاء کو بیان کیا جا رہا ہے، نماز عید کا وقت سورج کے ایک نیزہ کے برابر اونچا ہونے سے لے کر زوال سے پہلے تک ہے چنانچہ اگر سورج کے نیزہ برابر اونچا ہونے سے پہلے عید کی نماز پڑھی جائے گی تو وہ درست نہیں ہوگی، ایسے ہی اگر عید کی نماز ہوتے ہوئے ہی سورج ڈھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، فاسد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جو پڑھ رہا تھا وہ نہیں ہوگی البتہ اسے نفل نماز کا ثواب مل جائے گا۔ (درمختار مع الشامی ج:۱،ص:۷۷۹)

(۳۷۹/۹) وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ (۳۸۰/۱۰) يُكَبِّرُ فِي الْأُولٰى تَكْبِيْرَةَ الْإِحْرَامِ وَثَلٰثاً بَعْدَهَا ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مَعَهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً يَرْكَعُ بِهَا (۳۸۱/۱۱) ثُمَّ يَبْتَدِأُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِالْقِرَاءَةِ فَإِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ كَبَّرَ ثَلٰثَ تَكْبِيْرَاتٍ وَكَبَّرَ تَكْبِيْرَةً رَابِعَةً يَرْكَعُ بِهَا (۳۸۲/۱۲) وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ.

ترجمہ: (۳۷۹/۹) اور نماز پڑھائے امام لوگوں کو دو رکعتیں۔ (۳۸۰/۱۰) پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کہے اور اس کے بعد تین تکبیریں کہے پھر پڑھے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت، پھر ایک تکبیر کہے اور اس کے ساتھ رکوع کرے۔ (۳۸۱/۱۱) پھر دوسری رکعت کی ابتداء قرأت سے کرے پھر جب قرأت سے فارغ ہو جائے تو تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ (۳۸۲/۱۲) اور دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیرات عیدین میں۔

عیدین کی نماز کا طریقہ:

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوری نے نماز عید کی کیفیت بیان کی ہے، حنفیہ کے نزدیک عیدین کی نماز

کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے نیت اس طرح کرے، نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز واجب عید الفطر یا عید الاضحیٰ، مع زائد چھ تکبیروں کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے، پیچھے اس امام کے، منھ میرا کعبہ شریف کی طرف دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے، پھر ثنا پڑھے، پھر امام تین بار اللہ اکبر کہے اور مقتدی بھی اسی طرح کریں اور ہر مرتبہ کانوں تک دونوں ہاتھ اٹھائے اور چھوڑ دے اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر توقف کرنا چاہئے کہ جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکے، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے، بلکہ باندھ لے، پھر امام تعوذ، وتسمیہ آہستہ پڑھے، اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت بلند آواز سے پڑھے اور مستحب یہ ہے کہ سورۂ اعلیٰ پڑھے پھر حسب دستور رکوع وسجدے کرکے کھڑا ہو پھر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھی جائے اور مستحب ہے کہ سورۂ غاشیہ ہو، اس کے بعد تین تکبیریں اسی طرح کہے جیسے پہلی رکعت میں کہی تھیں لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ لٹکائے رکھے اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے، باقی نماز حسب دستور پوری کی جائے، اس تفصیل کے مطابق دونوں رکعتوں میں نو تکبیریں ہوئیں چھ زائد دو تکبیرات رکوع اور ایک تکبیر تحریمہ یہی علماء احناف کا مذہب ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عیدین کی تکبیرات زوائد کتنی ہیں۔

اس بارے میں تین مذاہب ہیں:

(۱) حنفیہ کے نزدیک تکبیرات زوائد صرف چھ ہیں تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۳۴)

(۲) امام شافعی کے نزدیک بارہ تکبیریں ہیں سات پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور پانچ دوسری رکعت میں۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۳۴)

(۳) امام مالک واحمد کے نزدیک گیارہ تکبیریں ہیں، چھ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور پانچ دوسری رکعت میں۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۳۴)

اور یہ سب حضرات اس پر متفق ہیں کہ دونوں رکعتوں میں تکبیریں قرأت سے پہلے ہوں گی۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: اس روایت سے ہے: "**ان النبیؐ کبر فی العیدین فی الاولیٰ سبعاً قبل القراءة وفی الاخرة خمسا قبل القراءة.**" (ترمذی ج:۱،ص:۱۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے قبل کہیں۔

جواب اس روایت کا مدار کثیر بن عبداللہ پر ہے جو ضعیف ہیں۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۳۶)

حنفیہ کی دلیل: حضرت سعید بن عاص نے ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ سے دریافت کیا کہ حضورؐ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے، حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا جنازہ کی طرح چار تکبیریں عیدین میں کہا کرتے تھے۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۶۳) ان میں سے ایک تکبیر تحریمہ ہے اور تین زوائد ہیں اسی طرح دوسری رکعت میں تین زوائد ہیں۔

(۳۸۳/۱۳) ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهِمَا صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاَحْكَامَهَا

ترجمہ: (۳۸۳/۱۳) پھر خطبہ پڑھے نماز کے بعد دو خطبے سکھلائے ان دونوں میں لوگوں کو صدقۂ فطر اور اس کے احکام۔

تشریح: نماز عید سے فارغ ہوکر امام دو خطبے پڑھے گا منبر پر کھڑے ہوکر اور دونوں خطبوں کے درمیان اتنی ہی دیر تک بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبہ میں، ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عیدین کا خطبہ نماز سے فراغت کے بعد مسنون ہے، پھر حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اگر نماز سے پہلے خطبہ دیدیا پھر بھی درست ہے، اگر چہ خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔ (معارف السنن ج:۴، ص:۴۲۷)

عیدین کے خطبہ میں تکبیر سے ابتداء کرے پہلے خطبہ میں نو مرتبہ اللہ اکبر کہے اور دوسرے میں سات مرتبہ دونوں خطبوں میں لوگوں کو یہ بتلائے کہ صدقۂ فطر کس پر واجب ہے، کس کے لئے واجب ہے، کب واجب ہے، کتنا واجب ہے، اور کس چیز سے واجب ہے۔

(۳۸۴/۱۴) وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعِيْدِ مَعَ الْاِمَامِ لَمْ يَقْضِهَا

ترجمہ: (۳۸۴/۱۴) اور وہ شخص جس کی فوت ہوگئی عید کی نماز امام کے ساتھ تو وہ اس کی قضا نہ کرے۔

تشریح: اگر کسی شہر میں عید کی نماز ہوچکی ہو اور ایک شخص اس میں شریک نہیں ہوسکا تو پھر اس شخص کے حق میں قضا نہیں ہے کیونکہ اس میں جماعت شرط ہے، حنفیہ کا مسلک درمختار میں یہی لکھا ہے۔

(درمختار ج:۱، ص:۷۸۳، عمدۃ القاری ج:۵، ص:۲۰۸، بدائع الصنائع ج:۱، ص:۲۲۴)

(۳۸۵/۱۵) فَاِنْ غُمَّ الْهِلَالُ عَنِ النَّاسِ وَشَهِدُوْا عِنْدَ الْاِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيْدَ مِنَ الْغَدِ (۳۸۶/۱۶) فَاِنْ حَدَثَ عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهٗ.

ترجمہ: (۳۸۵/۱۵) پھر اگر چھپ گیا چاند لوگوں کی نظر سے اور گواہی دی امام کے سامنے چاند دیکھنے کی زوال کے بعد تو امام دوسرے دن نماز عید پڑھائے۔ (۳۸۶/۱۶) پھر اگر کوئی ایسا عذر پیش آجائے جو روک دے لوگوں کو نماز پڑھنے سے دوسرے دن تو اس کے بعد نماز نہ پڑھے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ۲۹؍رمضان کو اگر چاند بادل میں چھپ گیا، اور ۳۰؍رمضان کو زوال کے بعد لوگوں نے امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور امام نے ان کی گواہی قبول بھی کرلی تو روزہ توڑ دیں اور امام دوسرے دن لوگوں کو نماز پڑھائے اور اگر ۲؍شوال کو بھی کوئی ایسا عذر پایا گیا جو نماز عید کے لئے مانع ہو تو اب ۳؍شوال کو نماز عید پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز کی قضاء ہے اگر امام اور قوم سب کی فوت

ہو جائے یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے، مالکیہ کے یہاں قضاء نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۲۰۸)

(۱۷/۳۸۷) وَيَسْتَحِبُّ فِي يَوْمِ الْاَضْحٰى أَنْ يَّغْتَسِلَ (۱۸/۳۸۸) وَيَتَطَيَّبَ (۱۹/۳۸۹) وَيُؤَخِّرَ الْاَكْلَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ (۲۰/۳۹۰) وَيَتَوَجَّهَ اِلَى الْمُصَلّٰى وَهُوَ يُكَبِّرُ (۲۱/۳۹۱) وَيُصَلِّي الْاَضْحٰى رَكْعَتَيْنِ كَصَلٰوةِ الْفِطْرِ وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهِمَا الْاُضْحِيَّةَ وَتَكْبِيْرَاتِ التَّشْرِيْقِ (۲۲/۳۹۲) فَاِنْ حَدَثَ عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْاَضْحٰى صَلَّاهَا مِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَلَا يُصَلِّيْهَا بَعْدَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: (۱۷/۳۸۷) اور مستحب ہے بقرعید کے دن غسل کرنا (۱۸/۳۸۸) اور خوشبو لگانا (۱۹/۳۸۹) اور کھانے کو مؤخر کرنا یہاں تک کہ فارغ ہو جائے نماز سے (۲۰/۳۹۰) اور جائے عیدگاہ تکبیر کہتا ہوا (۲۱/۳۹۱) اور پڑھائے امام بقرعید کی دو رکعتیں عید الفطر کی طرح اور خطبہ دے نماز کے بعد دو خطبے سکھلائے لوگوں کو ان میں قربانی اور تکبیرات تشریق۔ (۲۲/۳۹۲) پھر اگر پیش آ جائے ایسا عذر جو روک دے لوگوں کو نماز سے بقرعید کے دن تو نماز پڑھے دوسرے دن یا تیسرے دن اور اس کے بعد نہ پڑھے۔

تشریح: عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے احکام یکساں ہیں دونوں کا وقت ایک ہی ہے دونوں کے لئے شرطیں ایک سی ہیں اور اس میں بھی وہ سب چیزیں مسنون ہیں، جو عید الفطر میں ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے عید الاضحیٰ میں نہیں ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ نماز عید کے بعد کھائے اور اپنی قربانی سے کھائے اگر کوئی بقرعید کی نماز سے پہلے کھا لے گا، تو یہ مکروہ تنزیہی بھی نہ ہوگا، کیوں کہ بدائع الصنائع میں صراحت ہے کہ چاہے کھائے چاہے نہ کھائے مگر مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد کھائے۔

(بدائع الصنائع ج:۱، ص:۶۲۴، در مختار ج:۱، ص:۷۸۴)

اس کے بعد عیدگاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کے خطبہ میں امام قربانی اور ایام تشریق کے مسائل و احکام بیان کرے تا کہ لوگ واقف ہوں، عید الفطر و عید الاضحیٰ میں ایک فرق یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن اگر کوئی عذر ہو گیا تو دوسرے اور تیسرے دن تک پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد نہیں پڑھ سکتے، بقرعید میں اگر بلا عذر تیسرے دن تک تاخیر کی تو نماز درست ہو جائے گی اگر چہ مکروہ ہوگی اور عید الفطر میں دوسرے دن نماز صرف عذر کی بنا پر جائز ہوتی ہے اور اگر بلا عذر دوسرے دن تک تاخیر کی تو نماز جائز نہ ہوگی دوسرے دن بھی نماز کا وقت وہی ہے جو پہلے دن تھا۔

(۲۳/۳۹۳) وَتَكْبِيْرُ التَّشْرِيْقِ اَوَّلُهُ عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَآخِرُهُ عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ إِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

(۳۹۴/۲۴) وَالتَّكْبِيرُ عَقِيبَ الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

ترجمہ: (۳۹۳/۲۳) اور تکبیر تشریق کی ابتداء نماز فجر کے بعد سے ہے ۹رذی الحجہ کے دن سے اور اس کی انتہاء نماز عصر کے بعد ہے، قربانی کے دن، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ نماز عصر تک ہے، ایام تشریق کے آخری دن کی (۳۹۴/۲۴) اور تکبیر تشریق فرض نمازوں کے بعد ہے، (اس طرح جیسا کہ اوپر متن میں موجود ہے)

تشریح: تکبیر تشریق امام ابوحنیفہ کے نزدیک نو ذی الحجہ کے دن فجر کی نماز کے بعد شروع ہوتی ہے اور ان کا اختتام دس ذی الحجہ کی نماز عصر کے بعد تک ہے، اس طرح امام صاحب کے نزدیک صرف آٹھ نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہی جائے گی، نیز امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورتوں پر، گاؤں والوں پر، (جہاں نماز جمعہ واجب نہیں) مسافر پر، تنہا رنماز پڑھنے والے پر تکبیر تشریق واجب نہیں ہے، صاحبین کے نزدیک تکبیر تشریق کی ابتداء ۹رذی الحجہ کی فجر سے لیکر تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک ہے اس طرح کل ملاکر ۲۳رنمازیں ہو جائیں گی، نیز صاحبین کے نزدیک ہر اس شخص پر تکبیر واجب ہے جو فرض نماز پڑھے خواہ شہری ہو یا گاؤں والا، مسافر ہو یا مقیم، جماعت سے پڑھے یا تنہا، مرد ہو یا عورت، فتویٰ اور عمل صاحبین کے قول پر ہے۔ (درمختار ج:اص:۷۸۶ تا ۷۸۷، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۸۸)

تکبیر تشریق کی ابتدا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے تھے تو حضرت جبرئیلؑ جنت سے ان کا بدل لیکر پہنچے اور انھیں خطرہ ہوا کہ کہیں جلدی میں حضرت ابراہیمؑ اسماعیلؑ کو ذبح نہ کرڈالیں، چنانچہ اس وقت ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے "اللہ اکبر اللہ اکبر" حضرت ابراہیمؑ نے جب حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا تو فوراً بول پڑے "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" اور جب حضرت اسماعیلؑ کو فدیہ کے آنیکی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا "اللہ اکبر وللہ الحمد"۔ (درمختار مع الشامی ج:۱ص:۷۸۵)

بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

ترجمہ: یہ باب سورج گرہن کی نماز کے بیان میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: نماز عید، نماز کسوف، اور نماز استسقاء، تینوں نمازیں دن میں بغیر اذان واقامت کے ادا کی جاتی ہیں، چونکہ عید کی نماز واجب ہے اور نماز کسوف جمہور علماء کے نزدیک مسنون ہے اور نماز استسقاء کا مسنون ہونا مختلف فیہ ہے، اس لئے تینوں ابواب اسی ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں۔

کسوف کے لغوی معنی: بے نور ہو جانا، خسوف کے معنی نقصان۔ (نیل الاوطار ج:۲ص:۳۴۴)

اصطلاحی تعریف: کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں یہی قول علامہ عینی کے بقول افصح ہے۔

کسوف کی نماز کا حکم: سورج گرہن کے وقت نماز باجماعت پڑھنا متفق علیہ مسئلہ ہے، اور یہ نماز ائمہ اربعہ کے

نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۳۴۶، بذل ج:۲،ص:۲۰)

حضورؐ کے زمانہ میں سورج گرھن کب ہوا: پہلی بار حضورؐ کے زمانہ میں کسوف ۵ھ میں ہوا اور دوسری مرتبہ اس دن ہوا جس دن آپؐ کے بیٹے ابراہیم کا انتقام ہوا، جو مشہور قول کی بنا پر ۱۰ھ میں پیش آیا۔

(۳۹۵/۱) إِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوعٌ وَاحِدٌ.

ترجمہ: (۳۹۵/۱) جب سورج گرھن ہو تو نماز پڑھائے امام لوگوں کو دو رکعتیں نفل کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع ہے۔

تشریح: اگر سورج گرہن ہوگیا تو امام جمعہ یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا شخص لوگوں کو نفل نماز کی طرح دو رکعت پڑھائے یعنی جس طرح نفل نماز بلا اذان و اقامت کے ہوتی ہے، اسی طرح نماز کسوف ادا کی جائے گی، دیگر نمازوں کی طرح اس میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۹۷)

دوسرا مذہب: جمہور علماء کے نزدیک نماز کسوف کا طریقہ دوسری نمازوں سے بالکل مختلف ہے ان کے یہاں نماز کسوف کی دو رکعتیں ہیں، ہر رکعت میں دو رکوع اور دو قیام ہیں، ایک رکوع کر کے پھر قیام کی طرف لوٹ آئے، دوسرے قیام کے بعد، پھر دوسرا رکوع کیا جائے، سجدے اور تشہد وغیرہ دوسری نمازوں ہی کی طرح ہیں۔

(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۹۶)

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: حضرت عائشہؓ کی روایت (مسلم ج:۱،ص:۲۹۵) حضرت ابن عباسؓ کی روایت (بخاری ج:۱،ص:۱۴۵) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت (نسائی ج:۱،ص:۲۲۱) ان تمام روایات میں دو رکوع کی تصریح پائی جاتی ہے۔

جواب: نماز کسوف میں حضورؐ سے بلاشبہ دو رکوع ثابت ہیں، بلکہ پانچ رکوع تک بھی روایات میں ثبوت ملتا ہے، لیکن یہ حضورؐ کی خصوصیت تھی اس نماز میں آپؐ کو عجائب و غرائب کا مشاہدہ کرایا گیا جنت اور اس کی نعمتیں دوزخ اور اس کی بلائیں دکھائی گئیں، لہٰذا اس نماز میں آپؐ نے غیر معمولی طور پر کئی رکوع فرمائے، لیکن یہ رکوع نماز کا جز نہیں تھے، بلکہ سجدۂ شکر کی طرح تواضع و عاجزی کے رکوع تھے اور ان کی ہیئت نماز کے عام رکوعوں سے کسی قدر مختلف تھی، بعض صحابہ نے ان رکوعات کو تخشع شمار کیا ہے، اور ایک سے زائد رکوع کی روایت کر دی، اور بعض نے ان کو شمار نہیں کیا۔

حنفیہ کا استدلال: ان تمام احادیث سے ہے جو ایک رکوع پر دلالت کرتی ہیں۔

(بخاری ج:۱،ص:۱۴۵، نسائی ج:۱،ص:۲۱۹)

حنفیہ کی وجوہ ترجیح: تعداد رکوع کی تمام روایات فعلی ہیں، جبکہ حنفیہ کے مستدلات قولی ہیں اور فعلی بھی، حنفیہ کے

مذہب پر تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے قول پر بعض روایتوں کو چھوڑنا پڑتا ہے، حنفیہ کے مستدلات عام نمازوں کے اصول کے مطابق ہیں۔

(۳۹۶/۲) وَيُطَوِّلُ الْقِرَاءَةَ فِيهِمَا وَيُخْفِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجْهَرُ (۳۹۷/۳) ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدَهَا حَتّٰى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ.

ترجمہ: (۳۹۶/۲) اور لمبی قرأت کرے دونوں رکعتوں میں اور آہستہ پڑھے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ زور سے پڑھے (۳۹۷/۳) پھر نماز کے بعد دعا کرے یہاں تک کہ سورج کھل جائے۔

تشریح: نمازِ کسوف کی دونوں رکعتوں میں امام قرأت آہستہ کرے اور بڑی بڑی سورتوں کا پڑھنا، رکوع اور سجدوں کا بہت دیر تک ادا کرنا مسنون ہے، نماز کے بعد امام کو چاہئے کہ دعاء میں مصروف ہو جائے اور سب مقتدی آمین کہیں جب تک گرہن موقوف نہ ہو جائے دعاء میں مصروف رہنا چاہئے، ہاں اگر ایسی حالت میں سورج غروب ہو جائے یا کسی نماز کا وقت آجائے تو پھر دعاء کو موقوف کر کے نماز میں مشغول ہو جانا چاہئے۔

نماز کسوف میں قرأت سراً ہوگی یا جہراً یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

اختلاف الائمہ

(۱) ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک نماز کسوف میں قرأت سراً مسنون ہے۔

(۲) حنفیہ میں سے صاحبین اور امام احمد کے نزدیک قرأت جہراً مسنون ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۳۸)

ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت سے ہے "**قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ فِي كُسُوْفٍ لَانَسْمَعُ لَهٗ صَوْتاً**" (ترمذی ج:۱،ص:۱۲۶) یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز کسوف پڑھی اور قرأت کا ایک حرف بھی نہیں سنا۔

صاحبین کا استدلال: حضرت عائشہ ؓ کی روایت سے ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی اور اس میں قرأت زور سے کی۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۲۶، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۳۸)

جواب: مذکورہ روایت نماز خسوف (چاند گرھن کی نماز) پر محمول ہے۔

فائدہ: متاخرین حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر مقتدیوں کے اکتا جانے کا اندیشہ ہو تو نماز کسوف میں بھی جہر کیا جا سکتا ہے۔

(۳۹۸/۴) وَيُصَلِّي بِالنَّاسِ الْإِمَامُ الَّذِيْ يُصَلِّي بِهِمُ الْجُمُعَةَ فَإِنْ لَّمْ يَحْضُرِ الْإِمَامُ صَلَّاهَا النَّاسُ فُرَادٰى.

ترجمہ: (۳۹۸/۴) اور نماز کسوف لوگوں کو وہ امام پڑھائے جو ان کو جمعہ پڑھاتا ہے، چنانچہ اگر امام حاضر نہ

ہوا ہو تو لوگ اکیلے نماز پڑھیں۔

تشریح: نماز کسوف میں اس کو امام مقرر کیا جائے جو لوگوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھاتا ہے اور اگر امام جمعہ موجود نہ ہو تو لوگ تنہا تنہا نماز ادا کریں۔ کیوں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے۔

(۵/۳۹۹) وَلَيْسَ فِي خُسُوْفِ الْقَمَرِ جَمَاعَةٌ وَإِنَّمَا يُصَلِّيْ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ

ترجمہ: (۵/۳۹۹) اور چاند کے گرہن میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر آدمی بذات خود اپنی نماز پڑھے۔

تشریح: حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک چاند گرہن میں نماز باجماعت مسنون نہیں ہے، تنہا تنہا پڑھ سکتے ہیں، امام شافعی و احمد کے نزدیک سورج گرہن کی نماز میں جس طرح جماعت ہوتی ہے اسی طرح چاند گرہن کی نماز میں بھی جماعت مشروع ہے، اس بارے میں شوافع و حنابلہ کے پاس کوئی خاص دلیل نہیں ہے، بلکہ وہ نماز خسوف کو نماز کسوف پر قیاس کرتے ہیں۔

حنفیہ و مالکیہ کا استدلال اس سے ہے کہ زمانۂ نبوت میں جمادی الاخریٰ ۴ھ میں جب چاند گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے لئے جماعت کا اہتمام نہیں فرمایا، لہٰذا چاند گرہن کی نماز کو سورج گرہن کی نماز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ رات میں لوگوں کا اکٹھا ہونا مشکل ہے، اور دن کے وقت لوگ بیدار رہتے ہیں لہٰذا اجتماع مشکل نہیں۔

(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۰۲)

(۶/۴۰۰) وَلَيْسَ فِي الْكُسُوْفِ خُطْبَةٌ

ترجمہ: (۶/۴۰۰) اور نہیں ہے سورج گرہن میں خطبہ۔

تشریح: امام شافعی اس میں خطبہ کے قائل ہیں بخلاف جمہور کے، جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ سورج گرہن کے موقعہ پر آپ ﷺ نے نماز قائم کرنے اور تکبیر اور صدقہ کا حکم دیا ہے، اور خطبہ کا آپ ﷺ نے حکم نہیں فرمایا اور آپ ﷺ نے نماز کے بعد جو خطبہ دیا تھا وہ ایک مخصوص تنبیہ تھی، جو اس وقت کے مناسب تھی، اس لئے کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سورج گرہن اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی حادثہ یا نئی بات پیش آئے، جس روز مدینہ میں کسوف شمس ہوا اسی دن آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا اس سے ان لوگوں کے خیال کی تائید ہوسکتی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اس خاص موضوع سے متعلق ارشاد فرمایا، لہٰذا اس کو صلوٰۃ الکسوف کا خطبہ نہیں کہا جاسکتا۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۰۹، زکریا دیوبند)

باب صلوٰۃ الاستسقاء

یہ باب بارش مانگنے کی نماز کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: چونکہ دونوں نمازیں غمی کی حالت میں ادا ہوتی ہیں اس لئے صلوٰۃ کسوف کے بعد صلوٰۃ استسقاء کالانا ہی مناسب ہے۔

استسقاء کے لغوی معنیٰ: اللہ سے پانی طلب کرنا۔

اصطلاحی تعریف: قحط سالی کے موقع پر مخصوص کیفیت کے ساتھ دعا مانگنے یا نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔
(معارف السنن ج:۴،ص:۴۹۱)

استسقاء کی مشروعیت: اس کی مشروعیت ماہ رمضان ۶ھ میں ہوئی۔(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۵۷)

(۴۰۱/۱) قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ لَيْسَ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ صَلٰوةٌ مَسْنُوْنَةٌ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنْ صَلَّى النَّاسُ وُحْدَانًا جَازَ وَاِنَّمَا الْاِسْتِسْقَاءُ الدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يُصَلِّي الْاِمَامُ رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ (۴۰۲/۲) ثُمَّ يَخْطُبُ وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِالدُّعَاءِ وَيَقْلِبُ الْاِمَامُ رِدَاءَهُ وَلَايَقْلِبُ الْقَوْمُ اَرْدِيَتَهُمْ (۴۰۳/۳) وَلَايَحْضُرُ اَهْلُ الذِّمَّةِ لِلْاِسْتِسْقَاءِ.

ترجمہ: (۴۰۱/۱) امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ بارش طلب کرنے کے لئے نماز جماعت کے ساتھ مسنون نہیں ہے، پھر اگر نماز پڑھی لوگوں نے اکیلے اکیلے تو جائز ہے اور استسقاء تو صرف دعاء اور استغفار ہے اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ نماز پڑھائے امام دو رکعتیں دونوں رکعتوں میں جہر سے قرأت کرے۔(۴۰۲/۲) پھر خطبہ دے اور قبلہ کی جانب متوجہ ہو دعاء کے ساتھ اور پلٹ دے امام اپنی چادر اور نہ پلٹیں لوگ اپنی چادریں۔(۴۰۳/۳) اور حاضر نہ ہوں ذمی لوگ استسقاء میں۔

تشریح: جب پانی کی ضرورت ہو اور پانی نہ برستا ہو اس وقت پانی برسنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مسنون ہے، اس طرح کہ تمام مسلمان مل کر پیدل خشوع و عاجزی کے ساتھ معمولی لباس میں اپنے لڑکوں بوڑھوں اور جانوروں کے ساتھ جنگل کی جانب نکل جائیں اور جانے سے پہلے صدقہ، خیرات کرنا مستحب ہے، اور اہل حقوق کے حقوق ادا کریں اور گناہوں سے توبہ کریں اپنے ساتھ کسی کافر کو نہ لے جائیں۔

امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز با جماعت مسنون یا مشروع نہیں ہے، لوگ اگر تنہا بغیر جماعت کے نماز پڑھیں تو کچھ حرج نہیں ہے، استسقاء کی حقیقت دعاء و استغفار ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۵۹)

جمہور علماء ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز باجماعت مشروع ومسنون ہے اس طرح کہ بلا اذان واقامت کے جماعت سے پڑھیں اور امام قرأت جہر سے پڑھے پھر دو خطبے پڑھے لیکن خطبے زمین پر ہوں گے منبر پر نہیں، چونکہ امام ابوحنیفہ نماز باجماعت ہی کے قائل نہیں تو خطبہ کا کیا سوال، خطبوں سے فراغت کے بعد امام قبلہ رخ ہوکر کھڑا ہوجائے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے پانی برسنے کی دعاء کرے اور سب حاضرین بھی دعا کریں، خطبہ کے دوران چادر گھمانا امام کے لئے ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک سنت ہے، امام صاحب کے نزدیک سنت نہیں، لعدم الخطبة والصلوة بجماعة. (درمنضود ج:۲،ص:۴۶۳)

چادر گھمانے کا طریقہ

اگر چادر چکور ہے تو اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کردے اور اگر گول ہے تو چادر کا جو سرا دائیں مونڈھے پر ہو اس کو بائیں پر اور جو بائیں پر ہو اس کو دائیں مونڈھے پر کرلینا، اس طریقہ سے کہ دونوں ہاتھ پیٹھ کی طرف لے جائے اور دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا نچلا کنارہ اور بائیں ہاتھ سے دائیں پلے کا نچلا کنارہ پکڑ کر گھمادے۔

(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۴۴)

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

یہ باب رمضان المبارک میں تراویح پڑھنے کے بیان میں ہے

نماز تراویح کو مستقل باب میں لانے کی وجہ: نماز تراویح عام نوافل سے کچھ مختلف ہے مثلاً عام نوافل میں جماعت نہیں اور تراویح میں جماعت ہے، نیز نوافل کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے اور تراویح رمضان کی راتوں کے ساتھ مخصوص ہیں، ان مختلف وجوہ کی بنا پر باب النوافل میں بیان نہیں کیا۔

تراویح حضورؐ سے ثابت ہے: تراویح حضورؐ نے تین رات پڑھیں ہیں، پھر صحابہ کرامؓ نے آپ کے بعد اس پر پابندی فرمائی ہے لہٰذا تراویح باجماعت ہوگئی۔ (فتاویٰ دارالعلوم عزیز الفتاویٰ ج:۲،ص:۲۴۰)

حضورؐ سے بیس رکعت کا ثبوت: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان میں بیس رکعتیں وتر کے علاوہ پڑھا کرتے تھے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ج:۲،ص:۲۴۱)

ختم قرآن اور تراویح الگ الگ سنت ہے: رمضان المبارک میں تراویح مستقل سنت ہے اور تراویح میں کم ازکم ایک مرتبہ قرآن کریم کو ختم کرنا الگ سے سنت ہے، جو مؤمن بندہ اللہ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے پابندی سے تراویح کی نماز ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ماقبل کے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔

(۱/۴۰۴) يُسْتَحَبُّ اَنْ يَّجْتَمِعَ النَّاسُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ فَيُصَلِّي بِهِمْ إِمَامُهُمْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِي كُلِّ تَرْوِيْحَةٍ تَسْلِيْمَتَانِ (۲/۴۰۵) وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيْحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرْوِيْحَةٍ

(۴۰۶/۳) ثُمَّ يُوْتِرُ بِهِمْ وَلَايُصَلِّي الْوِتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِي غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ.

ترجمہ: (۴۰۴/۱) مستحب ہے یہ کہ لوگ جمع ہوں رمضان کے مہینہ میں عشاء کے بعد، چنانچہ پڑھائے ان کو امام پانچ ترویحے ہر ترویحہ میں دو سلام ہوں۔ (۴۰۵/۲) اور بیٹھے ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار۔ (۴۰۶/۳) پھر امام ان کو وتر پڑھائے اور نہ پڑھی جائے وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ماہ رمضان کے علاوہ۔

تشریح: تراویح مردوں اور عورتوں کے لئے مسنون ہے، جماعت سے تراویح پڑھنا مردوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے، مگر عورتوں کے لئے جماعت سنت مؤکدہ نہیں ہے، تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے اور تراویح پر وتر کا مقدم کرنا بھی صحیح ہے اور مؤخر کرنا بھی، تہائی رات تک تراویح کو مؤخر کرنا مستحب ہے، اور صحیح مذہب کے مطابق نصف شب کے بعد تک بھی مؤخر کرنا مکروہ نہیں ہے، تراویح کی بیس رکعات ہیں دس سلاموں کے ساتھ اور ہر چار رکعت کے بعد ان چار رکعت کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے، تراویح کے اندر ماہ رمضان میں ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کرنا مسنون ہے۔

اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ امام لوگوں کو وتر پڑھائے رمضان المبارک میں وتر با جماعت ادا کرنا افضل ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، اور اگر غیر رمضان میں اتفاقاً وتر کی جماعت کرلی تو مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر اس پر ہمیشگی و پابندی کی جائے تو مکروہ تحریمی ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

ترجمہ: یہ باب خوف کی نماز کے بیان میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: قیام رمضان خوشی کی حالت ہے اور خوف غمی کی حالت ہے خوشی اور غمی دونوں میں تضاد۔ تو یہاں مناسبت تضاد کے اعتبار سے ہے۔

صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت: اس بارے میں شدید اختلاف ہے جمہور کے نزدیک سب سے پہلے غزوۂ ذات الرقاع میں پڑھی گئی، جو جمہور کے قول کے مطابق ۴ھ میں ہوا۔

(عمدۃ القاری ج:۵، ص:۱۳۶، زکریا دیوبند، اوجز المسالک ج:۲، ص:۲۶۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف ۲۴ مرتبہ پڑھی ہے، جیسا کہ حضرت سہارنپوری نے بذل المجہود میں لکھا ہے۔ (بذل المجہود ج:۲، ص:۲۴۵)

(۴۰۷/۱) إِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ جَعَلَ الْإِمَامُ النَّاسَ طَائِفَتَيْنِ طَائِفَةً إِلٰى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَطَائِفَةً خَلْفَهُ فَيُصَلِّي بِهٰذِهِ الطَّائِفَةِ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ مَضَتْ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ إِلٰى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتْ تِلْكَ الطَّائِفَةُ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْإِمَامُ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ وَتَشَهَّدَ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُسَلِّمُوْا وَذَهَبُوْا إِلٰى

وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُوْلٰی فَصَلُّوْا وُحْدَاناً رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ وَتَشَهَّدُوْا وَسَلَّمُوْا وَمَضَوْا إِلٰی وَجْهِ الْعَدُوِّ وجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰی وَصَلُّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِقِرَاءَةٍ وَتَشَهَّدُوْا وَسَلَّمُوْا فَإِنْ كَانَ مُقِيماً صَلّٰی بِالطَّائِفَةِ الْاُوْلٰی رَكْعَتَيْنِ وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَتَيْنِ (۲/۴۰۸) وَيُصَلِّیْ بِالطَّائِفَةِ الْاُوْلٰی رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِب وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَةً.

ترجمہ: (۱/۴۰۷) جب خوف زیادہ ہوجائے تو کردے امام لوگوں کی دو جماعت ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں اور ایک جماعت اپنے پیچھے چنانچہ اس جماعت کو ایک رکعت پڑھائے دوسجدوں کے ساتھ، پھر جب امام اپنا سر اٹھائے دوسرے سجدہ سے تو چلی جائے یہ جماعت دشمن کے مقابلہ میں اور آ جائے وہ جماعت چنانچہ پڑھائے امام اس جماعت کو ایک رکعت دوسجدوں کے ساتھ اور امام تشہد پڑھ کر سلام پھیردے اور یہ جماعت سلام نہ پھیرے بلکہ دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اور آ جائے پہلی جماعت پس یہ جماعت پڑھے تنہا تنہا ایک رکعت دوسجدوں کے ساتھ بلاقرأت اور تشہد پڑھ کر سلام پھیرے اور دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اور دوسری جماعت آئے اور پڑھے ایک رکعت دوسجدوں کے ساتھ مع قرأت اور تشہد پڑھے اور سلام پھیردے، اور اگر امام مقیم ہو تو پڑھائے پہلی جماعت کو دو رکعت اور دوسری جماعت کو دو رکعت۔ (۲/۴۰۸) اور پڑھائے پہلی جماعت کو دو رکعت مغرب کی اور دوسری جماعت کو ایک رکعت۔

تشریح: صلوٰۃ الخوف پڑھنے کے احادیث میں متعدد طریقے آئے ہیں۔

(۱) احناف کے نزدیک اگر امام المسلمین (امیر لشکر) مسافر ہے تو افضل یہ ہیکہ لشکر کی دو جماعتیں بنالے ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی ہوجائے اور ایک جماعت امام کے پیچھے، امام اس کو ایک رکعت پڑھائے ایک پڑھ کر یہ جماعت دشمن کے مقابلے میں چلی جائے اور جو دشمن کے مقابلے میں تھی وہ یہاں امام کے پیچھے آ جائے امام اس کو بھی ایک رکعت پڑھائے، امام کی تو چوں کہ دونوں رکعتیں ہوگئیں اس لئے وہ تو اپنی نماز تنہا ہی پوری کر کے سلام پھیردے اور یہ دوسری جماعت جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لی ہے دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اس کے بعد پہلی جماعت اپنی باقی ماندہ رکعت اسی جگہ یا جس جگہ جماعت ہوئی تھی وہاں جاکر پڑھ لے اور سلام پھیردے اور یہ ایک رکعت بلاقرأت پوری کرے کیوں کہ یہ لاحق ہیں اور لاحق پر قرأت نہیں ہے، پھر اس کے بعد یہ جماعت دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اور دوسری جماعت بھی اپنی باقی ماندہ رکعت پوری کرے اور اگر امیر لشکر مقیم ہے تو پہلی جماعت کو بھی دو رکعت پڑھائے اور اور دوسری کو بھی دو رکعت پڑھائے اور اگر مغرب کی نماز ہو تو پہلی جماعت کو دو رکعت اور دوسری کو ایک رکعت پڑھائے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۳۷)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک افضل صورت یہ ہے کہ جب پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے تو وہ اسی وقت اپنی دوسری رکعت تنہا پڑھ کر سلام پھیردے اور دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے امام اتنی دیر کھڑا ہوا انتظار کرتا رہے

پھر دوسری جماعت آئے امام اس کو ایک رکعت پڑھائے اور تنہا سلام پھیر دے اور یہ جماعت اسی وقت اپنی دوسری رکعت بھی پڑھ لے۔ (اوجز ج:۲،ص:۲۶۶،عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۳۷)

حنفیہ کے مذہب کی وجہ ترجیح: حنفیہ نے جو نماز خوف کا طریقہ اختیار کیا ہے وہ ترتیب کے زیادہ موافق ہے، کیوں کہ ائمہ ثلاثہ کے طریقہ میں پہلی جماعت امام سے پہلے ہی نماز سے فارغ ہو جاتی ہے جو موضوع امامت کے خلاف ہے۔

(۴۰۹/۳) وَلَا يُقَاتِلُوْنَ فِي حَالِ الصَّلٰوةِ فَاِنْ فَعَلُوْا ذَالِكَ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ

ترجمہ: (۴۰۹/۳) اور نہ لڑیں نماز کی حالت میں چنانچہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائیگی۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک نماز کی حالت میں کوئی جماعت قتال نہ کرے اگر قتال کرتی ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی از سرنو پڑھنا لازم ہوگا۔

(۴۱۰/۴) وَاِنِ اشْتَدَّ الْخَوْفُ صَلُّوْا رُكْبَاناً وُحْدَاناً يُوْمِؤُنَ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اِلٰى اَىِّ جِهَةٍ شَاءُوْا اِذَا لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى التَّوَجُّهِ اِلَى الْقِبْلَةِ

ترجمہ: (۴۱۰/۴) اور اگر خوف بہت ہی زیادہ ہو تو نماز پڑھیں اپنی اپنی سواری پر تنہا تنہا رکوع اور سجدہ کا اشارہ کریں جس طرف بھی ممکن ہو جب کہ قادر نہ ہوں قبلہ کی جانب متوجہ ہونے پر۔

تشریح: اگر دشمن کا خوف اس قدر بڑھ گیا کہ وہ مسلمانوں کو سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیتے تو اس صورت میں مسلمانوں کے لئے سواری پر بیٹھے بیٹھے رکوع اور سجدے کے اشارے کے ساتھ تنہا تنہا نماز ادا کرنا جائز ہے اور اگر قبلہ کی طرف رخ کرنا ممکن نہ ہو تو جس طرف چاہیں کرلیں۔

بابُ الْجَنَائِز

یہ باب جنازہ کے احکام کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: جب مصنفؒ ان نمازوں کے بیان سے فارغ ہو گئے، جن کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے، تو اب مناسب معلوم ہوا کہ حالت موت کی نماز جنازہ کے مسائل شروع کریں۔

جنائز جنازہ کی جمع ہے، جنازہ جیم کے فتحہ کے ساتھ میت کو کہا جاتا ہے اور جیم کے کسرہ کے ساتھ اس تخت کو کہا جاتا ہے، جس پر میت کو اٹھایا جائے۔

(۴۱۱/۱) اِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ وُجِّهَ اِلَى الْقِبْلَةِ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ (۴۱۲/۲) وَلُقِّنَ الشَّهَادَتَيْنِ (۴۱۳/۳) وَاِذَا مَاتَ شَدُّوْا لِحْيَيْهِ وَغَمَّضُوْا عَيْنَيْهِ.

ترجمہ: (۱/۴۱۱) جب آدمی مرنے لگے تو قبلہ کی جانب کر دیا جائے داہنی کروٹ پر (۲/۴۱۲) اور شہادتین کی تلقین کی جائے (۳/۴۱۳) اور جب مر جائے تو باندھ دیں اس کے جبڑے اور بند کر دیں اس کی آنکھیں۔

تشریح: جب آدمی مرنے لگتا ہے تو اس کی کچھ علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں مثلاً دونوں پیر ڈھیلے ہوجاتے ہیں ناک ٹیڑھی ہوجاتی ہے، آنکھوں کی روشنی ختم ہوجاتی ہے، زبان لڑکھڑانے لگتی ہے، جب یہ حالت انسان پر طاری ہوجائے تو دائیں کروٹ پر قبلہ رخ کر دیا جائے اور اس کے پاس بیٹھ کر زور زور سے "**اشهد ان لآ اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله**" پڑھے تا کہ وہ خود بھی کلمہ پڑھنے لگے اور اس کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ کرو، کیوں کہ وہ وقت بڑا مشکل ہے نہ معلوم اس کے منہ سے کیا نکل جائے۔

جب مر جائے تو سب اعضاء درست کر دو اور اکسی کپڑے سے اس کا منہ اس ترکیب سے باندھو کہ کپڑا ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں سرے سر پر لے جاؤ اور گرہ لگا دو تا کہ منہ پھیل نہ جائے اور آنکھیں بند کر دو اور پیر کے دونوں انگوٹھے ملا کر باندھ دو تا کہ ٹانگیں پھیل نہ جائیں پھر چادر اڑھا دو۔

(۴/۴۱۴) فَاِذَا اَرَادُوْا غُسْلَهٗ وَضَعُوْهُ عَلٰى سَرِيْرٍ وَجَعَلُوْا عَلٰى عَوْرَتِهٖ خِرْقَةً وَنَزَعُوْا ثِيَابَهٗ (۵/۴۱۵) وَوَضَّأُوْهُ وَلَايُمَضْمَضُ وَلَايُسْتَنْشَقُ (۶/۴۱۶) ثُمَّ يُفِيْضُوْنَ الْمَاءَ عَلَيْهِ (۷/۴۱۷) وَيُجَمَّرُ سَرِيْرُهٗ وِتْرًا (۸/۴۱۸) وَيُغْلَى الْمَاءُ بِالسِّدْرِ اَوْ بِالْحُرْضِ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فَالْمَاءُ الْقَرَاحُ (۹/۴۱۹) وَيُغْسَلُ رَأْسُهٗ وَلِحْيَتُهٗ بِالْخِطْمِيِّ (۱۰/۴۲۰) ثُمَّ يُضْجَعُ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ حَتّٰى يُرٰى اَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ اِلٰى مَا يَلِي التَّخْتَ مِنْهُ ثُمَّ يُضْجَعُ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ حَتّٰى يُرٰى اَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ اِلٰى مَايَلِي التَّخْتَ مِنْهُ (۱۱/۴۲۱) ثُمَّ يُجْلِسُهٗ وَيُسْنِدُهٗ اِلَيْهِ وَيَمْسَحُ بَطْنَهٗ مَسْحًا رَقِيْقًا فَاِنْ خَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ غَسَلَهٗ وَلَايُعِيْدُ غُسْلَهٗ

ترجمہ: (۴/۴۱۴) پھر جب اس کو غسل دینا چاہیں تو رکھیں اس کو ایک تختے پر اور ڈالیں اس کے ستر پر کوئی کپڑا اور اتار دیں اس کے کپڑے (۵/۴۱۵) اور اس کو وضو کرائیں لیکن کلی نہ کرائیں اور نہ ناک میں پانی ڈالیں، (۶/۴۱۶) پھر میت پر پانی بہائیں (۷/۴۱۷) اور دھونی دی جائے اسکے تختے کو طاق بار (۸/۴۱۸) اور جوش دیا جائے پانی کو بیری کے پتوں یا اشنان گھاس کے ساتھ پھر اگر یہ نہ ہو تو خالص پانی کافی ہے (۹/۴۱۹) اور دھویا جائے اس کا سر اور اس کی ڈاڑھی خطمی (ایک قسم کی گھاس) سے، (۱۰/۴۲۰) پھر میت کو اسکی بائیں کروٹ پر لٹا دیا جائے پس دھویا جائے پانی اور بیری کے پتوں سے یہاں تک کہ دیکھ لیا جائے کہ پانی اس حصہ کو پہنچ گیا ہے، جو حصہ تختہ سے ملا ہوا ہے، پھر لٹایا جائے اس کی داہنی کروٹ پر پھر دھویا جائے پانی سے یہاں تک کہ معلوم ہوجائے کہ پانی پہنچ گیا ہے میت کے بدن کے اس حصہ تک جو حصہ تختہ سے ملا ہوا ہے، (۱۱/۴۲۱) پھر غسل دینے والا میت کو بٹھائے اور اپنی طرف اس کا سہارا لگائے اور ملے

اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ پھرا گر اس کے پیٹ سے کچھ نکلے تو اس کو دھو ڈالے اور اس کے غسل کا اعادہ نہ کرے۔

تشریح: اس پوری عبارت میں غسل میت کی کیفیت کا بیان ہے۔

چنانچہ امام قدوری فرماتے ہیں کہ جب میت کو غسل دینے کا ارادہ کرو تو پہلے کسی تخت کو لوبان یا اگربتی وغیرہ خوشبودار چیز کی دھونی دیدو تین یا پانچ یا سات مرتبہ دھونی دینے کے بعد میت کو اس پر لٹادو اور کپڑے اتار لو اور کوئی کپڑا ناف سے لے کر گھٹنوں تک ڈال دو تا کہ اتنا بدن چھپا رہے، کیوں کہ ستر چھپانا فرض ہے۔

غسل دینے کا طریقہ یہ ہے کہ مردے کو کو پہلے استنجا کرادو لیکن اس کی رانوں اور استنجے کی جگہ اپنا ہاتھ نہ لگاؤ، پھر اس کو وضو کرادو، لیکن نہ کلی کراؤ اور نہ ناک میں پانی ڈالو، اور نہ گٹوں تک ہاتھ دھلاؤ، بلکہ پہلے چہرہ دھلاؤ، پھر دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت پھر سر کا مسح پھر دونوں پیر اور اگر تین مرتبہ روئی بھگو کر دانتوں اور مسوڑھوں پر پھیر دی جائے اور ناک کے دونوں سوراخوں میں تو بھی جائز ہے، اور اگر مردہ ناپاکی کی حالت میں مرا ہے تو اس طرح سے منھ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے، اور ناک، منھ، اور کانوں میں روئی بھر دو تا کہ وضو کراتے وقت اور غسل دیتے وقت پانی نہ چلا جائے۔

وضو کرانے کے بعد سر اور ڈاڑھی کو گل خیرو یا صابن وغیرہ جس سے صاف ہو جائے مل کر دھوئے پھر مردے کو بائیں کروٹ پر لٹا کر بیری کے پتے ڈال کر پکا ہوا نیم گرم پانی تین مرتبہ سر سے پیر تک ڈالے یہاں تک بائیں کروٹ تک پہنچ جائے، اسی طرح دائیں کروٹ پر لٹا کر پانی ڈالا جائے اسکے بعد میت کو اپنے بدن کی ٹیک لگا کر ذرا بٹھائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اور دبائے اگر پاخانہ نکلے تو اس کو صاف کر کے دھو ڈالے دوبارہ وضو اور غسل کی ضرورت نہیں۔

(۴۲۲/۱۲) ثُمَّ يُنَشِّفُهُ فِي ثَوْبٍ وَيُدْرَجُ فِي أَكْفَانِهِ (۴۲۳/۱۳) وَيُجْعَلُ الْحَنُوْطُ عَلَى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ وَالْكَافُوْرُ عَلَى مَسَاجِدِهِ.

ترجمہ: (۴۲۲/۱۲) پھر میت کے بدن کو کسی کپڑے سے پونچھ دے اور رکھ دیا جائے اس کے کفن کے کپڑوں میں (۴۲۳/۱۳) اور مل دی جائے حنوط (خوشبو) اس کے سر اور ڈاڑھی پر اور کافور سجدہ کے اعضاء پر۔

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ غسل دینے کے بعد میت کے بدن کو کسی پاک کپڑے سے خشک کر کے پونچھ دیا جائے پھر اس کو کفن پہنایا جائے، جب مردے کو کفن پر رکھو تو سر پر عطر لگا دو اور اگر مردہ مرد ہو تو ڈاڑھی پر بھی عطر لگا دو پھر پیشانی، ناک اور دونوں ہتھیلی اور گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دو۔

(۴۲۴/۱۴) وَالسُّنَّةُ أَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ فِي ثَلٰثَةِ أَثْوَابٍ إِزَارٍ وَقَمِيْصٍ وَلِفَافَةٍ فَإِنِ اقْتَصَرُوْا عَلَى ثَوْبَيْنِ جَازَ.

ترجمہ: (۴۲۴/۱۴) اور سنت یہ ہے کہ کفنایا جائے مرد کو تین کپڑوں میں ازار، قمیص اور لفافہ، پھر انہوں نے اکتفا کیا دو کپڑوں پر تو جائز ہے۔

تشریح: کفن تین قسم کا ہوتا ہے، کفن مسنون، کفن کفایہ، کفن ضرورت، اس عبارت میں کفن مسنون وکفن کفایہ کا بیان ہے کفن سنت مردوں کے حق میں تین کپڑے ہیں۔ (۱) ازار، یعنی تہبند لیکن سر سے پیر تک مراد ہے (۲) قمیص گردن سے پاؤں تک بغیر آستین اور کلی کے (۳) سر سے پیر تک کی چادر جو اوپر لپٹی جاتی ہے۔

تین کپڑوں کے مسنون ہونے پر دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ہے۔ (ابوداؤد ج:۲، ص:۴۴۹)

مردے کے حق میں کفن کفایہ دو کپڑے ہیں۔ (۱) ازار (۲) لفافہ۔

دلیل: حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ان دو کپڑوں کے بارے میں فرمایا جن میں آپ بیمار تھے کہ ان دونوں کو دھو ڈالو اور مجھ کو ان دونوں کپڑوں میں کفن دینا۔ (مصنف عبدالرزاق ج:۳، ص:۴۲۴)

(۱۵/ ۴۲۵) وَإِذَا أَرَادُوْا لَفَّ اللِّفَافَةَ عَلَيْهِ اِبْتَدَأُوْا بِالْجَانِبِ الْاَيْسَرِ فَأَلْقَوْهُ عَلَيْهِ ثُمَّ بِالْاَيْمَنِ فَاِنْ خَافُوْا اَنْ يَّنْتَشِرَ الْكَفَنُ عَنْهُ عَقَدُوْهُ.

ترجمہ: (۱۵/ ۴۲۵) اور جب میت پر لفافہ لپیٹنا چاہیں تو شروع کریں بائیں طرف سے چنانچہ بائیں طرف میت پر ڈالدیں پھر (شروع کریں) دائیں طرف سے، اگر اندیشہ ہو میت سے کفن کھلنے کا تو اس کو باندھ دیں۔

تشریح: اس عبارت میں کفن لپیٹنے کی کیفیت کا بیان ہے، کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چادر بچھاؤ پھر ازار اس کے اوپر کرتا پھر مردے کو اس کے اوپر لے جا کر پہلے کرتا پہناؤ، پھر ازار لپیٹ دو، پہلے بائیں طرف پھر دائیں طرف پھر کسی کپڑے سے پیر اور سر کی طرف کفن باندھ دو اور ایک بند سے کمر کے پاس بھی باندھ دو تا کہ راستہ میں کہیں کھل پڑے۔

(۱۶/ ۴۲۶) وَتُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِيْ خَمْسَةِ اَثْوَابٍ إِزَارٍ وَقَمِيْصٍ وَخِمَارٍ وَخِرْقَةٍ تُرْبَطُ بِهَا ثَدْيَاهَا وَلِفَافَةٍ فَاِنِ اقْتَصَرُوْا عَلٰى ثَلٰثَةِ أَثْوَابٍ جَازَ.

ترجمہ: (۱۶/ ۴۲۶) اور کفن دیا جائے گا عورت کو پانچ کپڑوں میں ازار، کرتی، اوڑھنی اور ایک پٹی جو اس کی چھاتیوں پر باندھی جائے اور لفافہ، اگر اکتفاء کیا تین کپڑوں پر تو بھی جائز ہے۔

تشریح: اس عبارت میں عورت کے کفن سنت اور کفن کفایہ کا بیان ہے۔

چنانچہ امام قدوری فرماتے ہیں کہ عورت کا مسنون کفن پانچ کپڑے ہیں: ایک کرتہ، دوسرے ازار، تیسرے سینہ بند، چوتھے چادر، پانچویں سر بند، ازار سر سے پاؤں تک ہونا چاہئے، اور چادر اس سے ایک ہاتھ بڑی ہو، کرتی گردن سے پاؤں تک ہو، اگر پانچ کپڑوں میں نہ کفنائے، بلکہ تین کپڑوں میں کفن دے، ایک ازار، دوسرے چادر، تیسرے سر بند یہ بھی درست ہے۔

(۱۷/۴۲۷) وَيَكُوْنُ الْخِمَارُ فَوْقَ الْقَمِيْصِ تَحْتَ اللِّفَافَةِ (۱۸/۴۲۸) وَيُجْعَلُ شَعْرُهَا عَلٰى صَدْرِهَا وَلَايُسَرَّحُ شَعْرُ الْمَيِّتِ وَلَالِحْيَتُهٗ وَلَا يُقَصُّ ظُفْرُهٗ وَلَايُقَصُّ شَعْرُهٗ (۱۹/۴۲۹) وَتُجَمَّرُ الْاَكْفَانُ قَبْلَ اَنْ يُّدْرَجَ فِيْهَا وِتْراً.

ترجمہ: (۱۷/۴۲۷) اور ہوگی اوڑھنی کرتی کے اوپر لفافہ کے نیچے۔ (۱۸/۴۲۸) اور رکھدیئے جائیں اس کے بال اس کے سینہ کے اوپر اور کنگھا نہ کیا جائے میت کے بالوں میں اور نہ اس کی ڈاڑھی میں اور نہ کاٹے جائیں اس کے ناخن اور نہ اس کے بال۔ (۱۹/۴۲۹) اور دھونی دی جائے کفنوں کو میت کو کفن میں داخل کرنے سے پہلے طاق مرتبہ

تشریح: عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً چادر بچھاؤ پھر ازار اس کے بعد کرتی اولاً کرتی پہنا دو اور سر کے بالوں کے دو حصے کر کے کرتی کے اوپر سینے پر ڈال دو کہ ایک حصہ داہنی جانب دوسرا بائیں جانب۔ اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ مردہ کے بالوں میں نہ کنگھی کرو نہ ناخن کاٹو نہ کہیں اور کے بال کاٹو اسی طرح رہنے دو، پھر فرمایا پہلے کفن کو تین یا پانچ یا سات مرتبہ لوبان وغیرہ کی دھونی دے دو، پھر اس میں مردے کو کفنا دو۔

(۲۰/۴۳۰) فَاِذَا فَرَغُوْا مِنْهُ صَلُّوْا عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۲۰/۴۳۰) پھر جب اس سے فارغ ہو جائیں تو اس پر نماز پڑھیں۔

تشریح: میت کو غسل دینے کے بعد، میت پر نماز جنازہ پڑھنا بھی فرض کفایہ ہے، اگر کسی نے بھی اس پر نماز نہ پڑھی تو جن جن لوگوں کو معلوم تھا وہ سب گناہ گار ہوں گے، نماز جنازہ کے جواز کی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے، چنانچہ کسی کافر اور مرتد کی نماز جنازہ درست نہیں، مسلمان اگر چہ فاسق یا بدعتی ہو اس کی نماز صحیح ہے، دوسری شرط میت کا پاک ہونا ہے اگر غسل دینے سے قبل نماز پڑھ لی تو غسل کے بعد نماز لوٹانی ضروری ہے۔

(۲۱/۴۳۱) وَاَوْلَى النَّاسِ بِالْاِمَامَةِ عَلَيْهِ السُّلْطَانُ اِنْ حَضَرَ فَاِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَيُسْتَحَبُّ تَقْدِيْمُ اِمَامِ الْحَيِّ ثُمَّ الْوَلِيِّ (۲۲/۴۳۲) فَاِنْ صَلّٰى عَلَيْهِ غَيْرُ الْوَلِيِّ وَالسُّلْطَانِ اَعَادَ الْوَلِيُّ وَاِنْ صَلّٰى عَلَيْهِ الْوَلِيُّ لَمْ يَجُزْ اَنْ يُّصَلِّيَ اَحَدٌ بَعْدَهٗ.

ترجمہ: (۲۱/۴۳۱) اور لوگوں میں سب سے زیادہ اس کی امامت کا حق دار بادشاہ ہے، اگر بادشاہ حاضر ہو جائے، پھر اگر بادشاہ نہ آئے، تو مستحب ہے محلہ کے امام کو آگے بڑھانا، پھر میت کے ولی کو، (۲۲/۴۳۲) پھر اگر نماز پڑھادے میت پر ولی یا بادشاہ کے علاوہ تو لوٹا سکتا ہے، ولی اور اگر نماز پڑھ چکا اس پر ولی تو جائز نہیں یہ کہ نماز پڑھے کوئی اور اس کے بعد۔

تشریح: جنازہ کی نماز میں امامت کا استحقاق سب سے زیادہ حاکم وقت کو ہے اگر چہ تقویٰ و پرہیز گاری میں

اس سے بہتر لوگ بھی وہاں موجود ہوں، اگر حاکم وقت وہاں نہ ہو تو پھر وہ شخص جو اس کی طرف سے حاکم شہر ہو امامت کا مستحق ہے، وہ بھی نہ ہو تو قاضیِ شہر اگر یہ سب لوگ وہاں موجود نہ ہو تو اس محلہ کا امام مستحق ہے، پھر ولی مستحق امامت ہے اور میت کے اولیاء امامت کے حق میں اسی ترتیب پر ہوں گے جو ترتیب نکاح میں مذکور ہے۔

اس کے بعد مصنف فرماتے ہیں کہ اگر ولی میت کی اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص نے نماز پڑھادی، جس کو امامت کا استحقاق نہیں اور ولی اس نماز میں شریک نہیں ہے تو ولی میت کو اختیار ہے کہ اس میت پر بعد میں نماز پڑھ لے اور اگر ایسے شخص نے نماز پڑھائی ہو جس کو امامت کا استحقاق ہے تو پھر ولی میت نماز کا اعادہ نہیں کرسکتا، اگر میت کے ولی نے نماز پڑھادی تو پھر کسی کو بھی اعادہ کا اختیار نہ ہوگا، حتی کہ بادشاہ وقت وغیرہ کو بھی اعادہ کا اختیار نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج:۱،ص:۱۶۳تا۱۶۴)

(۴۳۳/۲۳) فَإِنْ دُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ صُلِّيَ عَلٰى قَبْرِهٖ إِلٰى ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ وَلَا يُصَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

ترجمہ: (۴۳۳/۲۳) اگر دفن کر دیا گیا اس حال میں کہ اس پر نماز نہ پڑھی گئی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے تین دن تک اور اس کے بعد نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

تشریح: قبر پر نماز جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ اس بارے میں تین مذاہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک قبر پر نماز جنازہ پڑھنا مطلقاً ناجائز ہے یعنی خواہ اس میت پر پہلے سے نماز جنازہ پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو۔ (اوجز ج:۲،ص:۴۴۹)

(۲) امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جو شخص میت کی نماز جنازہ نہ پڑھ سکا ہو اس کے لئے نماز پڑھنا جائز ہے اور دفن کئے جانے کے بعد سے ایک مہینہ تک نماز کی گنجائش ہے۔ (اوجز المسالک ج:۲،ص:۴۴۹)

(۳) حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ "صلاۃ علی القبر" صرف میت کے ولی کے لئے جائز ہے، جب کہ وہ دفن سے پہلے نماز میں شامل نہ ہوسکا ہو، یا پھر اس صورت میں جائز ہے جبکہ کسی شخص کو نماز کے بغیر دفن کر دیا گیا، اس کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک جن دو صورتوں میں جواز ہے، وہ صرف اتنی مدت تک ہے جب تک کہ میت کے اعضاء منتشر نہ ہوئے ہوں پھر اس کی حد تین دن بیان کی گئی ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، بلکہ جگہوں اور موسم کے اختلاف سے حکم مختلف ہوسکتا ہے۔ (درمختار مع الشامی ج:۱،ص:۸۲۶تا۸۲۷، عالمگیری، ج:۱،ص:۱۶۵)

(۴۳۴/۲۴) وَيَقُوْمُ الْمُصَلِّيْ بِحِذَاءِ صَدْرِ الْمَيِّتِ

ترجمہ: (۴۳۴/۲۴) اور کھڑا ہو نماز پڑھانیوالا میت کے سینہ کے مقابلہ میں۔

تشریح: جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا نماز کے وقت امام میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو، یہی حنفیہ کا مفتی بہ قول

ہے، امام ابو یوسف کی مشہور روایت بھی یہی ہے، حضرت امام شافعی کے نزدیک امام مرد کے جنازہ میں سر کے برابر اور عورت کے جنازے میں کمر کے برابر کھڑا ہو۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ حضرت ام کعب کی نماز جنازہ میں ان کے درمیان یعنی سینہ کے برابر کھڑے ہو گئے تھے۔ (طحاوی شریف ج:۱ص:۳۱۶)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں خواہ مرد کا ہو یا عورت کا میت کے سینہ کے برابر امام کا کھڑا ہونا افضل ہوگا۔

(۲۵/۴۳۵) وَالصَّلٰوةُ اَنْ يُكَبِّرَ تَكْبِيْرَةً يَحْمَدُ اللّٰهَ تَعَالٰى عَقِيْبَهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً وَيُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً ثَالِثَةً يَدْعُوْا فِيْهَا لِنَفْسِهٖ وَلِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً رَابِعَةً وَيُسَلِّمُ.

ترجمہ: (۲۵/۴۳۵) اور نماز یہ ہے کہ ایک تکبیر کہے اسی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد وثنا کرے، پھر تکبیر کہے اور حضورؐ پر درود بھیجے، پھر تیسری تکبیر کہے دعا کرے اس میں اپنے واسطے، میت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے، پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔

تشریح: اس عبارت میں نماز جنازہ کی کیفیت کا بیان ہے۔

نماز جنازہ کا مسنون اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ میت کو آگے رکھ کر امام اس کے سینے کے مقابل کھڑا ہو جائے اور سب لوگ یہ نیت کریں، میں نے یہ ارادہ کیا کہ نماز جنازہ پڑھوں جو خدا کی نماز ہے اور میت کے لئے دعاء ہے، یہ نیت کر کے دونوں ہاتھ تکبیر تحریمہ کے مانند کانوں تک اٹھا کر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ باندھ لیں، پھر ثنا آخر تک پڑھیں، اس کے بعد پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں، مگر اس مرتبہ ہاتھ نہ اٹھائیں اس کے بعد درود شریف پڑھیں، اور افضل یہ ہے کہ وہی درود شریف پڑھا جائے، جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں، اس مرتبہ بھی ہاتھ نہ اٹھائیں اس تکبیر کے بعد میت کے لئے دعاء کریں اگر یہ یاد ہو تو دعاء پڑھیں "اللهم اغفر لحینا ومیتنا" الخ جب یہ دعاء پڑھ چکیں، تو پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں اور اس مرتبہ بھی ہاتھ نہ اٹھائیں اور اس تکبیر کے بعد سلام پھیر دیں، اور دائیں طرف سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ چھوڑ دینے چاہئیں۔ (عالم گیری ج:۱ص:۱۶۴)

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ کی قرأت واجب ہے۔

(اوجز المسالک ج:۲ص:۴۵۵)

جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ قرأت فاتحہ نماز جنازہ میں واجب نہیں، اگر دعاء کی نیت سے پڑھ

لی جائے تو کوئی حرج نہیں اور اگر قرأت کی نیت سے پڑھ لی، تو جائز نہیں، کیونکہ وہ قرأت کا محل نہیں ہے۔
(عالمگیری ج:۱،ص:۱۶۴، فصل خامس)

شوافع کی دلیل: حضورؐ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہے، یہ ابن عباس کی روایت ہے۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۹۹)

جواب: آپ کی ذکر کردہ روایت ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرۃؓ وغیرہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے قائل نہ تھے۔ (اوجز المسالک ج:۲،ص:۴۵۵) **یقول المصلی علی الجنازۃ**

(۴۳۶/۲۶) وَلَا يُصَلّٰى عَلٰى مَيِّتٍ فِي مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ

ترجمہ: (۴۳۶/۲۶) اور نماز نہ پڑھی جائے کسی میت پر جماعت والی مسجد میں۔

تشریح: میت اور نمازی مسجد میں یا میت باہر اور امام سمیت سب نمازی مسجد میں ہوں تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے اور اگر میت اور امام اور کچھ مقتدی مسجد سے باہر ہوں اور کچھ مقتدی مسجد کے اندر ہوں، تو جو لوگ مسجد سے باہر ہیں ان کی نماز بلا کراہت ہو جائے گی اور جو لوگ مسجد کے اندر ہیں ان کی نماز مکروہ ہوگی۔
(درمختار ج:۱،ص:۸۲۷، ایضاح المسائل ص:۷۵)

ماقبل میں جو تفصیل بیان کی گئی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے، امام مالک کی بھی مشہور روایت عدم جواز کی ہے۔
(اوجز المسالک ج:۲،ص:۴۵۹، نیل الاوطار ج:۴،ص:۷۵)

شوافع وحنابلہ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(اوجز المسالک ج:۲،ص:۴۵۸، نیل الاوطار ج:۲،ص:۷۵)

دلیل: حضورؐ نے حضرت سہیل ابن بیضاءؓ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی ہے۔
(طحاوی ج:۱،ص:۳۱۷، ترمذی ج:۱،ص:۲۰۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر نماز جنازہ باعث کراہت نہیں ہو سکتی۔

جواب: حضرت عائشہؓ کی روایت منسوخ ہے اس کے لئے ناسخ حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت قولی ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضورؐ نے فرمایا کہ جو لوگ مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی اجر وثواب نہ ہوگا۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۱۷، نیل الاوطار ج:۴،ص:۷۵، اوجز ج:۲،ص:۴۵۹)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کم از کم کراہت کے درجہ میں ہوگی۔

(۴۳۷/۲۷) فَإِذَا حَمَلُوْهُ عَلٰى سَرِيْرِهٖ أَخَذُوْا بِقَوَائِمِهِ الْأَرْبَعِ وَيَمْشُوْنَ بِهٖ مُسْرِعِيْنَ دُوْنَ الْخَبَبِ

ترجمہ: (۴۳۷/۲۷) پھر جب اس کو اٹھائیں تخت پر تو پکڑ لیں اس کے چاروں پائے اور جنازہ کو تیزی کے

اتھ لے کر چلیں دوڑ کر نہ چلیں۔

تشریح: اس عبارت میں جنازہ اٹھانے کی کیفیت اور اس کو لے کر چلنے کا بیان ہے، جنازہ کو اٹھانے کا مستحب ریقہ یہ ہے کہ پہلے میت کے داہنی طرف کا اگلا پایہ اپنے داہنے کندھے پر رکھ کر کم از کم دس قدم چلے، اس کے بعد میت ے بائیں طرف کا اگلا پایہ اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے، پھر پچھلا بایاں پایہ اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر کم ے کم دس قدم چلے، پھر اپنے دائیں کندھے پر میت کا پچھلا دایاں پایہ رکھ کر دس قدم چلے، اس طرح کل چالیس قدم ندھے پر لے کر چلے۔

پھر مصنف فرماتے ہیں کہ جنازہ کو تیز قدم لیجانا مسنون ہے، مگر اتنی تیز نہیں کہ نعش کو حرکت واضطراب ہونے لگے۔

(۲/ ۴۳۸) فَإِذَا بَلَغُوْا إِلٰى قَبْرِهٖ كُرِهَ لِلنَّاسِ اَنْ يَجْلِسُوْا قَبْلَ اَنْ يُوْضَعَ مِنْ اَعْنَاقِ الرِّجَالِ

ترجمہ: (۲۸/ ۴۳۸) پھر جب پہنچیں اس کی قبر تک تو مکروہ ہے لوگوں کے لئے یہ کہ بیٹھ جائیں قبل اس کے کہ اجائے لوگوں کے کندھوں سے۔

تشریح: جب میت کو لے کر اس کی قبر تک پہنچ گئے تو جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ،، کیوں کہ کبھی جنازہ میں لوگوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے، اور لوگوں کا بروقت مدد کرنا زیادہ ممکن اسی وقت ہے جب وہ کھڑے ہوں، امام احمد بن حنبل اور امام محمد بن حسن شیبانی کا یہی مذہب ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیٹھ جانا راہت جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۶ ص:۱۴۸)

(۲/ ۴۳۹) وَيُحْفَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ (۳۰/ ۴۴۰) وَيُدْخَلُ الْمَيِّتُ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ (۳۱/ ۴۴۱) فَإِذَا وُضِعَ فِي دِهٖ قَالَ الَّذِيْ يَضَعُهُ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (۳۲/ ۴۴۲) وَيُوَجِّهُهُ إِلَى الْقِبْلَةِ (۳۳/ ۴۴۳) حَلُّ الْعُقْدَةُ (۳۴/ ۴۴۴) وَيُسَوِّي اللَّبِنُ عَلَى اللَّحْدِ (۳۵/ ۴۴۵) وَيُكْرَهُ الْآجُرُّ وَالْخَشَبُ وَلَا بَأْسَ صَبِ (۳۶/ ۴۴۶) ثُمَّ يُهَالُ التُّرَابُ عَلَيْهِ وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَلَا يُسَطَّحُ.

ترجمہ: (۲۹/ ۴۳۹) اور قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے (۳۰/ ۴۴۰) اور اتارا جائے میت کو اس سمت جو قبلہ سے متصل ہے، (۳۱/ ۴۴۱) پھر جب میت کو رکھ دیا جائے اس کی لحد میں تو کہے رکھنے والا "بسم اللّٰہ وعلیٰ رسُولِ اللّٰہ" (۳۲/ ۴۴۲) اور میت کو قبلہ کی جانب متوجہ کر دے (۳۳/ ۴۴۳) اور کھول دیئے جائیں کفن کے بند ۲/ ۴۴۴) اور برابر کر دی جائیں کچی اینٹیں لحد پر (۳۵/ ۴۴۵) اور مکروہ ہے پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا اور کوئی حرج نہیں میں (۳۶/ ۴۴۶) پھر اس پر مٹی ڈال دی جائے اور قبر کو کوہان نما بنایا جائے اور چکور نہ بنایا جائے۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک قبر کھود کر لحد بنانا مسنون ہے، یعنی قبر کے اندر قبلہ کی جانب بغل بنادی جائے، اسی کو نبر کہتے ہیں، لحد اس وقت مسنون ہے، جبکہ زمین نرم نہ ہو اور اگر زمین ایسی نرم ہو کہ لحد بنانا ممکن نہ ہو تو شق جائز ہے۔

یعنی چوڑی قبر کھود کر اس کے اندر ایک پتلی سے نالی بنا کر اس میں مردہ دفن کرنا۔

اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک قبر میں مردہ کو اتارنیکا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں داخل کیا جائے، جس کی صورت یہ ہو کہ جنازہ کو قبر سے قبلہ کی جانب میں رکھا جائے اور پھر اس کو اسی جانب سے چوڑائی میں قبر کے اندر اتارا جائے۔

امام شافعی واحمد کے نزدیک مردہ کو قبر میں اتارنیکا سنت طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر کی پائینتی کی جانب اس طریقہ سے رکھا جائے کہ میت کا سر قبر کی پائینتی کے ساتھ ہو، پھر اس کو قبر میں کھینچا جائے اس طریقہ پر کہ سر پہلے قبر میں داخل ہو اور پاؤں بعد میں۔ (مستفاد بدائع الصنائع للکاسانی ج:۲، ص:۶۰ تا ۶۱)

دلیل: حضور ﷺ کو اسی طرح کھینچ کر قبر میں اتارا گیا ہے۔ (بدائع ج:۲، ص:۶۱)

جواب: آپ کو ضرورت کی بنیاد پر اس طرح سے اتارا گیا کیوں کہ جگہ تنگ تھی قبلہ کی جانب سے اتارنا مشکل ہو گیا اس لئے ایسا کیا گیا۔ (بدائع ج:۲، ص:۶۲)

حنفیہ کی دلیل: حضورؐ نے حضرت ابودجانہ ؓ کو قبلہ کی جانب سے ہی قبر میں اتارا ہے۔ (بدائع ج:۲، ص:۶۱)

پھر آگے فرماتے ہیں کہ لحد میں رکھ کر میت کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے، یعنی دائیں پہلو پر لٹا کر قبلہ کی جانب متوجہ کر دیں، میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کے کفن کی گرہ کھول دے، کیوں کہ اب کفن کے منتشر ہونیکا خوف نہیں رہا، اس کے بعد لحد پر کچی اینٹیں ٹھیک کر کے لگا دی جائیں کیوں کہ حضورؐ کی قبر اطہر پر کچی اینٹیں لگائیں گئیں تھیں۔

(عینی ج:۱، ص:۱۱۲۶ جزء ثانی)

قبر میں پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے کیوں کہ یہ دونوں چیزیں عمارت کو مضبوط کرنے کے لئے ہیں اور قبر گل سڑ کر برباد ہونے کی جگہ ہے تو قبر میں ایسی چیزوں کو لگانا اسراف ہے، البتہ جہاں زمین نرم ہو یا سیلابی ہونے کی وجہ سے قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو پختہ اینٹ یا لکڑی کے تختوں سے بند کیا جا سکتا ہے، نرکل یا بانس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر قبر پر مٹی ڈال دی جائے۔ (عینی ج:۱، ص:۱۱۲۷ جزء ثانی)

آگے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ قبر کو کوہان نما بنایا جائے اور چکور نہ بنایا جائے، قبر زمین سے ایک بالشت تک بلند کرنا اکثر فقہاء کے نزدیک مشروع ہے، اور جو قبر اس سے زیادہ بلند ہو اس کو ایک بالشت تک لے آنا مستحب ہے، پھر قبروں کو ایک بالشت کے بقدر اونچا کرنے کی ہیئت کیا ہو گی؟ اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ قبر کو کوہان نما بنایا جائے گا۔

(۲) امام شافعی کے نزدیک چکور بنایا جائے گا۔

حنفیہ کی دلیل: سفیان تمار کی روایت ہے کہ میں اس جگہ داخل ہوا جہاں حضورؐ کی قبر مبارک تھی، میں نے آپ کی

قبر مبارک اور شیخین کی قبروں کو کوھان نما دیکھا۔ (عینی ج:۱،ص:۱۱۲۹)

امام شافعی کی دلیل: حضورؐ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر کو چکور بنایا تھا۔

جواب: اولاً چکور بنائی گئی پھر کوھان نما کر دیا گیا تھا۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۱۱۲۸، جز دوم، عنایہ من ہامش الفتح ج:۲،ص:۱۰۱)

تنبیه: واضح رہے کہ یہ اختلاف فضیلت میں ہے ورنہ جائز دونوں طریقے ہیں۔

(۳۷/۴۴۷) وَمَنِ اسْتَهَلَّ بَعْدَ الْوِلَادَةِ سُمِّيَ وَغُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ أُدْرِجَ فِيْ خِرْقَةٍ وَدُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ.

ترجمه: (۳۷/۴۴۷) اور جس بچہ نے آواز نکالی پیدائش کے بعد اس کا نام رکھا جائے اور غسل دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اگر آواز نہیں کی، تو اسے کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور دفن کر دیا جائے اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

تشریح: بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر ایسی کوئی علامت ظاہر ہوئی جس سے بچہ کی زندگی کا علم ہو سکے مثلاً پیدا ہونے کے بعد چلانا، چھینکنا، جمائی وغیرہ لینا، پھر وہ بچہ مر گیا تو اس کا نام بھی رکھا جائے اور اس کو غسل میت بھی دیا جائے اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے، اور اگر زندگی کی کوئی علامت نہیں پائی گئی تو اس کو بطور کفن ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں دبا دیا جائے، اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے، مختار قول کے مطابق اس کو غسل بھی دیا جائے جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے۔

باب الشهيد

(یہ) باب شہید کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: چونکہ شہید کا درجہ عام میت سے بڑھا ہوا ہے تو باب الجنائز کے بعد باب الشہید کا تذکرہ ایسا ہے جیسے فرشتوں کے ذکر کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۱۳۲ جزء ثانی)

شہید کی لغوی تعریف: شہید فعیل کے وزن پر ہے مفعول کے معنی میں یعنی فرشتے تعظیم کی خاطر اس کی موت کی شہادت دیتے ہیں۔ (اللباب فی شرح الکتاب ج:۱،ص:۱۳۳)

اصطلاحی تعریف: شہید وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کر ڈالا یا میدانِ جنگ میں پڑا ہوا پایا گیا اور اس کے بدن پر قتل کے نشانات ہیں یا اس کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کر دیا اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہیں ہوئی مثلاً کوئی شخص جنگل میں مقتول پایا گیا جس کے قریب کوئی آبادی نہیں اور قاتل معلوم نہ ہو سکے تو اسے غسل و کفن نہیں دیا جائے گا۔

شہید کی قسمیں:

غسل وکفن کے اعتبار سے شہید کی دو قسمیں ہیں (۱) دنیوی واخروی (۲) اخروی۔
(۱) جس کو غسل وکفن نہیں دیا جاتا ہے بلکہ بغیر غسل دیئے انہیں کپڑوں میں نماز پڑھ کر دفن کردیا جاتا ہے۔
(۲) جس کو عام مسلمانوں کے مانند غسل وکفن دیا جائے یہ صرف آخرت کے اعتبار سے شہید ہے۔

(۱/ ۴۴۸) اَلشَّهِيْدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُوْنَ اَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهٖ اَثَرُ الْجَرَاحَةِ أَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ ظُلْماً وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهٖ دِيَةٌ (۲/ ۴۴۹) فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يُغَسَّلُ.

ترجمہ: (۱/ ۴۴۸) شہید وہ ہے جس کو قتل کردیا ہو مشرکوں نے یا پایا گیا میدان جنگ میں اور اس پر زخم کا نشان ہو یا قتل کردیا ہو اس کو مسلمانوں نے ظلماً اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو (۲/ ۴۴۹) تو اس کو کفن دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کو غسل نہ دیا جائے۔

تشریح: اس عبارت میں شہید کی قسم اول (جو دنیوی واخری اعتبار سے شہید ہے) کا بیان ہے، مذکورہ تمام صورتوں میں مقتول پر شہید کے احکام جاری ہوں گے یعنی اسے غسل وکفن نہیں دیا جائے گا، بلکہ جو کپڑے وہ پہنے ہوئے ہو انہی کپڑوں میں غسل دیئے بغیر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کردیا جائے گا۔

شہید کو جس طرح بلا غسل دفن کرنے کا حکم ہے اسی طرح بلا نماز دفن کیا جائے یا عام میتوں کی طرح نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دفن کیا جائے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

اختلاف الائمہ

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ مشروع نہیں ہے، جیسے غسل مشروع نہیں ہے۔
(نیل الاوطار ج:۴، ص:۴۸، بذل المجہود ج:۴، ص:۱۹۰)

(۲) حنفیہ کے نزدیک عام میتوں کی طرح شہید کی نماز جنازہ بھی واجب ہے۔ (نیل الاوطار ج:۴، ص:۴۸)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے شہداء احد کو ان کے خونوں میں دفن کرنے کا حکم دیا ہے نہ ان کو غسل دیا گیا اور نہ آپ نے ان پر نماز جنازہ ادا فرمائی ہے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۳۲۱)

جواب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں دو احتمال ہیں:

(۱) آپ نے اس لئے نماز جنازہ نہیں پڑھی کہ شہید کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ بغیر نماز جنازہ کے دفن کردیا جائے جس طرح بغیر غسل کے شہداء کو دفن کرنا سنت ہے۔

(۲) ممکن ہے کہ آپ نے نماز جنازہ کسی عذر کی وجہ سے نہ پڑھی ہو مگر صحابہؓ نے نماز جنازہ پڑھی ہے اور اس احتمال کی تائید میں کثیر روایات ہیں جیسا کہ حضرت سہل ﷺ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک میں سخت زخم آ گیا تھا اور اس سے خون مسلسل بہہ رہا تھا گویا کہ آپ ﷺ نماز پڑھنے سے معذور تھے۔
(طحاوی ج:۱ص:۳۲۱، ایضاح الطحاوی ج:ص۳،ص:۶۸)

حنفیہ کی دلیل: حضورؐ نے تمام شہداء احد پر نماز جنازہ ادا فرمائی ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ (طحاوی ج:۱ص:۳۲۲)

(۳/۴۵۰) وَإِذَا اسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِّلَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَكَذٰلِكَ الصَّبِيُّ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يُغَسَّلَانِ.

ترجمہ: اور جب شہید ہو جائے کوئی ناپاک آدمی تو غسل دیا جائے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور اسی طرح بچہ کا حکم ہے، اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: امام ابو حنیفہ کے نزدیک شہید کی قسم اول کیلئے حدث اکبر سے پاک ہونا بھی ضروری ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص حالت جنابت میں یا کوئی عورت حیض ونفاس کی حالت میں شہید ہو جائے تو اس کے لئے شہید کے وہ احکام ثابت نہ ہوں گے یعنی اسے غسل دیا جائے گا جیسے اگر بچہ شہید ہو جائے تو اسے غسل دیا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل: حضرت حنظلہؓ جنگ میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے تو فرشتوں نے ان کو غسل دیا تھا، حضورؐ نے ان کے گھر والوں سے معلوم کیا پتہ چلا کہ حضرت حنظلہؓ حالت جنابت میں تھے معلوم ہوا کہ اگر حالت جنابت میں کوئی شہید ہو جائے تو غسل واجب ہے، فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔
(عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۱۱۳۸ جزء ثانی، کفایہ ج:۲ص:۱۰۶، طحاوی علی مراقی الفلاح ج:۱ص:۳۴۴)

صاحبین کا مذہب: جنبی مسلمان اگر شہید ہو جائے تو غسل نہ دیا جائے۔

دلیل: جو غسل جنابت کی وجہ سے واجب ہوا تھا وہ موت سے ساقط ہو گیا۔ (عینی ج:۱ص:۱۱۳۸)

بچہ اگر شہید کر دیا گیا تو امام صاحب کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک غسل نہ دیا جائے تاکہ اس پر اس کی مظلومیت کا اثر باقی رہے، امام صاحب فرماتے ہیں چونکہ بچہ پر کوئی گناہ نہیں ہے اس لئے وہ شہداء احد کے معنی میں نہ ہوگا، لہٰذا غسل بھی ساقط نہ ہوگا اس لئے بچہ کو غسل دیا جائے گا۔ (عینی ج:۱ص:۱۱۳۹)

(۴/۴۵۱) وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيْدِ دَمُهٗ وَلَا يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهٗ وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ وَالْخُفُّ وَالسِّلَاحُ.

ترجمہ: (۴۵۱/۴) اور نہ دھویا جائے شہید سے اس کا خون اور نہ اتارلے جائیں اس سے اس کے کپڑے اور اتارلی جائے اس سے پوستین، روئی سے بھرے ہوئے کپڑے، موزے اور ہتھیار۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ قسم اول کے شہید کے بارے میں احکام بیان فرمارہے ہیں کہ اس کا خون اس کے جسم سے صاف نہ کیا جائے البتہ اگر خون کے علاوہ کوئی اور نجاست اس کے بدن یا کپڑوں کو لگ گئی ہو تو اسے دھویا جائے، دوسرا حکم یہ ہے کہ جو کپڑے شلوار وغیرہ پہنے ہوئے ہوان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتاریں ہاں اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے زائد ہوں تو زائد کپڑے اتارلئے جائیں اور اگر اس کے جسم پر ایسے کپڑے ہوں جن میں کفن ہونے کی صلاحیت نہ ہو جیسے چمڑے کا لباس پوستین وغیرہ تو ان کو بھی اتارلینا چاہئے، ہاں اگر ایسے کپڑوں کے علاوہ جسم پر کوئی کپڑا نہ ہو تو پھر پوستین وغیرہ کو نہ اتارنا چاہئے۔ (شامی ج:۱ ص:۸۵۱ طحطاوی علی مراقی الفلاح ج:۱ ص:۳۴۴) ٹوپی، جوتا، ہتھیار، زرہ وغیرہ کو ہر حالت میں اتارلیا جائے گا۔

(۴۵۲/۵) وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِّلَ وَالْاِرْتِثَاثُ اَنْ یَّاْکُلَ اَوْ یَشْرَبَ اَوْ یُدَاوِیْ اَوْ یَبْقٰی حَیًّا حَتّٰی یَمْضِیَ عَلَیْهِ وَقْتُ صَلٰوةٍ وَهُوَ یَعْقِلُ اَوْ یُنْقَلُ مِنَ الْمَعْرَکَةِ حَیًّا.

ترجمہ: (۴۵۲/۵) اور مرتث کو غسل دیا جائے اور ارتثاث یہ ہے کہ وہ کچھ کھالے یا پی لے یا علاج کرالے یا اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت گذر جائے ہوش کی حالت میں یا منتقل کیا جائے میدان جنگ سے زندہ۔

تشریح: ارتثاث کے معنیٰ ہیں پرانا پڑ جانا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتول فی سبیل اللہ زخم لگنے کے بعد کچھ منافع زندگی حاصل کرے، مثلاً کچھ کھالے پی لے سو جائے، خرید وفروخت کرے یا حالت ہوش وحواس میں ایک نماز کا وقت گذر جائے، یا لوگ حالت ہوش میں اس کو میدان جنگ سے اٹھالائیں پھر اس کے بعد یہ شخص انتقال کر جائے تو شہید کے احکام سے خارج ہو جائے گا، یعنی اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور دوسرے مردوں کی طرح نیا کفن بھی پہنایا جائے گا۔

الحاصل! اس عبارت میں شہید کی دوسری قسم کا بیان ہے، یعنی جنھیں حضورؐ کی بشارت کے مطابق آخرت میں تو درجۂ شہادت نصیب ہوگا، اور شہیدوں کا سا معاملہ ثواب اور اعزاز واکرام کا ان کے ساتھ کیا جائے گا، لیکن دنیا میں ان پر شہیدوں کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

(۴۵۳/۶) وَمَنْ قُتِلَ فِی حَدٍّ اَوْ قِصَاصٍ غُسِّلَ وَصُلِّیَ عَلَیْهِ.

ترجمہ: (۴۵۳/۶) اور جو شخص قتل کیا گیا ہو کسی حد میں یا قصاص میں تو غسل دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی۔

تشریح: قسم اول کی شہادت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ بے گناہ مقتول ہوا ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص بے گناہ

مقتول نہیں ہوا بلکہ کسی جرم شرعی کی سزا میں مارا گیا تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی۔

(۷/۴۵۴) وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُغَاةِ أَوْ قُطَّاعِ الطَّرِيقِ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۷/۴۵۴) اور جو شخص قتل کیا گیا باغیوں یا ڈاکوؤں میں سے تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

تشریح: اگر ڈاکو یا باغی لڑائی کے دوران قتل ہو جائیں تو ان کی اہانت اور دوسروں کی عبرت کے لئے حکم یہ ہے کہ ان کو نہ غسل دیا جائے نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے بلکہ یونہی دفنا دیا جائے احناف کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کو غسل تو دیا جائے لیکن ان پر نماز نہ پڑھی جائے اسی قول پر علامہ شامی نے فتویٰ نقل کیا ہے۔ (شامی ج:۱،ص:۸۱۴) لیکن اگر لڑائی کے بعد قتل کئے گئے یا لڑائی کے بعد اپنی موت مر جائیں تو پھر ان کو غسل بھی دیا جائے گا اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

باب الصلوٰة فی الکعبة

یہ باب کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: خانۂ کعبہ میں نماز پڑھنے والا من وجہٍ استقبال قبلہ کرنے والا ہے اور من وجہٍ پشت کرنے والا ہے ایسے ہی شہید اللہ کے نزدیک زندہ ہے اور لوگوں کے نزدیک مردہ ہے، اس باب کو سب سے آخر میں اس لئے لائے ہیں تا کہ کتاب الصلوٰة کا اختتام ایک متبرک چیز پر ہو جائے۔ (اشرف النوری ج:۱،ص:۲۰۱)

(۱/۴۵۵) اَلصَّلٰوةُ فِي الْكَعْبَةِ جَائِزَةٌ فَرْضُهَا وَنَفْلُهَا

ترجمہ: (۱/۴۵۵) نماز کعبہ میں جائز ہے، فرض بھی اور نفل بھی۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ خانۂ کعبہ میں نماز جائز ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک بیت اللہ میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن امام مالک کے نزدیک تفصیل یہ ہے کہ فرض، وتر صلاۃ الطواف، سنت فجر جائز نہیں ہے اور ان کے علاوہ دیگر نوافل جائز ہیں۔ (معارف السنن ج:۶،ص:۴۱۰)

مذہب نمبر۲: حنفیہ کے نزدیک ہر طرح کی نماز خانہ کعبہ کے اندر جائز ہے۔ (معارف السنن ج:۶،ص:۴۱۰)

مذہب اول کی دلیل: حضور ﷺ جب خود بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے ہر کنارہ میں جا کر دعائیں مانگیں اور کوئی نماز اس میں نہیں پڑھی اور جب باہر تشریف لائے تو دو رکعت نماز پڑھکر فرمایا کہ یہی قبلہ ہے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۶۳)

جواب: حضور ﷺ کا ترک صلوٰة عدم جواز پر دلیل نہیں بن سکتا۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۶۴)

حنفیہ کی دلیل: حضورؐ کے ساتھ حضرت اسامہ حضرت عثمان حضرت بلال ﷺ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے حضرت بلال فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے قبلہ کی دیوار کے تین گز کے فاصلہ پر ایک ستون کو اپنے بائیں جانب اور دو کو اپنی دائیں طرف اور تین کو اپنے پیچھے کی جانب کر کے خانۂ کعبہ میں نماز پڑھی ہے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۶۴)

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضور ﷺ کے بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کا انکار ہرگز درست نہ ہوگا۔

(۴۵۶/۲) فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ ظَهْرَهُ إِلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ جَازَ (۴۵۷/۳) وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ وَجْهَهُ إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ جَازَ وَيُكْرَهُ (۴۵۸/۴) وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ ظَهْرَهُ إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ لَمْ تَجُزْ صَلٰوتُهُ.

ترجمہ: (۴۵۶/۲) پھر اگر نماز پڑھائے امام کعبہ میں جماعت کے ساتھ اور کرے مقتدیوں میں سے کوئی اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف تو جائز ہے (۴۵۷/۳) اور جو شخص کرے ان میں سے اپنا چہرہ امام کے چہرے کی طرف تو جائز ہے مگر مکروہ ہے (۴۵۸/۴) اور جو کرے ان میں سے اپنی پیٹھ امام کے چہرہ کی طرف تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔

تشریح: کعبہ کے اندر تنہا نماز پڑھنا بھی جائز ہے، اور جماعت سے بھی اور وہاں یہ بھی ضروری نہیں کہ امام اور مقتدیوں کا چہرہ ایک ہی طرف ہو اس لئے کہ وہاں ہر طرف قبلہ ہے، صاحب کتاب نے اس عبارت میں تین صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) مقتدیوں کی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف ہو اس صورت میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔

(۲) مقتدی کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہو تب بھی نماز درست ہے مگر اس صورت میں نماز مکروہ ہوگی اس لئے کہ کسی آدمی کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر درمیان میں کوئی چیز سترہ کرلی جائے تو یہ کراہت نہ رہیگی۔

(۳) مقتدی کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو یہ صورت بالکل ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں مقتدی اپنے امام سے آگے ہوگا۔

(۴۵۹/۵) وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّوْا بِصَلٰوةِ الْإِمَامِ فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ أَقْرَبَ إِلَى الْكَعْبَةِ مِنَ الْإِمَامِ جَازَتْ صَلٰوتُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي جَانِبِ الْإِمَامِ.

ترجمہ: (۴۵۹/۵) اور جب نماز پڑھائے امام مسجد حرام میں اور لوگوں نے حلقہ باندھا کعبہ کے چاروں طرف اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی پس جو شخص ان میں سے زیادہ قریب ہوگا کعبہ کے امام کی بہ نسبت تو ہوجائے گی اس کی نماز جب کہ نہ ہو یہ امام کی جانب میں۔

تشریح: اگر سب لوگ کعبہ کے باہر ہوں اور ایک طرف امام ہو اور چاروں طرف مقتدی حلقہ باندھے ہوئے ہوں، جیسا کہ وہاں اسی طرح نماز پڑھنے کا رواج ہے تو بھی نماز صحیح ہوجائے گی، لیکن شرط یہ ہے کہ جس طرف امام کھڑا

ہے اس طرف کوئی مقتدی بہ نسبت امام کے خانہ کعبہ کے نزدیک نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے سمجھا جائے گا، جو کہ اقتداء کے لئے مانع ہے البتہ دوسری طرف کے مقتدی خانہ کعبہ سے بہ نسبت امام کے نزدیک بھی ہوں تو کچھ حرج نہیں ہے۔

(۴۶۰/۶) ومن صلّٰی علٰی ظهر الکعبة جازت صلوٰتهٗ

ترجمہ: (۴۶۰/۶) اور جو شخص نماز پڑھے کعبہ کی چھت پر تو اس کی نماز بھی ہو جائے گی۔

تشریح: ہمارے نزدیک کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے، مگر مکروہ ہے کیونکہ کعبہ کی چھت پر چڑھنے میں کعبہ کی تعظیم ختم ہو جاتی ہے۔

کتاب الزکاة

یہ کتاب زکوٰۃ کے احکام کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: امام قدوری احکام نماز سے فراغت کے بعد احکام زکوٰۃ کو بیان فرما رہے ہیں، کیونکہ قرآن کریم میں ۳۲ جگہوں پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے (جن میں آٹھ آیات تو مکی سورتوں کی ہیں اور باقی مدنی سورتوں کی) درمختار میں لکھا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کا یہ اقتران دلیل ہے اس بات کی ان دونوں میں کمال اتصال و تعلق ہے، نیز "بنی الاسلام علی خمس" الخ میں بھی یہی ترتیب ہے۔

زکوٰۃ کی لغوی تعریف: زکوٰۃ کے معنی لغت میں بڑھوتری کے ہیں، نیز پاک وصاف کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۱۱۵۰، جزدوم)

اصطلاحی تعریف: مال نصاب حولی کے چالیسویں حصہ کو زکوٰۃ کہتے ہیں جو غیر ہاشمی مسلمان فقیر کی ملکیت میں دینے کے لئے نکالا جاتا ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۱۱۵۱، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۳۲۰)

زکوٰۃ کی فرضیت: زکوٰۃ کی فرضیت روزوں کی فرضیت سے پہلے ۲ھ شوال المکرم میں ہوئی۔ (عینی ج:۱، ص:۱۱۵۱)

زکوٰۃ کی حکمت: بخل و معصیت کی گندگی کو دور کرنا، درجات کا بلند ہونا محتاجوں کی ضرورت پوری کرنا۔

زکوٰۃ کا حکم: زکوٰۃ کی فرضیت پر تمام امت کا اجماع ہے جو شخص زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرے گا اس پر کفر کا حکم ثابت ہوگا۔ (عینی ج:۱، ص:۱۱۵۱)

(۴۶۱/۱) اَلزَّکَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَی الْحُرِّ الْمُسْلِمِ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ إِذَا مَلَكَ نِصَاباً کَامِلاً مِلْکاً تَامّاً وَحَالَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ وَلَيْسَ عَلٰی صَبِیٍّ وَلَا مَجْنُوْنٍ وَلَا مُکَاتَبٍ زَکٰوةٌ.

ترجمہ: (۴۶۱/۱) زکوٰۃ فرض ہے آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل، پر جبکہ وہ مالک ہو کامل نصاب کا مکمل طور پر اور گذر جائے اس پر سال اور نہیں ہے بچہ پر دیوانے پر اور مکاتب پر زکوٰۃ۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ زکوٰۃ کے واجب ہونیکی شرطیں بیان فرمارہے ہیں:

(۱) آزاد ہونا غلام پر زکوٰۃ فرض نہیں اگر چہ وہ مکاتب ہو یعنی وہ غلام جس کو اس کے آقا نے اس شرط پر آزاد کر دیا ہو کہ وہ اس قدر روپیہ کما کر اس کو دیدے جب تک وہ روپیہ اس قدر کما کر کے نہ دے غلام رہتا ہے، اور دینے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے، یا ماذون غلام ہو (وہ غلام جس کو اس کے آقا نے اجازت دی ہو کہ وہ کمائی کرے اور اپنے آقا مالک کو لاکر دے)۔ (علم الفقہ ج:۴، ص:۴۸۱)

(۲) مسلمان ہونا، کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں مسلمان ہونا جس طرح زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرط ہے اسی طرح ادائیگی کی صحت کے لئے بھی شرط ہے، کیوں کہ زکوٰۃ بغیر نیت کے درست نہیں اور کافر کا نیت کرنا درست نہیں ہے۔

(۳) بالغ ہونا، نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں لہٰذا اس کے ولی سے ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔
(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج:۱، ص:۹۶۰)

(۴) عاقل ہونا، مجنون پر زکوٰۃ فرض نہیں نہ اس شخص پر جس کے دماغ میں کوئی بیماری پیدا ہوگئی ہو اور اس کیوجہ سے اس کی عقل میں فتور آ گیا ہو اور یہ نقصان عقل اگر پورے سال بھر رہے گا تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ (شامی ج:۳، ص:۴)

(۵) نصاب کا کامل ہونا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

(۶) اس مال کا ایسے قرض سے محفوظ ہونا جس کا مطالبہ بندوں کی جانب سے ہو سکتا ہے، خواہ وہ حق اللہ ہی ہو جیسے زکوٰۃ عشر خراج (گذشتہ سالوں کی) ان کا مطالبہ امام وقت کی جانب سے ہو سکتا ہے یا وہ قرض بندوں کا ہو جیسے بیوی کا مہر، جو مال اس قسم کے قرض میں مستغرق ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

(۷) اس مال پر ایک سال کامل گذر جانا، بغیر ایک سال کے گذرے ہوئے زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۴۶۲/۲) وَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ مُحِيطٌ بِمَالِهٖ فَلَا زَكٰوةَ عَلَيْهِ (۴۶۳/۳) وَإِنْ كَانَ مَالُهٗ أَكْثَرَ مِنَ الدَّيْنِ زَكَّى الْفَاضِلَ إِذَا بَلَغَ نِصَاباً.

ترجمہ: (۴۶۲/۲) اور جس شخص کے ذمہ ہو قرض اس کے مال کے برابر تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے (۴۶۳/۳) اور اگر ہو اس کا مال قرض سے زائد تو زائد کی زکوٰۃ دے، جب وہ پہنچ جائے نصاب کو۔

تشریح: ایک شخص کے ذمہ اتنا قرض ہے جو اس کے پورے مال کو گھیرے ہوئے ہے تو ایسے شخص پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے اور اگر مقروض کے پاس مال قرض سے زائد ہے اور وہ نصاب شرعی کے بقدر ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴۶۴/۴) وَلَيْسَ فِي دُوْرِ السُّكْنٰى وَثِيَابِ الْبَدَنِ وَأَثَاثِ الْمَنْزِلِ وَدَوَابِّ الرُّكُوْبِ وَعَبِيْدِ الْخِدْمَةِ

وَسِلَاحِ الْاِسْتِعْمَالِ زَكٰوةٌ.

ترجمہ: (۴۶۴/۴) اور رہنے کے گھروں میں پہننے کے کپڑوں میں گھریلو سامان میں سواری کے جانوروں میں خدمت کے غلاموں میں اور استعمالی ہتھیاروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

تشریح: زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مال اپنی اصلی ضرورتوں سے زائد ہو جو مال اپنی اصلی ضرورتوں کے لئے ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، چنانچہ پہننے کے کپڑے اور رہنے کے گھر اور خدمت کے غلاموں پر اور سواری کے گھوڑوں پر اور استعمالی ہتھیاروں پر اور گھریلو سامان پر زکوٰۃ فرض نہیں اسی طرح پیشہ وروں کے اوزار و اسباب پر زکوٰۃ فرض نہیں اسی طرح ان کتابوں پر جو تجارت کی نہ ہوں۔

(۴۶۵/۵) وَلَايَجُوْزُ اَدَاءُ الزَّكٰوةِ اِلَّا بِنِيَّةٍ مُقَارِنَةٍ لِلْاَدَاءِ اَوْ مُقَارِنَةٍ لِعَزْلِ مِقْدَارِ الْوَاجِبِ

ترجمہ: اور جائز نہیں زکوٰۃ ادا کرنا مگر ایسی نیت کے ساتھ جو ادا کرنے سے ملی ہوئی ہو یا ملی ہوئی ہو مقدار واجب الگ کرنے سے۔

تشریح: اس عبارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی شرط بیان کر رہے ہیں، یعنی زکوٰۃ کا مال فقیر کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا یعنی دل میں یہ ارادہ کرنا کہ میرے اوپر جس قدر مال کا دینا فرض تھا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دیتا ہوں اگر کوئی زکوٰۃ دینے کے بعد نیت کرے اور مال فقیر یعنی جس کو زکوٰۃ کا مال دیا ہے ابھی تک اس کے پاس موجود ہے، تو یہ نیت صحیح ہو جائے گی اور اگر مال زکوٰۃ فقیر کے پاس خرچ ہو چکا ہے تو نیت صحیح نہ ہوگی اور پھر اس کو زکوٰۃ دوبارہ دینی ہوگی، اگر کوئی شخص اپنے مال میں سے زکوٰۃ کا مال الگ کرلے اور الگ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت دل میں ہو تو کافی ہے اگر چہ فقیروں کو دیتے وقت نیت نہ بھی کرے۔

(۴۶۶/۶) وَمَنْ تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَالِهٖ وَلَايَنْوِىْ الزَّكٰوةَ سَقَطَ فَرْضُهَا عَنْهُ

ترجمہ: (۴۶۶/۶) اور جس شخص نے خیرات کر دیا اپنا سارا مال اور نہ نیت کی زکوٰۃ کی تو ساقط ہو گیا زکوٰۃ کا فرض اس سے۔

تشریح: جس نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا مگر زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو بطور استحسان اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، یعنی قیاس کا تقاضہ تو یہی تھا کہ نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہو مگر چونکہ اب اس کے پاس کوئی مالیت باقی نہیں رہی اس لئے اس صورت میں زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۱،ص:۱۷۱)

باب زکوۃ الابل

یہ باب اونٹوں کی زکوۃ کے بیان میں ہے

(۱/۴۶۷) لَيْسَ فِي اَقَلَّ مِنْ خَمْسٍ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْساً سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا شَاةٌ إِلٰى تِسْعٍ فَإِذَا كَانَتْ عَشْراً فَفِيهَا شَاتَانِ إِلٰى أَرْبَعَ عَشَرَةَ فَإِذَا كَانَتْ خَمْسَ عَشَرَةَ فَفِيهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ إِلٰى عَشَرَةَ فَإِذَا كَانَتْ عِشْرِيْنَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ إِلٰى أَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْساً وَّعِشْرِيْنَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ إِلٰى خَمْسٍ وَّثَلَاثِيْنَ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتّاً وَّثَلٰثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ إِلٰى خَمْسٍ وَّأَرْبَعِيْنَ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتّاً وَّ اَرْبَعِيْنَ فَفِيهَا حِقَّةٌ إِلٰى سِتِّيْنَ فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدٰى وَسِتِّيْنَ فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلٰى خَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتّاً وَّسَبْعِيْنَ فَفِيْهَابِنْتَا لَبُوْنٍ إِلٰى تِسْعِيْنَ وَإِذَا كَانَتْ إِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ إِلٰى مِائَةٍ وَّعِشْرِيْنَ (۲/۴۶۸) ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيْضَةُ فَيَكُوْنُ فِي الْخَمْسِ شَاةٌ مَعَ الْحِقَّتَيْنِ وَفِي الْعَشْرِ شَاتَانِ وَفِي خَمْسَ عَشَرَ ثَلٰثُ شِيَاهٍ وَفِي عِشْرِيْنَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ وَفِي خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ إِلٰى مِائَةٍ وَّخَمْسِيْنَ فَيَكُوْنُ فِيهَا ثَلٰثُ حِقَاقٍ (۳/۴۶۹) ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيْضَةُ فَفِي الْخَمْسِ شَاةٌ وَفِي الْعَشْرِ شَاتَانِ وَفِي خَمْسَ عَشَرَةَ ثَلٰثُ شِيَاهٍ وَفِي عِشْرِيْنَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ وَّفِي خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَفِي سِتٍّ وَّثَلٰثِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَةً وَّسِتّاً وَتِسْعِيْنَ فَفِيْهَا أَرْبَعُ حِقَاقٍ إِلٰى مِائَتَيْنِ (۴/۴۷۰) ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيْضَةُ اَبَداً كَمَا تُسْتَأْنَفُ فِي الْخَمْسِيْنَ الَّتِي بَعْدَ الْمِائَةِ وَالْخَمْسِيْنَ (۵/۴۷۱) وَالْبُخْتُ وَالْعِرَابُ سَوَاءٌ.

ترجمہ: (۱/۴۶۷) نہیں ہے پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ پھر جب پہنچ جائیں وہ پانچ کو درآنحالیکہ جنگل میں چرتے ہوں اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں ایک بکری ہے نو تک، پھر جب دس کو پہنچ جائیں تو ان میں دو بکریاں ہیں چودہ تک پھر جب پندرہ کو پہنچ جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں انیس تک پھر جب بیس کو پہنچ جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں چوبیس تک، پھر جب پچیس کو پہنچ جائیں تو ان میں ایک بنت مخاض ہے پینتیس تک، پھر جب چھتیس کو پہنچ جائیں تو ان میں ایک بنت لبون ہے، پینتالیس تک، پھر جب چھیالیس کو پہنچ جائیں تو ان میں ایک حقہ ہے ساٹھ تک، پھر جب اکسٹھ ہو جائیں تو ان میں ایک جذعہ ہے پچھتر تک، پھر جب چھہتر کو پہنچ جائیں تو ان میں دو بنت لبون ہیں نوے تک پھر جب اکیانوے کو پہنچ جائیں تو ان میں دو حقے ہیں ایک سو بیس تک۔ (۲/۴۶۸) پھر از سر نو ہوگا فریضہ۔

چنانچہ پانچ میں ایک بکری دو حقے ہوں گے اور دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں ایک بنت مخاض، ایک سو پچاس تک، پھر ان میں تین حقے ہوں گے، (۳/۴۶۹) پھر از سر نو ہوگا فریضہ، پھر پانچ میں ایک بکری ہوگی اور دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں

ایک بنت مخاض اور چھتیس میں بنت لبون، پھر جب پہنچ جائیں ایک سو چھیانوے کو تو ان میں چار حقے ہوں گے، دوسو تک، (۴/۴۷۰) پھر از سر نو ہوتا رہے گا فریضہ ہمیشہ، جیسا کہ ہوا تھا ان پچاس میں جو ایک سو پچاس کے بعد ہیں۔ (۵/۴۷۱) اور بختی اور عربی اونٹ برابر ہیں۔ (وہ اونٹ جو عربی اور عجمی دونوں کی نسل سے پیدا ہوا ہو)

تشریح: ایک اونٹ سے چار اونٹوں تک معاف ہے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے اس کے بعد نیچے تک لکھے ہوئے حساب سے زکوٰۃ فرض ہے:

۵ سے ۹ تک	ایک سالہ ایک بکری یا بکرا
۱۰ سے ۱۴ تک	دو بکریاں یا بکرے
۱۵ سے ۱۹ تک	تین بکریاں یا بکرے
۲۰ سے ۲۴ تک	چار بکریاں یا بکرے
۲۵ سے ۳۵ تک	ایک سالہ اونٹنی (بنت مخاض)
۳۶ سے ۴۵ تک	دو سالہ اونٹنی (بنت لبون)
۴۶ سے ۶۰ تک	تین سالہ اونٹنی (حقہ)
۶۱ سے ۷۵ تک	چار سالہ اونٹنی (جذعہ)
۷۶ سے ۹۰ تک	دو سالہ دو اونٹنیاں
۹۱ سے ۱۲۴ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں
۱۲۵ سے ۱۲۹ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں اور ایک بکری
۱۳۰ سے ۱۳۴ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں اور دو بکریاں
۱۳۵ سے ۱۳۹ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں اور تین بکریاں
۱۴۰ سے ۱۴۴ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں اور چار بکریاں
۱۴۵ سے ۱۴۹ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں اور ایک سالہ ایک اونٹنی
۱۵۰ سے ۱۵۴ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں
۱۵۵ سے ۱۵۹ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں اور ایک بکری
۱۶۰ سے ۱۶۴ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں اور دو بکری
۱۶۵ سے ۱۶۹ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں اور تین بکریاں
۱۷۰ سے ۱۷۴ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں اور چار بکریاں
۱۷۵ سے ۱۸۵ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں اور ایک سالہ ایک اونٹنی۔

۱۸۶ سے ۱۹۵ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۱۹۶ سے ۲۰۴ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں یا دو سالہ پانچ اونٹنیاں
۲۰۵ سے ۲۰۹ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور ایک بکری
۲۱۰ سے ۲۱۴ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور دو بکریاں
۲۱۵ سے ۲۱۹ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور تین بکریاں
۲۲۰ سے ۲۲۴ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور چار بکریاں
۲۲۵ سے ۲۳۵ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور ایک سالہ اونٹنی
۲۳۶ سے ۲۴۵ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۲۴۶ سے ۲۵۴ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں
۲۵۵ سے ۲۵۹ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور ایک بکری
۲۶۰ سے ۲۶۴ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو بکریاں
۲۶۵ سے ۲۶۹ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور تین بکریاں
۲۷۰ سے ۲۷۴ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور چار بکریاں
۲۷۵ سے ۲۸۵ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور ایک سالہ اونٹنی
۲۸۶ سے ۲۹۵ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۲۹۶ سے ۳۰۴ تک	تین سالہ چھ اونٹنیاں

فائدہ جلیلہ: اس نقشہ میں ۱۵۰ سے آخر تک دیئے گئے اعداد سے ایک قاعدہ معلوم ہوا ہے اس کے مطابق ہزاروں لاکھوں اونٹوں کی زکوۃ کا حساب لگا سکتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ۱۵۰ کے بعد ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری، پھر ۲۵ سے ۳۵ تک ایک سالہ اونٹنی پھر ۳۶ سے ۴۵ تک دو سالہ اونٹنی، پھر ۴۶ سے ۵۰ تک تین سالہ اونٹنی اس کے بعد پھر نئے سرے سے ہر پانچ پر ایک بکری، ۲۵ پر ایک سالہ اونٹنی ۳۶ پر دو سالہ، ۴۶ سے ۵۰ تک تین سالہ۔

جہاں بکری واجب ہے اس میں ایک سال کی عمر ضروری ہے اور نر و مادہ میں اختیار ہے چاہے بکری دے یا بکرا دے، مگر اونٹنی مادہ ہی دینا ضروری ہے، اونٹ دینا جائز نہیں البتہ اونٹنی کی قیمت لگا کر قیمت کے برابر یا اس سے زائد قیمت کا اونٹ دے دینا جائز ہے۔

زکوۃ کا حساب مذکور اس صورت میں ہے کہ اونٹ تجارت کے لئے نہ ہوں اور ان کا اکثر سال چارہ باہر سے چرنا ہو، گھر میں چارہ نہ دیا جاتا ہو یا باہر چرنے کی بہ نسبت گھر کا چارہ کم ہو اگر گھر کا چارہ زیادہ ہو یا دونوں برابر ہوں تو زکوۃ نہیں ہے، اگر اونٹ تجارت کے لئے ہوں تو پھر دوسرے اموال تجارت کی طرح ان کی قیمت پر زکوۃ فرض ہوگی خواہ باہر

چرتے ہوں یا گھر میں چارہ دیا جاتا ہو۔

باب صدقة البقر

یہ باب گائے بیل کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے

(۴۷۲/۱) لَيْسَ فِي اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثِيْنَ مِنَ الْبَقَرِ صَدَقَةٌ فَإِذَا كَانَتْ ثَلٰثِيْنَ سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا تَبِيْعٌ اَوْ تَبِيْعَةٌ وَفِي اَرْبَعِيْنَ مُسِنٌّ اَوْ مُسِنَّةٌ (۴۷۳/۲) فَإِذَا زَادَتْ عَلَى الْاَرْبَعِيْنَ وَجَبَ فِي الزِّيَادَةِ بِقَدْرِ ذٰلِكَ إِلٰى سِتِّيْنَ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَفِي الْوَاحِدَةِ رُبْعُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَفِي الْاِثْنَيْنِ نِصْفُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَفِي الثَّلٰثِ ثَلٰثَةُ اَرْبَاعِ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَاشَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ سِتِّيْنَ فَيَكُوْنُ فِيْهَا تَبِيْعَانِ اَوْ تَبِيْعَتَانِ (۴۷۴/۳) وَفِي سَبْعِيْنَ مُسِنَّةٌ وَتَبِيْعٌ (۴۷۵/۴) وَفِي ثَمَانِيْنَ مُسِنَّتَانِ (۴۷۶/۵) وَفِي تِسْعِيْنَ ثَلٰثَةُ اَتْبِعَةٍ (۴۷۷/۶) وَفِي مِائَةٍ تَبِيْعَتَانِ وَمُسِنَّةٌ (۴۷۸/۷) وَعَلٰى هٰذَا يَتَغَيَّرُ الْفَرْضُ فِي كُلِّ عَشْرٍ مِنْ تَبِيْعٍ إِلٰى مُسِنَّةٍ (۴۷۹/۸) وَالْجَوَامِيْسُ وَالْبَقَرُ سَوَاءٌ۔

ترجمہ: (۴۷۲/۱) نہیں ہے تیس گائے سے کم میں زکوٰۃ پھر جب ہو جائیں وہ تیس درآنحالیکہ وہ جنگل میں چرتی ہوں اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے اور چالیس میں دو سال کا بچھڑا یا بچھڑی ہے، (۴۷۳/۲) پھر جب بڑھ جائیں چالیس پر تو واجب ہوگا زائد میں اس کے حساب سے ساٹھ تک امام ابوحنیفہ کے نزدیک چنانچہ ایک میں مسنہ کے دسویں حصے کا چوتھائی (چالیسواں) اور دو میں مسنہ کے دسویں حصے کا آدھا (بیسواں) اور تین میں مسنہ کے دسویں حصے کا تین چوتھائی، اور صاحبین نے فرمایا کچھ نہیں زائد میں یہاں تک کہ ساٹھ کو پہنچ جائیں، چنانچہ ساٹھ میں ایک ایک سال کے دو بچھڑے یا بچھڑیاں ہوں گی۔ (۴۷۴/۳) اور ستر میں ایک دو سال کا بچہ اور ایک ایک سال کا ہوگا، (۴۷۵/۴) اور اسی میں دو سال کے دو بچے (۴۷۶/۵) اور نوے میں ایک ایک سال کے تین بچے ہوں گے (۴۷۷/۶) اور سو میں دو بچے ایک ایک سال کے اور ایک بچہ دو سال کا، (۴۷۸/۷) اور اسی طریقہ پر بدلتا رہے گا فرض ہر دس میں تبیع سے مسنہ کی جانب۔ (۴۷۹/۸) اور بھینس اور گائے برابر ہیں۔

تشریح: ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گائے وبھینس اگر تیس سے کم ہو تو ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں اور تیس پر گائے یا بھینس کا بچہ جو پورے ایک سال کا ہو زکوٰۃ میں دینا ضروری ہے اور تیس کے بعد انتالیس تک کچھ بھی نہیں ہے (صرف ایک سالہ بچہ ہی ہے) چالیس گائے، بھینس میں پورے دو سال کا بچہ۔

پھر ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک چالیس سے زائد پر مزید کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، یہاں تک عدد ساٹھ تک پہنچ جائے جبکہ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب چالیس پر ایک گائے زیادہ ہوگی تو اس زائد پر دو سالہ بچہ کا چالیسواں حصہ اور دو زائد ہونے پر دو سالہ بچہ کا بیسواں حصہ اور تین زائد ہونے پر دو سالہ بچہ کے دسویں حصہ کے تین

چوتھائی واجب ہوں گے، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (معارف ج:۵،ص:۱۹۳ تا ۱۹۴، درمختار مع الشامی ج:۲،ص:۲۴)

جب ساٹھ ہو جائیں تو ایک ایک سال کے دو بچے دیئے جائیں گے، پھر ستر میں ایک ایک سال کا بچہ اور ایک دوسال کا بچہ، جب اسی ہو جائیں تو دوسال کے دو بچے اور نوے میں ایک ایک سال کے تین بچے اور سو میں دو بچے ایک ایک سال کے اور ایک بچہ دوسال کا، غرضیکہ ساٹھ کے بعد پھر ہر دہائی سے نصاب بدلتا ہے گا دھائی سے کم بڑھے تو زکوٰۃ میں زیادتی نہ ہوگی، وہی زکوٰۃ دینی ہوگی جو اس سے پہلے دی جاتی تھی۔

نوٹ: گائے بھینس کے نصاب میں نر و مادہ یعنی بیل، بچھڑا، کٹرا، جھوٹا، بھینسا وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

باب صدقة الغنم

یہ باب بکریوں کی زکوٰۃ کے بیان میں

(۱/۴۸۰) لَيْسَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِيْنَ شَاةً صَدَقَةٌ فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعِيْنَ شَاةً سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا شَاةٌ إِلَى مِائَةٍ وَعِشْرِيْنَ فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيْهَا شَاتَانِ إِلَى مِائَتَيْنِ فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيْهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ فَإِذَا بَلَغَتْ أَرْبَعَ مِائَةٍ فَفِيْهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ ثُمَّ فِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ (۲/۴۸۱) وَالضَّأْنُ وَالْمَعْزُ سَوَاءٌ.

ترجمہ: (۱/۴۸۰) نہیں ہے چالیس بکریوں سے کم میں زکوٰۃ پھر جب ہو جائیں چالیس درانحالیکہ جنگل میں چرتی ہوں اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں ایک بکری ہے ایک سوبیس تک، پھر جب ایک بڑھ جائے تو ان میں دو بکریاں ہیں دوسو تک، پھر جب ایک بڑھ جائے تو ان میں تین بکریاں ہیں، پھر جب پہنچ جائیں چار سو تک تو ان میں چار بکریاں ہیں پھر ہر سو میں ایک بکری ہے (۲/۴۸۱) اور بھیڑ اور بکریاں برابر ہیں۔

تشریح: چالیس بکریوں پر ایک بکری یا ایک بکرا واجب ہے، چالیس سے ایک سوبیس تک یہی واجب ہے پھر ایک سو اکیس سے دوسو تک دو بکریاں پھر دوسو ایک سے تین سو ننانوے تک تین بکریاں پھر چار سو پر چار بکریاں اس کے بعد ہر سو پر ایک بکری واجب ہے، بھیڑوں کا بھی یہی حکم ہے، مینڈھے بھی اسی میں شامل ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج:۴،ص:۲۸۲، عالمگیری ج:۱،ص:۱۷۸)

باب زکوة الخيل

یہ باب گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بیان میں

(۳/۴۸۲) إِذَا كَانَتِ الْخَيْلُ سَائِمَةً ذُكُوْراً وَإِنَاثاً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَصَاحِبُهَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْطَى مِنْ كُلِّ فَرَسٍ دِيْنَاراً وَإِنْ شَاءَ قَوَّمَهَا فَأَعْطَى عَنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ (۲/۴۸۳) وَلَيْسَ فِيْ ذُكُوْرِهَا مُنْفَرِدَةً زَكٰوةٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا زَكٰوةَ فِي الْخَيْلِ (۳/۴۸۴)

وَلَاشَيْءَ فِي الْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ لِلتِّجَارَةِ.

ترجمہ: (۴۸۲/۳) جب گھوڑے اور گھوڑیاں سب ہوں اور جنگل میں چرتے ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے دیدے ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار اور اگر چاہے تو ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم کی طرف سے پانچ درہم دیدے (۴۸۳/۲) اور نہیں ہے تنہا گھوڑوں میں زکوٰۃ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف ومحمد نے فرمایا کہ گھوڑوں میں بالکل زکوٰۃ نہیں ہے، (۴۸۴/۳) اور نہ خچر اور گدھوں میں مگر یہ کہ ہوں تجارت کے لئے۔

تشریح: (۱) وہ گھوڑے جن کا گذارا چارہ اور کٹی پر ہے اور تجارت کے لئے ہیں تو ایسے گھوڑوں پر بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے۔

(۲) وہ گھوڑے جن کا گذارا چرنے پر ہے اور سواری بوجھ ڈھونے اور جہاد کے لئے ہیں تو ان کی زکوٰۃ بالاتفاق نہیں ہے۔

(۳) وہ گھوڑے جن کا گذارا چرنے پر ہے اور دودھ ونسل کے لئے پالے جائیں اور مذکر ومؤنث مخلوط ہوں تو ایسے گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم ہے اسی مسئلہ کی وضاحت کے لئے مصنف علیہ الرحمہ نے یہ عبارت بیان کی ہے، اس مسئلہ کے بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ چاہے تو ہر ایک گھوڑے کی جانب سے ایک دینار سالانہ دے دیا کرے اور یا قیمت لگا کر چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدیا کرے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ایسے گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(معارف السنن ج:۵، ص:۱۶۸تا۱۶۹)

امام ابوحنیفہ کی دلیل: حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے میں گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی تھی اور ہر گھوڑے کی جانب سے ایک دینار وصول فرمایا کرتے تھے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۳۴۰)

جواب حضرت عمرؓ نے جو لیا ہے وہ بطور زکوٰۃ نہیں تھا بلکہ بطور نفل کے لئے ہے؛ لہٰذا استدلال درست نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ کو معاف کر دیا ہے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۳۴۱، بدائع ج:۲، ص:۱۳۴)

اس قولی حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، صاحبین کے مذہب پر بہت سے فقہا نے فتویٰ نقل کیا ہے۔ (اللباب ج:۱، ص:۱۴۱، معارف السنن ج:۱، ص:۱۶۸)

مگر امام ابوحنیفہ کے قول میں احتیاط زیادہ ہے اس لئے اسی پر فتویٰ مناسب ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: وہ گھوڑے جن کا گذارا چرنے پر ہے دودھ ونسل کے لئے ہیں اور صرف مذکر ہیں تو ایسے

گھوڑوں کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے دوقول ملتے ہیں، ایک قول میں زکوٰۃ لازم نہیں اور دوسرے قول میں زکوٰۃ لازم ہے عدم لزوم والا قول ہی صحیح ہے، اور اگر صرف گھوڑیاں ہیں تو اس میں بھی دو روایتیں ہیں وجوب عدم وجوب، لیکن اشبہ بالصواب یہ ہے کہ صرف اناث میں واجب ہے۔ (شامی ج:۲، ص:۲۶، معارف السنن ج:۵، ص:۱۶۹)

اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ خچر اور گدھوں پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ وہ تجارت کے لئے ہوں اس صورت میں مال تجارت کی حیثیت سے ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی نصاب کی قیمت کے حساب سے۔

(درمختار ج:۲، ص:۲۶)

(۴/۴۸۵) وَلَيْسَ فِي الْفُصْلَانِ وَالْعَجَاجِيلِ زَكٰوةٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ مَعَهَا كِبَارٌ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ تَجِبُ فِيْهَا وَاحِدَةٌ مِّنْهَا.

ترجمہ: (۴/۴۸۵) اورنہیں ہے اونٹ بکری اور گائے کے چھوٹے بچوں میں زکوٰۃ طرفین کے نزدیک مگر یہ کہ ہوں ان کے ساتھ بڑے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ انھیں میں سے ایک واجب ہے۔

تشریح: صاحب کتاب نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اونٹ، گائے، اور بکری کے ایک سال سے کم عمر بچوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر صرف بچے ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں اگر ان بچوں کے ساتھ بڑے بھی ہوں یعنی ایک سال یا زیادہ کے تو ان میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور باقی بچے ان کے تابع ہو کر نصاب میں شمار ہوں گے البتہ وہ زکوٰۃ میں نہیں لے جائیں گے بلکہ زکوٰۃ میں وہی پوری بکری یا اس کی قیمت لی جائے گی یہ چھوٹے بچے نصاب کی تکمیل کا ذریعہ بنتے ہیں مگر زکوٰۃ کی ادائیگی ان سے درست نہیں ہے، یہ امام ابوحنیفہ کا آخری قول ہے اور اسی قول کو امام محمد نے لیا ہے، امام ابوحنیفہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان بچوں میں انھیں کا ایک واجب ہوگا مثلاً بکری کے چالیس بچوں میں ایک بچہ بطور زکوٰۃ واجب ہوگا یہی قول امام ابو یوسف کا ہے، علامہ شامی نے طرفین کے قول کی تصحیح نقل کی ہے۔ (شامی ج:۲، ص:۲۶، عینی ج:۱، ص:۱۱۸۴)

(۵/۴۸۶) وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ مُسِنٌّ فَلَمْ يُوْجَدْ أَخَذَ الْمُصَدِّقُ أَعْلٰى مِنْهَا وَرَدَّ الْفَضْلَ أَوْ أَخَذَ دُوْنَهَا وَأَخَذَ الْفَضْلَ

ترجمہ: (۵/۴۸۶) اور جس شخص پر مسن واجب ہوا اور وہ نہیں پایا گیا تو لے لے زکوٰۃ لینے والا اس سے اعلیٰ اور واپس کردے زائد یا لے لے اس سے کم درجہ کا اور زائد دام لیلے۔

تشریح: زکوٰۃ میں درمیانی درجہ کا جانور واجب ہوتا ہے، نہ بہت اچھا نہ بہت خراب اگر کسی پر دو سال کا بچھڑا یا بچھڑی واجب ہوئی (چالیس گائے ہونے کی صورت میں) اور درمیانی درجہ کا موجود نہ ہو تو کیا کرے، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا اعلیٰ درجہ کا جانور لے کر زائد قیمت واپس کردے مثلاً اعلیٰ درجہ کا مسنہ پندرہ سو

روپے کا ہے اور درمیانی ایک ہزار کا ہے تو اب زکوٰۃ وصول کرنے والا اعلیٰ درجہ کا مسنہ لے کر پانچسو روپے مالک کو دیدے یا مثلاً گھٹیا درجہ کا مسنہ موجود ہے اور اس کی قیمت آٹھ سو روپے ہے اور درمیانی ایک ہزار کا ہے تو اب زکوٰۃ وصول کرنے والا گھٹیا درجہ کا مسنہ لے کر اور دو سو روپیہ زائد لے لے۔

(۶/۴۸۷) وَيَجُوْزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكٰوةِ

ترجمہ: (۶/۴۸۷) اور جائز ہے قیمتوں کا دینا زکوٰۃ میں۔

تشریح: زکوٰۃ دینے میں اختیار ہے خواہ وہ چیز دی جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے یا اس کی قیمت دیدی جائے اور قیمت اسی زمانے کی معتبر ہوگی جس زمانہ میں زکوٰۃ دینا چاہتا ہے، مثلاً آخر سال میں جب زکوٰۃ فرض ہوئی تھی ایک بکری کی قیمت پانچ سو روپے تھی اور ادا کرتے وقت سات سو روپے ہو جائے یا چار سو روپے ہو جائے تو اول صورت میں سات سو اور دوسری صورت میں چار سو روپے دینے پڑیں گے۔

(۷/۴۸۸) وَلَيْسَ فِي الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامِلِ وَالْعَلُوْفَةِ زَكٰوةٌ

ترجمہ: (۷/۴۸۸) اور نہیں ہے کام کاج والوں، بوجھ ڈھونے والوں، گھر پر چارہ کھانیوالوں میں زکوٰۃ۔

تشریح: استعمالی، بار برداری، اور گھر پر چارہ کھانے والے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ جس طرح انسان کے استعمالی ہتھیاروں پر زکوٰۃ نہیں ہے اسی طرح وہ جانور جو کھیتی کے مقصد سے پالے گئے ہوں یا جن سے بوجھ ڈھونا مقصود ہو اور جنھیں گھر پر رکھ کر کھلایا جاتا ہو ان تینوں قسم کے جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان پر تجارتی زکوٰۃ لازم ہوگی۔ (کتاب الفقہ ج:۱ص:۹۶۸تا۹۶۹)

(۸/۴۸۹) وَلَايَاخُذُ الْمُصَدِّقُ خِيَارَ الْمَالِ وَلَارُذَالَتَهُ وَيَاخُذُ الْوَسْطَ.

ترجمہ: (۸/۴۸۹) اور نہ لے زکوٰۃ وصول کرنے والا عمدہ مال اور نہ بالکل خراب بلکہ درمیانی درجہ کا لے۔

تشریح: حضرات ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ وصول کرنے والے پر لازم ہے کہ جانوروں کو تین قسموں میں تقسیم کرے:

(۱) بالکل اعلیٰ اور عمدہ ترین جانور، (۲) اوسط، (۳) ادنیٰ جس میں عیب دار بھی شامل ہیں، پھر ان میں سے درمیانی درجہ کا جانور وصول کرنا مصدق پر واجب ہے، نہ بالکل اعلیٰ درجہ کا لینا جائز ہے اور نہ بالکل عیب دار اور گھٹیا درجہ کا لینا جائز ہے، کیونکہ اگر زکوٰۃ میں عمدہ جانور وصول کئے جائیں تو اس میں مالکوں کا نقصان ہے اور اگر خراب جانور لے جائیں تو یہ مستحقین کے حق میں نقصان دہ ہے، اس لئے انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ درمیانی قسم کے جانور لئے جائیں۔

(۹/۴۹۰) وَمَنْ كَانَ لَهُ نِصَابٌ فَاسْتَفَادَ فِي أَثْنَاءِ الْحَوْلِ مِنْ جِنْسِهِ ضَمَّهُ إِلٰى مَالِهِ وَزَكَّاهُ بِهِ

ترجمه: (۴۹۰/۹) اور جس شخص کے پاس ایک نصاب ہو پھر فائدہ حاصل ہو اور میان سال میں اسی کی جنس سے تو اسے اپنے مال میں ملا کر سارے مال کی زکوٰۃ دے۔

تشریح: کسی شخص کے پاس کسی مال کا نصاب ہے پھر درمیان سال میں کچھ مال حاصل ہو گیا خواہ خریدنے سے یا جانوروں کے بچے دینے سے یا وراثت سے یا ہبہ وغیرہ سے تو وہ اپنے ہم جنس نصاب کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اس کیساتھ اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی مثلاً شروع سال میں پچیس اونٹ تھے سال کے درمیان میں ان کے پچیس بچے ہو گئے تو اب سال کے ختم پر یہ بچے بھی ان اونٹوں کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے اور کل اونٹوں کی زکوٰۃ میں تین سالہ اونٹنی (حقہ) دینی ہوگی اگر چہ ان بچوں پر ابھی سال نہیں گذرا۔

(۴۹۱/۱۰) وَالسَّائِمَةُ هِيَ الَّتِيْ تَكْتَفِيْ بِالرَّعْيِ فِيْ اَكْثَرِ الْحَوْلِ فَاِنْ عَلَفَهَا نِصْفَ الْحَوْلِ اَوْ اَكْثَرَ فَلَازَكٰوةَ فِيْهَا.

ترجمه: (۴۹۱/۱۰) اور سائمہ وہ جانور ہیں جو اکتفاء کریں اکثر سال باہر چرنے پر پھر اگر چارہ کھلایا ان کو آدھا سال یا اس سے زائد گھر (پر) تو ان میں زکوٰۃ نہیں۔

تشریح: سائمہ سوم سے ہے بمعنی چرنا۔

سائمہ ان جانوروں کو کہا جاتا ہے، جو سال کے اکثر حصے میں جنگل کے اندر چرنے کے لئے خاص مقصد سے چھوڑے جاتے ہیں اور وہ مقصد یا تو ان سے دودھ حاصل کرنا ہوتا ہے یا ان کی نسل کی بڑھوتری ہے تا کہ ان کا مال نامی ہونا ثابت ہو جائے لیکن چونکہ جو جانور اس طرح جنگل میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں وہ وہی ہوتے ہیں جن سے مقصود دودھ اور نسل ہوتا ہے، اس لئے اس قید کو سائمہ کی تعریف میں اکثر ذکر نہیں کیا جاتا، غرض یہ ہے کہ سائمہ خواہ نر ہوں یا مادہ خواہ ملے جلے ہوں ان سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر آدھے سال یا اکثر باندھ کر کھلایا تو وہ علوفہ کہلائیگا اور علوفہ میں زکوٰۃ نہیں ہے، جیسا کہ ص:۳۰۶ پر گذر چکا ہے۔

(۴۹۲/۱۱) وَالزَّكٰوةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ فِي النِّصَابِ دُوْنَ الْعَفْوِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ تَجِبُ فِيْهِمَا.

ترجمه: (۴۹۲/۱۱) اور زکوٰۃ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نصاب میں ہے نہ کہ عفو میں اور امام محمد و امام زفر نے فرمایا کہ دونوں میں واجب ہے۔

تشریح: مال کا ایک نصاب ہوتا ہے اور ایک عفو ہوتا ہے مثلاً تیس گائے میں ایک سالہ بچھڑی ہے اور انتالیس تک ایک ہی رہتی ہے، جب چالیس گائے ہو جائیں تو دو سالہ بچھڑی ہے، چنانچہ تیس گائے تو نصاب ہے لیکن درمیان میں اکتیس سے انتالیس تک عفو ہے، اب اس بارے میں اختلاف ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق عفو سے ہوتا ہے یا نہیں، اس بارے

میں دو مذہب ہیں:

(۱) شیخین کے نزدیک زکوٰۃ کا تعلق نصاب سے ہوتا ہے نہ کہ عفو سے۔

(۲) امام محمد وامام زفر کے نزدیک زکوٰۃ نصاب اور عفو دونوں میں ہے مثلاً کسی کے پاس نو اونٹ ہو تو ان میں ایک بکری واجب ہے اور یہ ایک بکری نو اونٹوں کی زکوٰۃ ہے لیکن شیخین کے نزدیک یہ ایک بکری پانچ اونٹوں کی جانب سے زکوٰۃ ہے اور باقی چار اونٹ عفو ہیں۔ (اوجز المسالک ج:۳،ص:۱۸۸)

اختلاف کا ثمرہ اس مثال میں ظاہر ہوگا کہ ایک آدمی کی ملکیت میں اسی بکریاں ہیں سال گذرنے کے بعد ان میں ایک بکری واجب ہوتی ہے لیکن سال گذرنے کے بعد چالیس بکریاں مرگئیں تو شیخین کے نزدیک باقی چالیس بکریاں پورا نصاب ہے ان میں جو ایک بکری واجب تھی وہ واجب رہے گی اور امام محمد وامام زفر کے نزدیک ایک بکری اسی بکریوں میں واجب ہوئی اور سال گذرنے کے بعد آدھی ہلاک ہوگئیں تو ان کی مقدار کے مطابق آدھا واجب بھی ساقط ہو جائے گا یعنی اس پر بکری کی صرف آدھی قیمت واجب ہوگی۔ (عینی ج:۱،ص:۱۱۹۴، جزء ثانی)

(۴۹۳/۱۲) وَإِذَا هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوبِ الزَّكٰوةِ سَقَطَتْ .

ترجمه: (۴۹۳/۱۲) اور جب ہلاک ہو جائے مال زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

تشریح: ہمارے نزدیک زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد اگر مال خود بخود ہلاک ہو گیا تو اس کی زکوٰۃ بھی ساقط ہوگئی امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر زکوٰۃ ادا کرنے پر قادر ہونے کے بعد مال ہلاک ہوا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی بلکہ بقدر زکوٰۃ اس پر تاوان واجب ہوگا۔

(۴۹۴/۱۳) وَإِنْ قَدَّمَ الزَّكٰوةَ عَلَى الْحَوْلِ وَهُوَ مَالِكٌ لِلنِّصَابِ جَازَ .

ترجمه: (۴۹۴/۱۳) اور اگر دیدی زکوٰۃ سال سے پہلے ہی درانحالیکہ وہ مالک نصاب ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

تشریح: نصاب مکمل ہونے سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کرے تو بالاتفاق ادائیگی درست نہ ہوگی اور اس خرچ کرنیکی حیثیت نفلی خیرات کے مانند ہوگی، اور اگر نصاب مکمل ہو جانے کے بعد سال گذرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کی جائے تو ایسی صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نصاب کے مکمل ہو جانے کے بعد اور سال گذرنے سے پہلے ادائیگی درست ہے۔

(۲) امام مالک کے نزدیک ادائیگی درست نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۵،ص:۳۱۶)

امام مالک کی دلیل: زکوٰۃ کا ایک وقت متعین ہے جس طرح نماز کا وقت ہوتا ہے کہ وہ وقت داخل ہونے سے پہلے درست نہیں اسی طرح سال گذرنے سے پہلے زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔ (درس ترمذی ج:۲،ص:۵۰۸)

جواب وقت نماز کے لئے سبب وجوب ہے لہٰذا سبب وجوب سے پہلے نہ وجوب ہوگا اور نہ ہی ادا کرنے کی صورت

میں آئندہ کے اعتبار سے فریضہ ساقط ہوگا، جبکہ سال کا گذرنا زکوٰۃ کے لئے شرط اداء ہے نہ کہ سبب وجوب بلکہ زکوٰۃ کا سبب وجوب نصاب کا پایا جانا ہے لہٰذا اس کے پائے جانے سے نفس وجوب پایا جائے گا، اور زکوٰۃ کی ادائیگی درست ہوگی چنانچہ سال کے گذرنے کو نماز کے وقت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

(درس ترمذی ج:۲،ص:۵۰۹، بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۶۴)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت علی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ہم نے حضرت عباس کی اس سال کی زکوٰۃ پہلے ہی سال وصول کرلی تھی۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۴۷)

باب زکوٰة الفضة

یہ باب چاندی کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے

(۴۹۵/۱) لَيْسَ فِي مَادُوْنَ مِائَتَي دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَىْ دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ (۴۹۶/۲) وَلَاشَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَماً فَيَكُوْنُ فِيْهَا دِرْهَمٌ ثُمَّ فِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَماً دِرْهَمٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ مَازَادَ عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَزَكوٰتُهُ بِحِسَابِهٖ.

ترجمہ: (۴۹۵/۱) نہیں ہے دوسو درہموں سے کم میں زکوٰۃ پھر جب ہوجائیں دوسو درہم اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں پانچ درہم ہیں (۴۹۶/۲) اور زائد میں کچھ نہیں یہاں تک کہ چالیس درہم تک پہنچ جائیں چنانچہ ہوگا ان میں ایک درہم پھر ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام ابو یوسف و امام محمد نے فرمایا جو زائد ہو دوسو پر تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہے۔

تشریح: مصنف نے فرمایا ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے (۵۲-۱/۲) چنانچہ دوسو درہم سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے ہاں اگر چاندی دوسو درہم ہو اور اس پر سال بھی گزر گیا ہو تو اس میں پانچ درہم کے برابر چاندی واجب ہوگی اگر دوسو درہم پر زیادتی ہوجائے تو زیادتی میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مگر یہ کہ زیادتی کی مقدار چالیس درہم کو پہنچ جائے چنانچہ اگر دوسو چالیس درہم ہوں تو ان میں چھ درہم واجب ہوں گے پھر ہر چالیس پر ایک درہم واجب ہوتا رہے گا، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین کے نزدیک زیادتی میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، چنانچہ اگر دوسو درہم پر ایک درہم بڑھ گیا تو پانچ درہم کے علاوہ ایک درہم کے چالیس حصوں میں سے ایک حصہ واجب ہوگا۔ (معارف السنن ج:۵،ص:۱۷۰)

چاندی کا نصاب قدیم اوزان سے: جس کی ملکیت میں قدیم اوزان کے اعتبار سے ساڑھے باون تولہ (۵۲-۱/۲) چاندی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، نقد روپیہ بھی چاندی کے حکم میں ہوتا ہے۔

چاندی کا نصاب موجودہ اوزان سے: ساڑھے باون تولہ (۵۲-۱/۲) چاندی کا وزن موجودہ گراموں کے حساب

سے ۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام کا ہوتا ہے لہٰذا موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۶۱ تولہ ۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام چاندی کا نصاب بنے گا۔

(۳/۴۹۷) وَإِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الْوَرَقِ الْفِضَّةُ فَهُوَ فِي حُكْمِ الْفِضَّةِ (۴/۴۹۸) وَإِذَا كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهِ الْغِشُّ فَهُوَ فِي حُكْمِ الْعُرُوْضِ وَيُعْتَبَرُ اَنْ تَبْلُغَ قِيْمَتُهَا نِصَاباً.

ترجمہ: (۳/۴۹۷) اور اگر ہو غالب ڈھلے ہوئے سکہ میں چاندی تو وہ چاندی کے حکم میں ہے (۴/۴۹۸) اور اگر اس پر کھوٹ غالب ہو تو وہ سامان کے درجہ میں ہے اور معتبر ہے یہ کہ پہنچ جائے ان کی قیمت نصاب کو۔

تشریح: ڈھلے ہوئے سکہ میں اگر چاندی غالب ہو اور کھوٹ یعنی دوسری دھات مغلوب ہو تو وہ سکہ چاندی کے حکم میں ہوگا اور اس میں چاندی کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر کھوٹ غالب اور چاندی مغلوب ہے تو وہ سامان کے حکم میں ہوگا چنانچہ اس کی قیمت کا اندازہ کر کے دیکھا جائے گا کہ اس کی قیمت مقدار نصاب کو پہنچتی ہے یا نہیں اگر مقدار نصاب کو پہنچتی ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

باب زکوٰۃ الذھب

یہ باب سونے کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے

(۱/۴۹۹) لَيْسَ فِي مَادُوْنَ عِشْرِيْنَ مِثْقَالاً مِّنَ الذَّهَبِ صَدَقَةٌ فَإِذَا كَانَتْ عِشْرِيْنَ مِثْقَالاً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا نِصْفُ مِثْقَالٍ (۲/۵۰۰) ثُمَّ فِي كُلِّ اَرْبَعَةِ مَثَاقِيْلَ قِيْرَاطَانِ وَلَيْسَ فِي مَا دُوْنَ اَرْبَعَةِ مَثَاقِيْلَ صَدَقَةٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالاَ مَازَادَ عَلَى الْعِشْرِيْنَ فَزَكوٰتُهُ بِحِسَابِهٖ.

ترجمہ: (۱/۴۹۹) نہیں ہے بیس مثقال سے کم سونے میں زکوٰۃ پس اگر بیس مثقال ہوں اور گذر جائے اس پر سال تو اس میں آدھا مثقال ہے (۲/۵۰۰) پھر ہر چار مثقال میں دو قیراط ہیں اور نہیں ہے چار مثقال سے کم میں زکوٰۃ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ جو زائد ہو بیس پر تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ سونے کی زکوٰۃ کو بیان کر رہے ہیں سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور بیس مثقال میں آدھا مثقال واجب ہوگا اس کے بعد مصنف فرماتے ہیں کہ بیس مثقال پر اگر چار مثقال کا اضافہ ہوگیا تو نصف مثقال کے ساتھ دو قیراط اور واجب ہوں گے کیونکہ چار مثقال کا چالیسواں حصہ دو قیراط ہوتے ہیں اس لئے کہ ایک مثقال بیس قیراط کا ہوتا ہے، لہٰذا چار مثقال اسی قیراط کے ہوئے اور اسی کا چالیسواں حصہ دو ہوتا ہے، اس لئے چار مثقال کی زکوٰۃ دو قیراط واجب ہوگی ایک قیراط پانچ جو کے دانوں کے برابر ہوتا ہے، چنانچہ ایک مثقال ایک سو جو کے دانوں کے وزن کے برابر ہوگا، پھر آگے ایک اختلافی مسئلہ بیان کیا ہے

کہ اگر بیس مثقال پر چار مثقال سے کم کا اضافہ ہوتا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس زیادتی میں کوئی زکوۃ واجب نہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک حساب کے بقدر زکوۃ واجب ہوگی مثلاً بیس مثقال سے اگر ایک مثقال زیادہ ہوا تو زکوۃ میں آدھا مثقال اور آدھا قیراط واجب ہوگا کیونکہ بیس مثقال کا چالیسواں حصہ آدھا مثقال ہے، اور ایک مثقال کا چالیسواں حصہ آدھا قیراط ہے۔

فائدہ: موجودہ گراموں کے حساب سے ایک مثقال کا وزن ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام کا ہوتا ہے۔

سونے کا نصاب قدیم اوزان سے: جسکی ملکیت میں قدیم اوزان کے حساب سے ساڑھے سات (۷-۱/۲) تولہ سونا ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہے۔

سونے کا نصاب موجودہ اوزان سے: ساڑھے سات تولہ (۷-۱/۲) کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۸ تولہ ۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام سونے کا نصاب بنے گا۔

ایک مثقال کا وزن: ایک مثقال کا وزن ۴ ماشہ ۴ رتی یعنی (۴-۱/۲) ماشہ کا ہوتا ہے، اور گراموں کے حساب سے ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام ایک مثقال کا وزن ہوگا، لہٰذا بیس مثقال کا وزن ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام ہوگا اگر کسی شخص کے پاس ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام سونا ہے جو کہ بیس مثقال کا وزن ہے تو اس میں آدھا مثقال یعنی ۲ گرام ۱۸۷ ملی گرام سونا نکالنا فرض ہوگا۔

(۳/۵۰۱) وَفِي تِبْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَحُلِيِّهِمَا وَالآنِيَةِ مِنْهُمَا زَكوٰةٌ

ترجمہ: (۳/۵۰۱) اور سونے وچاندی کی ڈلی (بغیر ڈھلا ہوا) اور ان کے زیورات اور برتنوں میں بھی زکوۃ ہے۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک سونے وچاندی کی ہر چیز اور زیورات پر زکوۃ ایک سال گذرنے کے بعد لازم وفرض ہے خواہ وہ مردوں کے ہوں یا عورتوں کے، تراش کر بنے ہوں یا پگھلا کر برتن ہوں یا کچھ اور استعمال میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں یعنی اگر نصاب کے برابر ہوں گے تو زکوۃ ہے۔ (کتاب الفقہ ج:۱، ص:۸۷۹، بذل المجہود ج:۳، ص:۷)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورتوں کے زیور اور مردوں کی چاندی کی انگوٹھی میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

(التعلیقات علی تنظیم الاشتات ج:۲، ص:۱۵۶، بذل المجہود ج:۳، ص:۸، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۴۷۲)

دلیل: چاندی اور سونے کا زیور عورتوں کے لئے مباح ہے اور چاندی کی انگوٹھی کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے اور ضرورت واستعمال کی چیزوں میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔ (درمنضود ج:۳، ص:۲۲)

حنفیہ کی دلیل: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے دیکھا کہ میرے

ہاتھوں میں چاندی کے چھلے ہیں پھر فرمایا کہ یہ کیا ہے میں نے کہا کہ میں نے ان کو اس لئے بنایا ہے تا کہ ان کے ساتھ آپ کے لئے آراستہ ہو جاؤں آپ نے فرمایا ان کی زکوۃ بھی دیتی ہو میں نے کہا نہیں فرمایا تجھ کو دوزخ کی آگ کافی ہے۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۲۱۸،عمدۃ القاری ج:۶،ص:۴۷۳) اس روایت سے زیور میں زکوۃ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے پاس کوئی ایسی روایت موجود نہیں ہے جو زیورات کو زکوۃ سے مستثنیٰ کرنے پر صراحۃً دلالت کرتی ہو لہٰذا اس مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک نہایت قوی اور مضبوط ہے۔

باب زكوة العروض

یہ باب سامان کی زکوۃ کے بیان میں ہے

(۵۰۲/۱) اَلزَّكٰوةُ وَاجِبَةٌ فِي عُرُوْضِ التِّجَارَةِ كَائِنَةً مَاكَانَتْ إِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهَا نِصَاباً مِّنَ الْوَرَقِ أَوِ الذَّهَبِ.

ترجمہ: (۵۰۲/۱) زکوۃ واجب ہے تجارت کے سامان میں سامان کوئی بھی ہو جب پہنچ جائے اس کی قیمت نصاب کو چاندی یا سونے سے۔

تشریح: فقہاء تجارتی مال کو ''عروض تجارت'' کہتے ہیں، اور اس سے مراد سونے و چاندی کے علاوہ ہر وہ سامان ہوتا ہے، جو تجارت کے لئے مہیا کیا گیا ہو خواہ وہ کسی بھی قسم کا ہو مثلاً آلات اور مشینیں ہوں، استعمالی سامان ہوں یا کپڑے ہوں کھانے کی چیزیں ہوں یا زیورات ہوں حیوانات و نباتات ہوں، گھر ہو یا زمین غرض جو چیزیں فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے خرید و فروخت کے لئے مہیا کی گئی ہیں وہ سامان تجارت ہیں جس کسی کے پاس سامان تجارت ہو اور اس پر سال گذر جائے اور اس کی قیمت بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، یعنی سامان کی قیمت کا چالیسواں حصہ یا ڈھائی فیصد جس طرح سونے و چاندی کی زکوۃ کا حساب ہوتا ہے۔

(۵۰۳/۲) يُقَوِّمُهَا بِمَا أَنْفَعُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ مِنْهُمَا وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ يُقَوِّمُ مِمَّا اشْتَرَاهُ بِهِ فَإِنِ اشْتَرَاهُ بِغَيْرِ الثَّمَنِ يُقَوِّمُ بِالنَّقْدِ الْغَالِبِ فِي الْمِصْرِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ بِغَالِبِ النَّقْدِ فِي الْمِصْرِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ.

ترجمہ: (۵۰۳/۲) قیمت لگائے اس کی ایسی چیز سے جو زیادہ نفع بخش ہو فقراء و مساکین کے لئے اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ قیمت لگائے اس سے جس سے خریدا ہے اگر خریدا ہو روپیہ پیسہ کے علاوہ تو قیمت لگائے اس سے جو شہر میں زیادہ چلتا ہو اور امام محمد نے فرمایا ہر حال میں ایسے روپیہ پیسے سے لگائے جو شہر میں زیادہ چلتا ہو۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک مال تجارت میں زکوۃ واجب ہونے کی چند شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس

مال تجارت کی قیمت سونے یا چاندی کے حساب سے نصاب پورا کرتی ہو لیکن اب سوال یہ ہے کہ قیمت کا اندازہ دراہم کے ساتھ کرے یا دنانیر کے ساتھ اس بارے میں تین قول ہیں:

(۱) مال تجارت کی قیمت کا اندازہ سونے و چاندی میں سے اس کیساتھ کرے جس میں فقراء ومساکین کا نفع ہے، مثلاً تجارت کا ایک سامان ہے جو چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتا ہے، لیکن سونے کے نصاب کے برابر نہیں ہوتا تو اس کو دراہم کے ساتھ اندازہ کرے احتیاطاً فقراء کی رعایت کے پیش نظر ایسا کیا جائے گا یہ قول امام ابوحنیفہ سے منقول ہے۔

(۲) اس سامان کو سونے یا چاندی میں سے جس کے بدلہ خریدا ہے اس کی قیمت کا اندازہ کرے، اگر دراہم کے بدلہ خریدا ہے تو دراہم کے ساتھ اندازہ کرے اور اگر دنانیر کے بدلہ خریدا تھا تو دنانیر کے ساتھ اندازہ کرے اور اگر دراہم ودنانیر کے علاوہ کسی اور چیز سے خریدا تو دراہم ودنانیر میں سے جس کا چلن زیادہ ہو اس کے ساتھ اندازہ کرے۔ یہ قول امام ابو یوسف کا ہے۔

(۳) دراہم ودنانیر میں سے جس کا چلن زیادہ ہو اسی کے ساتھ قیمت کا اندازہ کرے یہ قول امام محمد کا ہے۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۱۲۱۲ تا ۱۲۱۳، اوجز المسالک ج:۳، ص:۱۸۵)

(۵۰۴/۳) وَإِذَا كَانَ النِّصَابُ كَامِلًا فِي طَرَفَيِ الْحَوْلِ فَنُقْصَانُهُ فِيمَا بَيْنَ ذَالِكَ لَايُسْقِطُ الزَّكٰوةَ

ترجمہ: (۵۰۴/۳) اور جب نصاب پورا ہو سال کے دونوں حصوں میں تو اس کا کم ہو جانا سال کے درمیان میں ساقط نہیں کرتا زکوۃ کو۔

تشریح: زکوۃ واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ سال کے شروع اور آخر میں نصاب کا ہونا ضروری ہے چاہے سال کے درمیان میں کم ہو جائے ہاں اگر سال کے شروع یا آخر میں نصاب کم ہو جائے تو پھر زکوۃ فرض نہ ہوگی۔

(۵۰۵/۴) وَيُضَمُّ قِيمَةُ الْعُرُوضِ إِلَى الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَكَذٰلِكَ يُضَمُّ الذَّهَبُ إِلَى الْفِضَّةِ بِالْقِيمَةِ حَتّٰى يَتِمَّ النِّصَابُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا لَايُضَمُّ الذَّهَبُ إِلَى الْفِضَّةِ بِالْقِيمَةِ وَيُضَمُّ بِالْأَجْزَاءِ.

ترجمہ: (۵۰۵/۴) اور ملائی جائے سامان کی قیمت سونے اور چاندی کی طرف اور ایسے ہی ملا لیا جائے سونے کو چاندی کی طرف قیمت کے اعتبار سے یہاں تک کہ نصاب پورا ہو جائے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ نہ ملایا جائے سونے کو چاندی کیساتھ قیمت کے اعتبار سے اور ملایا جائے اجزاء کے اعتبار سے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے نصاب کی تکمیل کے لئے دو مختلف مالوں کے ضم والے دو مسئلے بیان فرمائے ہیں:

(۱) اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی کے ساتھ مال تجارت ہے لیکن کسی کا نصاب الگ الگ پورا نہیں ہوتا تو

ایسی صورت میں سب کی قیمت لگا کر چاندی کا نصاب بنالیا جائے اور چاندی کا نصاب مان کر نصاب پورا ہو جاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

(۲) اگر سونا و چاندی ہر ایک کا الگ الگ نصاب پورا نہ ہو یا ایک کا پورا ہو دوسرے کا ناقص تو اس صورت میں اختلاف ہے، امام شافعی کے نزدیک سونے اور چاندی میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا اور جب نہیں ملایا جائے گا تو ان میں سے کسی کا نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، امام ابوحنیفہ کے نزدیک سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر پورے کو چاندی کا نصاب بنا دیا جائے کیونکہ اس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔(اوجز المسالک ج:۳،ص:۱۸۵)

ضم کی کیا صورت ہوگی اس میں صاحب قدوری نے اختلاف نقل کیا ہے، امام صاحب کے نزدیک قیمت کا لحاظ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اجزاء کا یعنی وزن کا، یہی امام مالک کا مذہب ہے۔(اوجز المسالک ج:۳،ص:۳۸۵)

اختلاف کا ثمرہ اس مثال میں ظاہر ہوگا کسی کے پاس سو درہم چاندی ہے اور پانچ مثقال سونا اور پانچ مثقال سونے کی قیمت ایک سو درہم کو پہنچ جاتی ہے، تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ قیمت کے اعتبار سے نصاب پورا ہو گیا ہے، اور اجزاء کے اعتبار سے چونکہ پورا نہیں ہوا ہے اس لئے صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی۔(بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۰۷، شامی ج:۲،ص:۴۶)

اگر کسی کے پاس سو درہم چاندی ہے اور پانچ مثقال سونا جس کی قیمت پچاس درہم کو پہنچ جاتی ہے، تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ نصاب نہ قیمت کے اعتبار سے مکمل ہے اور نہ اجزاء کے اعتبار سے مکمل ہے، اور اگر کسی کے پاس دس مثقال سونا اور سو درہم چاندی ہو اور دس مثقال کی قیمت سو درہم کو پہنچ جائے تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۰۷)

باب زکوة الزروع والثمار

یہ باب کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے

تشریح: زمین کی پیداوار اور پھلوں میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہوتا ہے اور یہاں بھی زکوٰۃ سے مراد عشر ہے

(۱/۵۰۶) قَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي قَلِيْلِ مَا أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ وَكَثِيْرِهِ الْعُشْرُ وَاجِبٌ سَوَاءٌ سُقِيَ سَيْحاً اَوْسَقَتْهُ السَّمَاءُ إِلَّا الْحَطَبُ وَالْقَصَبُ وَالْحَشِيْشُ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَايَجِبُ الْعُشْرُ إِلَّا فِيْمَا لَهُ ثَمَرَةٌ بَاقِيَةٌ إِذَا بَلَغَتْ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ (۲/۵۰۷) وَالْوَسْقُ سِتُّوْنَ صَاعاً بِصَاعِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

ترجمه: (۱/۵۰۶) امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار میں کم ہو یا زائد عشر (دسواں) واجب ہے خواہ زمین جاری پانی سے سیراب کی گئی ہو یا بارش کے پانی سے سوائے لکڑی، بانس اور گھاس کے اور صاحبین نے فرمایا کہ عشر واجب نہیں مگر ان میں جن کے پھل باقی رہتے ہیں بشرطیکہ پانچ وسق کو پہنچ جائیں۔ (۲/۵۰۷) اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، حضورؐ کے صاع سے۔

تشریح: جن چیزوں میں عشر واجب ہوتا ہے ان کے لئے کوئی خاص مقدار نصاب شرط ہے جیسے زکوٰۃ کے لئے ہوتا ہے یا نہیں، اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ وامام زفر کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے پیداوار کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے اور کسی خاص پیداوار کی تخصیص نہیں بلکہ ہر قسم کی پیداوار میں ضابطہ کے مطابق عشر واجب ہوگا، چاہے پیداوار کی مقدار بہت کم ہو یا زیادہ ہو، وہ پیداوار باقی رہنے والی ہو جیسے گلہ، اناج یا باقی رہنے والی نہ ہو جیسے ساگ سبزیاں پھل زمین کو نہر وغیرہ کے جاری پانی سے سیراب کیا ہو یا بارش کے پانی سے سیراب کیا ہو ہر حال میں عشر واجب ہے، یعنی اسکی پیداوار میں سے دسواں حصہ نکال کر زکوٰۃ کی طرح فقراء کو دینا واجب ہوگا، چنانچہ اگر چالیس کلو غلہ پیدا ہو تو چار کلو دینا واجب ہوگا۔

(معارف السنن ج:۵،ص:۲۰۲، عمدۃ القاری ج:۶،ص:۵۲۶)

پیداوار سے مراد: پیداوار سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی چیز ہو جس کو زمین میں لوگ عادۃً بوتے ہوں اور اس سے مقصود کمائی اور آمدنی کا حصول ہو بانس، لکڑی، گھاس چونکہ ان میں یہ بات نہیں ہے بلکہ ان کو تو زمین سے دور کر کے صاف کیا جاتا ہے لہٰذا ان میں عشر واجب نہیں ہے ہاں اگر وہ بانس یا گھاس اس قسم کا ہو کہ جس سے کمائی اور آمدنی مقصود ہو تو اس میں بھی عشر واجب ہوگا۔ (اللباب ج:۱،ص:۱۴۶، جوہرہ ج:۱،ص:۱۵۳)

مذہب: صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: (۱) زمین کی پیداوار میں نصاب شرط ہے اور وہ پانچ وسق ہے اگر پانچ وسق سے کم ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہے اور اگر پانچ وسق یا اس سے زائد ہو تو اس میں عشر واجب ہو جاتا ہے۔ (معارف السنن ج:۵،ص:۲۰۲) اور پانچ وسق کی مقدار موجودہ زمانہ میں ۹ رکوئنٹل ۴۴ کلو ۴۸۷ گرام ہوتی ہے۔

(۲) وہ چیز جو کہ زمین سے پیدا کی گئی ہے بغیر کسی علاج وتدبیر کے ایک سال تک باقی رہنے والی ہو جیسے گیہوں، چاول، وغیرہ لہٰذا سبزیاں، پھل، پھول وغیرہ میں انکے نزدیک عشر واجب نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۶،ص:۵۲۷)

صاحبین کی دلیل: حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ ۵ وسق سے کم پیداوار میں زکوٰۃ اور عشر لازم نہیں ہے۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۳۶) اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زمین کی پیداوار کا عشر لازم نہیں ہے۔

جواب: حدیث پاک کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ پانچ وسق سے کم کی پیداوار میں عشر ہی واجب نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر پانچ وسق سے کم پیداوار ہے تو مصدق (زکوٰۃ وصول کرنے والا) کو وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے

بلکہ مالک اپنے اختیار سے خود ہی فقراء میں تقسیم کردیا کرے گا۔ (مستفاد ایضاح الطحاوی ج:۳،ص:۱۶۵)

امام ابوحنیفہ کی دلیل: وَاٰتُوْ حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ. اوراس میں جوحق (شرع سے) واجب ہے (خیر خیرات) وہ اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو، اس میں زمین کی پیداوار پر جس حق کا ذکر کیا گیا ہے وہ مطلق ہے اور اس میں قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں ہے، نیز حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس زمین کی سیرابی نہر یا بارش کے پانی سے ہوتی ہے اس میں عشر لازم ہوتا ہے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۴۶) اس حدیث میں مقدار کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی پیدا ہوگا اس میں عشر واجب ہوا کرے گا، امام ابوحنیفہ کا مذہب راجح ہے اور اسی میں احتیاط ہے۔

(اللباب ج:۱،ص:۱۴۶، معارف السنن ج:۵،ص:۲۰۸)

(۳/۵۰۸) وَلَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ عِنْدَهُمَا عُشْرٌ

ترجمہ: (۳/۵۰۸) اور نہیں ہے سبزیوں میں صاحبین کے نزدیک عشر۔

تشریح: سبزیوں میں عشر لازم ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) صاحبین کے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سبزیوں اور ہر سڑنے والی چیزوں میں عشر نہیں ہے۔

دلیل: وَلَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صدقةٌ. (ترمذی ج:۱،ص:۱۳۸)

(۲) امام صاحب کے نزدیک زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے خواہ غلہ وغیرہ ہو یا سبزی ترکاری سب پر واجب ہے۔

دلیل: وَاٰتُوْ حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ. تفصیلی کلام ماقبل میں گذر چکا ہے۔

پانچ وسق کا وزن: موجودہ دور کے کلوگرام کے حساب سے ایک وسق کا وزن ایک کوئنٹل ۸۸ کلو ۹۵۶ گرام ۸۰۰ ملی گرام ہوتا ہے۔

ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔

ایک صاع کا وزن ۳ کلو ۱۴۹ گرام ۲۸۰ ملی گرام ہوگا، ایک وسق کا وزن ایک کوئنٹل ۸۸ کلو ۹۵۶ گرام ۸۰۰ ملی گرام ہوگا۔ ۵ وسق کا وزن ۹ کوئنٹل ۴۴ کلو ۷۸۴ گرام ہوگا۔

(۴/۵۰۹) وَمَاسُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْ سَانِيَةٍ فَفِيْهِ نِصْفُ الْعُشْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ.

ترجمہ: (۴/۵۰۹) اور جو زمین سینچی گئی ڈول سے یا رہٹ سے یا اونٹنی سے تو اس میں نصف عشر ہے دونوں قولوں پر۔

تشریح: "غرب" بڑا ڈول، "دالیۃ" رہٹ جس پر بہت سے ڈول باندھے جاتے ہیں پھر اس کو بیل وغیرہ گھماتے ہیں، "سانیۃ" کنویں سے پانی لانیوالی اونٹنی جس کے ذریعہ سینچائی کی جاتی ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کھیتی کو بڑے ڈول یا رہٹ سے یا اونٹنی کے ذریعہ سے سینچ کر سیراب کیا ہو تو امام صاحب وصاحبین

کے نزدیک اس کی پیداوار میں سے بیسواں حصہ زکوٰۃ کی طرح فقراء کو صدقہ کردینا واجب ہوگا یعنی اگر چالیس کلو پیدا ہوا ہے تو دو کلو دینا ہوگا، حاصل یہ کہ جس کھیت یا درختوں میں سینچائی کی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے تو اس میں عشر بیسواں حصہ واجب ہے، مگر اسی اختلاف کے ساتھ کہ امام صاحب کے نزدیک نہ نصاب کی شرط ہے اور نہ بقاء کی اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں ہوں گی کما مر مفصلاً۔

(۵۱۰/۵) وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ فِيْمَا لَايُوْسَقُ كَالزَّعْفَرَانِ وَالْقُطْنِ يَجِبُ فِيْهِ الْعُشْرُ إِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهُ قِيْمَةَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنْ أَدْنٰى مَايَدْخُلُ تَحْتَ الْوَسَقِ (۵۱۱/۶) وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَجِبُ الْعُشْرُ إِذَا بَلَغَ الْخَارِجُ خَمْسَةَ أَمْثَالٍ مِنْ أَعْلٰى مَا يُقَدَّرُ بِهٖ نَوْعُهُ فَاعْتُبِرَ فِي الْقُطْنِ خَمْسَةُ أَحْمَالٍ وَفِي الزَّعْفَرَانِ خَمْسَةُ أَمْنَاءٍ.

ترجمہ: (۵۱۰/۵) اور امام ابو یوسف نے فرمایا ایسی چیزوں میں جو وسق سے نہیں بیچی جاتی جیسے زعفران اور روئی تو واجب ہے ان میں عشر جب پہنچ جائے ان کی قیمت ادنی درجہ کی پانچ وسق کی قیمت کو جو وسق سے ناپی جاتی ہوں (۵۱۱/۶) اور امام محمد نے فرمایا کہ واجب ہے عشر جب پہنچ جائے پیداوار پانچ ایسی اعلیٰ چیزوں کی مقدار کو جس سے اندازہ کیا جاتا ہے اس جیسی چیزوں کا چنانچہ روئی میں پانچ حمل کا اعتبار کیا گیا ہے، اور زعفران میں پانچ من کا۔

تشریح: ماقبل میں گذر چکا ہے کہ صاحبین کے نزدیک زمین کی پیداوار میں عشر واجب کرنے کے لئے اس کا پانچ وسق کی مقدار ہونا لازم ہے اس سے کم میں عشر واجب نہ ہوگا لیکن جن چیزوں کی خرید وفروخت وسق سے نہیں کی جاتی جیسے زعفران اور روئی تو کیا ان میں عشر واجب نہ ہوگا؟ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ ایسی چیزوں کے بارے میں امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ زعفران وغیرہ غیر وسقی چیز کی قیمت اگر ادنیٰ درجہ کی وسقی چیز پانچ وسق ہو جاتی ہے تو اس میں عشر واجب ہو جائے گا، مثلاً دوسو گرام زعفران کی قیمت اگر پانچ وسق جوار کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے تو دوسو گرام زعفران میں دسواں حصہ یعنی ۲۰ گرام زعفران واجب ہوگا، اگرچہ زعفران کی خرید وفروخت وسق سے نہیں کی جاتی۔

اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ غیر وسقی چیزوں میں اعلیٰ درجہ کا معیار معتبر ہے، یعنی جس معیار سے اندازہ کیا جاتا ہے اس میں جو سب سے اعلیٰ معیار ہے اگر وہ پانچ کی تعداد کو پہنچ جائے تو اس میں عشر واجب ہو جائے گا، ورنہ نہیں روئی میں سب سے اعلیٰ معیار حمل ہے، چنانچہ اگر روئی پانچ حمل ہے تو امام محمد کے نزدیک عشر ہو جائے گا، اور زعفران میں سب سے اعلیٰ معیار من کا ہوتا ہے چنانچہ اگر زعفران پانچ من کی مقدار ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

ایک حمل تین سو من کا ہوتا ہے۔

۵ حمل میں پندرہ سو من ہوتے ہیں۔

موجودہ کلوگرام کے حساب سے ایک من کا وزن ۷۹۶ گرام ۶۸ ملی گرام ہوگا۔

چنانچہ ۱۵۰۰ من کا وزن ۱۱ کوئنٹل ۹۵ کلو ۲ گرام ہوگا یعنی اگر اتنی روئی پیدا ہوئی ہے تو اس کا دسواں حصہ (ایک کلو ۱۹۵ گرام ۲ ملی گرام) نکالنا واجب ہوگا۔

اور اگر ۳ کلو ۹۸۰ گرام ۳۴۰ ملی گرام زعفران پیدا ہوا ہے تو اس کا دسوں حصہ (۳۹۸ گرام ۳۴ ملی گرام) نکالنا واجب ہے۔

(۵۱۲/۷) وَفِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ إِذَا أُخِذَ مِنْ أَرْضِ الْعُشْرِ قَلَّ أَوْ كَثُرَ (۵۱۳/۸) وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ فِيْهِ حَتّٰى تَبْلُغَ عَشَرَةَ أَزْقَاقٍ (۵۱۴/۹) وَقَالَ مُحَمَّدٌ خَمْسَةَ أَفْرَاقٍ وَالْفَرَقُ سِتَّةٌ وَّثَلٰثُوْنَ رِطْلاً بِالْعِرَاقِي (۵۱۵/۱۰) وَلَيْسَ فِي الْخَارِجِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ عُشْرٌ.

ترجمہ: (۵۱۲/۷) اور شہد میں عشر واجب ہے، جبکہ حاصل کیا گیا ہو عشری زمین سے کم ہو یا زیادہ (۵۱۳/۸) اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ شہد میں عشر اس وقت ہے جبکہ وہ دس مشکیزہ کی مقدار کو پہنچ جائے (۵۱۴/۹) اور امام محمد نے فرمایا کہ جب پانچ فرق ہو اور فرق چھتیس رطل عراقی کا ہوتا ہے (۵۱۵/۱۰) اور نہیں ہے خراجی زمین کی پیداوار میں عشر۔

تشریح: امام ابوحنیفہ امام احمد وصاحبین کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہد کم ہو یا زیادہ ہر صورت میں عشر واجب ہوگا، کیونکہ امام کے نزدیک پیداوار میں عموم پہلے ہی سے ہے یہ بھی واضح رہے کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک عشر صرف عشری زمین میں ہوتا ہے خراجی زمین میں نہیں ہوتا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک اگر شہد کی مقدار دس مشکیزہ کے بقدر ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا، امام احمد کے نزدیک اگر دس فرق ہے تو عشر واجب ہوگا، امام محمد کے نزدیک شہد میں عشر کا نصاب پانچ فرق ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۶، ص:۵۲۳)

اور ایک فرق ۳۶ رطل عراقی کا ہوتا ہے لہٰذا ۵ فرق میں ۱۸۰ رطل ہوں گے اور ایک رطل موجودہ کلوگرام کے حساب سے ۳۹۸ گرام ۳۴ ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا ۳۶ رطل میں ۱۴۳۴۰۲۴ یعنی ۱۴ کلو ۳۴۰ گرام ۲۴ ملی گرام ہوں گے یہی ایک فرق کا وزن ہوگا۔

۱۸۰ رطل کا وزن موجودہ کلوگرام کے حساب سے ۷۱ کلو ۷۰ گرام ۲۰۰ ملی گرام کا ہوتا ہے، چنانچہ اگر کسی کے پاس اتنا شہد نکلا ہے تو اس کا دسواں حصہ (۷ کلو ۷۱ گرام ۱۲ ملی گرام) نکالنا ہوگا۔

شافعیہ ومالکیہ کے نزدیک شہد میں عشر نہیں ہے۔ (معارف ج:۵، ص:۲۱۷، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۵۲۳)

وجوب عشر کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے شہد کے بارے میں فرمایا ہر دس مشکوں میں ایک مشکیزہ (ترمذی ج:۱، ص:۱۳۷) اس حدیث سے شہد میں عشر کا وجوب ثابت ہو رہا ہے، جیسا کہ حنفیہ وحنابلہ کا مذہب ہے۔

عشری زمین کی تعریف: عشری زمین ایسی زمین کہلاتی ہے، جس کے مالک مسلمان ہو گئے یا قوت کے ذریعہ سے کوئی شہر یا ملک فتح کیا گیا ہو اور اس کی زمین مجاہدین پر تقسیم کردی گئی ہو۔

خراجی زمین کی تعریف: ہر وہ زمین ہے جو قہر وغلبہ کے ساتھ فتح کی گئی ہو اور اس کے کافر باشندوں کو وہیں برقرار رکھا گیا ہو اور زمین ان کی تحویل میں رکھی گئی ہو۔

فائدہ: حنفیہ کے نزدیک جن چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے اگر ان کو تفصیلاً شمار کیا جائے تو وہ کل نو ہیں: (۱) سونا، (۲) چاندی، (۳) مال تجارت، (۴) سوائم جو تین ہیں: اونٹ، گائے، بکری، (۵) کھیتی، (۶) پھل، (۷) شہد، (۸) گھوڑے، (۹) ساگ سبزیاں۔

بَابُ مَنْ يَّجُوْزُ دَفْعُ الصَّدَقَةِ إِلَيْهِ وَمَنْ لَايَجُوْزُ

ترجمہ: یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اس باب میں امام قدوری مصارف زکوٰۃ کو بیان کریں گے۔

(۱/۵۱۶) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الآيَةَ (۲/۵۱۷) فَهٰذِهٖ ثَمَانِيَةُ أَصْنَافٍ فَقَدْ سَقَطَ مِنْهَا الْمُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُهُمْ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَعَزَّ الْإِسْلَامَ وَأَغْنٰى عَنْهُمْ (۳/۵۱۸) وَالْفَقِيْرُ مَنْ لَهٗ أَدْنٰى شَيْءٍ (۴/۵۱۹) وَالْمِسْكِيْنُ مَنْ لَا شَيْءَ لَهٗ.

ترجمہ: (۱/۵۱۶) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ... زکوٰۃ حق ہے فقراء اور مساکین کا۔ (۲/۵۱۷) چنانچہ یہ آٹھ قسم کے آدمی ہیں جن میں سے مؤلفۃ القلوب ساقط ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا اور ایسے لوگوں سے بے پرواہ کر دیا، (۳/۵۱۸) اور فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال ہو (۴/۵۱۹) اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔

تشریح: حق تعالیٰ شانہ نے مستحقین زکوٰۃ کو آٹھ قسم کے لوگوں میں منحصر فرما دیا ہے جن کی تفصیل قرآن کریم میں موجود ہے جن کے اندر اصل قرآن کی یہ آیت ہے انما الصدقات الخ ان آٹھ قسموں میں سے ایک قسم مؤلفۃ القلوب ساقط ہو گئی، علامہ بنوری نے ان کی چھ قسمیں لکھی ہیں:

(۱) وہ کفار جن کو آپ زکوٰۃ اس لئے دیتے تھے کہ وہ ہم سے قریب ہو کر مسلمان ہو جائیں (۲) وہ کافر جن کو زکوٰۃ اس لئے دی جاتی تھی کہ ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں (۳) وہ مسلمان جن کے اسلام میں کمزوری تھی تا کہ ان کے ایمان میں پختگی آجائے۔ باقی تفصیل کے لئے دیکھئے معارف ج:۵ ص:۲۸۲، مؤلفۃ القلوب کا مصرف زکوٰۃ ہونا اب بھی باقی ہے یا ان کا حصہ ساقط ہو گیا؟

ائمہ کے درمیان یہ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کے نزدیک ان کا حصہ مطلقاً ساقط ہو گیا صدیق اکبر کے زمانہ میں صحابہ کے اتفاق سے اس لئے کہ جس ضرورت اور مصلحت سے ان کو دیا جاتا تھا وہ آپ کے بعد باقی نہیں رہی، اللہ نے اسلام کو غلبہ وشوکت عطا فرما دیا، اس لئے مصارف زکوٰۃ سات باقی رہ گئے۔ (بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۵۳)

مصارف زکوٰۃ میں سے پہلی اور دوسری قسم فقیر اور مسکین ہے۔

فقیر شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک وہ شخص ہے جس کے پاس نقد مال یا کمائی کی آمدنی بالکل نہ ہو یا اگر ہو تو آدھے خرچ سے کم ہو جیسے کسی کی روز آنہ کے خرچ کی مقدار دس روپے ہو اور کمائی چار روپے ہو۔

اور مسکین وہ ہے جس کی آمدنی مکمل خرچ کے بقدر تو نہ ہو لیکن آدھے خرچ یا اس سے زیادہ حاصل ہو۔

حنفیہ کے نزدیک فقیر وہ ہے جو صاحب نصاب نہ ہو یا مالک نصاب تو ہو لیکن وہ مال غیر نامی ہو یا نامی بھی ہو لیکن اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد نہ ہو مسکین وہ ہے جس کے پاس بالکل کوئی چیز نہ ہو۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۲۲۶)

(۵/۵۲۰) وَالْعَامِلُ يَدْفَعُ إِلَيْهِ الْإِمَامُ إِنْ عَمِلَ بِقَدْرِ عَمَلِهِ .

ترجمہ: (۵/۵۲۰) اور عامل کو دے حاکم اگر اس نے کام کیا ہو اس کے کام کے بقدر۔

تشریح: عاملین وہ لوگ ہیں جن کو امام المسلمین کی جانب سے زکوٰۃ وصدقات کی وصولیابی کے لئے مقرر کیا جائے ان کو زکوٰۃ کی رقم میں سے اتنا دیا جائے گا جو کافی ہو جائے، جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ حق الخدمت اور عمل کے معاوضہ کے طور پر دیا جاتا ہے، اسی لئے عامل کو ہر حال میں دیا جاتا ہے، مالدار ہو یا فقیر مصارف زکوٰۃ میں سے یہی ایک مصرف ایسا ہے کہ جس کو زکوٰۃ معاوضۂ خدمت کے طور پر دی جاتی ہے۔

(بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۵۱)

(۶/۵۲۱) وَفِي الرِّقَابِ أَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُوْنَ فِي فَكِّ رِقَابِهِمْ

ترجمہ: (۶/۵۲۱) اور گردنوں کے چھڑانے میں وہ یہ ہے کہ مدد کی جائے مکاتبوں کی ان کی گردنوں کے چھڑانے میں۔

تشریح: مصارف زکوٰۃ کی چوتھی قسم وفی الرقاب ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کا مصداق مکاتبین ہیں زکوٰۃ کی رقم سے مکاتبین کا تعاون کیا جائے تاکہ وہ بدل کتابت اداء کر کے اپنی گردنوں کو غلامی سے رہا کرا سکیں۔

(بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۵۳)۔

(۷/۵۲۲) وَالْغَارِمُ مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ .

ترجمہ: (۷/۵۲۲) اور غارم وہ ہے جس پر قرضہ لازم ہو۔

تشریح: مصارف زکوٰۃ کی پانچویں قسم غارم ہے، غارم سے مراد وہ مقروض ہے جس کے پاس قرض کی ادائیگی کے بعد کچھ نہ بچتا ہو اور اگر بچتا بھی ہو تو وہ نصاب کے بقدر نہ ہو، اسی طرح وہ شخص جس کا قرض لوگوں کے ذمہ ہو اور وہ ان سے وصول کرنے پر قادر نہ ہو ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

(شامی ج:۲، ص:۸۳، اوجز المسالک ج:۳، ص:۲۲۶)

(۸/۵۲۳) وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ

ترجمہ: (۵۲۳/۸) اوراللہ کی راہ میں وہ مجاہد جو مال سے منقطع ہو۔

تشریح: مصارف زکوٰۃ کی چھٹی قسم فی سبیل اللہ ہے اس کا مصداق حنفیہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو جہاد میں جانا چاہتا ہے لیکن وہ سامان جہاد کے مہیا کرنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے مجاہدین کی جماعت سے منقطع ہو رہا ہے تو ایسے شخص کا زکوٰۃ کی رقم سے تعاون کیا جاسکتا ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۵۵)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے مراد مطلقاً مجاہدین ہیں فقیر ہونا شرط نہیں ہے لہٰذا یہ لوگ مالدار ہونے کے باوجود سامان جہاد وغیرہ کی تیاری کے لئے بقدر ضرورت زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ (ایضاح النوادر ج:۲،ص:۶۲)

(۵۲۴/۹) وَابْنُ السَّبِيْلِ مَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِي وَطَنِهِ وَهُوَ فِي مَكَانٍ آخَرَ لَاشَيْءَ لَهُ فِيْهِ فَهٰذِهِ جِهَاتُ الزَّكٰوةِ.

ترجمہ: (۵۲۴/۹) اور ابن السبیل وہ ہے جس کا مال اس کے وطن میں ہو اور وہ خود دوسری جگہ ہو جہاں اس کے پاس کچھ نہ ہو، چنانچہ یہ مصارف زکوٰۃ ہیں۔

تشریح: مصارف زکوٰۃ کی ساتویں قسم ابن السبیل ہے، اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں مال نہ رہا ہو اگر چہ اپنے وطن میں وہ مال دار ہو ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

(نیل الاوطار ج:۴،ص:۱۸۲، بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۵۵)

(۵۲۵/۱۰) وَلِلْمَالِكِ اَنْ يَّدْفَعَ اِلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ وَلَهُ اَنْ يَّقْتَصِرَ عَلٰى صِنْفٍ وَاحِدٍ

ترجمہ: (۵۲۵/۱۰) اور مالک کے لئے اختیار ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو دے اور چاہے ایک قسم کے لوگوں کو دے۔

تشریح: مذکورہ ساتوں قسم کے لوگ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کا مصرف ہیں، چنانچہ مالک اگر ان اقسام میں سے ہر ایک کو دیدے تب بھی جائز ہے اور اگر مکمل زکوٰۃ ایک ہی قسم کے لوگوں کو دیدے یا ایک ہی آدمی کو دیدے تب بھی جائز ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۵٦)

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر ایک فقیر کو مقدار نصاب سے زائد دیا جائے کہ زکوٰۃ کی رقم سے صاحب نصاب بن جائے تو اس طرح دینے سے زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ مقصد شریعت کے موافق نہیں ہے اس لئے کہ زکوٰۃ سے فقیر کو مالدار بنانا مقصد نہیں ہے بلکہ پیٹ بھرنا مقصد ہے، لیکن اگر فقیر مقروض ہے تو اس کو نصاب سے زائد دینا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اس سے مالدار نہ ہوگا بلکہ اپنا قرضہ ادا کرے گا۔

شوافع کے نزدیک زکوٰۃ کو ان آٹھوں اقسام پر تقسیم کرنا ضروری ہے بشرطیکہ تمام مصارف واصناف مال کی جگہ میں موجود ہوں ورنہ جو موجود ہوں ان میں تقسیم کی جائے گی نیز ہر قسم میں کم از کم تین شخصوں کو دینا ضروری ہے۔

(معارف السنن ج:۵،ص:۲۰۱)

شوافع کی دلیل: انما الصدقات للفقراء . میں ل کے ذریعہ جواضافت ہورہی ہے وہ بیان استحقاق کے لئے ہے لہٰذا ہر صنف کوزکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہوگی اور چونکہ جمع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں اور جمع کا اقل فرد تین ہے لہٰذا ہر قسم کے کم از کم تین افراد کوزکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۵۶)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک آیت میں "ل" کے ذریعہ ہونے والی اضافت بیان مصارف کے لئے ہے پھر چونکہ "للفقراء" وغیرہ میں تمام قسموں میں "الف لام" جنسی ہے اس لئے اس نے ان تمام کی جمعیت کو باطل کردیا لہٰذا کسی ایک مصرف کے کم از کم تین فرد کوزکوٰۃ کی ادائیگی ضروری نہ ہوگی۔

(۱۱/۵۲۶) وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَّدْفَعَ الزَّكٰوةَ إِلٰى ذِمِّيّ

ترجمه: (۱۱/۵۲۶) اور جائز نہیں یہ کہ دے زکوٰۃ ذمی کو۔

تشریح: کافر ذمی ہو یا مشرک حربی اس کو صدقۂ مفروضہ، زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، زکوٰۃ صرف مسلمان ہی کو دی جاسکتی ہے جمہور فقہاء جس میں حنفیہ بھی ہیں ان سب کا مذہب یہی ہے البتہ امام زفر کے نزدیک ذمیوں کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جمہور کا مفتی بہ مسلک یہی ہے کہ غیر مسلموں کوزکوٰۃ نہیں دی جاسکتی البتہ صدقات نافلہ ذمیوں کو دیئے جاسکتے ہیں۔

جمہور کے مذہب کی دلیل: تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ. (ترمذی ج:۱،ص:۱۳۶) زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو دیدی جائے گی، اگرچہ اس معاملے میں امام زفر کے دلائل بھی کافی مضبوط ہیں لیکن جمہور علماء کا اتفاق ان کے مقابلے میں مضبوط تر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

(۱۲/۵۲۷) وَلَايُبْنٰى بِهَا مَسْجِدٌ وَلَايُكَفَّنُ بِهَا مَيِّتٌ

ترجمه: (۱۲/۵۲۷) اور نہ بنائی جائے زکوٰۃ کے مال سے مسجد اور نہ کفن دیا جائے اس سے میت کو۔

تشریح: زکوٰۃ کی رقم مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا اور زکوٰۃ کی رقم سے میت کی تجہیز وتکفین کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے بلاعوض اور بلا خدمت فقیر کو مالک بنادینا شرط ہے اور یہ بات مذکورہ امور میں نہیں ہے، بوقت ضرورت یہ صورت ہوسکتی ہے کہ میت کا ولی اگر زکوٰۃ کا مستحق ہو تو اس کو زکوٰۃ کے مدسے رقم دیدی جائے وہ اس سے تجہیز وتکفین کرے۔ (احسن الفتاویٰ ج:۴،ص:۳۰۳، کتاب الفقہ ج:۱،ص:۱۰۱۴)

(۱۳/۵۲۸) وَلَايُشْتَرٰى بِهَا رَقَبَةٌ يُعْتَقُ

ترجمه: (۱۳/۵۲۸) اور نہ خریدا جائے اس سے غلام کہ جس کو آزاد کیا جائے۔

تشریح: اگر زکوٰۃ کے مال سے غلام یا باندی خرید کر آزاد کردیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ زکوٰۃ کا رکن

مالک بنانا ہے اور آزاد کرنے میں مالک کرنے کے معنی نہیں پائے جاتے بلکہ ملک ساقط کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں تو زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔

(۵۲۹/۱۴) وَلَا تُدْفَعُ إِلٰى غَنِيٍّ

ترجمہ: (۵۲۹/۱۴) اور نہ دی جائے زکوٰۃ مالدار کو۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک غنی کی حد متعین ہے یعنی نصاب نامی کا مالک ہونا لہٰذا جو شخص صاحب نصاب ہوگا وہ ان کے نزدیک غنی ہے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے ایسے ہی تمام صدقات واجبہ جیسے عشر، کفارات، صدقۃ الفطر۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۵۷تا۱۵۸)

(۵۳۰/۱۵) وَلَايَدْفَعُ الْمُزَكِّي زَكٰوتَهُ إِلٰى أَبِيهِ وَجَدِّهِ وَ إِنْ عَلَا وَلَا إِلٰى وَلَدِهِ وَوَلَدِ وَلَدِهِ وَ إِنْ سَفُلَ وَلَاإِلٰى أُمِّهِ وَجَدَّاتِهِ وَإِنْ عَلَتْ وَلَا إِلٰى إِمْرَاتِهِ

ترجمہ: (۵۳۰/۱۵) اور نہ دے زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ اپنے باپ اور دادا کو اگر چہ اوپر تک ہوں اور نہ دے اپنے بیٹے اور پوتے کو اگر چہ نیچے تک ہوں اور نہ اپنی ماں اور نانی کو اگر چہ اوپر تک ہوں اور نہ اپنی بیوی کو۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ جن رشتہ داروں کے ساتھ پیدائش کا تعلق ہو انھیں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، جیسے اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، اسی طرح بیٹے، پوتے، بیٹی، پوتی، نواسے، نواسیاں اور میاں بیوی میں سے بھی ایک کا دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ شوہر اور بیوی کے منافع عام طور سے مشترک ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کی چیزوں سے عموماً استفادہ کرتے رہتے ہیں اس لئے شوہر اور بیوی کا آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص۱۶۲، ج:۲،ص:۱۴۴)

(۵۳۱/۱۶) وَلَا تَدْفَعُ الْمَرْأَةُ إِلٰى زَوْجِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا تَدْفَعُ إِلَيْهِ.

ترجمہ: (۵۳۱/۱۶) اور نہ دے بیوی اپنے شوہر کو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ دے سکتی ہے۔

تشریح: شوہر کا اپنی بیوی کو اپنے مال کی زکوٰۃ دینا بالاتفاق جائز نہیں ہے، لیکن اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ بیوی اپنے غریب شوہر کو اپنے مال کی زکوٰۃ میں سے دے سکتی ہے یا نہیں اور اس سے بیوی کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

چنانچہ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) صاحبین، امام شافعی اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق بیوی کا اپنے شوہر کو اپنے مال کی زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہے اور درست ہے اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (عمدۃ القاری ج:۶،ص:۱۷۱،۴۷، نیل الاوطار ج:۴،ص:۱۹۰)

(۲) امام ابوحنیفہ امام مالک کے نزدیک بیوی کا اپنے شوہر کو اپنے مال کی زکوٰۃ میں سے دینا جائز نہیں ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جس طرح شوہر کا بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اسی طرح بیوی کا شوہر کو دینا بھی جائز نہیں ہے۔

(نیل الاوطار ج:۴، ص:۱۹۰، طحاوی ج:۱، ص:۳۳۹، رقم الحاشیہ:۲، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۴۷۱)

مذہب اول کے قائلین کی دلیل: حضرت زینب کے سوال کرنے پر حضورؐ نے جواب دیا کہ بچوں اور شوہر پر خرچ کرنے سے قرابت اور صدقہ دونوں کا ثواب ملے گا۔ (طحاوی ج:۱، ص:۳۳۹) اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

جواب حضرت زینب نے جس صدقہ سے متعلق سوال کیا تھا وہ زکوٰۃ نہیں تھی بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقہ سے متعلق تھا۔ (طحاوی ج:۱، ص:۳۳۹، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۴۷۱)

حنفیہ کی دلیل: جس طرح اولاد اور والدین کے درمیان نسب کے تعلق کی وجہ سے ایک کا دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اسی طرح میاں بیوی کے درمیان بھی زوجیت کے تعلق کیوجہ سے ناجائز ہے اور یہ تعلق جس طرح شوہر کی جانب سے زکوٰۃ کو بیوی کے لئے حرام کرتا ہے اسی طرح شوہر کے لئے بھی حرام کرے گا۔

(۵۳۲/۱۷) وَلَا يَدْفَعُ إِلٰى مُكَاتَبِهٖ وَلَا مَمْلُوْكِهٖ (۵۳۳/۱۸) وَلَا مَمْلُوْكِ غَنِيٍّ وَوَلَدِ غَنِيٍّ إِذَا كَانَ صَغِيْرًا

ترجمہ: (۵۳۲/۱۷) اور نہ دے اپنے مکاتب کو اور نہ دے اپنے غلام کو (۵۳۳/۱۸) اور نہ دے مالدار کے غلام کو اور نہ دے مالدار کے بچے کو جبکہ وہ نابالغ ہو۔

تشریح: اس عبارت میں چند مسائل کا بیان ہے:

(۱) اپنے مکاتب کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے (۲) ایسے ہی اپنے غلام کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے مکاتب کی کمائی میں آقا کا حق ہوتا ہے ایسے ہی غلام کی کمائی اس کے آقا کے لئے ہوتی ہے، چنانچہ ان کو زکوٰۃ دینا اپنے آپ کو دینا ہے اور اپنے مال کی زکوٰۃ خود اپنے آپ کو دینے سے ادا نہیں ہوتی۔

(۳) مالدار کے غلام کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ غلام کا ہر مال آقا کی ملکیت ہوتا ہے، چنانچہ اگر مالدار کے غلام کو زکوٰۃ دی گئی تو وہ مال مالدار کی ملک میں داخل ہو جائے گا اور مالدرا کے لئے جیسے براہ راست زکوٰۃ جائز نہیں، ایسے ہی بالواسطہ بھی جائز نہیں ہے۔

(۴) مالدار کے نابالغ بچہ کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ نابالغ اولاد اپنے ماں باپ کے مال کیوجہ سے مالدار شمار ہوتی ہے۔

(۵۳۴/۱۹) وَلَا يَدْفَعُ إِلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ وَهُمْ آلُ عَلِيٍّ وَآلُ عَبَّاسٍ وَآلُ جَعْفَرٍ وَآلُ عَقِيْلٍ وَآلُ حَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَمَوَالِيْهِمْ.

ترجمہ: (۵۳۴/۱۹) اور نہ بنو ہاشم کو اور وہ لوگ ہیں جو حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حارث بن عبد المطلب کی اولاد میں ہیں اور نہ ان کی غلاموں کو۔

تشریح: بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے البتہ ان کو نفلی خیرات کر سکتے ہیں، عبد المطلب کی بارہ اولادیں تھیں ان بارہ میں سے صرف چار کی اولاد کو مستثنیٰ کر کے باقی آٹھ کی فقیر اولاد کے لئے زکوٰۃ حلال ہے اور چار اولاد جن کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ حضرت عبد اللہ حضرت عباس حضرت حارث اور ابو طالب کی اولاد ہیں اور ابو طالب کے تین لڑکوں کی نسل دنیا میں جاری ہے، یعنی حضرت علی، حضرت عقیل، حضرت جعفر ﷺ کی اولاد دنیا میں موجود ہیں عبد المطلب کی مذکورہ چاروں اولاد کی نسل کو ہاشمی کہتے ہیں۔ (شامی ج:۲، ص:۹۰)

موالی بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ: بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے جواز اور عدم جواز کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ ناجائز اور حرام ہیں شوافع کا صحیح مذہب بھی یہی ہے، اس لئے کہ "**موالی القوم من انفسھم**" کے اصول سے موالی بنی ہاشم بھی انھیں کے حکم میں ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج:۶، ص:۵۴۵)

(۲) حضرت امام مالک اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ جائز اور حلال ہے کیونکہ بنو ہاشم کے لئے ان کی شرافت اور بلندی کی وجہ سے زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ حرام ہے اور ان کے موالی کو شرافت و بلندی کا وہ مقام حاصل نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج:۴، ص:۱۸۷)

(۵۳۵/۲۰) وَقَالَ اَبُوْحَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى إِذَا دَفَعَ الزَّكٰوةَ إِلٰى رَجُلٍ يَظُنُّهُ فَقِيْراً ثُمَّ بَانَ اَنَّهُ غَنِيٌّ أَوْ هَاشِمِيٌّ أَوْ كَافِرٌ أَوْ دَفَعَ فِي ظُلْمَةٍ إِلٰى فَقِيْرٍ ثُمَّ بَانَ اَنَّهُ اَبُوْهُ أَوْ إِبْنُهُ فَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعَلَيْهِ الْإِعَادَةُ.

ترجمہ: (۵۳۵/۲۰) اور طرفین نے فرمایا کہ جب دی زکوٰۃ کسی شخص کو فقیر خیال کرتے ہوئے پھر ظاہر ہوئی یہ بات کہ وہ مالدار یا ہاشمی یا کافر ہے یا اندھیرے میں کسی فقیر کو دی پھر ظاہر ہوا کہ وہ اس کا باپ یا بیٹا تھا تو اس پر دوبارہ دینا ضروری نہیں ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس پر دوبارہ زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔

تشریح: زکوٰۃ دینے والے نے کسی شخص کو زکوٰۃ کا مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دیدی بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے، مثلاً وہ مالدار ہے یا ہاشمی گھرانے سے تعلق رکھتا ہے یا کافر ہے یا زکوٰۃ دینے والے کا باپ ہے یا اس کا بیٹا ہے تو ان تمام صورتوں میں طرفین کے نزدیک دوبارہ زکوٰۃ دینا لازم نہ ہوگا بلکہ جو دی تھی وہ کافی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ دوبارہ زکوٰۃ دینا لازم ہوگا۔ (بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۱۶۳)

طرفین کی دلیل: جو بات زکوٰۃ دینے والے کے بس میں تھی یعنی مالک بنانا اسے وہ کر چکا وہ اس کا مکلف نہیں

ہے کہ اندھیرے میں یہ پوچھے تو کون ہے، طرفین کا قول ہی مفتیٰ بہ ہے۔

(شامی ج:۲،ص:۹۳، بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۶۳تا۱۶۴)

(۲۱/۵۳۶) وَلَوْ دَفَعَ إِلٰى شَخْصٍ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهُ عَبْدُهُ اَوْ مُكَاتَبُهُ لَمْ يَجُزْ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيْعاً

ترجمہ: (۲۱/۵۳۶) اور اگر دی کسی آدمی کو زکوٰۃ پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کا غلام یا مکاتب تھا تو جائز نہ ہوگی سب کے قول میں۔

تشریح: اور اگر زکوٰۃ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جس کو زکوٰۃ دی ہے وہ اس کا غلام ہے یا اس کا مکاتب ہے تو اس کی یہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ غلام کے اندر مالک کرنا نہیں پایا گیا حالانکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا رکن ہی مالک کرنا ہے، اور چونکہ مکاتب کی کمائی میں آقا کا حق ہوتا ہے اس لئے تملیک ناقص پائی گئی لہٰذا اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۲۲/۵۳۷) وَلَايَجُوْزُ دَفْعُ الزَّكٰوةِ إِلٰى مَنْ يَمْلِكُ نِصَاباً مِنْ اَىِّ مَالٍ كَانَ (۲۳/۵۳۸) وَيَجُوْزُ دَفْعُهَا إِلٰى مَنْ يَمْلِكُ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَإِنْ كَانَ صَحِيْحاً مُكْتَسِباً

ترجمہ: (۲۲/۵۳۷) اور جائز نہیں ہے زکوٰۃ دینا اس شخص کو جو نصاب کا مالک ہو خواہ کسی مال سے ہو (۲۳/۵۳۸) اور جائز ہے زکوٰۃ دینا اس کو جو نصاب سے کم کا مالک ہو اگر چہ وہ تندرست کمانے والا ہو۔

تشریح: اگر کوئی شخص نصاب کی مقدار کا مالک ہو خواہ سونے چاندی کا نصاب ہو یا جانوروں کا نصاب ہو یا دوسرے سامان کا نصاب ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص صحیح تندرست طاقتور کمانے کے لائق ہو مگر فقیر ہو تو اس کے لئے زکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ حلال ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شوافع کے نزدیک ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ حلال اور جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۵۹)

(۲) حنفیہ اور امام مالک کے نزدیک ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ جائز ہیں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے حلال ہونے کے لئے صرف فقیر ہونا شرط ہے خواہ فقیر صحیح تندرست ہو یا معذور واپاہج سب کے لئے درست ہے۔

(طحاوی ج:۱،ص:۳۳۵، رقم الحاشیۃ ۴)

شوافع کی دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے مالدار کے لئے صحیح تندرست قوت والا شخص جو کمانے کی قدرت رکھتا ہے اس کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۳۴)

جواب: تندرست آدمی کے لئے افضل وبہتر یہی ہے کہ صدقات واجبہ نہ کھا کر اپنی محنت وکمائی سے کھائے اور معاشرہ میں باوقار زندگی گذارے اور کبھی کبھی عدم افضلیت کو شدت کے لئے لاتحل کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں تاکہ مفت خوری کا عادی نہ ہو جائے اور اپنی کمائی سے کھانے کا عادی بن جائے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۳۵)

حنفیہ کی دلیل: حضرت زیاد بن الحارث صدائی کے حضور سے درخواست کرنے پر آپ نے ان کو صدقہ میں سے دیا۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۳۶) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیاد خود بھی صحیح وتندرست تھے لنگڑے اپاہج نہیں تھے مگر حضورؐ نے محض فقیری کی وجہ سے ان کو صدقہ کا مال دیا ہے۔

(۵۳۹/۲۴) وَيُكْرَهُ نَقْلُ الزَّكٰوةِ مِنْ بَلَدٍ إِلٰى بَلَدٍ آخَرَ وَإِنَّمَا يُفَرِّقُ صَدَقَةُ كُلِّ قَوْمٍ فِيهِمْ إِلَّا اَنْ يَّحْتَاجَ اَنْ يَّنْقُلَهَا الْإِنْسَانُ إِلٰى قَرَابَتِهٖ اَوْ إِلٰى قَوْمٍ هُمْ اَحْوَجُ إِلَيْهِ مِنْ اَهْلِ بَلَدِهٖ.

ترجمہ: (۵۳۹/۲۴) اور مکروہ ہے زکوٰۃ لیجانا ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب بلکہ تقسیم کردی جائے ہر قوم کی زکوٰۃ انہیں میں مگر یہ کہ ضرورت ہو کسی انسان کو زکوٰۃ منتقل کرنیکی اپنے رشتہ داروں یا ایسے لوگوں کی جانب جو اس کے شہر والوں سے زیادہ ضرورت مند ہوں۔

تشریح: جس شہر اور جس علاقہ سے زکوٰۃ لی جائے اسی شہر اور اسی علاقہ کے فقراء پر خرچ کی جائے کسی دوسرے شہر اور دوسری بستی میں نہ بھیجی جائے، زکوٰۃ کی یہ منتقلی امام شافعی کے نزدیک جائز ہی نہیں مگر یہ کہ اس جگہ میں مستحقین زکوٰۃ موجود نہ ہوں، امام مالک کے نزدیک بھی زکوٰۃ منتقل نہیں کی جائے گی اور اگر منتقل کردی تو اصح قول کے مطابق ادائیگی درست ہو جائے گی۔

حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ وصدقات کی منتقلی جائز ہے البتہ افضل یہی ہے کہ ایک علاقہ کی زکوٰۃ بلا ضرورت دوسرے علاقہ کی طرف منتقل نہ کی جائے، لیکن اگر دوسرے شہر کے فقراء کی ضرورت شدید ہو یا اس شخص کے اپنے رشتہ دار مثلاً بھائی، بہن، چچی، پھوپھی، خالہ، ماموں وغیرہ مستحق زکوٰۃ ہوں اور یہ کسی دوسرے شہر یا ملک میں رہتے ہوں تو اپنی زکوٰۃ ان کو بھیج سکتا ہے، بلکہ ان کو زکوٰۃ دینے میں دو ثواب ملتے ہیں (۱) ادائے زکوٰۃ کا ثواب (۲) صلہ رحمی کا ثواب۔

(معارف السنن ج:۵،ص:۲۵۶، عمدۃ القاری ج:۶،ص:۵۵۲)

باب صدقة الفطر

یہ باب صدقۃ الفطر کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر دونوں عبادات مالیہ ہیں لیکن صدقۃ الفطر واجب ہے اور زکوٰۃ فرض ہے اس وجہ سے صدقہ فطر کے احکام کو زکوٰۃ کے احکام سے بعد میں ذکر کیا گیا۔ (عینی ج:۱،ص:۱۲۷۷)

صدقہ: کے معنی عطیہ، لیکن مراد وہ صدقہ ہے جو اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کی امید پر دیا جائے۔

فطر: بمعنی نفس کیونکہ یہ صدقہ ہر نفس کی جانب سے دیا جاتا ہے۔

صدقۂ فطر کی تعریف: اتنا مالدار مسلمان جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، یا زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوتی لیکن رہائشی

مکان اور ضروری اسباب و آلات و اوزار کے علاوہ اتنی قیمت کا زائد مال و اسباب ہے، جتنی قیمت پر یہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، تو اس پر عید الفطر کے دن صدقہ واجب ہوتا ہے، چاہے اس مال پر سال گذر چکا ہو یا نہ گزرا ہو اور تجارت کا مال ہو یا تجارت کا نہ ہو اس کو صدقہ فطر کہتے ہیں۔

صدقہ فطر کی مشروعیت: صدقہ فطر کی مشروعیت زکوٰۃ سے پہلے ۲ھ میں عید سے دو دن قبل ہوئی آپؐ نے عید سے دو دن پہلے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں صدقۃ الفطر کی تعلیم فرمائی۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۲۷۶)

(۱/۵۴۰) صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ مَالِكاً لِمِقْدَارِ النِّصَابِ فَاضِلاً عَنْ مَسْكَنِهِ وَثِيَابِهِ وَأَثَاثِهِ وَفَرَسِهِ وَسِلَاحِهِ وَعَبِيْدِهِ لِلْخِدْمَةِ (۲/۵۴۱) يُخْرِجُ ذَالِكَ عَنْ نَفْسِهِ وَعَنْ أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَعَبِيْدِهِ لِلْخِدْمَةِ (۳/۵۴۲) وَلَا يُؤَدِّيْ عَنْ زَوْجَتِهِ وَلَا عَنْ أَوْلَادِهِ الْكِبَارِ وَإِنْ كَانُوْا فِيْ عِيَالِهِ (۴/۵۴۳) وَلَا يُخْرِجُ عَنْ مُكَاتَبِهِ (۵/۵۴۴) وَلَا عَنْ مَمَالِيْكِهِ لِلتِّجَارَةِ.

ترجمہ: (۱/۵۴۰) صدقۂ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر جبکہ وہ مالک ہو مقدار نصاب کا اور یہ نصاب زائد ہو اس کے رہائشی مکان کپڑوں گھریلو سامان، گھوڑے، ہتھیار، اور خدمت گار غلاموں سے۔ (۲/۵۴۱) نکالے فطرہ اپنی طرف سے اور اپنی چھوٹی اولاد اور خدمتگار غلاموں کی طرف سے۔ (۳/۵۴۲) اور نہ ادا کرے اپنی بیوی اور اپنی بڑی اولاد کی طرف سے اگر چہ وہ اسی کی ذمہ داری میں ہوں۔ (۴/۵۴۳) اور نہ نکالے اپنے مکاتب غلام کی طرف سے۔ (۵/۵۴۴) اور نہ تجارتی غلاموں کی طرف سے۔

تشریح: صدقہ فطر کا حکم۔ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) اکثر شوافع اکثر موالک اور حنابلہ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے نزدیک اس کا منکر کافر نہیں ہے۔

(۲) حضرات حنفیہ کے نزدیک صدقۂ فطر نہ فرض ہے اور نہ ہی سنت ہے بلکہ واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۶، ص:۵۷۴، معارف ج:۵، ص:۳۰۱)

مسئلہ ۲: صدقہ فطر کے وجوب کے لئے تین شرطیں ہیں: (۱) آزاد ہونا، (۲) مسلمان ہونا، (۳) صاحب نصاب ہونا، اس تیسری شرط کے متعلق دو مذہب ہیں:

(۱) حنفیہ کے نزدیک صدقہ فطر کے وجوب کے لئے زکوٰۃ کی طرح مالک نصاب ہونا شرط ہے اگر چہ مال نامی ہونا شرط نہیں ہے، اور نہ ہی سال کا گزرنا شرط ہے، چنانچہ اگر کسی کے پاس مال تجارت یا روپیہ پیسہ یا سونا یا چاندی نہیں ہے بلکہ صرف غلہ وغیرہ بقدر نصاب یا اس سے زائد عید کے دن موجود ہے تو اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے۔

(معارف السنن ج:۵، ص:۳۰۱)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صدقۃ الفطر کے وجوب کے لئے کوئی نصاب شرط نہیں ہے، بلکہ مالدار، فقیر سب پر واجب ہے، صرف یہ ضروری ہے کہ اس شخص کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے ایک دن کے خرچ کے علاوہ اتنا مال ہو کہ اس میں سے صدقہ فطر اداء کر سکے۔ (معارف السنن ج:۵، ص:۳۰۱)

حنفیہ کی دلیل: قرآن کریم میں صدقۃ الفطر پر زکوٰۃ کا اطلاق کیا گیا ہے "قد افلح من تزکی" اکثر مفسرین کے قول کے مطابق "تزکی" سے مراد صدقۃ الفطر کی ادائیگی ہے، جب صدقۃ الفطر کو زکوٰۃ قرار دیا گیا تو اس کا نصاب بھی وہی ہوگا جو زکوٰۃ کا ہے۔ (معارف السنن ج:۵، ص:۳۰۲)

علاوہ ازیں اگر ہر اس شخص پر جو ایک دن کی روزی کا مالک ہے صدقہ فطر واجب کر دیا جائے تو آج وہ صدقہ فطر کی ادا کرے گا اور کل خود اپنی تنگدستی کیوجہ سے سوال پر مجبور ہوگا جو قلب موضوع ہے۔ (نور الانوار، ص:۵۴/۵۵)

(۳) صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب: وہ ذات جس کا خرچہ وغیرہ آدمی برداشت کرتا ہے اور جس پر اس کو ولایت تامہ حاصل ہو اس کا سب سے پہلا مصداق تو آدمی کی خود اپنی ذات ہے، اور اسی طرح اس میں اس کی نابالغ اولاد بھی داخل ہے، ایسے ہی خدمت گار غلام ان سب کی طرف سے فطرہ واجب ہے، بالغ اولاد اور بیوی اس میں داخل نہیں ان پر آدمی کو ولایت تامہ حاصل نہیں ہوتی۔ (بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۹۹)

چنانچہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک اگر نابالغ اولاد مالدار ہوں تو باپ پر واجب ہے کہ ان کے مال میں سے ان کا صدقۃ الفطر ادا کرے اور اگر مالدار نہ ہوں تو پھر باپ وغیرہ جو بھی ان کا ولی ہو ان کی جانب سے وہ اداء کرے۔

(عمدۃ القاری ج:۶، ص:۵۷۶)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیوی کا صدقۃ الفطر شوہر پر واجب ہے، جس طرح خرچہ اس پر واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک بیوی کا فطرہ خود اسی پر ہے، جیسا کہ اس کے مال کی زکوٰۃ خود اسی کے مال میں واجب ہے لیکن اگر بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے ادا کر دیا جائے تو جائز اور درست ہے۔ (در منضود ج:۳، ص:۸۰۷، بذل المجہود ج:۳، ص:۳۳)

(۵۴۵/۶) وَالْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ لَافِطْرَةَ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

ترجمہ: (۵۴۵/۶) اور جو غلام دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے کسی پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔

تشریح: اور اگر ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو تو بالاتفاق دونوں میں سے کسی پر اس غلام کا صدقۃ الفطر واجب نہ ہوگا کیونکہ دونوں میں سے کسی کو بھی ولایت تامہ نہیں ہے، اور ایسے ہی نفقۂ کاملہ بھی نہیں ہے حالانکہ دونوں چیزیں صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب ہیں جیسا کہ گذشتہ صفحہ پر گذر چکا ہے۔

(۵۴۶/۷) وَيُؤَدِّي الْمُسْلِمُ الْفِطْرَةَ عَنْ عَبْدِهِ الْكَافِرِ

ترجمہ: (۵۴۶/۷) اور ادا کرے مسلمان فطرہ اپنے کافر غلام کی طرف سے۔

تشریح: مسلمان مالک نصاب اگر کافر غلام کا مالک ہو تو اس پر اس کافر غلام کا صدقۃ الفطر واجب ہوگا کیونکہ مسلمان آقا کو کافر غلام پر ولایت کاملہ بھی حاصل ہے اور اس کا خرچ وغیرہ بھی مکمل برداشت کرتا ہے چنانچہ جب سبب وجوب موجود ہے تو فطرہ بھی ادا کرنا واجب ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۹۹)

(۵۴۷/۸) وَالفِطْرَةُ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْصَاعٍ مِّنْ تَمرٍ أَوْ زَبِيْبٍ أَوْ شَعِيْرٍ (۵۴۸/۹) وَالصَّاعُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ بِالْعِرَاقِي وَقَالَ أَبُويُوْسُفَ خَمْسَةُ أَرْطَالٍ وَّثُلُثُ رِطْلٍ.

ترجمہ: (۵۴۷/۸) اور فطرہ آدھا صاع ہے گیہوں کا یا ایک صاع ہے کھجور یا کشمش یا جو کا (۵۴۸/۹) اور صاع طرفین کے نزدیک آٹھ رطل کا معتبر ہے عراقی رطل سے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ پانچ رطل اور تہائی رطل کا معتبر ہے۔

تشریح: کشمش، جو، جوار، وغیرہ سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے تو بالاتفاق پورا ایک صاع دینا واجب ہے مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ اگر گیہوں سے ادا کیا جائے تو کتنا دینا لازم ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک، امام احمد و امام شافعی کے نزدیک گندم و گیہوں سے بھی پورا ایک صاع ایک آدمی پر واجب ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہ، صاحبین و جمہور فقہاء کے نزدیک گندم اور گیہوں سے صرف نصف صاع واجب ہے نیز امام ابوحنیفہ کے نزدیک کشمش میں سے بھی نصف صاع کافی ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۶،ص:۵۸۱، معارف ج:۵،ص:۳۰۵)

(۱) **مذہب کی دلیل:** حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت کے ان الفاظ سے ہے **كُنَّا نُخْرِجُ زَكٰوةَ الْفِطْرِ إِذَا كَانَ فِيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَاعاً مِنْ طَعَامٍ.** (ترمذی ج:ص:۱۴۵ تا ۱۴۶) یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صدقۃ فطر گیہوں سے ایک صاع دیا کرتے تھے ان حضرات نے لفظ طعام کو گندم کے معنی پر محمول کیا ہے۔ (معارف ج:۵،ص:۳۰۶)

جواب ہمارے نزدیک طعام سے مراد گندم نہیں ہے بلکہ جوار یا باجرہ وغیرہ ہے، گندم پر لفظ طعام کا اطلاق اس وقت شروع ہوا جب سے گندم کا استعمال بڑھا، حضورؐ کے زمانہ میں طعام کا لفظ بول کر جوار یا باجرہ وغیرہ مراد لیا جاتا تھا، تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری ج:۳،ص:۲۹۷، باب الصدقۃ قبل العید۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت ثعلبہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں "أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ" (طحاوی ج:۱،ص:۳۵۰) اس روایت سے حنفیہ کا مسلک صاف سمجھ میں آرہا ہے اس کے بعد امام قدوری فرماتے ہیں کہ صاع کی مقدار میں اختلاف ہے:

طرفین کے نزدیک عراقی آٹھ رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اور موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے تین کلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام ایک صاع کا وزن ہوتا ہے، لہٰذا نصف صاع میں ۱/۲-۱ کلو ۹۲ گرام ۱۳۶ ملی گرام ہوگا۔

امام ابو یوسف نے مدنی یا حجازی کا اعتبار کیا ہے اور حجازی ۵ رطل اور ثلث رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اور اس میں بھی ایک صاع اور نصف صاع کا وزن وہی ہوگا جو ماقبل میں طرفین کے مذہب کے تحت لکھا گیا ہے لہٰذا طرفین اور امام ابو یوسف میں حقیقی اختلاف نہیں ہے۔

(۱۰/۵۴۹) وَوُجُوْبُ الْفِطْرَةِ يَتَعَلَّقُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِي مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ (۱۱/۵۵۰) فَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَمْ تَجِبْ فِطْرَتُهُ وَمَنْ اَسْلَمَ (۱۲/۵۵۱) أَوْ وُلِدَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ لَمْ تَجِبْ فِطْرَتُهُ

ترجمہ: (۱۰/۵۴۹) اور فطرہ کا وجوب متعلق ہوتا ہے عید کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے سے، (۱۱/۵۵۰) چنانچہ جو شخص اس سے پہلے مرگیا اس کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے (۱۲/۵۵۱) اور جو شخص مسلمان ہوا یا پیدا ہوا طلوع فجر کے بعد تو اس کا فطرہ واجب نہیں۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک عید الفطر کی صبح صادق سے صدقۃ الفطر کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ جو شخص اس وقت موجود ہوگا اسی پر صدقۃ الفطر واجب ہوگا اور جو شخص اس سے قبل مر جائے یا جو بچہ اس وقت کے گذرنے کے بعد پیدا ہو اس پر صدقۃ الفطر نہ ہوگا۔

(۱۳/۵۵۲) وَالْمُسْتَحَبُّ اَنْ يُّخْرِجَ النَّاسُ الْفِطْرَةَ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوْجِ إِلَى الْمُصَلّٰى فَاِنْ قَدَّمُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْفِطْرِ جَازَ (۱۴/۵۵۳) وَإِنْ أَخَّرُوْهَا عَنْ يَوْمِ الْفِطْرِ لَمْ تَسْقُطْ وَكَانَ عَلَيْهِمْ إِخْرَاجُهَا.

ترجمہ: (۱۳/۵۵۲) اور مستحب ہے کہ نکال دیں لوگ فطرہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے اگر عید کے دن سے پہلے ہی دیدیا تو بھی جائز ہے (۱۴/۵۵۳) اور اگر مؤخر کر دیا اس کو عید کے دن سے تو ساقط نہ ہوگا بلکہ ان پر اس کا نکالنا واجب رہے گا۔

تشریح: افضل اور مستحب یہ ہے کہ صدقۃ الفطر عید کے دن عید گاہ جانے سے پہلے ادا کر دیں اگر رمضان سے قبل صدقۂ فطر ادا کر دیا تو جائز ہے لیکن خلاف احتیاط ہے اور رمضان میں ادا کرنا جائز اور درست ہے اور اگر عید کا دن گذر گیا اور صدقہ ادا نہ کیا تو اس وقت ادا نہ کرنے سے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا بلکہ نکالنا واجب رہے گا خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے۔

کتاب الصوم

یہ باب روزے کے احکام کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں ۳۲ مقامات پر صلوۃ کے بعد متصلاً زکوۃ کو بیان فرمایا ہے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث مبارکہ میں کثرت کے ساتھ صلوۃ کے بعد زکوۃ کو ذکر فرمایا ہے اس لئے حضرت مصنف نے بھی کتاب الصلوٰۃ کے بعد کتاب الزکاۃ کو نقل فرمایا ہے، اور چونکہ روزہ خالص عبادت بدنیہ

میں سے ہے اورحج خالص عبادت بدنیہ نہیں ہے نیز روزہ ہر سال فرض ہوتا ہے اور حج ہر سال فرض نہیں ہوتا ہے اس لئے روزہ کی اہمیت زیادہ ہونے کی وجہ سے کتاب الحج سے پہلے اور کتاب الزکاۃ کے بعد کتاب الصوم کو بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔ (ایضاح الطحاوی ج:۳،ص:۲۰۲،عینی ج:۱،ص:۱۲۹۵)

صوم کی لغوی تعریف: کسی چیز سے رکنا قول ہو یا فعل۔

اصطلاحی تعریف: طلوع صبح صادق سے غروب شمس تک کے درمیان کھانے، پینے صحبت سے، اللہ کی رضا اور اللہ کے قرب کے ارادہ سے رکے رہنے کا نام روزہ ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج:۳،ص:۲۰۱)

مشروعیت صوم: روزہ کی مشروعیت شعبان ۲ھ میں ہوئی۔ (اوجز المسالک ج:۳،ص:۲۷۶)

(۵۵۴/۱) اَلصَّوْمُ ضَرْبَانِ وَاجِبٌ وَنَفْلٌ فَالْوَاجِبُ ضَرْبَانِ مِنْهُ مَايَتَعَلَّقُ بِزَمَانٍ بِعَيْنِهٖ كَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُعَيَّنِ فَيَجُوْزُ صَوْمُهٗ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ فَإِنْ لَمْ يَنْوِ حَتّٰى أَصْبَحَ أَجْزَأَتْهُ النِّيَّةُ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الزَّوَالِ (۵۵۵/۲) وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ مَايَثْبُتُ فِي الذِّمَّةِ كَقَضَاءِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُطْلَقِ وَالْكَفَّارَاتِ فَلَايَجُوْزُ صَوْمُهٗ إِلَّا بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ وَكَذٰلِكَ صَوْمُ الظِّهَارِ (۵۵۶/۳) وَالنَّفْلُ كُلُّهٗ يَجُوْزُ بِنِيَّةٍ قَبْلَ الزَّوَالِ.

ترجمہ: (۵۵۴/۱) روزہ کی دو قسمیں ہیں واجب اور نفل پھر واجب کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو خاص زمانہ سے تعلق رکھے جیسے رمضان اور نذر معین کے روزے، چنانچہ جائز ہیں یہ روزے ایسی نیت سے جو رات سے ہو اگر صبح تک نیت نہیں کی تو کافی ہے اس کو نیت کر لینا صبح اور زوال کے درمیان۔ (۵۵۵/۲) اور دوسری قسم وہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے قضائے رمضان، نذر مطلق اور کفارے کے روزے، چنانچہ یہ روزے جائز نہیں مگر رات ہی میں نیت کرنے سے اور اسی طرح ظہار کے روزے ہیں۔ (۵۵۶/۳) اور تمام نفل روزے زوال سے پہلے نیت کر لینے سے درست ہو جاتے ہیں۔

تشریح: اس عبارت میں امام قدوری روزوں کی نیت کے وقت کو بیان فرما رہے ہیں کہ روزوں کے لئے نیت رات میں کرنا ضروری ہے یا رات گذر جانے کے بعد بھی کی جاسکتی ہے اس بارے میں روزوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

قسم اول: صوم اداء رمضان اور نذر معین کی نیت رات میں کرنا لازم ہے یا دن میں کرنا بھی کافی ہوسکتا ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رات میں نیت کرنا شرط ہے، اگر رات میں نیت نہیں کی گئی ہے تو روزہ صحیح نہیں ہوگا۔

(ترمذی مع حاشیہ العرف الشذی ج:۱،ص:۱۵۴،اوجز ج:۳،ص:۱۳،عمدۃ القاری ج:۸،ص:۷۲)

(۲) حنفیہ کے نزدیک نیت رات ہی میں کرنا لازم نہیں ہے بلکہ طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے پہلے تک نیت کر لی جائے تو جائز اور درست ہے اس سے روزہ صحیح ہو جاتا ہے۔

(اوجزالمسالک ج:۳،ص:۱۳۰،معارف السنن ج:۶،ص:۸۳،عمدۃ القاری ج:۸،ص:۷۲)

قسم دوم: رمضان کے قضاء روزے اور نذر غیر معین کے روزے اور کفارے کے روزے کے صحیح ہونے کے لئے تمام علماء کے نزدیک رات میں نیت کرنا شرط ہے اور ان روزوں کے لئے دن کی نیت معتبر نہیں ہے۔

(الاشباہ ص:۸۲،عمدۃ القاری ج:۸،ص:۷۲)

قسم سوم: نفل روزوں کے بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک نفل روزہ کی نیت بھی رات میں کرنا ضروری ہے اگر رات میں نیت نہ کی تو روزہ صحیح نہ ہوگا۔(اوجزالمسالک ج:۳،ص:۱۳۰معارف ج:۶،ص:۸۳،عمدۃ القاری ج:۸،ص:۷۲)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نفل روزوں کی نیت رات میں کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ زوال سے پہلے پہلے تک نیت کرلی جائے تو درست ہے۔

(ترمذی مع حاشیہ العرف الشذی ج:۱،ص:۱۵۴،معارف السنن ج:۶،ص:۸۳،نیل الاوطار ج:۴،ص:۲۱۰)

تنبیہ: امام قدوری نے روزہ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ روزہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) واجب (۲) نفل، متن میں لفظ واجب، فرض اور واجب دونوں کو شامل ہے، کیونکہ واجب کے معنی ثابت کے ہیں اسلئے کوئی اشکال نہیں ہے

(۵۵۷/۴) وَيَنْبَغِيْ لِلنَّاسِ اَنْ يَّلْتَمِسُوْا الْهِلَالَ فِي الْيَوْمِ التَّاسِعِ وَالْعِشْرِيْنَ مِنْ شَعْبَانَ فَاِنْ رَأَوْهُ صَامُوْا وَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِمْ اَكْمَلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ يَوْماً ثُمَّ صَامُوْا.

ترجمہ: (۵۵۷/۴) اور مناسب ہے لوگوں کے لئے کہ تلاش کریں چاند کو شعبان کی انتیسویں تاریخ میں پھر اگر لوگوں نے چاند دیکھ لیا تو روزہ رکھیں اور اگر چاند ان پر مشتبہ ہوگیا تو پورے کرلیں شعبان کے تیس دن پھر روزہ رکھیں۔

تشریح: مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ کا ہوتا ہے اس لئے انتیس شعبان کو رمضان کا چاند دیکھنا واجب علی الکفایہ ہے اگر نظر آجائے تو روزہ رکھ لیا جائے اور اگر دکھائی نہ دے تو اگلے روز کا روزہ نہ رکھیں۔

(۵۵۸/۵) وَمَنْ رَاٰیْ هِلَالَ رَمَضَانَ وَحْدَهٗ صَامَ وَاِنْ لَّمْ يَقْبَلِ الْاِمَامُ شَهَادَتَهٗ

ترجمہ: (۵۵۸/۵) اور جس شخص نے دیکھا رمضان کا چاند تنہا، تو وہ روزہ رکھے اگر چہ قبول نہ کی ہو امام نے اس کی گواہی۔

تشریح: اگر کسی نے چاند دیکھا حالانکہ مطلع صاف تھا تو یہ شخص خود روزہ رکھے اگر چہ امام نے اس کی گواہی کسی وجہ سے قبول نہ کی ہو۔

(۵۵۹/۶) وَاِذَا كَانَ فِي السَّمَاءِ عِلَّةٌ قَبِلَ الْاِمَامُ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ الْعَدْلِ فِيْ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ رَجُلاً كَانَ اَوْ اِمْرَاَةً حُرًّا كَانَ اَوْ عَبْداً (۵۶۰/۷) فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي السَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ حَتّٰى يَرَاهُ جَمْعٌ كَثِيْرٌ

يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ.

ترجمہ: (۵۵۹/۶) اور جب ہو آسمان میں کوئی علت تو قبول کرے امام ایک، عادل آدمی کی گواہی چاند دیکھنے کے بارے میں مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام (۵۶۰/۷) اور اگر نہ ہو آسمان میں کوئی علت تو نہ قبول کی جائے گواہی یہاں تک کہ دیکھے اس کو ایک ایسی جماعت کثیرہ جن کی خبر سے یقین حاصل ہو جائے۔

تشریح: اگر مطلع صاف نہ ہو یعنی کوئی بادل یا غبار یا دھواں وغیرہ ایسا چھایا ہوا ہو جو چاند کو چھپا دے تو صرف رمضان کے چاند کے لئے ایک ثقہ مسلمان مرد یا عورت کی گواہی کافی ہے آزاد ہو یا غلام اور رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہے، بشرطیکہ گواہ کے اوصاف ان میں موجود ہوں اور خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا اس بات کی گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی کے سامنے گواہ پیش ہوئے قاضی نے گواہی کو قبول کر کے اعلان عام کر دیا اور اگر مطلع صاف ہو یعنی گرد و غبار دھواں یا بادل چھایا ہوا نہیں ہے اس کے باوجود بستی یا شہر کے عام لوگوں کو چاند نظر نہیں آیا تو ایسی صورت میں رمضان و عیدین کے چاند کے لئے صرف دو چار گواہوں کے اس بیان کا اعتبار نہ ہوگا کہ ہم نے اس بستی یا شہر میں چاند دیکھا ہے بلکہ اس صورت میں ایک بڑی جماعت کی گواہی ضروری ہوگی جو مختلف اطراف سے آئے ہوں اور اپنی اپنی جگہ چاند دیکھنا بیان کریں کسی سازش کا احتمال نہ ہو اور جماعت کی کثرت کی وجہ سے عقلاً یہ یقین نہ کیا جا سکے کہ اتنی بڑی جماعت جھوٹ بول سکتی ہے، اس جماعت کی تعداد کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، بعض نے پچاس کا عدد بیان کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ کوئی خاص تعداد شرعاً متعین نہیں جتنی تعداد سے یہ یقین ہو جائے کہ یہ سب مل کر جھوٹ نہیں بول سکتے وہی تعداد کافی ہے خواہ پچاس ہو یا کم و بیش۔ (شامی ج:۲، ص:۱۲۶)

(۵۶۱/۸) وَوَقْتُ الصَّوْمِ مِنْ حِيْنَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِيْ إِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ

ترجمہ: (۵۶۱/۸) اور روزہ کا وقت صبح صادق سے سورج ڈوبنے تک ہے۔

تشریح: اس عبارت میں روزہ کا اول وقت اور آخر وقت بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ روزے کا وقت صبح صادق سے آفتاب کے غروب ہونے تک ہے۔

(۵۶۲/۹) وَالصَّوْمُ هُوَ الْإِمْسَاكُ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ نَهَاراً مَعَ النِّيَّةِ

ترجمہ: (۵۶۲/۹) اور روزہ نام ہے کھانے، پینے، اور صحبت کرنے سے رکے رہنے کا دن بھر نیت کے ساتھ۔

تشریح: اس کی تشریح باب کے شروع میں اصطلاحی تعریف کے تحت گذر چکی ہے۔

(۵۶۳/۱۰) فَإِنْ أَكَلَ الصَّائِمُ أَوْ شَرِبَ أَوْ جَامَعَ نَاسِياً لَمْ يُفْطِرْ

ترجمہ: (۵۶۳/۱۰) پھر اگر روزہ دار کھالے یا پی لے یا صحبت کرے بھول کر تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح: اگر کسی کو اپنا روزہ بالکل یاد نہ رہے اور بے خیالی میں کھالے یا پی لے یا بیوی سے صحبت کرلے اور بعد میں یاد آجائے تو روزہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا بلکہ روزہ بدستور باقی رہے گا ائمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے البتہ امام مالک کے نزدیک اس کے ذمہ قضاء واجب ہے اگرچہ نفل روزہ میں وہ بھی عدم فساد کے قائل ہیں۔ (معارف، ج:۶، ص:۶۷)

(۵۶۴/۱۱) فَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ نَظَرَ إِلَى إِمْرَأَتِهٖ فَأَنْزَلَ أَوِ ادَّهَنَ أَوِ احْتَجَمَ أَوِ اكْتَحَلَ أَوْ قَبَّلَ لَمْ يُفْطِرْ (۵۶۵/۱۲) فَإِنْ أَنْزَلَ بِقُبْلَةٍ أَوْ لَمْسٍ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ (۵۶۶/۱۳) وَلَا بَأْسَ بِالْقُبْلَةِ إِذَا أَمِنَ عَلٰى نَفْسِهٖ وَيُكْرَهُ إِنْ لَمْ يَأْمَنْ.

ترجمہ: (۵۶۴/۱۱) پھر اگر سو جائے اور احتلام ہو جائے یا دیکھے اپنی بیوی کی طرف پھر انزال ہو جائے یا تیل لگائے یا فصد لگوائے (رگ سے خون نکلوانا) یا سرمہ لگائے یا بوسہ لیوے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (۵۶۵/۱۲) پھر اگر انزال ہو جائے بوسہ لینے یا چھونے سے تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں ہے (۵۶۶/۱۳) اور کوئی حرج نہیں ہے بوسہ لینے میں جب اطمینان ہو اپنے اوپر اور مکروہ ہے اگر اطمینان نہ ہو۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ ان چیزوں کو بیان فرماتے ہیں کہ جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

(۱) روزہ کی حالت میں سوتے ہوئے خواب میں احتلام ہو جائے تو روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی روزہ بدستور باقی رہتا ہے۔

(۲) اگر اتفاق سے روزہ کی حالت میں کسی حسین عورت پر نظر پڑ جائے اور پھر غور وفکر کیوجہ سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ نظر کی گئی عورت کا خیال جمالینا جائز نہیں ہے یا اپنی بیوی کی طرف دیکھا پھر انزال ہو گیا تو بھی روزہ فاسد نہ ہوگا۔

(۳) روزہ کی حالت میں سر میں تیل لگانے سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

(۴) روزہ کی حالت میں خون نکلوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر ایسی کمزوری کا خطرہ ہو کہ روزہ کی طاقت باقی نہ رہے تو مکروہ ہے۔ (احسن الفتاوی ج:۴، ص:۴۳۵)

(۵) آنکھ میں دواڈالنے اور سرمہ لگانے سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی روزہ بدستور باقی رہتا ہے اگرچہ اسکا اثر حلق میں محسوس ہونے لگے۔ (درمختار مع الشامی ج:۲، ص:۱۳۴، اللباب ج:۱، ص:۱۵۷)

(۶) اگر بیوی سے بوس وکنار ہونے میں صرف مذی اور رطوبت نکلے تو اس سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔
(احسن الفتاوی ج:۴، ص:۴۵۱)

(۷) اگر روزہ میں بیوی سے باقاعدہ ہم بستری نہیں کی ہے بلکہ بوس وکنار ہونے یا ساتھ میں لیٹنے کی وجہ سے

انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا بعد میں ایک روزہ کی قضا کرنا واجب ہوگا کفارہ لازم نہ ہوگا۔

(احسن الفتاویٰ ج:۴،ص:۴۵۱)

(۸) روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے بوس وکنار ہونا اور ساتھ لیٹنا ایسے آدمی کے لئے بلا کراہت جائز ہے جس کو انزال یا ہمبستری کا خطرہ نہ ہو لہٰذا بوڑھے آدمی کے لئے بلا کراہت جائز ہے اور جوان کے لئے مکروہ تحریمی ہے جو اپنے نفس پر قادر نہیں ہے۔

(۱۴/۵۶۷) وَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ لَمْ يُفْطِرْ وَإِنِ اسْتَقَاءَ عَامِدًا مِلأَ فِمِهِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ

ترجمہ: (۱۴/۵۶۷) اور اگر کسی کو الٹی ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر الٹی کرے جان بوجھکر منھ بھر کے تو اس پر قضاء لازم ہے۔

تشریح: اس عبارت میں امام قدوریؒ حالت صوم میں قے کا حکم بیان فرماتے ہیں ائمہ اربعہ کا اسپر اتفاق ہے کہ اگر خود بخود قے آئے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اگر جان بوجھ کر قے کی جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، البتہ حنفیہ کے یہاں اس بارے میں تفصیل ہے علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں ج:۲،ص:۲۹۵ پر قے کی بارہ صورتیں لکھی ہیں، پھر آگے صاحب بحر فرماتے ہیں کہ ان میں سے صرف دو صورتیں روزہ کو توڑنے والی ہیں: (۱) جان بوجھ کر منھ بھر کر قے کی ہو، (۲) جان بوجھ کر قے نہ کی ہو مگر بلا اختیار منھ بھر کر قے ہو جائے اور پھر اس کو حلق میں لوٹا لیا جائے ان صورتوں میں سب کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اگر جان بوجھ کر قے کی ہے مگر منھ بھر کر نہیں کی ہے تو ایسی صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ فاسد نہ ہوگا اور امام محمد کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۲۴۲)

مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

(۱۵/۵۶۸) وَمَنِ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ اَوِ الْحَدِيْدَ اَوِ النَّوَاةَ أَفْطَرَ وَقَضٰى

ترجمہ: (۱۵/۵۶۸) اور جو شخص نگل گیا کنکری یا لوہا یا گٹھلی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور وہ قضاء کرے۔

تشریح: اگر کوئی شخص کنکر یا لوہے کے ٹکڑے کو کھا گیا تو اس پر قضاء واجب ہوگی لیکن کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۱۶/۵۶۹) وَمَنْ جَامَعَ عَامِداً فِي أَحَدِ السَّبِيْلَيْنِ أَوْ اَكَلَ اَوْ شَرِبَ مَايُتَغَذّٰى بِهِ أَوْ يُتَدَاوىٰ بِهِ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ.

ترجمہ: (۱۶/۵۶۹) اور جس شخص نے صحبت کی جان بوجھ کر دونوں راستوں میں سے کسی ایک میں یا کھالی یا پی لی ایسی چیز جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو یا دوا کی جاتی ہو تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

تشریح: اگر کوئی شخص جماع کے ذریعہ فرض روزہ کو فاسد کر دے تو اس پر ائمہ اربعہ کے نزدیک کفارہ اور قضاء

دونوں واجب ہیں، لیکن اگر ایسی چیز کھائی یا پی جس کو لوگ کھایا کرتے ہیں، یا کوئی ایسی چیز ہے کہ یوں تو نہیں کھاتے لیکن بطور دوا کے ضرورت کے وقت کھاتے ہیں تو بھی روزہ جاتا رہا اب اس پر کفارہ لازم ہے یا صرف قضاء کافی ہے اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) امام شافعی وامام احمد کے نزدیک صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۲) حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک جس طرح جماع کیوجہ سے قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوجاتے ہیں اسی طرح کھانے وپینے کیوجہ سے قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوجاتے ہیں۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۳۵) دیکھئے کوکب، ج:۱، ص:۲۵۳، حاشیہ:۳)

مذہب اول کی دلیل: کفارہ کا ذکر حدیث میں صرف جماع کے ساتھ وارد ہوا ہے کھانے، پینے میں کفارہ کا وجوب کسی حدیث سے ثابت نہیں اور قیاس سے اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ (ترمذی ج:۱، ص:۱۵۴)

مذہب ثانی کی دلیل: کفارہ کے وجوب کی علت روزہ کا توڑنا ہے اور یہ علت کھانے پینے میں بھی پائی جاتی ہے ہمارے مذہب کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ إِنَّ رَجُلاً أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ (موطاء امام محمد ج:۱، ص:۱۷۷)

لفظ افطر اپنے عموم کیوجہ سے جماع وغیر جماع سب کو شامل ہے لہٰذا ہمارے اوپر قیاس کا الزام درست نہیں ہے۔

(۵۷۰/۱۷) وَالْكَفَّارَةُ مِثْلُ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ

ترجمہ: (۵۷۰/۱۷) اور روزہ کا کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح ہے۔

تشریح: جان بوجھ کر روزہ افطار کرنے پر جو کفارہ لازم ہوتا ہے اس میں ترتیب یہ ہے اور یہ ترتیب واجب ہے، اگر غلام آزاد کرنے کی طاقت ہے تو دوسری شکلیں اختیار کرنا جائز نہ ہوگا اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنا لازم ہوگا اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو آخری درجہ میں ۶۰ محتاجوں کو کھانا کھلانے کی اجازت ہے یہی ترتیب کفارۂ ظہار میں مذکور ہے۔

(۵۷۱/۱۸) وَمَنْ جَامَعَ فِي مَادُوْنَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ

ترجمہ: (۵۷۱/۱۸) اور جس نے صحبت کی شرمگاہ کے علاوہ میں اور انزال ہوگیا تو اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں ہے۔

تشریح: اس کی تشریح صفحہ ۲۷۶ مسئلہ ۷ کے تحت ملاحظہ فرمالی جائے۔

(۵۷۲/۱۹) وَلَيْسَ فِي إِفْسَادِ الصَّوْمِ فِي غَيْرِ رَمَضَانَ كَفَّارَةٌ

ترجمہ: (۱۹/۵۷۲) اور نہیں ہے رمضان کے علاوہ روزہ کے فاسد کرنے میں کفارہ۔

تشریح: اگر غیر رمضان میں روزہ رکھ کر اس کو جان بوجھ کر توڑ دیا تو اس کی وجہ سے اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ رمضان کے اندر روزہ توڑنا بڑا جرم ہے بہ نسبت غیر رمضان میں توڑنے کے۔

(۲۰/۵۷۳) وَمَنِ احْتَقَنَ اَوِ اسْتَعَطَ اَوْ اَقْطَرَ فِي اُذُنِهٖ اَوْ دَاوىٰ جَائِفَةً اَوْ آمَّةً بِدَوَاءٍ رَطْبٍ فَوَصَلَ إِلىٰ جَوْفِهٖ اَوْ دِمَاغِهٖ اَفْطَرَ.

ترجمہ: (۲۰/۵۷۳) اور جس نے حقنہ کرایا یا ناک میں یا کان میں دوا ڈالی یا تر دوا لگائی پیٹ یا سر کے زخم میں جو پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

تشریح: اگر روزہ دار نے پائخانہ کے راستہ سے دوا اندر پہنچائی (جس کو انیمہ کہتے ہیں) تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔

(۲) ناک میں دوا ڈالنے اور پانی پہنچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(۳) روزہ کی حالت میں کان میں تیل اور دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن پانی پہنچنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

(۴) پیٹ یا دماغ کے زخم میں دوا لگائی اور وہ پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۲۱/۵۷۴) وَإِنْ اَقْطَرَ فِي اِحْلِيْلِهٖ لَمْ يُفْطِرْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ يُفْطِرُ.

ترجمہ: (۲۱/۵۷۴) اور اگر دوا ٹپکا لے اپنے ذکر کے سوراخ میں تو روزہ نہیں ٹوٹے گا طرفین کے نزدیک اور امام ابو یوسف کے نے فرمایا کہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔

تشریح: اگر روزہ دار نے اپنے پیشاب گاہ کے سوراخ میں دوا ٹپکائی تو طرفین کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا۔

(۲۲/۵۷۵) وَمَنْ ذَاقَ شَيْئاً بِفَمِهٖ لَمْ يُفْطِرْ وَيُكْرَهُ لَهٗ ذَالِكَ

ترجمہ: (۲۲/۵۷۵) اور جس نے چکھی کوئی چیز اپنے منہ سے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا لیکن اس کے لئے یہ مکروہ ہے۔

تشریح: اگر کسی نے اپنے منہ سے کچھ چکھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن یہ عمل مکروہ ضرور ہے کیونکہ روزہ کو فساد پر پیش کرنا ہوا خواہ روزہ فرض ہو یا نفل البتہ اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو جائز ہے مثلاً کسی عورت کا خاوند بدمزاج ہو تو کھانے کا نمک چکھ لیا کرے اور یہی حکم باورچی نان بائی کا بھی ہے۔

(۵۷۶/۲۳) وَيُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَمْضَغَ لِصَبِيِّهَا الطَّعَامَ إِذَا كَانَ لَهَا مِنْهُ بُدٌّ (۵۷۷/۲۴) وَمَضْغُ الْعِلْكِ لَا يُفْطِرُ الصَّائِمَ وَيُكْرَهُ۔

ترجمہ: (۵۷۶/۲۳) اور مکروہ ہے عورت کے لئے اپنے بچے کے لئے کھانا چبانا جبکہ ہو اس کے لئے اس سے کوئی چارہ۔ (۵۷۷/۲۴) اور گوند چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن یہ مکروہ ہے۔

تشریح: روزہ کی حالت میں عورت کے لئے اپنے بچے کو کھانا چبا کر کھلانا مکروہ ہے، جبکہ وہاں کوئی ایسا آدمی بیٹھا ہے جس پر روزہ فرض نہ ہو اور وہ اس بچہ کو چبا کر کھلا سکتا ہے تو ایسی صورت میں عورت کا چبانا مکروہ ہے اور معذوری ہو جیسے کوئی عورت اپنے بچے کو چبا کر کھلانا چاہے اور کوئی بغیر روزہ دار نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ بچہ کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر روزے دار گوند چبا لے تو اس کا روزہ فاسد تو نہ ہوگا البتہ روزے دار کے لئے گوند چبانا مکروہ ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کچھ اجزاء حلق سے نیچے اتر جائیں اور اگر زبان سے لفافہ کا گوند چاٹ کر تھوک دیتا ہے اور پھر اس کے بعد تھوک نگل جاتا ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر بغیر تھوکے نگلتا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

(۵۷۸/۲۵) وَمَنْ كَانَ مَرِيضاً فِي رَمَضَانَ فَخَافَ إِنْ صَامَ إِزْدَادَ مَرَضُهُ أَفْطَرَ وَقَضٰى

ترجمہ: (۵۷۸/۲۵) اور جو شخص بیمار ہو رمضان میں اور ڈر ہو کہ اگر روزہ رکھا تو بیماری بڑھ جائے گی تو روزہ نہ رکھے اور قضاء کرے۔

تشریح: اب تک روزہ کے مسائل کا ذکر تھا اب ان اعذار کو بیان کریں گے جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے چنانچہ فرمایا کہ اگر بیماری کیوجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو یا بیماری بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے رمضان کے بعد اس کی قضا لازم ہے۔

(۵۷۹/۲۶) وَإِنْ كَانَ مُسَافِراً لَا يَسْتَضِرُّ بِالصَّوْمِ فَصَوْمُهُ أَفْضَلُ وَإِنْ أَفْطَرَ وَقَضٰى جَازَ

ترجمہ: (۵۷۹/۲۶) اور اگر کوئی مسافر ہے جس کو روزہ رکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی تو اس کو روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر افطار کرے اور قضاء کرے تو بھی جائز ہے۔

تشریح: مسافر شرعی کے لئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے پھر اگر کچھ تکلیف اور دقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھ لے۔

اختلاف الائمہ

اس پر اتفاق ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ افضل کیا ہے چنانچہ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام احمدؒ کے نزدیک مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنا زیادہ افضل اور اولیٰ ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۸، ص:۱۳۲)
(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک روزہ رکھنا افضل ہے لیکن اگر روزہ رکھنے میں مشقت ہو تو پھر روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔
(عمدۃ القاری ج:۸، ص:۱۳۲، معارف السنن ج:۶، ص:۴۸)

امام احمدؒ کا استدلال: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ. (ابوداؤد ج:۱، ص:۳۲۷) یعنی سفر میں روزہ نیکی نہیں ہے۔

جواب یہ روایت ایسے شخص کے بارے میں ہے جو سفر میں روزہ رکھ کر لب دم آ گیا تھا جیسا کہ روایت کے شروع کے الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں۔ (ابوداؤد ج:۱، ص:۳۲۷) اور ناقابل برداشت مشقت کی صورت میں سفر میں افطار کی افضلیت کے ہم بھی قائل ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ان تمام احادیث سے استدلال ہے جن میں حضورؐ اور صحابہ کرام سے روزہ رکھنا ثابت ہے۔ جیسا کہ ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے، ترمذی ج:۱، ص:۱۵۲۔

(۲۷/۵۸۰) وَإِنْ مَاتَ الْمَرِيْضُ اَوِ الْمُسَافِرُ وَهُمَا عَلٰى حَالِهِمَا لَمْ يَلْزَمْهُمَا الْقَضَاءُ (۲۸/۵۸۱) وَإِنْ صَحَّ الْمَرِيْضُ اَوْ أَقَامَ الْمُسَافِرِ ثُمَّ مَاتَا لَزِمَهُمَا الْقَضَاءُ بِقَدْرِ الصِّحَّةِ وَالْإِقَامَةِ.

ترجمہ: (۲۷/۵۸۰) اور اگر مر جائے بیمار یا مسافر حالانکہ وہ دونوں اپنی اسی حالت پر ہیں تو ان کے ذمہ قضاء لازم نہیں ہے، (۲۸/۵۸۱) اور اگر تندرست ہو جائے، بیمار یا مقیم ہو جائے، مسافر پھر مر گئے تو لازم ہوگی ان کو قضاء صحت اور اقامت کے بقدر۔

تشریح: اگر بیمار بیماری کے حالت میں مر گیا اور مسافر بحالت سفر مر گیا تو ان کے ذمہ قضاء لازم نہ ہوگی کیونکہ ان پر قضاء کا وجوب اس وقت ہے جبکہ مرض اور سفر کے ختم ہونے کے بعد اتنا زمانہ پالیں جس میں روزے رکھے جا سکیں اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ ان کو قضاء کا وقت بالکل نہیں مل سکا اس لئے ان پر قضاء لازم نہ ہوگی، لیکن اگر بیمار تندرست ہو گیا اور مسافر مقیم ہو گیا پھر وہ مر گئے تو ان پر قضاء کرنا لازم ہوگا، چنانچہ اگر تندرست ہونے کے بعد اور مقیم ہونے کے بعد اتنے دن زندہ رہا جتنے دن کے روزے فوت ہوئے تھے تو فوت شدہ تمام روزوں کی قضاء لازم ہے اور اگر چند دن زندہ رہا تو بقدر صحت اور بقدر اقامت روزوں کی قضاء لازم ہوگی۔

(۲۹/۵۸۲) وَقَضَاءُ رَمَضَانَ إِنْ شَاءَ فَرَّقَهُ وَإِنْ شَاءَ تَابَعَهُ (۳۰/۵۸۳) وَإِنْ أَخَّرَهُ حَتّٰى دَخَلَ رَمَضَانُ آخَرَ صَامَ رَمَضَانَ الثَّانِيَ وَقَضَى الْأَوَّلَ بَعْدَهُ وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۲۹/۵۸۲) اور رمضان کے قضاء روزے اگر چاہے متفرق طریقے سے رکھے اور اگر چاہے مسلسل رکھے۔ (۳۰/۵۸۳) اور اگر اتنی تاخیر کر دی کہ دوسرا رمضان آ گیا تو دوسرے رمضان کے روزے رکھے اور قضاء کرے

پہلے کی اس کے بعد اور اس پر فدیہ نہیں ہے۔

تشریح: جتنے روزے قضاء ہوگئے ہوں ان سب کو چاہے ایک دم رکھے یا تھوڑے تھوڑے کر کے رکھے دونوں طرح درست ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضاء ہو اور اس نے بلا عذر اتنی تاخیر کی کہ دوسرا رمضان آ پہنچا تو پھر اس پر جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضاء کیساتھ فدیہ بھی واجب ہے اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں صرف قضاء ہے فدیہ نہیں۔ (معارف السنن ج:٦،ص:٩٤)

(۵۸۴/۳۱) وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إِذَا خَافَتَا عَلَى وَلَدَيْهِمَا أَفْطَرَتَا وَقَضَتَا وَلَافِدْيَةَ عَلَيْهِمَا

ترجمہ: (۵۸۴/۳۱) اور حاملہ اور دودھ پلانیوالی عورت کو جب اپنے بچوں کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھیں دونوں قضاء کرلیں اور ان پر فدیہ نہیں ہے۔

تشریح: حاملہ اور مرضعہ عورت کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ اگر ان کو اپنے نفس پر کسی قسم کا خطرہ ہو تو ان کے لئے افطار کرنا جائز ہے، اس صورت میں وہ دونوں بعد میں روزوں کی قضاء کریں گی اور ان پر فدیہ نہ ہوگا، پھر اگر روزہ رکھنے سے حاملہ کو اپنے پیٹ کے بچہ کے اور دودھ پلانیوالی کو اپنے دودھ پیتے بچے کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اس صورت میں ان دونوں کے لئے افطار کرنا بالاتفاق جائز ہے، افطار کے بعد ان دونوں پر کیا واجب ہے، حنفیہ کے یہاں تو روزہ کی صرف قضاء ہے بعد میں فدیہ نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ دونوں قضاء بھی کریں گی اور فدیہ بھی دیں گی۔
(معارف ج:٦،ص:٦٠ نیل الاوطار ج:۴،ص:۲۴٦)

(۵۸۵/۳۲) وَالشَّيْخُ الْفَانِيْ الَّذِيْ لَايَقْدِرُ عَلَى الصِّيَامِ يُفْطِرُ وَيُطْعِمُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْناً كَمَا يُطْعَمُ فِي الْكَفَّارَاتِ

ترجمہ: (۵۸۵/۳۲) اور بہت بوڑھا آدمی جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے تو وہ افطار کرے اور کھانا کھلائے روزآنہ صرف ایک مسکین کو جیسے کفارات میں کھلایا جاتا ہے۔

تشریح: شیخ فانی یعنی اگر کوئی شخص بالکل بوڑھا اور ضعیف ہو جائے اور روزہ رکھنے کی قوت نہ ہو تو ایسے ضعیف کے لئے روزوں کا فدیہ ادا کرنا جائز ہے، فدیہ کی مقدار یہ ہے کہ ہر ایک روزہ کے عوض میں ایک صدقہ فطر یا اس کی قیمت فقراء کو دیدی جائے اور ایک صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں ہے جو موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷ گرام ٦۴۰ ملی گرام ہے۔

(۵۸٦/۳۳) وَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَأَوْصَى بِهِ أَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْناً نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ.

ترجمہ: (۵۸٦/۳۳) اور جو شخص مر گیا اور اس کے ذمہ رمضان کی قضاء تھی پھر وصیت کی فدیہ کی تو کھلائے

اس کی طرف سے اسکا ولی ہر دن ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں سے یا ایک صاع کھجور یا جو سے۔

تشریح: حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ولی پر فدیہ کے وجوب کے لئے میت کا وصیت کرنا شرط ہے اگر وصیت نہیں کی تب واجب نہیں اگر تبرعاً فدیہ دیا تو کافی ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ نیز وصیت کا نفاذ بھی ثلث مال کے اندر ہے اس سے زائد میں واجب نہیں، فدیہ کی مقدار وہی ہے جو اس سے پہلے مسئلہ میں گذر چکی ہے۔

(۳۴/۵۸۷) وَمَنْ دَخَلَ فِي صَوْمِ التَّطَوُّعِ ثُمَّ اَفْسَدَهُ قَضَاهُ.

ترجمہ: (۳۴/۵۸۷) اور جس نے نفلی روزہ شروع کر دیا پھر اس کو فاسد کر دیا تو اس کی قضاء کرے۔

تشریح: نفل روزہ شروع کرنے کے بعد لازم ہوتا ہے یا شروع کرنے کے بعد تکمیل کرنے اور توڑنے میں اختیار ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفل روزہ کو شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا لازم نہیں بلکہ توڑ دینے اور مکمل کرنے میں اختیار ہے لہٰذا عذر یا بلا عذر توڑ دینے سے قضاء لازم نہ ہوگی اسی طرح نماز نفل کا بھی حکم ہے۔ (اوجز ج:۳،ص:۷۲)

(۲) حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک نفل روزہ شروع کرنے کے بعد لازم اور واجب ہو جاتا ہے اگر مکمل کرنے سے پہلے توڑ دے گا تو قضاء واجب ہو جاتی ہے اور یہی حکم نفل نماز سے متعلق بھی ہے، حافظ نے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے کہ امام مالک سے منقول ہے اگر بلا عذر نفل روزہ توڑ دیا تو قضاء لازم ہوتی ہے، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے توڑ دیا جائے تو قضاء لازم نہیں ہوتی اور حنفیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں قضاء لازم ہوتی ہے۔ (اوجز المسالک ج:۳،ص:۷۲)

مذہب اول کی دلیل: حضرت ام ہانیؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں "**وَاِنْ كَانَ تَطَوُّعاً فَاِنْ شِئْتَ فَاقْضِيْهِ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا تَقْضِيْهِ**" (طحاوی ج:۱،ص:۳۸۱) اور اگر نفل روزہ ہے تو تم کو اختیار ہے کہ دل چاہے قضاء کر لو دل نہ چاہے تو قضاء کی ضرورت نہیں ہے، اس روایت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نفل روزہ رکھ لینے کے بعد مکمل کرنے سے پہلے توڑ دینا جائز ہے اور قضاء کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

جواب: ام ہانی کے روایت میں سند اور متن کے اعتبار سے اضطراب واقع ہے اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج:۸،ص:۱۸۱)

مذہب ثانی کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں اور حضرت حفصہؓ نے نفل روزہ رکھ لیا تھا اتفاق سے ہدیہ میں کھانے کی چیز آ گئی ہم دونوں نے روزہ توڑ کر اس میں سے کھا لیا، حضورؐ کو جب معلوم ہوا آپ نے فرمایا کہ اس کی جگہ دوسرا روزہ قضاء کر لینا۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۸۲) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل روزہ توڑ دینے سے قضا واجب ہو جاتی ہے۔

(۳۵/۵۸۸) وَاِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ اَوْ اَسْلَمَ الْكَافِرُ فِي رَمَضَانَ اَمْسَكَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَصَامَا بَعْدَهُ وَلَمْ يَقْضِيَا

مَامَضٰی.

ترجمہ: (۵۸۸/۳۵) اور جب بالغ ہوگیا بچہ یا مسلمان ہوگیا کافر رمضان میں تو وہ رکے رہیں دن کے باقی حصہ میں اور روزہ رکھیں اس دن کے بعد سے اور قضاء نہ کریں گذرے ہوئے دنوں کی۔

تشریح: رمضان کے دن میں ایک نابالغ بچہ بالغ ہوگیا یا کافر مسلمان ہوگیا تو یہ دونوں بقیہ دن میں کھانے، پینے اور صحبت وغیرہ سے پرہیز کریں تاکہ روزہ داروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے رمضان کے مقدس وقت کا حق پورا ہوجائے لیکن اس کے باوجود اگر کچھ کھاپی لیا تو ان پر اس دن کی قضاء واجب نہ ہوگی ہاں اس دن کے بعد جو رمضان کے ایام ہیں ان کا روزہ ان پر فرض ہوگا کیونکہ اب ان کے اندر روزہ کی اہلیت موجود ہے کہ عاقل بالغ مسلمان ہیں اور شرعی اعذار سے پاک ہیں۔

(۵۸۹/۳۶) وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ لَمْ يَقْضِ الْيَوْمَ الَّذِيْ حَدَثَ فِيْهِ الْإِغْمَاءُ وَقَضٰى مَابَعْدَهُ

ترجمہ: (۵۸۹/۳۶) اور جس شخص پر بے ہوشی طاری ہوگئی رمضان میں تو نہ قضاء کرے اس دن کے روزے کی جس میں بے ہوشی طاری ہوئی ہے اور قضاء کرے اس دن کے بعد کے دنوں کے روزہ کی۔

تشریح: اگر رمضان کے مہینہ میں طلوع فجر کے بعد کسی پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور کئی دن تک بے ہوش رہا تو جس دن بیہوشی شروع ہوئی ہے اس دن کی قضاء تو نہ کرے، لیکن اس کے بعد کے دنوں کی قضاء کرنا واجب ہوگا، چونکہ جس دن بیہوش رہا اس دن روزے کی نیت کے ساتھ روزہ کو توڑنیوالی چیزوں سے باز رہا اس لئے اس دن کی قضاء واجب نہ ہوگی اور اس سے بعد کے دنوں میں نیت نہیں پائی گئی اس لئے ان دنوں میں روزہ کو توڑنیوالی چیزوں سے رکنا روزہ شمار نہ ہوگا اور نیت اس لئے نہیں پائی گئی کہ بیہوشی طاری ہونا مانع نیت ہے۔

(۵۹۰/۳۷) وَإِذَا أَفَاقَ الْمَجْنُوْنُ فِي بَعْضِ رَمَضَانَ قَضٰى مَامَضٰى مِنْهُ وَصَامَ مَابَقِيَ.

ترجمہ: (۵۹۰/۳۷) اور جب افاقہ ہوجائے دیوانہ کو رمضان کے کسی حصہ میں تو گذرے ہوئے دنوں کی قضاء کرے اور باقی ایام کے روزے رکھے۔

تشریح: اگر مجنون کو رمضان کے کسی حصہ میں افاقہ ہوگیا تو گذرے ہوئے دنوں کی قضاء کرے اور آئندہ روزے رکھے کیونکہ جو شخص رمضان کے بعض ایام میں مجنون رہا اور پھر افاقہ ہوگیا تو اس کے حق میں روزہ واجب ہونے کا سبب (ماہِ رمضان کا آنا) پایا گیا لہٰذا اس کو پورے ماہ کے روزے رکھنے چاہئیں مگر چونکہ جنون کی وجہ سے بعض دنوں کے روزے نہیں رکھ سکا اس لئے ان کی قضاء کرے اور باقی کو ادا کرے۔

(۵۹۱/۳۸) وَإِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ اَوْ نُفِسَتْ أَفْطَرَتْ وَقَضَتْ إِذَا طَهُرَتْ

ترجمہ: (۵۹۱/۳۸) اور جب عورت کو حیض آ جائے یا وہ نفاس والی ہو جائے تو افطار کرے اور قضاء کرے جب پاک ہو جائے۔

تشریح: رمضان کے مہینہ میں اگر کسی عورت کو حیض کا خون آنے لگا یا بچہ کی پیدائش ہوگئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ حیض ونفاس کی حالت میں روزہ نہ رکھے اور ان روزوں کی رمضان بعد قضاء کرے۔

(۵۹۲/۳۹) وَإِذَا قَدِمَ الْمُسَافِرُ أَوْ طَهُرَتِ الْحَائِضُ فِيْ بَعْضِ النَّهَارِ أَمْسَكَا عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا .

ترجمہ: (۵۹۲/۳۹) اور جب واپس آ جائے مسافر یا پاک ہو جائے حائضہ دن کے بعض حصہ میں تو رکے رہیں کھانے اور پینے سے بقیہ دن۔

تشریح: اگر کوئی مسافر رمضان کے دن میں اپنے وطن واپس آیا یا حائضہ عورت پاک ہوگئی تو حنفیہ کے نزدیک ان دونوں پر دن کے باقی حصہ میں روزہ کو توڑنیوالی چیزوں سے رکنا واجب ہے۔

(۵۹۳/۴۰) وَمَنْ تَسَحَّرَ وَهُوَ يَظُنُّ أَنَّ الْفَجْرَ لَمْ يَطْلُعْ أَوْ أَفْطَرَ وَهُوَ يَرىٰ أَنَّ الشَّمْسَ قَدْ غَرَبَتْ ثُمَّ تَبَيَّنَ اَنَّ الْفَجْرَ كَانَ قَدْ طَلَعَ أَوْ أَنَّ الشَّمْسَ لَمْ تَغْرُبْ قَضٰى ذَالِكَ الْيَوْمَ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۵۹۳/۴۰) اور جس شخص نے سحری کھائی حال یہ ہے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ فجر طلوع نہیں ہوئی یا روزہ افطار کیا یہ خیال کر [illegible] کہ سورج غروب ہوگیا پھر معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی یا یہ کہ سورج غروب نہیں ہوا تھا تو اس دن کی قضاء کرے اور اس پر کفارہ نہیں ہے۔

تشریح: اگر کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور یہ خیال ہوا کہ ابھی رات باقی ہے، اس گمان پر سحری کھالی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو جانے کے بعد سحری کھائی تھی تو روزہ نہیں ہوا قضاء رکھے اور کفارہ واجب نہیں، لیکن پھر بھی کچھ کھائے پئے نہیں اور روزہ داروں کی طرح رہے اور اسی طرح اگر سورج غروب ہونے کے گمان سے روزہ کھول لیا پھر سورج نکل آیا تو روزہ جاتا رہا اس کی قضاء کرے کفارہ واجب نہیں اور جب تک سورج نہ ڈوب جائے کچھ کھانا پینا درست نہیں۔

(۵۹۴/۴۱) وَمَنْ رَاٰیْ هِلَالَ الْفِطْرِ وَحْدَهٗ لَمْ يُفْطِرْ

ترجمہ: (۵۹۴/۴۱) اور جس نے دیکھا عید کا چاند تنہا وہ افطار نہ کرے۔

تشریح: اگر کسی نے عید کا چاند تنہا دیکھا اس لئے اس کی گواہی کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا تو اس دیکھنے والے آدمی کو عید کرنا درست نہیں ہے صبح کو روزہ رکھے اور اپنے چاند دیکھنے کا اعتبار نہ کرے اور روزہ نہ توڑے۔

(۵۹۵/۴۲) وَإِذَا كَانَتْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ يَقْبَلِ الْإِمَامُ فِي هِلَالِ الْفِطْرِ إِلَّا شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ

وَامْرَأتَيْنِ (۵۹۶/۴۳) وَاِنْ لَمْ تَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ يُقْبَلْ اِلَّا شَهَادَةُ جَمَاعَةٍ يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبْرِهِمْ.

ترجمہ: (۵۹۵/۴۲) اور جب آسمان میں کوئی علت ہو تو نہ قبول کرے حاکم عید کے چاند میں مگر دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی۔ (۵۹۶/۴۳) اور اگر نہ ہو آسمان میں کوئی علت تو نہیں قبول کی جائے گی مگر ایک جماعت کی گواہی جن کی خبر پر یقین آجائے۔

تشریح: اس مسئلہ کی مکمل وضاحت صفحہ/۹۸ واذا کان فی السماء علة الخ کی تشریح کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔

باب الاعتکاف

یہ باب اعتکاف کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: مصنفؒ نے کتاب الصوم کی تکمیل کے لئے اخیر میں اعتکاف کا باب قائم کیا اس لئے کہ جس طرح فرض روزہ کا تعلق ماہ رمضان سے ہے اسی طرح اعتکاف بھی اس ماہ کے عشرۂ اخیر کی سنت ہے۔
(اللباب فی شرح الکتاب ج:۱ص:۱۶۲)

اعتکاف کی لغوی تعریف: کسی چیز کو لازم پکڑنا اور اپنے نفس کو اس پر جمانا۔

اصطلاحی تعریف: امام قدوری کے بقول شرعی معنی یہ ہیں کہ مسجد میں ٹھہرنا اعتکاف کی نیت سے روزہ کے ساتھ۔

اعتکاف کی فضیلت: جو شخص خلوص کے ساتھ رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرتا ہے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور دو حج اور دو عمرے کا ثواب ملتا ہے، نیز چالیس دن تک سرحد اسلام کے محافظ کا درجہ حاصل ہوتا ہے، اور جو چالیس دن تک سرحدِ اسلام کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے اس طرح پاک وصاف کردیتا ہے جیسا کہ نومولود بچہ کا حال ہوتا ہے۔ (ایضاح المسائل ص:۹۱)

(۵۹۷/۱) اَلْاِعْتِكَافُ مُسْتَحَبٌّ وَهُوَ اللُّبْثُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الصَّوْمِ وَنِيَّةِ الْاِعْتِكَافِ.

ترجمہ: (۵۹۷/۱) اعتکاف کرنا مستحب ہے اور وہ ٹھہرنا ہے مسجد میں روزہ کے ساتھ اور اعتکاف کی نیت کے ساتھ۔

تشریح: صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف مستحب ہے، مگر اصل یہ ہے کہ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: (۱) واجب، (۲) سنت، (۳) نفل۔

(۱) اعتکاف واجب: یہ نذر کا اعتکاف ہوتا ہے، خواہ ایک دن کی نذر ہو یا ایک ہفتہ کی یا ایک ماہ کی اس مدت کا پورا کرنا واجب اور ضروری ہے اس کے ساتھ روزہ رکھنا بھی لازم ہوتا ہے۔

(۲) اعتکاف سنت: یہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کے ساتھ خاص ہے یہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، یعنی محلہ کی مسجد میں ایک دو آدمی اعتکاف کرلیں گے تو پورے محلہ کی طرف سے ذمہ داری ادا ہو جائے گی اور اگر کسی نے بھی نہ کیا تو پورے محلہ پر ترک سنت مؤکدہ کا گناہ ہوگا اور اس کے ساتھ بھی روزہ شرط ہے، نیز بیس رمضان کو سورج ڈوبنے سے پہلے مسجد میں داخل ہونا لازم ہے۔

(۳) اعتکاف مستحب: اس کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں اور نہ پورا دن شرط ہے جتنا چاہے حسب استطاعت کرسکتا ہے۔

اس کے بعد صاحب قدوری اعتکاف کی شرطیں بیان کر رہے ہیں:

(۱) جس مسجد میں اعتکاف کیا جائے اس میں پانچوں وقت نماز باجماعت ہوتی ہو۔

(۲) اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا، چنانچہ بے ارادہ ٹھہر گیا تو اعتکاف نہ ہوگا۔

(۲/۵۹۸) وَيَحْرُمُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ الْوَطْئُ وَاللَّمْسُ وَالْقُبْلَةُ (۳/۵۹۹) وَإِنْ أَنْزَلَ بِقُبْلَةٍ أَوْ لَمْسٍ فَسَدَ إِعْتِكَافُهُ وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ.

ترجمہ: (۲/۵۹۸) اور حرام ہے اعتکاف کرنے والے پر صحبت کرنا، چھونا اور بوسہ لینا۔ (۳/۵۹۹) اور اگر انزال ہو جائے بوسہ لینے یا چھونے سے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اس پر قضاء لازم ہے۔

تشریح: حالت اعتکاف میں ہمبستری کرنا حرام ہے، دن میں ہو یا رات میں، بھول کر ہو یا جان کر خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ہر حال میں اعتکاف فاسد ہو جائیگا، ایسے ہی معتکف نے شرمگاہ کے علاوہ بیوی کے کسی دوسرے حصۂ بدن کے ساتھ مباشرت کی یا بوس وکنار کیا تو اگر انزال ہو جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں، اگر اعتکاف واجب یا سنت مؤکدہ تھا تو اس کی قضاء واجب ہوگی اور اگر نفل تھا تو اس کی قضاء لازم نہیں۔

(۴/۶۰۰) وَلَا يَخْرُجُ الْمُعْتَكِفُ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ أَوْ لِلْجُمُعَةِ

ترجمہ: (۴/۶۰۰) اور نہ نکلے معتکف مسجد سے مگر انسانی ضرورت سے یا جمعہ کے لئے۔

تشریح: اعتکاف نذر اور اخیر عشرہ کے اعتکاف میں بلاضرورت شرعیہ وطبعیہ خواہ جان کر نکلے یا بھول کر مفسد اعتکاف ہے، اپنی اعتکاف والی مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں نہ رات میں نہ دن میں ہر وقت اعتکاف گاہ میں رہے لیکن غسل واجب، نماز فرض یا نفل کے وضو کے لئے، پیشاب، پائخانہ کے لئے بقدر ضرورت مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے اور اسی طرح اگر اس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا ہے تو دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے جانا بھی جائز ہے، لیکن اس میں فضول وقت نہ گذارے بہت جلد واپس ہو جائے لیکن اگر دیہات کی مسجد میں اعتکاف کیا ہے تو جمعہ کے لئے باہر نکلنا درست نہیں ہے اس لئے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ج:۴، ص:۲۳۲، فتاویٰ محمودیہ ج:۳، ص:۱۷۵)

(۶۰۱/۵) وَلَابَأْسَ بِاَنْ يَبِيْعَ وَيَبْتَاعَ فِي الْمَسْجِدِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُحْضِرَ السِّلْعَةَ .

ترجمہ: (۶۰۱/۵) اور کوئی حرج نہیں ہے خرید وفروخت میں مسجد کے اندر بغیر سامان کو لائے۔

تشریح: تجارتی یا غیر تجارتی سامان مسجد میں لاکر بیچنا یا خریدنا معتکف کے لئے ناجائز ہے البتہ خرید وفروخت کا معاملہ جو اس کے لئے اور اس کے بال بچوں کے لئے ضروری ہے مسجد میں کیا جائے تو جائز ہے لیکن سامان مسجد میں نہ لائے۔ (کتاب الفقہ ج:۱،ص:۹۵۶)

(۶۰۲/۶) وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا بِخَيْرٍ وَيُكْرَهُ لَهُ الصَّمْتُ .

ترجمہ: (۶۰۲/۶) اور بات نہ کرے مگر بھلی اور مکروہ ہے معتکف کے لئے خاموش رہنا۔

تشریح: مسجد میں بری بات بولنا تو سبھی کے لئے ناجائز ہے مگر معتکف کے لئے خاص طور سے ممنوع ہے، اعتکاف کے آداب میں سے یہ ہے کہ اچھی بات کے سوا اور کوئی کلام نہ کرے اور چپ چاپ گم صم بیٹھنا اس خیال سے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے اعتکاف میں مکروہ ہے، اگر یہ خیال نہیں تھا تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے ہاں خاموش رہنا زبان کے گناہ سے بچنے کے لئے سب سے بڑی عبادت ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب ج:۱،ص:۱۶۳)

(۶۰۳/۷) فَاِنْ جَامَعَ الْمُعْتَكِفُ لَيْلاً اَوْ نَهَاراً نَاسِياً اَوْ عَامِداً بَطَلَ اِعْتِكَافُهُ .

ترجمہ: (۶۰۳/۷) اگر صحبت کرلے معتکف رات میں یا دن میں بھول کر یا جان کر تو باطل ہو جائے گا اس کا اعتکاف۔

تشریح: اس مسئلہ کی وضاحت ویحرم علی المعتکف کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

(۶۰۴/۸) وَلَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ سَاعَةً بِغَيْرِ عُذْرٍ فَسَدَ اِعْتِكَافُهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَايَفْسُدُ حَتّٰى يَكُوْنَ اَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ.

ترجمہ: (۶۰۴/۸) اور اگر نکل جائے مسجد سے تھوڑی دیر کے لئے بلا عذر تو فاسد ہو جائے گا اس کا اعتکاف امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ فاسد نہ ہوگا یہاں تک کہ باہر رہے آدھے دن سے زیادہ۔

تشریح: معتکف ایک منٹ کے لئے بھی بلا ضرورت شرعیہ وطبعیہ مسجد سے باہر نکل جائے تو امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا، صاحبین فرماتے ہیں کہ بلا کسی عذر کے آدھے دن سے کم تک مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اعتکاف کے فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، ترجیح امام اعظم کے قول کو ہے۔

(۶۰۵/۹) وَمَنْ اَوْجَبَ عَلٰى نَفْسِهِ اِعْتِكَافَ اَيَّامٍ لَزِمَهُ اِعْتِكَافُهَا بِلَيَالِيْهَا وَكَانَتْ مُتَتَابِعَةً وَاِنْ لَمْ يَشْتَرِطِ التَّتَابُعَ فِيْهَا.

ترجمہ: (۶۰۵/۹) اور جس شخص نے لازم کرلیا اپنے اوپر دنوں کا اعتکاف تو لازم ہوگا اس پر ان دنوں کا اعتکاف ان کی راتوں کے ساتھ اور ہوں گے اعتکاف کے دن لگا تار اگر چہ اس نے ان دنوں میں لگا تار کی شرط نہ کی ہو۔

تشریح: اگر کسی نے چند دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کیا اس طرح کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر دس دن کا اعتکاف لازم ہے، تو دس دن کا اعتکاف ان کی راتوں کیساتھ لازم ہوگا اور پے در پے لازم ہوگا اگر چہ پے در پے کی شرط نہ کی ہو ایام کے ذکر سے راتیں تو اس لئے شامل ہوں گی کیونکہ قاعدہ ہے کہ بصیغہ جمع ایام کا ذکر ان کے مقابل کی راتوں کو بھی شامل ہوتا ہے، اور پے در پے اس لئے لازم ہوگا کہ اعتکاف کا دارومدار ہی تسلسل پر ہے، کیونکہ رات دن کے تمام اوقات اعتکاف کے قابل ہیں۔

کتاب الحج

یہ کتاب حج کے احکام کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: روزہ ہر سال مکرر ہوتا ہے، اور حج مکرر نہیں ہوتا بلکہ عمر میں صرف ایک بار فرض ہے اس لئے روزہ کی جانب ضرورت زیادہ ہوگی بہ نسبت حج کے اور جس چیز کی جانب ضرورت زیادہ ہوتی ہے وہ مقدم ہونے کے زیادہ لائق ہے، اس لئے روزہ کو حج پر مقدم کر کے حج کو بعد میں بیان کیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۱۳۸۸ جز دوم)

حج کے لغوی معنی: قصد وارادہ کے ہیں۔ (الجوہرۃ النیرہ ج:۱،ص:۱۸۲)

اصطلاحی تعریف: مخصوص زمانہ میں مخصوص مقامات میں جا کر مخصوص افعال کو مخصوص طریقہ سے ادا کرنا۔
(اللباب ج:۱،ص:۱۶۴)

حج کس سن میں فرض ہوا: اس بارے میں متعدد اقوال ہیں: علامہ ابن عابدین شامی اور صاحب درمختار نے ۹ھ کے آخر میں حج کی فرضیت کے قول کو ترجیح دی ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ آپ نے اس سال حج اس وجہ سے نہیں کیا کہ حج کی فرضیت وقت حج گذرنے کے بعد ہوئی گویا آپ ﷺ نے حج کرنے میں تاخیر بالکل نہیں کی حنفیہ کا راجح قول یہی ہے۔ (درمختار مع الشامی ج:۲،ص:۱۹۰)

حج کی فرضیت قرآن سے: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا" (پ۴، آیت ۶) اور اللہ کے (خوش کرنے کے) واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا (فرض) ہے، (مگر سب کے ذمہ نہیں بلکہ خاص خاص کے) یعنی اس شخص کے لئے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک (پہنچنے) کے سبیل کی۔
(معارف القرآن مکتبہ رشیدیہ ج:۲،ص:۱۱۸)

حج کی فرضیت حدیث سے: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اے لوگو تم پر حج پر فرض کیا گیا ہے پس حج کرو۔ (مسلم شریف ج:۱،ص:۴۳۲)

حج کی فرضیت اجماع سے: حضورؐ کے زمانہ سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا فرضیت حج پر اتفاق چلا آرہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۷،ص:۴)

(۱/۶۰۶) اَلحَجُّ وَاجِبٌ عَلَى الْأَحْرَارِ الْمُسْلِمِيْنَ الْبَالِغِيْنَ الْعُقَلَاءِ الْاَصِحَّاءِ إِذَا قَدَرُوْا عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ فَاضِلاً عَنِ الْمَسْكَنِ وَمَالَا بُدَّ مِنْهُ وَعَنْ نَفَقَةِ عَيَالِهٖ إِلٰى حِيْنَ عَوْدِهٖ وَكَانَ الطَّرِيْقُ آمِناً.

ترجمہ: (۱/۶۰۶) حج واجب ہے آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل، اور تندرست پر جبکہ قادر ہوں یہ لوگ توشہ اور سواری پر جو زائد ہو رہنے کے گھر ضروریات کی چیزوں اور بال بچوں کے خرچ سے واپس آنے تک اور راستہ پر امن ہو۔

تشریح: یہ بات ذہن نشین رہے کہ عبارت میں واجب سے اصطلاحی واجب مراد نہیں ہے، بلکہ بمعنیٰ ثبوت اور لزوم مراد ہے، یعنی حج ثابت اور لازم ہے اس صورت میں یہ لفظ فرض کو بھی شامل ہوگا، وجوب حج کے لئے انسان کے اندر چار شرطوں کا موجود ہونا ضروری ہے، (۱) آزاد ہونا، لہٰذا غلام، باندی پر حج فرض نہیں ہے، (۲) مسلمان ہونا چنانچہ غیر مسلم پر حج فرض نہیں اور نہ ہی کسی غیر مسلم کے لئے حدود حرم کے دائرہ میں داخل ہونا جائز ہے، (۳) مکلف ہونا لہٰذا نابالغ، مجنون وغیرہ پر حج فرض نہیں ہے۔ (۴) مستطیع ہونا، یعنی حج ایسے مالدار پر واجب ہوتا ہے جس کو اللہ نے اتنی دولت عطا فرمائی ہے کہ جس سے وہ اپنے وطن سے مکۃ المکرمہ تک آنے جانے اور وہاں کے اخراجات پر قادر ہو اور اپنے بال بچوں کے مصارف بھی واپس آنے تک بآسانی برداشت کرسکتا ہو، اور راستہ کی ساری رکاوٹیں بھی ختم ہوں مثلاً حکومت کی جانب سے سفر کی منظوری ویزا اور سواری اور ٹکٹ کی فراہمی اور دشمن وغیرہ کے خطرات سے مامون ہونا اور خود کا لنگڑا، اپاہج نہ ہونا۔ (ایضاح الطحاوی ج:۳،ص:۳۰۴)

(۲/۶۰۷) وَيُعْتَبَرُ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ اَنْ يَّكُوْنَ لَهَا مَحْرَمٌ يَحُجُّ بِهَا أَوْ زَوْجٌ وَلَايَجُوْزُ لَهَا اَنْ يَّحُجَّ بِغَيْرِهِمَا إِذَا كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ مَسِيْرَةُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِداً.

ترجمہ: (۲/۶۰۷) اور اعتبار کیا جائے عورت کے حق میں یہ کہ ہو اس کا کوئی محرم جس کے ساتھ وہ حج کرے یا شوہر ہو اور جائز نہیں ہے عورت کے لئے حج کرنا ان دونوں کے علاوہ کے ساتھ جب کہ ہو اس کے اور مکہ کے درمیان تین یا اس سے زیادہ کی مسافت۔

تشریح: عورت پر حج فرض ہونے کے لئے ذاتی خرچہ کے علاوہ ساتھ میں جانیوالے محرم کا پورا سفر خرچ بھی مہیا ہونا لازم ہے، ورنہ عورت پر حج فرض نہیں ہوتا، عورت اپنے شوہر کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے، اور شوہر کے علاوہ ان تمام محارم مردوں کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوتا، مثلاً باپ، دادا، پردادا، بیٹے، پوتے، پڑپوتے، نواسے، داماد، خسر، خسر کا باپ، حقیقی بھائی، باپ شریک بھائی، ماں شریک بھائی چچا، تایا، ماموں، نانا، وغیرہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے۔

لیکن ماموں زاد، خالہ زاد، چچازاد، پھوپھی زاد، یہ شرعی محرم نہیں ہیں اس لئے ان کیساتھ تین روز سے زائد مسافت کا سفر کرنا جائز نہیں ہے، اگر سفر تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت کا ہے یعنی ۸۲ کلو میٹر ۲۹۶ میٹر سے زیادہ کا ہے تو حنفی مذہب کے مطابق عورت کا بلامحرم یا بلاشوہر اتنی لمبی مسافت کا سفر طے کر کے حج کو جانا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کرلے گی تو بالاتفاق اس کا حج درست ہوجائے گا، البتہ کراہت تحریمی کے ارتکاب کا گناہ ہوگا اور اسی پر حنفی مذہب کا فتویٰ ہے۔ (درمختار ج:۲ ص:۲۰۰) اور اگر مسافت تین دن سے کم کی ہے یعنی ۸۲ کلو میٹر ۲۹۶ میٹر سے کم کی ہے، اور فتنہ ومعصیت کا خطرہ بھی نہیں ہے تو امام اعظم کے مشہور قول کے مطابق بلامحرم اور بلاشوہر سفر کر کے حج کرنا بلاکراہت جائز ہے، اور غیر مشہور قول کے مطابق بلامحرم یا بلاشوہر حج کا سفر کرنا مکروہ ہے، اور فساد زمانہ کیوجہ سے اسی غیر مشہور قول پر فتویٰ دینا مناسب لکھا ہے، اور اسی پر عمل ہونا چاہئے۔ (شامی ج:۲ ص:۱۹۹)

بوڑھی عورت کے لئے بلامحرم سفر حج: بوڑھی عورت کے لئے غیر محرم کے ساتھ سفر حج کی حضرت تھانوی نے گنجائش لکھی ہے، لہٰذا ساٹھ ستر سال کی بوڑھی عورت بلامحرم اور بلاشوہر کی معیت کے سفر حج کرسکتی ہے، جب کہ فتنہ اور معصیت کا خطرہ نہ ہو۔ (امداد الفتاویٰ ج:۲ ص:۲۰۱)

(۳/۶۰۸) وَالْمَوَاقِيْتُ الَّتِىْ لَايَجُوْزُ أَنْ يَّتَجَاوَزَهَا الْإِنْسَانُ إِلَّا مُحْرِماً لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذُوالْحُلَيْفَةِ وَلِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتُ عِرْقٍ وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةُ وَلِأَهْلِ النَّجْدِ قَرْنٌ وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ (۴/۶۰۹) فَإِنْ قَدَّمَ الْإِحْرَامَ عَلٰى هٰذِهِ الْمَوَاقِيْتِ جَازَ.

ترجمہ: (۳/۶۰۸) اور وہ مواقیت کہ جن سے گزرنا جائز نہیں انسان کے لئے احرام باندھے بغیر، اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ ہے اور اہل عراق کے لئے عرق ہے اور اہل شام کے لئے جحفہ ہے اور اہل نجد کے لئے قرن ہے اور اہل یمن کے لئے یللم ہے، (۴/۶۰۹) چنانچہ اگر احرام باندھ لے ان مواقیت سے پہلے ہی تو یہ بھی جائز ہے۔

تشریح: مواقیت میقات کی جمع ہے، یہاں مجازاً وہ جگہیں مراد ہیں جہاں سے حجاج کرام احرام باندھتے ہیں۔

امام قدوری نے اس عبارت میں مواقیت کی تعداد پانچ بیان کی ہے:

(۱) ذوالحلیفہ: اس زمانہ میں اس کو آبارِ علی یا بئر علی سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ اہل مدینہ اور اس کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، تبوک اردن (جارڈن) وغیرہ سے آنے والوں کے لئے بھی میقات ہے۔

(۲) ذات عرق: یہ مکۃ المکرمہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے یہ اہل عراق، ایران، خراسان، افغانستان، ازبکستان، ترکمانستان، قزاقستان، روس اور چین سے خشکی کے راستے سے آنیوالوں کے لئے میقات ہے اس مقام پر ان لوگوں کے لئے احرام باندھنا لازم ہے۔ (ایضاح المناسک ص:۳۹، ایضاح الطحاوی ج:۳ ص:۳۲۰)

(۳) جحفہ: یہ مقام مکۃ المکرمہ سے پانچ چھ منزل کے فاصلہ پر ہے اس زمانہ میں یہ مقام ویران سا ہوگیا ہے یہ

اہل شام، مصر، سوڈان، اور براعظم افریقہ کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے نیز ملک شام کے بعد ترکستان، بلغاریہ، روم، جرمنی، فرانس سے آنیوالوں کے لئے میقات ہے۔

(ایضاح المناسک ص:۳۶، ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۱۹)

(۴) قرن: یہ مقام مکۃ المکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے یہ اہل نجد اور خلیجی ممالک اور اس طرف سے آنیوالوں کے لئے میقات ہے۔ (ایضاح المناسک ص:۳۶، ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۱۹)

(۵) یلملم: یہ مکۃ المکرمہ سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے یمن اور اس طرف سے آنے والوں کے لئے یہ میقات ہے، مسقط، پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، برما، سنگاپور، ملیشیا، انڈونیشیا، آسٹریلیا، وغیرہ سے بحری جہاز سے آنے والوں کے لئے یہ میقات ہے مگر جدہ اس کے محاذ میں پڑتا ہے، اس لئے بحری راستہ سے آنیوالوں کے لئے جدہ میں بھی احرام باندھنا جائز ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۲۰، ایضاح المناسک ص:۳۶)

ماقبل میں جو مواقیت بیان کئے گئے ہیں ان مواقیت سے بلا احرام تجاوز کرنا دو طریقے سے ہوسکتا ہے:

(۱) اپنے میقات سے بلا احرام تجاوز کر رہا ہے اور آئندہ سامنے کوئی دوسرا میقات بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں بلا احرام اگر اپنے میقات سے تجاوز کر جائے گا تو ائمہ اربعہ کے نزدیک اس پر ایک قربانی واجب ہوجائے گی۔

(۲) اپنے میقات سے بلا احرام تجاوز کر جاتا ہے اور آگے کوئی دوسرا میقات بھی ہے اور دوسرے میقات سے احرام باندھ لیتا ہے تو امام اعظم کے نزدیک یہ عمل مکروہ ہے، مگر دم واجب نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دم واجب ہوگا۔

(ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۲۵، اوجز المسالک ج:۳، ص:۳۳۳)

امام قدوری فرماتے ہیں کہ اپنے میقات پر آنے سے قبل اپنے گھر یا کسی اور مقام پر احرام باندھنا بلا کسی کراہت کے جائز ہے، حنفیہ و شافعیہ کا یہی مذہب ہے۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۳۳۵، ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۲۵)

(۶۱۰/۵) وَمَنْ كَانَ بَعْدَ الْمَوَاقِيْتِ فَمِيْقَاتُهُ الْحِلُّ (۶۱۱/۶) وَمَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَمِيْقَاتُهُ فِي الْحَجِّ الْحَرَمُ وَفِي الْعُمْرَةِ الْحِلُّ.

ترجمہ: (۶۱۰/۵) اور جو شخص رہتا ہو میقات کے بعد تو اس کی میقات حل ہے (۶۱۱/۶) اور جو شخص مکہ میں رہتا ہو تو اس کی میقات حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حل ہے۔

تشریح: حل کی تعریف: یہ حدود حرم سے باہر اور حدود میقات کے اندر کے درمیانی حصہ کو کہا جاتا ہے، اس کو حل اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حدود حرم کے برخلاف شکار وغیرہ کھیلنا حلال ہے۔

حرم کی تعریف: یہ مکۃ المکرمہ کے چاروں طرف کچھ دور دور تک زمین ہے، اور اس کے حدود پر نشانات لگے ہوئے ہیں ان نشانات کے اندرونی حصہ کو حرم کہا جاتا ہے۔ (مستفاد ایضاح المناسک ص:۳۸)

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جو شخص میقات کے اندر کا رہنے والا ہے اس کے احرام باندھنے کی جگہ حل ہے اور جو شخص مکہ میں موجود ہو خواہ مکہ کا باشندہ ہو یا مکہ میں وقتی طور سے مقیم ہو گیا ہو تو حج کرنیکی صورت میں اس کے احرام باندھنے کی جگہ حرم ہے، اور عمرہ کی صورت میں حدود حرم سے کسی جانب نکل کر حل میں احرام باندھ کر ارکان عمرہ ادا کرے

(۷/۶۱۲) وَإِذَا اَرَادَ الْاِحْرَامَ إِغْتَسَلَ أَوْ تَوَضَّأَ وَالْغُسْلُ أَفْضَلُ وَلَبِسَ ثَوْبَيْنِ جَدِيْدَيْنِ أَوْ غَسِيْلَيْنِ إِزَاراً وَرِدَاءً وَمَسَّ طِيْباً إِنْ كَانَ لَهُ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ ثُمَّ يُلَبِّيْ عَقِيْبَ صَلٰوتِهِ (۸/۶۱۳) فَإِنْ كَانَ مُفْرِداً بِالْحَجِّ نَوىٰ بِتَلْبِيَتِهِ الْحَجَّ.

ترجمه: اور جب ارادہ کرے احرام باندھنے کا تو غسل کرے یا وضوء کرے اور غسل کرنا افضل ہے، اور پہنے دو کپڑے نئے ہوں یا دھلے ہوئے ہوں، تہبند اور چادر اور خوشبو لگائے اگر ہو اس کے پاس اور دو رکعت نماز پڑھے اور کہے اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان کر دے اور میری طرف سے قبول کر لے پھر تلبیہ کہے اپنی نماز کے بعد۔ (۸/۶۱۳) چنانچہ اگر یہ شخص صرف حج کا ارادہ کرنے والا ہو تو نیت کرے اپنے تلبیہ سے صرف حج کی۔

تشریح: احرام کا مطلب یہ ہے کہ ایک مخصوص حالت اور مخصوص لباس کے ساتھ حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ پڑھ لیا جائے، احرام کی جو دو چادریں ہوتی ہیں وہ حقیقت میں احرام نہیں ہے بلکہ ان کو مجازاً احرام کہہ دیتے ہیں۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو وہ پہلے غسل کر لے یا وضو کر لے لیکن غسل کرنا افضل ہے، غسل کے بعد احرام کے دو کپڑے ایک کو لنگی کی جگہ پہن لیا جائے اور دوسرے کو چادر کی طرح اوڑھ لیا جائے وہ دونوں کپڑے خواہ دھلے ہوئے ہوں یا نئے ہوں اور اگر میسر ہو تو اپنے بدن کو خوشبو لگائے پھر دو رکعت نماز نفل پڑھ کر ان الفاظ سے دعاء مانگے ''اے اللہ! میرا ارادہ حج کرنے کا ہے اس کو میرے لئے آسان فرما، اور میری طرف سے قبول فرما'' جبکہ صرف حج کا ارادہ ہے عمرہ کا ارادہ نہیں ہے، اور یہ حج افراد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے صرف حج کا احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرمہ حاضر ہو کر طواف قدوم کر کے احرام کی حالت میں قیام کیا جائے اور یوم النحر کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی، اس کے بعد احرام کھول دیا جائے اور ایسے حاجی پر کوئی قربانی لازم نہیں ہے، صرف ایک سعی اور ایک طواف واجب ہے، دو رکعت نماز احرام ادا کرنے کے بعد نماز کا سلام پھیرتے ہی متصلاً اسی مجلس میں احرام کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھ لیا جائے احرام کی نماز اور احرام کی نیت و تلبیہ کے درمیان فاصلہ نہیں ہونا چاہئے، اگر بہت زیادہ فاصلہ ہو جائے گا تو سنت طریقہ سے احرام باندھنے کا جو حکم ہے اس پر عمل نہ ہوگا اور سنت طریقہ کے ثواب سے بھی محروم ہو جائے گا۔

احرام کے وقت خوشبو لگانا:

اگر احرام کے وقت ایسی خوشبو لگائی جس کا اثر و خوشبو بالکل ختم ہو جاتی ہے، تو سب کے نزدیک جائز ہے مگر

اختلاف اس بارے میں ہے کہ احرام کے وقت ایسی خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں جس کا اثر یا خوشبو دیر تک باقی رہ جاتی ہے تو اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک اور امام محمد کے نزدیک ایسی خوشبو لگانا جائز نہیں ہے جس کی خوشبو یا رنگ احرام کے بعد تک باقی رہ جاتا ہے۔ (اوجز المسالک ج:۳،ص:۳۲۱، نیل ج:۴،ص:۳۲۳)

(۲) ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک احرام کے وقت خوشبو لگانا مطلقاً جائز اور مستحب ہے خواہ احرام کے بعد اس کا رنگ یا خوشبو باقی رہ جائے یا ختم ہو جائے ہر حال میں جائز ہے۔ (اوجز ج:۳،ص:۳۲۱)

(۶۱۴/۹) وَالتَّلْبِيَةُ اَنْ يَّقُوْلَ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ وَلَايَنْبَغِيْ اَنْ يُخِلَّ بِشَيْءٍ مِّنْ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ فَإِنْ زَادَ فِيْهَا جَازَ.

ترجمہ: (۶۱۴/۹) اور تلبیہ یہ ہے کہ کہے تیرے دربار میں حاضر ہوتا ہوں، میں اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں بار بار حاضر ہوتا ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں، بے شک تو ہی حمد کے لائق ہے اور ساری نعمتیں آپ ہی کی عطاء کی ہوئی ہیں اور ملک بھی تیرا ہی ہے اس میں تیرا کوئی شریک نہیں اور مناسب نہیں ہے کم کرنا ان کلمات سے ہاں اگر کچھ زیادہ کردے تو جائز ہے۔

تشریح: بوقت احرام ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا فرض اور شرائط احرام میں سے ہے جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ دخول صلوٰۃ کے لئے شرط ہے اسی طرح حج میں تلبیہ دخول حج کے لئے شرط ہے، لہٰذا اگر تلبیہ نہیں پڑھے گا تو احرام صحیح نہ ہوگا اور نہ ہی حج یا عمرہ صحیح ہوگا اور بار بار تلبیہ کا تکرار سنت ہے۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مذکورہ کلمات میں سے کوئی کلمہ کم نہ کیا جائے کیونکہ یہ الفاظ منصوص اور متفق علیہ ہیں مگر اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان الفاظ پر کچھ الفاظ کی زیادتی جائز ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک الفاظ تلبیہ پر ایسے الفاظ کی زیادتی کی گنجائش ہے جو اللہ کی تعظیم پر دلالت کرتے ہوں۔

(۲) امام مالک اور امام ابو یوسف کے نزدیک الفاظ منصوصہ پر زیادتی مکروہ ہے اس سے گریز کرنا ضروری ہے۔
(عمدۃ القاری ج:۷،ص:۴۷، معارف السنن ج:۶،ص:۳۱۳)

(۶۱۵/۱۰) فَإِذَا لَبّٰى فَقَدْ أَحْرَمَ (۶۱۶/۱۱) فَلْيَتَّقِ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ مِنَ الرَّفَثِ وَالْفُسُوْقِ وَالْجِدَالِ (۶۱۷/۱۲) وَلَايَقْتُلُ صَيْداً وَلَايُشِيْرُ إِلَيْهِ وَلَايَدُلُّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۶۱۵/۱۰) پھر جب اس نے تلبیہ کہہ لیا تو محرم ہوگیا۔ (۶۱۶/۱۱) اب چاہئے کہ بچے ان چیزوں سے جن سے اللہ نے منع کیا ہے یعنی صحبت کرنے، جھوٹ بولنے، اور جھگڑنے سے۔ (۶۱۷/۱۲) اور نہ شکار کو قتل کرے اور نہ

اس کی طرف اشارہ کرے اور نہ اس پر راہنمائی کرے۔

تشریح: جس شخص نے احرام باندھنے کا ارادہ کیا جب اس نے نیت کی اور تلبیہ کہا تو وہ محرم ہوگیا احرام کے لئے نہ صرف نیت کافی ہے، اور نہ ہی صرف تلبیہ بلکہ جس طرح نماز میں داخل ہونے کے لئے تکبیر تحریمہ اور نیت دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری ہے، اسی طرح حج یا عمرہ میں داخل ہونے کے لئے تلبیہ اور نیت کا ایک ساتھ ہونا ضروری ہے۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ احرام باندھ کر ان تمام باتوں سے پرہیز کرے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے یعنی زبان سے گندی اور بیہودہ بات نکالنا اور معصیت وگناہ کرنا ایسے ہی اپنے ساتھی یا خادم وغیرہ سے جھگڑا کرنا یہ تمام باتیں عام حالات میں بھی ممنوع ہیں لیکن حالت احرام میں زیادہ تاکید ہے۔

ایسے ہی حالت احرام میں خشکی کے جانور کو قتل کرنا بھی حرام ہے، نیز محرم کے لئے نہ شکار کی طرف اشارہ کرنا جائز ہے، یعنی شکار سامنے موجود ہو اور اس کی طرف محرم اشارہ کرے یہ ناجائز ہے، اور اگر شکار تو سامنے موجود نہیں ہے لیکن شکار کے بارے میں محرم جانتا ہے اب وہ کسی غیر محرم سے یوں کہے کہ فلاں جگہ شکار ہے تو یہ راہنمائی بھی حرام ہے۔

(۱۳/۶۱۸) وَلَا يَلْبَسُ قَمِيْصاً وَلَاسَرَاوِيْلَ وَلَاعِمَامَةً وَلَاقَلَنْسُوَةً وَلَاقَبَاءً وَلَاخُفَّيْنِ إِلَّا أَنْ لَّايَجِدَ نَعْلَيْنِ فَيَقْطَعَهُمَا مِنْ أَسْفَلَ الْكَعْبَيْنِ.

ترجمہ: (۱۳/۶۱۸) اور نہ قمیص پہنے نہ پائجامہ نہ پگڑی باندھے، نہ ٹوپی اوڑھے نہ قباء (ایک لباس ہے جو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے) پہنے اور نہ موزے مگر یہ کہ نہ پائے جوتے چنانچہ کاٹ دے ان کو ٹخنوں کے نیچے سے۔

تشریح: احرام کی حالت میں اپنے بدن کی ساخت اور بناوٹ کے مطابق سلے ہوئے یا بنے ہوئے کپڑے پہننا مرد کے لئے جائز نہیں ہے، مثلاً کرتہ، پائجامہ، دستانہ، موزہ، بنیان، نیکر، ٹوپی، کوٹ، اچکن وغیرہ، احرام کا کپڑا ایسا ہونا ضروری ہے جو بدن کی ہیئت پر سلا ہوا نہ ہو جیسے چادر لنگی وغیرہ اگر محرم کے پاس جوتیاں نہ ہوں تو اس کو ایسے موزے پہننے کی اجازت ہے، جن کے کعبین سے نیچے کے حصہ کو کاٹ دیا گیا ہو اور کعب سے مراد ٹخنہ نہیں ہے بلکہ وسط قدم کی ہڈی ہے، عورت حالت احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے، اور زیورات، موزے، دستانے، پہن سکتی ہے۔

(۱۴/۶۱۹) وَلَا يُغَطِّيْ رَأْسَهُ وَلَاوَجْهَهُ (۱۵/۶۲۰) وَلَايَمَسُّ طِيْباً (۱۶/۶۲۱) وَلَا يَحْلِقُ رَأْسَهُ وَلَاشَعْرَ بَدَنِهِ وَلَايَقُصُّ مِنْ لِحْيَتِهِ وَلَامِنْ ظُفْرِهِ (۱۷/۶۲۲) وَلَايَلْبَسُ ثَوْباً مَصْبُوْغاً بِوَرْسٍ وَلَابِزَعْفَرَانٍ وَلَابِعُصْفُرٍ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ غَسِيْلاً وَلَايَنْفُضُ الصَّبْغَ.

ترجمہ: (۱۴/۶۱۹) اور نہ چھپائے اپنا سر اور چہرہ۔ (۱۵/۶۲۰) اور نہ لگائے خوشبو (۱۶/۶۲۱) اور نہ مونڈے اپنا سر اور نہ اپنے بدن کے بال اور نہ کاٹے اپنی ڈاڑھی کے بال اور نہ اپنے ناخن تراشے (۱۷/۶۲۲) اور نہ پہنے ورس زعفران، اور کسم سے رنگا ہوا کپڑا مگر یہ کہ دھلا ہوا ہو اور رنگ نہ جھڑتا ہو۔

تشریح: حالت احرام میں مرد کے لئے سر چھپانا جائز نہیں اسی طرح چہرہ کا چھپانا بھی جائز نہیں ہے، امام قدروی فرماتے ہیں کہ حالت احرام میں خوشبو لگانا ممنوع ہے، مرد وعورت دونوں کا حکم یکساں ہے ایسے ہی محرم اپنے سر اور بدن کے بال بھی نہ مونڈے اور اپنی ڈاڑھی بھی نہ کترے اور نہ ناخن تراشے، محرم کو ایسا کپڑا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے جو ورس یا زعفران یا کسم سے رنگا ہوا ہو لیکن اگر ان چیزوں سے رنگنے کے بعد دھو کر ایسا صاف کر دیا گیا ہے کہ اس سے خوشبو نہیں آتی تو اس کا پہننا محرم کے لئے بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

ورس: ایک عمدہ خوشبو دار گھاس ہے جو یمن میں پیدا ہوتی ہے۔

عصفر: کسم گھاس کا نام ہے، زرد رنگ۔

(۶۲۳/۱۸) وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَّغْتَسِلَ وَيَدْخُلَ الْحَمَّامَ

ترجمہ: (۶۲۳/۱۸) اور کوئی حرج نہیں ہے غسل کرنے اور حمام میں داخل ہونے میں۔

تشریح: حالت احرام میں محرم کے لئے غسل کرنا جائز ہے، اور گرم پانی سے غسل کرنے کے واسطے حمام میں داخل ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(۶۲۴/۱۹) وَيَسْتَظِلَّ بِالْبَيْتِ وَالْمَحْمِلِ.

ترجمہ: (۶۲۴/۱۹) اور سایہ حاصل کر سکتا ہے بیت اللہ کا اور کجاوہ کا۔

تشریح: سایہ حاصل کرنے کی تین صورتیں ہیں: (۱) کوئی رومال وغیرہ سر پر ڈالنا، (۲) کسی چھت کے نیچے یا خیمہ کے اندر بیٹھ کر سایہ کر حاصل کرنا، (۳) چھتری یا پالان یا ہودج وغیرہ سے سایہ حاصل کرنا، پہلی قسم بالاتفاق جائز ہے، تیسری قسم بالاتفاق جائز ہے، دوسری قسم میں اختلاف ہے حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک واحمد کے نزدیک ناجائز ہے۔ (درمنضود، ج:۳، ص:۲۱۳/۲۱۴)

موالک وحنابلہ کی دلیل: حضرت ابن عمرؓ نے ایک محرم کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھا اور اس نے اپنے اوپر سایہ کر رکھا تھا اس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا جس ذات کے لئے تو نے احرام باندھا ہے اس کے لئے دھوپ میں ہو جا یعنی سایہ مت کر۔ (بذل المجہود ج:۳، ص:۱۲۲)

جواب: ممکن ہے آپؓ نے بیان افضل کے لحاظ سے فرمایا ہو۔ (بذل المجہود ج:۳، ص:۱۲۲)

حنفیہ وشافعیہ کی دلیل: حضرت اسامہ وبلال سفر حج میں حضور کی سواری کے ساتھ تھے حضرت اسامہؓ آپ کے سر کے اوپر کپڑے سے سایہ کئے ہوئے تھے یہاں تک آپ جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہوئے۔ (بذل ج:۳، ص:۱۲۲)

(۶۲۵/۲۰) وَيَشُدُّ فِي وَسْطِهِ الْهِمْيَانَ

ترجمہ: (۲۰/ ۶۲۵) اور باندھ سکتا ہے اپنی کمر سے ہمیانی۔

تشریح: ہمیان، وہ پٹی جو بٹوے یا تھیلی کا کام دے جس میں روپیہ پیسہ رکھ کر کمر سے باندھ لیا جاتا ہے، ہمارے نزدیک ہمیان کو کمر سے باندھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲۱/ ۶۲۶) وَلَایَغْسِلُ رَأْسَهٗ وَلَالِحْیَتَهٗ بِالْخِطْمِیِّ

ترجمہ: (۲۱/ ۶۲۶) اور نہ دھوئے اپنا سر اور ڈاڑھی خطمی سے۔

تشریح: محرم کو اپنا سر اور ڈاڑھی خطمی سے دھونا جائز نہیں ہے کیونکہ خطمی ایک طرح کی خوشبو ہے اور محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں ہے۔

(۲۲/ ۶۲۷) وَیُکْثِرُ مِنَ التَّلْبِیَةِ عَقِیْبَ الصَّلَوَاتِ وَکُلَّمَا عَلَا شَرَفاً أَوْ هَبَطَ وَادِیاً أَوْ لَقِیَ رُکْبَاناً وَبِالْاَسْحَارِ.

ترجمہ: (۲۲/ ۶۲۷) اور بکثرت تلبیہ پڑھے نمازوں کے بعد اور جب کسی بلندی پر چڑھے یا کسی پستی میں اترے یا سواروں سے ملاقات ہو اور صبح کے وقت۔

تشریح: محرم نمازوں کے بعد کثرت سے تلبیہ پڑھے نمازیں خواہ فرض ہوں یا نوافل ہوں ادا ہوں یا قضاء ہوں ایسے ہی جب کسی بلند جگہ پر چڑھے یا کسی پستی میں اترے یا سوراوں سے ملاقات ہو تو ان تمام حالتوں میں کثرت سے تلبیہ پڑھے ایسے ہی صبح کے وقت بھی کیونکہ صحابہ کرام ان حالتوں میں بکثرت تلبیہ پڑھتے تھے۔

(۲۳/ ۶۲۸) فَإِذَا دَخَلَ بِمَکَّةَ إِبْتَدَأَ بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَإِذَا عَایَنَ الْبَیْتَ کَبَّرَ وَهَلَّلَ

ترجمہ: (۲۳/ ۶۲۸) پھر جب داخل ہو مکہ میں تو جائے پہلے مسجد حرام میں پھر جب دیکھے بیت اللہ کو تو تکبیر وتہلیل کہے۔

تشریح: مکۃ المکرمہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو اور مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہونا مستحب ہے، جب بیت اللہ آنکھوں سے نظر آئے تو اللہ اکبر کہے اور لا الہ الا اللہ کہے۔

مسجد حرام: یہ بیت اللہ شریف کے چاروں طرف بنی ہوئی مسجد ہے اس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

باب السلام: یہ مسجد حرام کے اس دروازہ کا نام ہے جو صفا مروہ کی طرف سے داخل ہونے میں پڑتا ہے۔

تکبیر: اس کے معنی اللہ اکبر کہنے اور تکبیر تشریق کے الفاظ پڑھنے کے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج:۱۶،ص:۵۴۱)

(۲۴/ ۶۲۹) ثُمَّ ابْتَدَأَ بِالْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَاسْتَقْبَلَهٗ وَکَبَّرَ وَهَلَّلَ (۲۵/ ۶۳۰) وَرَفَعَ یَدَیْهِ مَعَ التَّکْبِیْرِ

وَاسْتَلَمَهُ وَقَبَّلَهُ إِنِ اسْتَطَاعَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُؤْذِيَ مُسْلِماً .

ترجمہ: (۶۲۹/۲۴) پھر حجر اسود سے شروع کرے پہلے اس کا استقبال کرے اور تکبیر و تہلیل کہے۔ (۶۳۰/۲۵) اور دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیر کے ساتھ اور استلام کرے اور چومے اگر ہو سکے کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر۔

تشریح: مسجد حرام میں داخل ہونے والے کا سب سے پہلا کام طواف ہے، اور طواف کی ابتداء حجر اسود سے کرے حجر اسود کے مقابل کھڑا ہو کر با قاعدہ سینہ اور چہرہ کو حجر اسود کی طرف کر کے نماز میں تکبیر تحریمہ کی طرح دونوں ہاتھوں کو کانوں یا مونڈھوں تک اٹھا کر تکبیر کہہ کر طواف شروع کرنا مسنون ہے، اور طواف کی نیت بھی حجر اسود کے استقبال کے وقت کرنا مسنون ہے، کیونکہ حضورؐ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو آپ نے حجر اسود سے ابتداء فرمائی اور حجر اسود کی جانب متوجہ ہو کر تکبیر و تہلیل کہی۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ طواف کے شروع میں تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے اور حجر اسود کا استلام کرے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے بغیر اور اگر گنجائش نہ ہو بلکہ بھیڑ ہو تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر تکبیر و تہلیل کہہ لے۔

حجر اسود: جنت کے یاقوت کا ایک پتھر ہے اس کے نور کو خداوند کریم نے ختم کر کے دنیا میں اتارا ہے اگر اس کے نور کو ختم نہ کیا جاتا تو مشرق و مغرب اس کی روشنی سے منور ہو جاتے، جس وقت اتارا گیا دودھ کے مانند سفید تھا مگر انسانوں کی غلطیوں نے اس کو سیاہ کر دیا ہے۔ (ترمذی ج:۱ص:۱۷۷) یہ بیت اللہ شریف کے مشرقی جنوبی گوشہ میں قد آدم کے قریب اونچائی پر دیوار میں گڑا ہوا ہے اس کے چاروں طرف چاندی کا حلقہ چڑھا ہوا ہے، اور حجر اسود کو کسی زمانہ میں بلوائیوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا ان ٹکڑوں میں سے چھوٹے بڑے گیارہ ٹکڑے اس وقت چاندی کے حلقہ کے اندر جڑے ہوئے ہیں لہٰذا اگر کوئی حلقہ کے اندر بوسہ دے گا تو حجر اسود کو بوسہ دینا لازم نہ ہوگا بلکہ حجر اسود پر بوسہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ پتھر کے ان ٹکڑں پر بوسہ دیا جائے۔

استلام: اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو حجر اسود پر رکھ کر حجر اسود کو منھ سے بوسہ دیا جائے یا حجر اسود پر ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لیا جائے اور اگر قریب نہ جا سکے تو دور ہی سے ہاتھ سے اشارہ کر کے ہاتھ کو چوم لیا جائے۔

(مسلم الحجاج ۱۳۲)

(۶۳۱/۲۶) ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ مَايَلِي الْبَابَ (۶۳۲/۲۷) وَقَدِ اضْطَبَعَ رِدَائَهُ قَبْلَ ذَالِكَ .

ترجمہ: (۶۳۱/۲۶) پھر شروع کرے اپنی داہنی طرف سے جہاں سے بیت اللہ کا دروازہ ہے۔ (۶۳۲/۲۷) حال یہ ہے کہ وہ اپنی چادر کا اضطباع کر چکا ہے۔

تشریح: طواف جس طرح حجر اسود سے شروع کرنا واجب ہے اسی طرح دائیں جانب سے طواف کرنا واجب ہے یعنی حجر اسود سے دائیں جانب جہاں سے بیت اللہ کا دروازہ ہے اس جانب سے طواف شروع کرے۔

اضطباع کا حکم: اس کا مطلب یہ ہے کہ احرام کی چادر کو داہنی بغل میں سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لینا اور داہنا کندھا کھلا رہنے دینا اور اضطباع طواف کے ساتوں چکر میں کرنا مسنون ہے، اور ہر اس طواف میں اضطباع سنت ہے جو احرام کی حالت میں کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ (معلم الحجاج ر۱۲۶)

(۲۸/۶۳۳) فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ وَيَجْعَلُ طَوَافَهُ مِنْ وَرَاءِ الْحَطِيْمِ (۲۹/۶۳۴) وَيَرْمُلُ فِي الْاَشْوَاطِ الثَّلٰثِ الْاُوَلِ وَيَمْشِيْ فِي مَا بَقِيَ عَلٰى هَيْئَتِهٖ (۳۰/۶۳۵) وَيَسْتَلِمُ الْحَجَرَ كُلَّمَا مَرَّ بِهٖ اِنِ اسْتَطَاعَ (۳۱/۶۳۶) وَيَخْتِمُ الطَّوَافَ بِالْاِسْتِلَامِ.

ترجمہ: (۲۸/۶۳۳) پھر بیت اللہ کے چاروں طرف سات چکر لگائے اور کرے طواف حطیم سمیت۔ (۲۹/۶۳۴) اور اکڑتا ہوا چلے پہلے تین چکروں میں اور چلے باقی چکروں میں اپنی ہیئت پر (۳۰/۶۳۵) اور استلام کرے حجر اسود کا جب بھی اس کے پاس سے گذرے اگر ہو سکے (۳۱/۶۳۶) اور ختم کرے طواف کو استلام پر۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ طواف حطیم کے باہر سے کیا جائے گا نہ کہ حطیم کے اندر داخل ہو کر چنانچہ اگر طواف کرنیوالا اس کشادگی میں داخل ہوا جو حطیم اور بیت اللہ کے درمیان ہے تو طواف جائز نہ ہوگا جیسا کہ اللباب ج:ا ص:۱۶۹ پر لکھا ہے۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ پہلے تین چکروں میں اکڑ کر چلے اور باقی چار چکروں میں سکون اور وقار کے ساتھ چلے، ہر شوط اور ہر چکر کے ختم پر حجر اسود کا استلام مسنون ہے اور ایسے ہی ہر طواف کی ابتداء اور انتہاء میں حجر اسود کا استلام مسنون ہے۔

رمل: مونڈھے ہلاتے ہوئے اکڑ اکڑ کر چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ ذرا تیز رفتار چلنا جس طرح مقابلہ کے وقت پہلوان چلتے ہیں۔

حطیم: بیت اللہ شریف کی جانب شمال میں بیت اللہ سے متصل قد آدم دیوار سے گھرا ہوا حصہ ہے یہ درحقیقت بیت اللہ کا حصہ ہے، جب قریش مکہ نے حضور کو سینتیس سال کی عمر میں زمانۂ اسلام سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی تو حلال پیسہ کی کمی کی وجہ سے یہ حصہ چھوڑ دیا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے منشاء نبوت کے مطابق اس کو خانہ کعبہ میں شامل فرمایا تھا مگر حجاج بن یوسف نے اس کو ختم کر کے پرانی تعمیر کی ہم شکل بنا دیا ہے پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے منشاء نبوت کے مطابق دوبارہ تعمیر کا ارادہ فرمایا تھا مگر اس زمانہ میں اسلامی بادشاہت کے مفتی حضرت امام مالک تھے انھوں نے فتویٰ دیا کہ اب قیامت تک کے لئے ترمیم جائز نہ ہوگی، ورنہ ہر زمانہ کے آنیوالے بادشاہ خانہ کعبہ میں ترمیم کرتے جائیں گے تو خانہ کعبہ بادشاہوں کا کھلواڑ بن کر رہ جائے گا اس لئے اسی حالت میں قیامت تک باقی رہے گا۔

(۳۲/۶۳۷) ثُمَّ يَاْتِي الْمَقَامَ فَيُصَلِّيْ عِنْدَهٗ رَكْعَتَيْنِ اَوْ حَيْثُ مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ (۳۳/۶۳۸) وَهٰذَا

الطَّوَافُ طَوَافُ الْقُدُوْمِ وَهُوَ سُنَّةٌ لَيْسَ بِوَاجِبٍ وَلَيْسَ عَلٰى أَهْلِ مَكَّةَ طَوَافُ الْقُدُوْمِ.

ترجمہ: (۳۲/ ۶۳۷) پھر آئے مقام ابراہیم پر اور پڑھے اس کے پاس دو رکعت یا جہاں میسر ہو مسجد حرام میں (۳۳/ ۶۳۸) اور یہ طواف قدوم ہے اور یہ سنت ہے واجب نہیں ہے اور اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں ہے۔

تشریح: طواف سے فراغت پا کر مقام ابراہیم کے پاس یا مسجد حرام میں جہاں میسر ہو دو رکعت نماز پڑھے یہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔

مصنف نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ابتداءً داخل ہونے پر جو طواف ہے اس کو طواف قدوم کہتے ہیں میقات کے باہر سے آنیوالے مفرد بالحج یا قارن حرم شریف میں داخل ہوتے ہی فوراً ایک طواف بطور نفل کریں گے اس کو طواف قدوم کہتے ہیں، اہل مکہ اور وہ آفاقی جو تمتع یا عمرہ کرنے والے ہوں ان کے لئے یہ طواف مسنون نہیں ہے۔

مقام ابراہیم علیہ السلام: یہ جنت کا وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی ہے، یہ پتھر آج بھی اپنی حالت میں باقی ہے اور اس میں دو قدم بنے ہوئے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشان ہیں کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے اس پتھر کو شیشے میں رکھا گیا ہے، پھر اس شیشے کو پیتل اور تانبے کی جالی سے گھیر دیا گیا ہے اور جالیوں سے اچھی طرح نظر آتا ہے، ترمذی ج:۱ ص:۱۷۷ میں ہے کہ یہ جنت کا یاقوتی پتھر ہے اس کی چمک کو اللہ نے ختم فرکر دنیا میں اتارا ہے اگر اس کے نور کو ختم نہ کیا جاتا تو مشرق و مغرب اس کی روشنی سے منور ہو جاتے انتہیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے، تو یہ پتھر خود بخود آپ کو لے کر حسب ضرورت اونچا ہو جاتا تھا اس پتھر کے پاس دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں قرآن کریم میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے۔ (معارف السنن ج:۶ ص:۴۲۲)

(۳۴/ ۶۳۹) ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّفَا فَيَصْعَدُ عَلَيْهِ وَيَسْتَقْبِلُ الْبَيْتَ وَيُكَبِّرُ وَ يُهَلِّلُ وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَدْعُوْ اللّٰهَ تَعَالٰى لِحَاجَتِهٖ (۳۵/ ۶۴۰) ثُمَّ يَنْحَطُّ نَحْوَ الْمَرْوَةِ وَيَمْشِيْ عَلٰى هَيْنَتِهٖ فَإِذَا بَلَغَ إِلٰى بَطْنِ الْوَادِيْ سَعٰى بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْاَخْضَرَيْنِ سَعْياً حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَرْوَةَ فَيَصْعَدُ عَلَيْهَا وَيَفْعَلُ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا (۳۶/ ۶۴۱) وَهٰذَا شَوْطٌ فَيَطُوْفُ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ يَبْتَدِئُ بِالصَّفَا وَيَخْتِمُ بِالْمَرْوَةِ.

ترجمہ: (۳۴/ ۶۳۹) پھر نکلے صفاء پہاڑ کی طرف اور اس پر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے تکبیر و تہلیل کہے اور رسول اللہ پر درود بھیجے اور اپنی ضرورت کے لئے اللہ سے دعاء مانگے۔ (۳۵/ ۶۴۰) پھر مروہ کی طرف اتر جائے اور سکون کے ساتھ پر وقار انداز میں چلے پھر جب بطن وادی میں پہنچے تو دوڑے میلین اخضرین کے درمیان خوب یہاں تک کہ آئے مروہ تک پھر اس پر چڑھے اور کرے جس طرح کیا تھا صفاء پر۔ (۳۶/ ۶۴۱) اور یہ ایک چکر ہے پھر طواف

کرے سات چکر شروع کرے صفاء سے اور ختم کرے مروہ پر۔

تشریح: طواف قدوم سے فارغ ہوکر صلاۃ طواف اور دعاء کے بعد آب زمزم پی لیا جائے اس کے بعد حجر اسود کا استلام کر کے مسجد حرام سے نکلے اس کے بعد صفاء پہاڑی کے دامن پر کھڑے ہوکر قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعائیں مانگے اور تکبیر وتہلیل پڑھ کر سعی شروع کردے اور جب ہرے کھمبے کے پاس پہنچ جائے تو دوڑنے کے قریب تیز چلے جب مروہ پر پہنچے گا تو ایک چکر مکمل ہو جائے گا پھر اسی طرح مروہ سے صفا پر آئے گا تو دوسرا چکر پورا ہوگا اسی طرح سات چکر مروہ پر جا کر پورے ہوجائیں گے اور آخر میں قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر اللہ سے مرادیں مانگے اور تکبیر وتہلیل پڑھے۔

میلین اخضرین کے درمیان ہر چکر میں دوڑنا: صفا ومروہ کے درمیان دو ہرے کھمبے ہیں ان کو میلین اخضرین کہا جاتا ہے، جب سعی کرتے ہوئے ہرے ستون کے پاس پہنچ جائے خوب تیز چلے اور تیز رفتاری کا سلسلہ دوسرے ستون کے بعد چھ ہاتھ تک جاری رکھے، باقاعدہ دوڑنا نہیں چاہئے بلکہ دوڑنے کے قریب تیز چلنا مسنون ہے۔

سعی بین الصفا والمروہ: صفا اور مروہ دو چھوٹی پہاڑیاں ہیں جو مسجد حرام سے متصل ہیں جہاں بئر زمزم ہے وہاں پر حضرت اسماعیلؑ کو رکھ کر حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھی تھیں اور حضرت ہاجرہ اپنے اندر بہت زیادہ للّٰہیت رکھتی تھیں اور سخت پریشانی کے عالم میں دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑ دوڑ کر پانی تلاش کررہی تھیں اللہ تعالیٰ کو ان کا دوڑنا اس قدر پسند آیا کہ قیامت تک کے لئے تمام امت پر اس عمل کو واجب اور لازم فرمادیا ہے یہ عمل حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے فرض نہیں ہے البتہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکن اور فرض ہے۔
(ایضاح المناسک ۱۳۱)

(۶۴۲/۳۷) ثُمَّ يُقِيمُ بِمَكَّةَ مُحرِماً فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ كُلَّمَا بَدَا لَهُ

ترجمہ: (۶۴۲/۳۷) پھر ٹھہرا رہے مکۃ المکرمہ میں حالت احرام میں اور بیت اللہ کا طواف کرے جب جب اس کا جی چاہے۔

تشریح: طواف قدوم اور سعی سے فراغت کے بعد یہ شخص بحالت احرام مکۃ المکرمہ میں قیام کرے کیونکہ اس نے حج ادا کرنے کے ارادہ سے احرام باندھا ہے اس لئے بغیر افعال حج ادا کئے احرام سے نہ نکلے یعنی ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے احرام سے باہر ہوجاتا ہے، البتہ اس مدت قیام میں جب جی چاہے طواف کرتا رہے۔

(۶۴۳/۳۸) وَإِذَا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ خَطَبَ الْإِمَامُ خُطْبَةً يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهَا الْخُرُوجَ إِلَى مِنٰى وَالصَّلٰوةَ بِعَرَفَاتٍ وَالْوُقُوفَ وَالْإِفَاضَةَ.

ترجمہ: (۶۴۳/۳۸) اور جب یوم ترویہ سے ایک دن پہلے کا وقت ہو تو خطبہ پڑھے امام ایک جس میں

سکھلائے لوگوں کو منیٰ کی طرف نکلنا عرفات کے میدان میں نماز پڑھنا عرفات میں ٹھہرنا اور وہاں سے روانہ ہونا۔

تشریح: ساتویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز کے بعد امام ایک خطبہ دے گا جس میں وہ لوگوں کو افعال حج کی تعلیم دے گا مثلاً منیٰ کی جانب جانا میدان عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھنا عرفات میں وقوف کرنا اور پھر وہاں سے کوچ کر کے مزدلفہ کی طرف جانا۔

(۳۹/۶۴۴) فَإِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ خَرَجَ إِلَى مِنًى وَأَقَامَ بِهَا حَتَّى يُصَلِّيَ الْفَجْرَ يَوْمَ عَرَفَةَ

ترجمہ: (۳۹/۶۴۴) پھر جب پڑھ چکے نماز فجر آٹھویں تاریخ کو مکہ میں تو منیٰ کی طرف نکلے اور ٹھہرا رہے وہیں یہاں تک کہ پڑھے نماز فجر نویں ذی الحجہ کو۔

تشریح: آٹھویں ذی الحجہ کو ظہر سے پہلے منیٰ پہنچ جانا اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں کی فجر کل پانچ نمازیں ادا کرنا اور اس رات کو منیٰ میں گذارنا نویں کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کو روانہ ہوجانا سنت ہے، اور اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔

(۴۰/۶۴۵) ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى عَرَفَاتٍ فَيُقِيمُ بِهَا فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فَيَبْتَدِئُ بِالْخُطْبَةِ أَوَّلاً فَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهِمَا الصَّلٰوةَ وَالْوُقُوفَ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةَ وَرَمْيَ الْجِمَارِ وَالنَّحْرَ وَالْحَلْقَ وَطَوَافَ الزِّيَارَةِ.

ترجمہ: (۴۰/۶۴۵) پھر جائے عرفات کی طرف اور وہیں ٹھہرا رہے پھر جب سورج ڈھل جائے نویں ذی الحجہ کا تو پڑھائے امام لوگوں کو ظہر وعصر کی نماز اور خطبہ سے شروع کرے چنانچہ نماز سے قبل امام دو خطبے پڑھے جن میں سکھلائے لوگوں کو نماز پڑھنا وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ کنکریاں مارنا قربانی کرنا سر منڈانا اور طواف زیارت کرنا۔

تشریح: نویں ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات کیلئے روانہ ہونیکا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سورج طلوع ہوجانے کا انتظار کرے اور جب سورج کی روشنی جبل ثبیر کے اوپر سے نظر آجائے تو عرفات کے لئے روانہ ہوجائے اور سکون ووقار کیساتھ تلبیہ، تکبیر، تہلیل، ذکر، دعائیں، درود شریف پڑھتے ہوئے چلے میدان عرفات میں پہنچ جانے کے بعد سورج ڈھلنے سے قبل وقوف عرفہ صحیح نہیں ہوتا زوال کے بعد ہی وقوف صحیح ہوتا ہے اس درمیان میں دعاؤں میں مشغول ہوجانا اور حضور ﷺ پر درود بھیجتے رہنا اور ذکر وتلبیہ پڑھتے رہنا مسنون ہے۔

جب زوال ہوجائے تو فوراً ظہر کی اذان ہوجاتی ہے اور اذان کے بعد امام جمعہ کے خطبہ کی طرح نماز سے قبل دو خطبے دیگا اور عیدین کے خطبہ کی طرح پہلے خطبہ کے بعد شروع میں نو مرتبہ تکبیر پڑھیگا اور دوسرے خطبہ کے شروع میں سات مرتبہ اور بالکل اخیر میں چودہ مرتبہ تکبیر پڑھیگا اور تکبیر تشریق پڑھیگا امام لوگوں کو خطبہ میں افعال حج کی تعلیم دے گا۔

(۴۱/۶۴۶) وَيُصَلِّي بِهِمُ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ.

ترجمہ: (۴۱/۶۴۶) اور پڑھائے لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ۔

تشریح: عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز کا حکم یہ ہے کہ عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں لیجا کر ظہر اور عصر دونوں کو ظہر کے وقت میں جمع کر کے ایک ساتھ ادا کیا جائے اور اس جمع کو جمع تقدیم کہتے ہیں، امام صاحب کے نزدیک جمع تقدیم تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے، (۱) امام یا امام کا نائب نماز پڑھائے، (۲) دونوں نمازیں حالت احرام میں پڑھی جائیں۔ (۳) عرفہ کا دن ہونا، ان تین شرطوں میں سے اگر ایک شرط بھی ختم ہو جائے تو جمع تقدیم جائز نہ ہوگی اس کے برخلاف صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع تقدیم کے صحیح ہونے کے واسطے صرف احرام کا ہونا شرط ہے، صاحب درمختار نے اس مذہب کو راجح قرار دیا ہے، لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ دلیل کے اعتبار سے کہا ہوگا ورنہ متون وغیرہ میں امام صاحب کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے۔ (درمختار مع الشامی، ج:۲، ص:۲۳۸/۲۳۹)

اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں نمازوں کو جمع کرنے میں اذان واقامت کی کیا شکل ہوگی اس سلسلہ میں تین مذاہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنے میں ایک اذان اور دو اقامت مسنون ہیں یہی امام احمد اور امام مالک کی ایک روایت ہے۔ (معارف السنن، ج:۶، ص:۴۵۱ تا ۴۵۲)

(۲) حضرت امام احمد کے مشہور قول کے مطابق دونوں نمازوں کے لئے دو اقامت لازم ہیں مگر اذان کسی کے لئے بھی نہیں ہے۔ (معارف ج:۶، ص:۴۵۲)

(۳) حضرت امام مالک کے مشہور قول کے مطابق عرفات میں دونوں نمازوں کے لئے الگ الگ دو اذان اور دو اقامت لازم ہیں کہ اولاً ظہر کی اذان وتکبیر سے ظہر کی نماز ادا کی جائے اس کے بعد عصر کی اذان وتکبیر سے عصر کی نماز ادا کی جائے۔ (معارف ج:۶، ص:۴۵۲)

(۴۲/۶۴۷) وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ وَحْدَهُ صَلَّى كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا فِي وَقْتِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا الْمُنْفَرِدُ.

ترجمہ: (۴۲/۶۴۷) اور جس نے پڑھ لی ظہر کی نماز اپنے ٹھکانے پر تنہا تو پڑھے ان میں سے ہر ایک کو اس کے وقت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ تنہا پڑھنے والا بھی دونوں کو جمع کرے۔

تشریح: اگر کسی حاجی نے ظہر کی نماز اپنے ٹھکانے پر تنہا پڑھ لی تو امام صاحب کے نزدیک یہ شخص عصر کی نماز اس کے وقت میں ادا کرے یعنی ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں جمع نہ کرے۔ (عینی ج:۱، ص:۱۴۴۱)

دلیل: وقت کے اندر نماز کی حفاظت ضروری ہے الا یہ کہ اس کے خلاف شریعت وارد ہوئی ہو اور شریعت کا ورود اس صورت میں ہے جبکہ امام کے ساتھ جماعت سے نماز ادا کی جائے لہٰذا منفرد کو جمع بین الصلاتین کی اجازت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس جمع کے لئے شرط یہ ہے کہ جماعت کی نماز ہو نیز امام المسلمین یا اس کے نائب کی اقتداء میں ہو۔ (عینی ج:۱ص:۱۴۴۱)

صاحبین کا مذہب: یہ ہے کہ منفرد بھی دونوں نمازوں کو جمع کرے جیسا کہ باجماعت پڑھنے والا کا حکم ہے یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۱۴۴۱ جزء دوم، عالم گیری ج:۱ص:۲۲۸)

دلیل: حاجی کے لئے جمع بین الصلاتین کی اجازت اس لئے ہے تا کہ وقوف عرفہ زیادہ سے زیادہ کرسکے اور اس ضرورت میں منفرد اور باجماعت نماز پڑھنے والا دونوں برابر ہیں۔ (عینی ج:۱ص:۱۴۴۱)

جواب عصر کو مقدم کرنا جماعت کی حفاظت کے پیش نظر ہے کیونکہ ظہر پڑھ کر لوگ اگر میدان عرفات میں منتشر ہوگئے تو عصر کے لئے ان کو جمع کرنا دشوار ہوگا اس دشواری کی وجہ سے اور جماعت کی فضیلت کو حاصل کرنے کیوجہ سے عصر کو اس کے وقت پر مقدم کر کے ظہر وعصر کو جمع کرنیکا حکم دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے جیسا کہ صاحبین نے ذکر کیا ہے۔ (عینی ج:۱ص:۱۴۴۱) اس مسئلہ میں امام کا قول ہی راجح ہے۔ (عالمگیری ج:۱ص:۲۲۸)

(۶۴۸/۴۳) ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى الْمَوْقِفِ فَيَقِفُ بِقُرْبِ الْجَبَلِ وَعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ عُرْنَةَ

ترجمہ: (۶۴۸/۴۳) پھر موقف کے طرف متوجہ ہو چنانچہ پہاڑ کے نزدیک کھڑا ہو اور عرفات پورا موقف ہے سوائے بطن عرنہ کے۔

تشریح: ظہر وعصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اگر ممکن ہو تو جبل رحمت کے قریب جا کر وقوف کرے اور ایسی جگہ پر قیام کی کوشش کرے جہاں سے قبلہ کی طرف رخ کرنے میں جبل رحمت سامنے ہو اور اپنی داہنی طرف ہو اور اگر ایسی جگہ میسر نہ ہو تو پورے عرفات میں کہیں بھی وقوف کرسکتا ہے، مگر بطن عرنہ جو ایک چھوٹی وادی ہے اس جگہ وقوف نہ کرے کیونکہ اس کی ممانعت ہے۔

جبل رحمت: یہ میدان عرفات کے درمیان میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر دعائیں مانگنا باعث قبولیت ہے عرفات کے دن اس پہاڑ پر بہت بھیڑ ہوتی ہے، اس لئے کمزور لوگوں کو اس پر چڑھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، بھیڑ میں جان کا خطرہ ہو جاتا ہے۔

(۶۴۹/۴۴) وَيَنْبَغِي لِلْإِمَامِ اَنْ يَقِفَ بِعَرَفَةَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَيَدْعُوْ وَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْمَنَاسِكَ

ترجمہ: (۶۴۹/۴۴) اور امام کے لئے مناسب ہے کہ وقوف کرے عرفہ میں اپنی سواری پر اور امام دعا مانگے اور لوگوں کو حج کے احکام سکھلائے۔

تشریح: امام المسلمین کے لئے سواری پر سوار ہو کر وقوف کرنا افضل ہے کیونکہ حضور کی سنت یہی ہے اور اللہ سے خوب رو رو کر دعاء مانگے او رلوگوں کو مناسک حج سکھلائے۔

(۶۵۰/۴۵) وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يَّغْتَسِلَ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ (۶۵۱/۴۶) وَيَجْتَهِدُ فِي الدُّعَاءِ

ترجمہ: (۶۵۰/۴۵) اور مستحب ہے یہ کہ غسل کرے وقوفِ عرفہ سے پہلے۔ (۶۵۱/۴۶) اور دعا میں خوب کوشش کرے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرنا سنت ہے، وقوف کے دوران قبلہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر تکبیر، تہلیل، تسبیح، حمد و ثناء اور حضور ﷺ پر درود شریف، استغفار اور تلبیہ پڑھتے ہوئے حضور قلبی کے ساتھ اپنے لئے اپنے والدین کے لئے، رشتہ دار دوست احباب، اور تمام مؤمنین ومؤمنات کے لئے رو رو کر دعائیں مانگے اور اسی طریقہ پر دعائیں بار بار مانگتا رہے۔

(۶۵۲/۴۷) فَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ عَلٰى هَيْنَتِهِمْ حَتّٰى يَاْتُوا الْمُزْدَلِفَةَ فَيَنْزِلُوْنَ بِهَا (۶۵۳/۴۸) وَالْمُسْتَحَبُّ اَنْ يَّنْزِلُوْا بِقُرْبِ الْجَبَلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْمِيْقَدَةُ يُقَالُ لَهُ قُزَحُ.

ترجمہ: (۶۵۲/۴۷) پھر جب سورج غروب ہو جائے تو چلے امام اور لوگ اس کے ساتھ اپنے وقار پر یہاں تک کہ مزدلفہ میں آ دیں اور وہیں اتر جائیں۔ (۶۵۳/۴۸) اور مستحب ہے یہ کہ اتریں اس پہاڑ کے قریب جس پر میقدہ ہے جس کو قزح کہا جاتا ہے۔

تشریح: عرفات کے دن حجاج کے لئے غروب شمس سے پہلے عرفات کے حدود سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے اگر کوئی اتفاق سے حدود عرفات سے باہر نکل جاتا ہے تو لوٹ کر عرفات میں داخل ہونا واجب ہے، نویں ذی الحجہ کو آفتاب غروب ہونے کے بعد بغیر نماز مغرب پڑھے امام اور لوگ پر وقار طریقہ سے لوٹ کر مزدلفہ آجائیں حاجی کے لئے مزدلفہ میں جبل قزح کے قریب ٹھہرنا مستحب ہے۔

جبل قزح: یہ میدان مزدلفہ میں ایک چھوٹی سے پہاڑی ہے جس کے دامن پر مسجد مشعر حرام بنی ہوئی ہے اور اس پہاڑ کے نشانات معمولی درجہ کے باقی ہیں، جب عرفات سے مزدلفہ کو چلیں گے تو دائیں بائیں اونچے اونچے پہاڑ ہیں جب دونوں پہاڑی کے درمیان سے گذریں گے تو پہاڑ حصہ ختم ہو جانے کے بعد مزدلفہ کا حصہ شروع ہو جاتا ہے، اور سامنے ہی جبل قزح اور مسجد مشعر حرام نظر آئے گی۔

میقدہ: ایک جگہ ہے جس پر زمانہ جاہلیت میں لوگ آگ روشن کرتے تھے۔ (عینی ج:۱ص:۱۴۴۸)

(۶۵۴/۴۹) وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِي وَقْتِ الْعِشَاءِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ (۶۵۵/۵۰) وَمَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ فِي الطَّرِيْقِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: (۶۵۴/۴۹) اور پڑھائے لوگوں کو مغرب وعشاء کی نماز عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک تکبیر کے ساتھ (۶۵۵/۵۰) اور جس نے پڑھ لی مغرب کی نماز راستہ میں تو جائز نہ ہوگی طرفین کے نزدیک۔

تشریح: عرفات کے دن حجاج کی مغرب وعشاء کی نماز کا وقت مزدلفہ پہنچنے کے بعد ہوتا ہے، اس لئے عرفات یا مزدلفہ کے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اگر چہ مغرب کا وقت نکل جاتا ہو اور اگر کوئی یہ سمجھ کر مزدلفہ کے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ لیتا ہے کہ وقت نکلا جارہا ہے تو اس پر مزدلفہ آ کر نماز مغرب کا اعادہ واجب ہے، ایسے ہی اگر عشاء کی نماز پڑھ لیتا ہے تو اس پر بھی مزدلفہ پہنچ کر عشاء کا لوٹانا واجب ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک نماز تو درست ہو جائے گی البتہ مخالف سنت کیوجہ سے گناہ گار ہوگا، جب مزدلفہ آ کر دونوں نمازوں کو ایک ساتھ عشاء کے وقت میں اداء کرنا لازم ہے تو کتنی اذان اور کتنی اقامت کی ضرورت ہے، اس بارے میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کرنے میں دو اذان اور دو اقامت لازم ہیں۔ اولاً مغرب کی اذان و اقامت کے ساتھ مغرب ادا کی جائے پھر اس کے بعد عشاء کی اذان و اقامت کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی جائے۔ (عمدۃ القاری ج:۷، ص:۲۶۹)

(۲) شیخین کے نزدیک صرف ایک اذان اور ایک اقامت کیساتھ دونوں نمازیں ادا کی جائیں گی اس طرح کہ ایک اذان اور ایک اقامت کے بعد مغرب کی نماز ادا کر لی جائے پھر اس کے بعد بلا اذان اور بلا اقامت کے عشاء کی نماز ادا کی جائے۔ (عمدۃ القاری ج:۷، ص:۲۶۹)

(۳) امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام زفر کے نزدیک ایک اذان اور دو اقامت کیساتھ دونوں نمازیں ادا کی جائیں اولاً ایک اذان اور ایک اقامت سے مغرب کی نماز ادا کی جائے، پھر اس کے بعد ایک اقامت سے عشاء کی نماز ادا کی جائے۔ (عمدۃ القاری ج:۷، ص:۲۶۹)

امام مالک کی دلیل: حضرت عمرؓ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء میں سے ہر ایک کو الگ الگ اذان و اقامت کے ساتھ اداء فرمایا کرتے تھے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۴۳۳)

جواب حضرت عمر نے مغرب کی نماز اذان و اقامت سے ادا کر لی تھی اس کے بعد لوگ اپنے کھانے پینے اور دوسری ضروریات میں لگ گئے تھے، اب لوگوں کو جمع کرنے کے لئے اذان دینے کی ضرورت تھی اور جب نئی اذان دی گئی تو اقامت بھی اس کے بعد کہنی چاہئے، اور لوگوں کے منتشر ہونے کی وجہ سے دوبارہ اذان و اقامت کے ہم بھی قائل ہیں لیکن جب منتشر لوگوں کو جمع کرنا مقصود نہ ہو تو صرف ایک اذان و اقامت کافی ہو جائے گی۔ (طحاوی ج:۱، ص:۴۳۳)

مذہب ثالث کی دلیل: حضرت جابر کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۴۳۵)

جواب حضرت جابر کی روایت ہے کہ حضور نے مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جمع فرمایا ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۱۴۴۸) چنانچہ آپ کی دونوں روایتیں متعارض ہو گئیں لہذا قابل استدلال نہ ہوگی۔

مذہب ثانی کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ حضور نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو ایک اذان

اور ایک اقامت کے ساتھ جمع فرمایا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی اسی طرح عمل کیا کرتے تھے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۴۳۴) ابن عمر کی یہ روایت غیر متعارض ہے لہٰذا یہی روایت قابل استدلال ہوگی۔

(۶۵۶/۵۱) فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْفَجْرَ بِغَلَسٍ (۶۵۷/۵۲) ثُمَّ وَقَفَ الْإِمَامُ وَوَقَفَ النَّاسُ مَعَهُ فَدَعَا (۶۵۸/۵۳) وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ مُحَسِّرٍ.

ترجمه: (۶۵۶/۵۱) پھر جب صبح صادق ہوجائے تو پڑھائے امام لوگوں کو فجر کی نماز اندھیرے میں (۶۵۷/۵۲) پھر امام وقوف کرے اور اس کے ساتھ لوگ وقوف کریں اور دعاء کرے (۶۵۸/۵۳) اور مزدلفہ پورے کا پورا وقوف کرنے کی جگہ ہے علاوہ وادی محسر کے۔

تشریح: دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق کے بعد مزدلفہ میں فجر کی نماز پڑھ کر وقوف مزدلفہ کرلیا جائے وقوف مزدلفہ کا وقت دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان کا وقت ہے نماز فجر پڑھ کر تکبیر، تہلیل وتلبیہ پڑھتے ہوئے گریہ وزاری کے ساتھ وقوف میں اللہ سے مرادیں مانگے یہاں بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ مزدلفہ پورے کا پورا وقوف کرنے کی جگہ ہے مگر محسر میں وقوف نہ کرے۔

محسر: یہ منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک نشیبی میدان ہے اور اسی جگہ پر اصحاب فیل اور ان کے سربراہ بادشاہ ابرہہ پر عذاب نازل ہوا تھا یہ لوگ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ارادے سے آرہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمایا اور یہ ناکام ہوگئے اس جگہ مزدلفہ کا وقوف درست نہیں ہے، اور مزدلفہ سے منیٰ آتے وقت یہاں سے تیز رفتاری سے چلنا چاہئے۔

(۶۵۹/۵۴) ثُمَّ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ حَتَّى يَأْتُوا مِنًى (۶۶۰/۵۵) فَيَبْتَدِأُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا مِنْ بَطْنِ الْوَادِي بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ مِثْلَ حَصَاةِ الْخَذْفِ (۶۶۱/۵۶) وَيُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ (۶۶۲/۵۷) وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا (۶۶۳/۵۸) وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ مَعَ أَوَّلِ حَصَاةٍ (۶۶۴/۵۹) ثُمَّ يَذْبَحُ إِنْ أَحَبَّ (۶۶۵/۶۰) ثُمَّ يَحْلِقُ أَوْ يُقَصِّرُ وَالْحَلْقُ أَفْضَلُ (۶۶۶/۶۱) وَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ

ترجمه: پھر چلے امام اور لوگ اس کیساتھ سورج نکلنے سے پہلے یہاں تک کہ منیٰ آجائیں (۶۶۰/۵۵) اور شروع کرے جمرہ عقبہ سے چنانچہ مارے اس پر بطن وادی سے سات کنکریاں ٹھیکری کی کنکریوں کی طرح (۶۶۱/۵۶) اور تکبیر کہتا رہے ہر کنکری کے ساتھ (۶۶۲/۵۷) اور نہ ٹھہرے جمرۂ عقبہ کے پاس (۶۶۳/۵۸) اور ختم کردے تلبیہ پہلی کنکری پھینکتے ہی، (۶۶۴/۵۹) پھر قربانی کرے اگر چاہے (۶۶۵/۶۰) پھر بال منڈوائے یا کتروائے اور منڈانا افضل ہے، (۶۶۶/۶۱) اب حلال ہوگئی محرم کے لئے تمام چیز علاوہ عورتوں کے۔

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو سورج طلوع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے مزدلفہ سے منیٰ کو

روانہ ہوجائے اور منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کی جائے، [illegible] وادی کے نیچے سے سات کنکریاں پھینک مارے اور چاروں اماموں کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع آفتاب کے بعد کرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ کنکریاں انگلی کے پوروں کے بقدر ہوں جن کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے کنارے سے پھینکا جاسکتا ہو، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے حاجی جمرۂ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرے کیونکہ حضورؐ نے بھی نہیں ٹھہرے تھے اور پہلی کنکری پھینکتے ہی تلبیہ ختم کردے۔

اگر متمتع یا قارن (بیان آگے آئے گا) ہے تو رمی کے بعد قربانی کرلی جائے اور اگر متمتع یا قارن نہیں ہے تو قربانی لازم نہیں جن لوگوں پر قربانی لازم ہے وہ قربانی کے بعد اور جن پر قربانی لازم نہیں وہ رمی کے بعد اپنے سر کا حلق یا قصر کرلیں اور سر کے بال صاف کرلینے کے بعد احرام کی پابندی ختم ہوجاتی ہے، بس طواف زیارت سے پہلے صرف بیوی سے ہمبستری کرنا منع رہتا ہے۔

جمرات یا جمار: یہ منیٰ کے وہ تین مشہور کھمبے ہیں جن پر کنکریاں ماری جاتی ہیں ان میں سے حرم شریف کی طرف بالکل اخیر میں جو کھمبا ہے اس کو جمرۂ عقبہ، جمرۃ الکبریٰ، جمرۃ الاخریٰ بھی کہا جاتا ہے، اس کے بعد جو دوسرے نمبر کا کھمبا ہے اس کو جمرۂ وسطیٰ کہا جاتا ہے، اس کے بعد مسجد خیف سے قریب کا جو کھمبا ہے اس کو جمرہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ (معلم الحجاج ۶۹)

(۶۲/۶۶۷) ثُمَّ يَأْتِي مَكَّةَ مِنْ يَوْمِهٖ ذٰلِكَ اَوْمِنَ الْغَدِ اَوْمِنْ بَعْدَ الْغَدِ فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ طَوَافَ الزِّيَارَةِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ (۶۳/۶۶۸) فَاِنْ كَانَ سَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَقِيْبَ طَوَافِ الْقُدُوْمِ لَمْ يَرْمُلْ فِي هٰذَا الطَّوَافِ وَلَاسَعْيَ عَلَيْهِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ قَدَّمَ السَّعْيَ رَمَلَ فِي هٰذَا الطَّوَافِ وَيَسْعٰى بَعْدَهٗ عَلٰى مَا قَدَّمْنَاهُ (۶۴/۶۶۹) وَقَدْ حَلَّ لَهُ النِّسَاءُ (۶۵/۶۷۰) وَهٰذَا الطَّوَافُ هُوَ الْمَفْرُوْضُ فِي الْحَجِّ (۶۶/۶۷۱) وَيُكْرَهُ تَاخِيْرُهٗ عَنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ فَاِنْ اَخَّرَهٗ عَنْهَا لَزِمَهٗ دَمٌ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَاشَيْءَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۶۲/۶۶۷) پھر آئے مکہ میں اسی دن یا دوسرے دن چنانچہ طواف کرے خانۂ کعبہ کا طواف زیارت سات چکر۔ (۶۳/۶۶۸) اگر سعی کرچکا ہو صفا و مروہ کے درمیان طواف قدوم کے بعد تو رمل نہ کرے اس طواف میں اور اس پر سعی بھی نہیں ہے اور اگر اس سے پہلے سعی نہیں کی تو رمل کرے اس طواف میں اور سعی کرے اس کے بعد جیسا کہ ہم بیان کرچکے۔ (۶۴/۶۶۹) اور اب حلال ہوگئی اس کے لئے عورت بھی۔ (۶۵/۶۷۰) اور یہی طواف فرض ہے، حج میں اور مکروہ ہے مؤخر کرنا۔ (۶۶/۶۷۱) اس کو ان ایام سے چنانچہ اگر مؤخر کردیا اس کو ان ایام سے تو لازم ہوگا خون امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔

تشریح: دس ذی الحجہ کو منیٰ میں رمی حلق اور ذبح کے بعد اگر وقت ہو تو حرم شریف پہنچ کر طواف زیارت بھی کرلیا جائے اور اگر وقت نہ ہو تو گیارہویں یا بارہویں کو طواف زیارت کرلیا جائے اگر یوم عرفہ سے پہلے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرلی تھی اور سعی سے قبل کے طواف میں رمل بھی کرلیا تھا تو اب طواف زیارت میں دوبارہ رمل کی ضرورت نہیں ہے،

اوراس پر سعی بھی واجب نہیں ہے، اوراگرعرفات اور منیٰ کو روانہ ہونے سے پہلے سعی نہیں کی تھی تو طواف کے بعد صفاومروہ کے درمیان سعی بھی کرے اور طواف زیارت میں رمل اضطباع دونوں کرنا مسنون ہے۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ طواف زیارت حج کے اندر ہر حاجی پر فرض ہوتا ہے اور یہ طواف وقوف عرفہ کے بعد کیا جاتا ہے، اور دسویں سے بارھویں ذی الحجہ تک اس کا وقت ادا باقی رہتا ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بارھویں ذی الحجہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے طواف زیارت کرلینا واجب ہے اس سے تاخیر مکروہ تحریمی اور موجب دم ہے، لہٰذا اگر بارہویں ذی الحجہ گذر گئی اور طواف زیارت نہیں کیا پھر بعد میں طواف کرتا ہے تو فریضۂ طواف تو ادا ہوجائے گا مگر تاخیر کیوجہ سے جرمانہ میں ایک قربانی واجب ہوجائے گی فتویٰ اسی قول پر ہے۔ (اللباب ج:۱ص ۱۷۴) صاحبین کے نزدیک اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

(۶۷۲/۶۷) ثُمَّ يَعُوْدُ إِلٰى مِنٰى فَيُقِيْمُ بِهَا (۶۷۳/۶۸) فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّانِيْ مِنْ اَيَّامِ النَّحْرِ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلٰثَ يَبْتَدِئُ بِالَّتِيْ تَلِي الْمَسْجِدَ (۶۷۴/۶۹) فَيَرْمِيْهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَقِفُ عِنْدَهَا فَيَدْعُوْ ثُمَّ يَرْمِي الَّتِيْ تَلِيْهَا مِثْلَ ذَالِكَ وَيَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَرْمِيْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ كَذَالِكَ وَلَايَقِفُ عِنْدَهَا (۶۷۵/۷۰) فَإِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلٰثَ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ كَذَالِكَ.

ترجمہ: (۶۷۲/۶۷) پھر واپس آئے منیٰ کو اور رہے وہیں (۶۷۳/۶۸) پھر جب سورج ڈھل جائے قربانی کے ایام میں سے دوسرے دن تو رمی کرے تینوں جمروں کی، چنانچہ شروع کرے جمرہ سے جو مسجد خیف سے متصل ہے (۶۷۴/۶۹) پس اس پر سات کنکریاں مارے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے پھر ٹھہرے اس جمرہ کے پاس اور دعاء کرے۔ پھر رمی کرے اس کی جو اس کے پاس ہے اسی طرح اور اس کے پاس بھی ٹھہرے پھر رمی کرے جمرۂ عقبہ کی اسی طرح اور نہ ٹھہرے اس کے پاس۔ (۶۷۵/۷۰) جب اگلا دن ہو تو رمی کرے تینوں جمروں کی سورج ڈھلنے کے بعد اسی طرح۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ حاجی طواف زیارت کے بعد منیٰ میں جاکر قیام کرے گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں تینوں جمرات کی رمی واجب ہے، اور ان دونوں دنوں کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوکر دوسرے دن صبح صادق تک رہتا ہے، اگر زوال سے قبل رمی کرے گا تو راجح قول کے مطابق وہ رمی صحیح نہیں ہوگی اس کا اعادہ واجب ہوگا، زوال سے غروب تک وقت مسنون ہے اور غروب سے صبح صادق تک وقت مکروہ ہے، اور صبح صادق کے بعد وقت قضاء شروع ہوجاتا ہے، لہٰذا گیارہویں کی رمی اگر بارہویں کی صبح صادق ہوجانے کے بعد تک مؤخر کردی ہے تو قضاء اور دم دونوں لازم ہوجائیں گے، اسی طرح اگر بارہویں کو اتنا مؤخر کردیا ہے کہ تیرہویں کی صبح صادق ہوگئی تو قضاء اور کفارہ دونوں کا دم الگ الگ واجب ہوجائے گا، اور رمی کی قضاء کا وقت تیرہویں کے غروب تک رہتا ہے، اسکے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور مؤخر کرنے کی صورت میں قضاء جائز نہ ہوگی صرف دم دینا لازم ہوگا۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ رمی کی ابتداء اس جمرہ سے کرے گا جو مسجد خیف سے متصل واقع ہے اس جمرہ پر سات کنکریاں پھینکے ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے اور اس جمرہ کے پاس توقف کرے، پھر اسی طرح اس جمرہ کی رمی کرے جو اس کے متصل ہے، اور اس دوسرے جمرہ کے پاس بھی توقف کرے، پھر اسی طرح جمرہ عقبہ کی رمی کرے البتہ اس کے پاس توقف نہ کرے پہلے اور دوسرے جمرہ کے پاس توقف کر کے اللہ کی تعریف بیان کرے تکبیر و تہلیل پڑھے اور درود شریف پڑھے اور دعاء کرے۔

مسجد خیف: یہ منیٰ میں جمرات کے قریب ایک بہت بڑی مسجد ہے۔

منیٰ: یہ وادیٔ محسر سے جمرہ عقبہ تک دو طرفہ پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان ہے اور یہ میدان مسجد حرام سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور یہیں پر شیطان کو کنکری ماری جاتی ہے یہ حرم میں داخل ہے۔

(۱/۶۷۶) وَإِذَا اَرَادَ اَنْ يَتَعَجَّلَ النَّفْرَ نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ وَإِنْ اَرَادَ اَنْ يُقِيْمَ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلٰثَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ كَذٰلِكَ (۲/۶۷۷) فَاِنْ قَدَّمَ الرَّمْيَ فِي هٰذَا الْيَوْمِ قَبْلَ الزَّوَالِ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ جَازَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَا يَجُوْزُ.

ترجمہ: (۱/۶۷۶) اور اگر جلدی کوچ کرنے کا ارادہ ہو تو مکہ کی طرف کوچ کرے اور اگر رہنا چاہے تو رمی کرے تینوں جمروں کی چوتھے دن سورج ڈھلنے کے بعد اسی طرح (۲/۶۷۷) اور اگر کنکریاں ماردیں اس دن سورج ڈھلنے سے پہلے طلوع فجر کے بعد تو جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر بارہویں ذی الحجہ کو حاجی کو جلدی ہو تو رمی کے بعد بارہویں ہی تاریخ میں مکۃ المکرمہ کے لئے روانہ ہو جائے اور اگر ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو تیرہویں ذی الحجہ کی رمی بھی واجب ہو جاتی ہے اور زوال کے بعد سے غروب کے درمیان کرنا واجب ہے، زوال سے پہلے رمی جائز نہ ہوگی اگر زوال سے قبل کرے گا تو اعادہ لازم ہوگا یہ مذہب صاحبین کا ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیرہویں تاریخ کو زوال سے پہلے رمی کرنے کی صورت میں اعادہ نہیں ہے۔

(۳/۶۷۸) وَيُكْرَهُ اَنْ يُقَدِّمَ الْاِنْسَانُ ثِقْلَهُ إِلَى مَكَّةَ وَيُقِيْمَ بِهَا حَتّٰى يَرْمِيَ.

ترجمہ: (۳/۶۷۸) اور مکروہ ہے یہ کہ پہلے ہی روانہ کردے اپنا سامان مکہ کو اور خود وہیں رہے کنکریاں مارنے تک۔

تشریح: منیٰ سے روانہ ہونے سے پہلے اپنا سارا سامان مکہ روانہ کردینا مکروہ ہے کیونکہ دل افعال حج سے غافل ہو کر سامان کی طرف مشغول ہو جاتا ہے۔

(۴/۶۷۹) فَاِذَا نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ نَزَلَ بِالْمُحَصَّبِ (۵/۶۸۰) ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ لَا يَرْمُلُ

فِيهَا وَهٰذَا طَوَافُ الصَّدْرِ (٦٨١/٧٦) وَهُوَ وَاجِبٌ اِلَّا عَلٰى اَهْلِ مَكَّةَ ثُمَّ يَعُوْدُ إِلٰى اَهْلِهِ.

ترجمہ: (٦٧٩/٧٤) پھر جب مکہ کو روانہ ہو تو محصب میں اترے (٦٨٠/٧٥) پھر طواف کرے بیت اللہ کا سات چکر ان میں رمل نہ کرے اور یہ طواف صدر ہے (٦٨١/٧٦) اور یہ واجب ہے مگر اہل مکہ پر واجب نہیں پھر اپنے گھر کو آجائے۔

تشریح: حاجی جب منٰی سے مکہ کی طرف روانہ ہو تو خیف محصب میں اترنا مسنون ہے محصب وہ مقام ہے جہاں تمام قریش نے جمع ہو کر قسمیں کھائیں تھیں اور عہد و پیمان کیا تھا کہ خاندان رسالت کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے، رسول اللہ نے اپنے حج کے موقع پر منٰی میں صحابہ سے فرمایا کہ ہم لوگ کل خیف محصب میں اتریں گے چنانچہ اس جگہ آپ قصداً اترے اور اب اس جگہ اترنا مسنون ہو گیا۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ منی کے تمام افعال حج ادا کرنے کے بعد طواف صدر کرے، طواف صدر کا مطلب یہ ہے کہ میقات کے باہر سے آنے والے جب وطن واپس ہوں گے تو روانگی کے وقت اخیر میں ایک طواف کرنا ہر قسم کے آفاقی پر واجب ہے البتہ حائضہ اور نفساء پر لازم نہیں ہے اور اس طواف کو طواف وداع بھی کہتے ہیں۔

(٦٨٢/٧٧) فَاِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْمُحْرِمُ مَكَّةَ وَتَوَجَّهَ إِلٰى عَرَفَاتٍ وَوَقَفَ بِهَا عَلٰى مَاقَدَّمْنَاهُ سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُوْمِ وَلَاشَيْءَ عَلَيْهِ لِتَرْكِهِ.

ترجمہ: (٦٨٢/٧٧) اگر داخل نہ ہوا احرام باندھنے والا مکہ میں اور چلا گیا عرفات میں اور وہاں وقوف کر لیا اس کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے تو ساقط ہو گیا اس سے طواف قدوم اور اس پر اس کو ترک کرنے سے کچھ واجب بھی نہیں ہے۔

تشریح: محرم اگر مکہ میں داخل نہ ہو کر عرفات کے میدان میں چلا گیا اور شریعت کے بیان کردہ قاعدہ کے مطابق وہاں وقوف بھی کر لیا تو اس کے ذمہ سے طواف قدوم ساقط ہو گیا کیونکہ طوف قدوم ابتدائے حج میں اس طور پر مشروع ہے کہ تمام افعال حج اس پر مرتب ہوں چنانچہ اس طریقہ کے علاوہ طواف قدوم سنت نہ ہوگا اور چونکہ قدوم سنت ہے لہٰذا ترک سنت سے دم لازم نہ ہوگا۔

(٦٨٣/٧٨) وَمَنْ أَدْرَكَ الْوُقُوْفَ بِعَرَفَةَ مَابَيْنَ زَوَالِ الشَّمْسِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ إِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ.

ترجمہ: (٦٨٣/٧٨) اور جس شخص نے وقوف عرفہ پا لیا عرفہ کے دن سورج ڈھلنے سے ۱۰ ر ذی الحجہ کے طلوع فجر تک تو اس نے حج پا لیا۔

تشریح: جمہور اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ۹ ر تاریخ کے زوال آفتاب سے لیکر ۱۰ ر ذی الحجہ کی صبح صادق تک

وقوف عرفہ کا وقت ہے، چنانچہ اگر حاجی نے زوال کے بعد سے لے کر ۱۰ رذی الحجہ کی صبح صادق تک کسی وقت بھی وقوف کرلیا تو اس کا حج ادا ہو گیا۔

امام مالک کے نزدیک نوتاریخ کی صبح صادق یا طلوع آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

(۶۸۴/۷۹) فَمَنِ اجْتَازَ بِعَرَفَةَ وَهُوَ نَائِمٌ اَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّهَا عَرَفَاتٌ أَجْزَاهُ ذٰلِكَ عَنِ الْوُقُوْفِ.

ترجمہ: (۶۸۴/۷۹) اور جو شخص عرفہ سے گذرا اس حال میں کہ وہ سویا ہوا ہے یا بے ہوش ہے یا نہ جانتا ہو کہ یہ عرفات ہے تو کافی ہوگا اس کو یہ وقوف عرفات سے۔

تشریح: حاجی سوتا ہوا یا بے ہوشی کی حالت میں عرفات سے عرفہ کے دن گذرا چلا گیا یا اس کو معلوم نہ ہوسکا کہ جہاں سے گذر رہا ہوں یہی عرفات ہے ان تینوں صورتوں میں وقوف عرفہ ادا ہو گیا کیونکہ حج کا رکن وقوف ہے اور وہ پایا گیا۔

(۶۸۵/۸۰) وَالْمَرْأَةُ فِي جَمِيْعِ ذٰلِكَ كَالرَّجُلِ غَيْرَ اَنَّهَا لَاتَكْشِفُ رَأْسَهَا وَتَكْشِفُ وَجْهَهَا (۶۸۶/۸۱) وَلَاتَرْفَعُ صَوْتَهَا بِالتَّلْبِيَةِ (۶۸۷/۸۲) وَلَاتَرْمُلُ فِي الطَّوَافِ (۶۸۸/۸۳) وَلَا تَسْعٰى بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْاَخْضَرَيْنِ (۶۸۹/۸۴) وَلَاتَحْلِقُ وَلٰكِنْ تُقَصِّرُ.

ترجمہ: (۶۸۵/۸۰) اور عورت تمام احکام میں مرد کی طرح ہے مگر یہ کہ عورت اپنا سر نہ کھولے اور چہرہ کھولے رکھے (۶۸۶/۸۱) اور نہ بلند کرے اپنی آواز کو تلبیہ کے ساتھ (۶۸۷/۸۲) اور رمل نہ کرے طواف میں (۶۸۸/۸۳) اور نہ میلین اخضرین کے درمیان دوڑے (۶۸۹/۸۴) اور سر نہ منڈائے بلکہ بال کتروائے۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ عورت حج کے تمام افعال میں مردوں کے مانند ہے، لیکن چند احکام میں الگ ہے، اسی کی تفصیل حضرت مصنف یہاں سے بیان فرمارہے ہیں عورت حالت احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے اور زیورات، موزے، دستانے، پہن سکتی ہے، اور سر کا ڈھکنا عورت پر واجب ہے تلبیہ پڑھنا لازم ہے، مگر زور سے پڑھنا منع ہے، اور رمل کرنا بھی منع ہے نیز سعی میں دوڑے بھی نہیں، اور عورت حلق بھی نہ کرائے بلکہ بالوں کا قصر کرے، اور حلق ان کے حق میں مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ ایک طرح کا مثلہ ہے۔

عورت کے لئے احرام کا کپڑا

عورت کے لئے حالت احرام میں کسی مخصوص کپڑے کا حکم نہیں ہے البتہ ایک رومال سے سر کے بالوں کو اچھی طرح ڈھک لینا مستحب ہے، تاکہ کوئی بال نہ ٹوٹنے پائے اور ادھر ادھر منتشر نہ ہونے پائے اور اگر میسر ہو تو ہیٹ سر پر رکھ لے پھر اس کے اوپر نقاب ڈال لے تاکہ ہیٹ کی وجہ سے نقاب کا کپڑا چہرہ سے نہ لگنے پائے تو ایسی صورت میں سر کے بالوں

کی حفاظت بھی ہو جائے گی اور چہرہ سے کپڑا نہ لگنے کے ساتھ ساتھ اجنبی مردؔ سے پردہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

باب القران

ترجمہ: یہ باب قران کے بیان میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: امام قدوری مفرد کے احکام سے فارغ ہو کر اب مرکب یعنی قران کے احکامات بیان کریں گے چونکہ قران کا پہچاننا افراد کے پہچاننے پر موقوف ہے اور ذات کی معرفت صفات کی معرفت پر مقدم ہوتی ہے، اس لئے افراد کو اولاً بیان کیا ہے۔ (عینی ج:۱ص:۱۴۸۵)

قران کے لغوی معنی: دو چیزوں کو جمع کرنا۔

اصطلاحی تعریف: اصطلاح شرع میں اس سے مراد حج اور عمرہ کو جمع کرنیکا احرام ہے۔

دوسری تعریف: حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ کر ایک ساتھ حج اور عمرہ کرنے کو قران کہتے ہیں کیونکہ اس صورت میں حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔ (معلم الحجاج ۲۰۸)

حج کے اقسام

حج کی کل تین قسمیں ہیں: (۱) حج افراد (۲) حج قران (۳) حج تمتع، حج افراد کا بیان گذر چکا ہے اس باب میں حج قران کے احکامات بیان کریں گے۔

حج قران کا مطلب: اسکا مطلب یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ساتھ احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرمہ پہنچ کر ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہ کھولا جائے یا میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرمہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں یا مکۃ المکرمہ پہنچنے کے بعد طواف عمرہ سے قبل حج کا احرام باندھ لیا جائے اور پھر ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہ کھولا جائے اور نہ ہی حلق رأس کیا جائے بلکہ اسی حالت احرام میں مکۃ المکرمہ میں قیام کیا جائے پھر دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد ایک قربانی کرے پھر حلق کر کے احرام کھول دیا جائے اور حج قران کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دم شکر کہتے ہیں اور قارن پر دو سعی اور دو طواف لازم ہیں اور کوئی جنایت ہو جائے تو دو جرمانے واجب ہو جائیں گے۔

(ایضاح الطحاوی ج:۳ص:۳۶۴)

(۱/۶۹۰) اَلْقِرَانُ اَفْضَلُ عِنْدَنَا مِنَ التَّمَتُّعِ وَالْاِفْرَادِ

ترجمہ: (۱۱/۶۹۰) قران افضل ہے ہمارے نزدیک تمتع اور افراد سے۔

تشریح: حج افراد، حج قران، اور حج تمتع تینوں میں سے ہر ایک تمام امت کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے مگر

اختلاف اس بارے میں ہے کہ تینوں میں سے کونسا حج افضل اور اولیٰ ہے اس بارے میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک حج کی تینوں قسموں میں سے سب سے افضل حج افراد ہے اس کے بعد حج تمتع پھر اس کے بعد حج قران ہے یہی امام شافعی سے منقول ہے۔

(۲) امام احمد کے نزدیک حج کی تینوں قسموں میں سے سب سے افضل حج تمتع ہے اس کے بعد حج افراد اس کے بعد حج قران ہے۔

(۳) حنفیہ کے نزدیک سب سے افضل حج قران ہے اس کے بعد حج تمتع اور اس کے بعد حج افراد ہے۔

(معارف السنن ج:۶،ص:۲۷۳)

امام شافعیؒ وامام مالکؒ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے "إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهَلَّ بِالْحَجِّ مُفْرِداً" (مسلم شریف ج:۱،ص:۴۰۴)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے حج افراد فرمایا ہے اس لئے حج افراد افضل ہے۔

جواب: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضورؐ نے تنہا حج افراد کیا اس کے ساتھ عمرہ نہیں کیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حج کے اعمال کو مستقل ادا کیا۔

دوسرا جواب: حج کے لئے مستقل احرام باندھا لیکن اصل میں قارن تھے۔

امام احمد کی دلیل: "تمتع رسول اللّٰه في حجة الوداع بالعمرة الى الحج" (نسائی:۲،ص:۱۴باب التمتع)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے حج تمتع فرمایا ہے لہٰذا یہی افضل ہے۔

جواب: لفظ تمتع عام ہے جو کہ قران کو بھی شامل ہے اس لئے یہاں تمتع سے مراد قران ہی لیا جائے گا، دوسرے یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے انہیں سے قران کی بھی روایت ہے، تیسرے یہ کہ تمتع سے مراد تمتع لغوی ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عمرہ کے ساتھ حج کو ملا کر دونوں کو ایک ہی سفر میں ادا کر کے نفل حاصل کیا ہر ایک کے لئے الگ الگ سفر نہیں کرنا پڑا۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے وادی عقیق میں حضورؐ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ رات میرے پاس میرے پروردگار کی جانب سے ایک آنیوالا آیا اور اس نے کہا کہ اس مبارک وادی میں دو رکعت نماز ادا کیجئے اور حج کے ساتھ عمرہ بھی کیجئے۔ (بخاری ج:۱)

اس حدیث میں اللہ کی جانب سے حج قران کرنیکا حکم دیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ نے حج قران ہی ادا کیا ہے لہٰذا یہی افضل ہوگا۔

(۲/۶۹۱) وَصِفَةُ الْقِرَانِ اَنْ يُهِلَّ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مَعًا مِنَ الْمِيْقَاتِ وَيَقُوْلُ عَقِيْبَ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِيْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّيْ .

ترجمہ: (۲/۶۹۱) اور قران کا طریقہ یہ ہے کہ احرام باندھے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ میقات سے اور کہے نماز کے بعد، اے اللہ! میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں ان دونوں کو میرے لئے آسان فرما اور دونوں کو میری طرف سے قبول فرما۔

تشریح: قران کی کیفیت یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کے لئے احرام باندھ کر دونوں کے ساتھ تلبیہ کہے اور دو رکعت نماز نفل پڑھ کر ان الفاظ سے دعا مانگے، اے اللہ! میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں آپ ان دونوں کو میرے لئے آسان فرما دیں اور میری طرف سے دونوں کو قبول فرما لیں۔

(۳/۶۹۲) فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ اِبْتَدَأَ بِالطَّوَافِ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ يَرْمُلُ فِي الثَّلٰثَةِ الْاُوَلِ مِنْهَا وَيَمْشِيْ فِيْ مَا بَقِيَ عَلٰى هَيْئَتِهٖ وَسَعٰى بَعْدَهَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهٰذَا أَفْعَالُ الْعُمْرَةِ (۴/۶۹۳) ثُمَّ يَطُوْفُ بَعْدَ السَّعْيِ طَوَافَ الْقُدُوْمِ وَيَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِلْحَجِّ كَمَا بَيَّنَّاهُ فِيْ حَقِّ الْمُفْرِدِ.

ترجمہ: (۳/۶۹۲) پھر جب مکہ میں داخل ہو تو شروع کرے طواف سے چنانچہ طواف کرے بیت اللہ کا سات چکر رمل کرے پہلے تین چکروں میں اور چلے باقی چکروں میں اپنے وقار اور سکون پر اور سعی کرے اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان اور یہ عمرہ کے افعال ہیں۔ (۴/۶۹۳) پھر طواف کرے سعی کے بعد طواف قدوم اور سعی کرے صفا مروہ کے درمیان حج کے لئے جیسا کہ ہم نے اس کو مفرد بالحج میں بیان کر دیا ہے۔

تشریح: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ قارن جب مکۃ المکرمہ میں داخل ہو تو طواف قدوم نہ کرے بلکہ عمرہ کے افعال شروع کر دے چنانچہ پہلے طواف عمرہ کرے اور یہ طواف عمرہ فرض اور رکن ہے اور اس طواف میں اضطباع اور رمل بھی مسنون ہے اور اس طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا بھی واجب ہے پھر افعال حج شروع کرے چنانچہ مفرد بالحج کی طرح پہلے طواف قدوم کرے اور اس کے بعد سعی کرے۔

(۵/۶۹۴) فَإِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحَ شَاةً اَوْ بَقَرَةً اَوْ بَدَنَةً اَوْ سُبْعَ بَدَنَةٍ اَوْ سُبْعَ بَقَرَةٍ فَهٰذَا دَمُ الْقِرَانِ.

ترجمہ: (۵/۶۹۴) جب رمی کر چکا جمرہ عقبہ کی یوم نحر کو تو ذبح کرے ایک بکری یا ایک گائے یا اونٹ یا اونٹ کا ساتواں حصہ یا گائے کا ساتواں حصہ یہ دم قران ہے۔

تشریح: قارن جب دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کر چکے تو ایک قربانی کرے، چونکہ اس کو ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کرنے کا موقع ملا اس لئے شکرانہ میں ایک قربانی کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے اور قربانی میں یہ اختیار ہے کہ چاہے ایک بکرا یا دنبہ کرے اور یا ایک پوری گائے یا اونٹ کرے اور یا گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ کرے، پھر حلق کر کے احرام کھول دے اور حج قران کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دم شکر کہتے ہیں۔

(٦٩٥/٦) فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَا يَذْبَحُ صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ آخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ (٦٩٦/٧) فَإِنْ فَاتَهُ الصَّوْمُ حَتّٰى يَدْخُلَ يَوْمُ النَّحْرِ لَمْ يَجْزِهِ اِلَّا الدَّمُ (٦٩٧/٨) ثُمَّ يَصُوْمُ سَبْعَةَ اَيَّامٍ إِذَا رَجَعَ إِلٰى أَهْلِهٖ فَإِنْ صَامَهَا بِمَكَّةَ بَعْدَ فَرَاغِهٖ مِنَ الْحَجِّ جَازَ .

ترجمہ: (٦٩٥/٦) اگر نہ ہو اس کے پاس کوئی جانور جو ذبح کرے تو تین دن کے روزے رکھے حج میں کہ آخری دن عرفہ کا دن ہو۔(٦٩٦/٧) پھر اگر روزے فوت ہو گئے یہاں تک کہ قربانی کا دن آ گیا تو کافی نہیں ہوگا اس کو مگر خون۔(٦٩٧/٨) پھر سات روزے رکھے جب اپنے گھر لوٹ آئے پھر اگر یہ روزے رکھ لئے مکہ میں حج سے فراغت کے بعد تب بھی جائز ہے۔

تشریح: قارن اگر قربانی کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر دس روزے واجب ہوں گے اس طریقہ پر کہ تین روزے دس ذی الحجہ سے پہلے حج کے زمانہ میں رکھے اور سات روزے جب اپنے گھر واپس آئے افضل اور مستحب یہ ہے کہ تین روزے ۷/۸/۹ ذی الحجہ کو رکھے، اگر قارن تین روزے دس ذی الحجہ سے پہلے نہ رکھ سکا یہاں تک کہ دس ذی الحجہ کی تاریخ آ گئی تو اب دم دینا ہی واجب ہوگا، امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر قارن نے حج سے فراغت کے بعد مکہ ہی میں سات روزے رکھ لئے تو بھی جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ ایام تشریق گزر جانے کے بعد رکھے کیونکہ ایام تشریق میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

(٦٩٨/٩) فَإِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْقَارِنُ بِمَكَّةَ وَتَوَجَّهَ إِلٰى عَرَفَاتٍ فَقَدْ صَارَ رَافِضًا لِعُمْرَتِهٖ بِالْوُقُوْفِ وَسَقَطَ عَنْهُ دَمُ الْقِرَانِ وَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِ الْعُمْرَةِ وَعَلَيْهِ قَضَاؤُهَا .

ترجمہ: (٦٩٨/٩) اگر داخل نہ ہوا قارن مکۃ المکرمہ میں اور چلا گیا عرفات کی طرف تو ہو گیا اپنے عمرہ کو چھوڑنے والا وقوف کی وجہ سے اور ساقط ہو گیا اس سے دم قران اور اس پر ایک خون لازم ہے عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے اور اس پر عمرہ کی قضا بھی لازم ہے۔

تشریح: قارن ارکانِ عمرہ ادا کرنے کے بجائے سیدھا عرفات چلا گیا تو وہ وقوفِ عرفہ کرتے ہی تارکِ عمرہ ہو گیا اور اس سے دم قران بھی ساقط ہو گیا کیونکہ دونوں عبادتوں کو جمع کرنے کی توفیق نہیں ملی تو دم شکر بھی واجب نہ ہوگا؛ لیکن اس پر عمرہ کی قضا واجب ہوگی اور عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے ایک دم واجب ہوگا دم تو اس لئے واجب ہوگا کہ اس نے عمرہ شروع کرنے کے بعد اس کو چھوڑ دیا ہے اور قضا اس لئے واجب ہوگی کہ عمرہ کو شروع کرنا صحیح ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ نفل کو شروع کرنے کے بعد اگر اس کو ترک کر دیا تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔

بابُ التَّمَتُّعِ

یہ باب تمتع کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: قران اور تمتع دونوں میں سے ہر ایک کے اندر حج اور عمرہ کو جمع کرنے کا موقع ملتا ہے چونکہ تمتع کے مقابلہ میں قران افضل ہے اس لئے قران کے بیان کو پہلے بیان کیا ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۷۷)

تمتع کے لغوی معنی: فائدہ حاصل کرنا۔

اصطلاحی تعریف: ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنا، اولاً عمرہ کا احرام باندھ کر اس کے افعال ادا کرے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۷۷)

(۱/۶۹۹) التَّمَتُّعُ اَفْضَلُ مِنَ الْاِفْرَادِ عِنْدَنَا .

ترجمہ: (۱/۶۹۹) تمتع کرنا افضل ہے تنہا حج کرنے سے۔

تشریح: تمتع بھی قران کے معنی میں ہے کیونکہ جس طرح قران میں حج وعمرہ دونوں عبادتوں کو جمع کیا جاتا ہے اسی طرح تمتع میں بھی دونوں کو جمع کرنا پایا گیا اور ماقبل میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قران افضل ہے تو اس مشابہت کی وجہ سے تمتع افراد سے افضل ہوگا کیونکہ افراد میں جمع بین العبادتین کے معنی نہیں پائے جاتے۔

(۲/۷۰۰) وَالْمُتَمَتِّعُ عَلٰی وَجْهَیْنِ مُتَمَتِّعٌ یَسُوْقُ الْهَدْیَ وَمُتَمَتِّعٌ لَا یَسُوْقُ الْهَدْیَ .

ترجمہ: (۲/۷۰۰) اور متمتع دو طرح پر ہے ایک وہ جو ہدی لے جاتا ہے اور ایک وہ متمتع جو ہدی نہیں لے جاتا۔

تشریح: متمتع کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو حرم کی طرف ہدی کا جانور ہنکا کر لے جاتا ہے، دوسرے وہ جو ہدی کا جانور نہیں لے جاتا ہے، ہر ایک کا حکم مختلف ہے، آنے والی عبارت میں قسم ثانی کا بیان ہے۔

(۳/۷۰۱) وَصِفَةُ التَّمَتُّعِ اَنْ یَبْتَدِأَ مِنَ الْمِیْقَاتِ فَیُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَیَدْخُلُ مَکَّةَ فَیَطُوْفُ لَهَا وَیَسْعٰی وَیَحْلِقُ اَوْ یُقَصِّرُ وَقَدْ حَلَّ مِنْ عُمْرَتِهٖ (۴/۷۰۲) وَیَقْطَعُ التَّلْبِیَةَ اِذَا ابْتَدَأَ بِالطَّوَافِ (۵/۷۰۳) وَیُقِیْمُ بِمَکَّةَ حَلَالًا (۶/۷۰۴) فَاِذَا کَانَ یَوْمُ التَّرْوِیَةِ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَفَعَلَ مَا یَفْعَلُهُ الْحَاجُّ الْمُفْرِدُ وَعَلَیْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ .

ترجمہ: (۳/۷۰۱) اور متمتع کی کیفیت یہ ہے کہ شروع کرے میقات سے چنانچہ عمرہ کا احرام باندھے اور داخل ہو مکہ میں پھر طواف کرے عمرہ کے لئے اور سعی کرے اور حلق یا قصر کرے اور اپنے عمرہ سے حلال ہو جائے۔ (۴/۷۰۲) اور ختم کردے تلبیہ جب طواف شروع کرے۔ (۵/۷۰۳) اور ٹھہرا رہے مکہ میں حلال ہو کر۔ (۶/۷۰۴) پھر جب ذی

الحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوتو احرام باندھے حج کا مسجد حرام سے اور کرے وہ افعال جو صرف حج کرنے والا کرتا ہے اور اس پر لازم ہے دم تمتع۔

تشریح: حج تمتع کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرمہ پہنچ کر ارکانِ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا جائے اس کے بعد مکۃ المکرمہ کے باشندوں کی طرح بغیر احرام کے قیام کیا جائے پھر آٹھویں ذی الحجہ کی صبح کو حدودِ حرم میں جہاں اپنا قیام ہے وہاں سے حج کا احرام باندھ کر منیٰ کو روانہ ہو جائے اور مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام میں آکر طواف کر کے دوگانہ طواف کے بعد دو رکعت نمازِ نفل پڑھ کر احرام باندھے پھر دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد تمتع کی قربانی کی جائے اس کے بعد حلق کر کے احرام کھول دیا جائے اور تمتع کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دم شکر کہا جاتا ہے اور اس پر عمرہ کے لئے ایک سعی اور ایک طواف الگ اور حج کے لئے بھی ایک سعی اور ایک طواف الگ سے لازم ہو جاتے ہیں۔ (ایضاح الطحاوی، ج:۳، ص:۳۶۱)

(۷۰۵/۷) فَإِنْ لَمْ يَجِدْ مَا يَذْبَحُ صَامَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعَ إِلٰى أَهْلِهِ.

ترجمہ: (۷۰۵/۷) اگر نہ پائے ذبح کے لئے کوئی جانور تو تین روزے رکھے ایام حج میں اور سات اس وقت جب لوٹے اپنے گھر۔

تشریح: ماقبل میں امام قدوریؒ نے فرمایا ہے کہ حج تمتع کرنے والے پر تمتع کی قربانی واجب ہے، اگر متمتع ہدی کے جانور کو حاصل کرنے پر قادر نہ ہو تو قارن کی طرح حج کے زمانہ میں تین روزے رکھے اور سات روزے حج سے فراغت پا کر رکھے، مزید تفصیل حج قران میں گزر چکی ہے۔

(۷۰۶/۸) وَإِنْ أَرَادَ الْمُتَمَتِّعُ أَنْ يَسُوقَ الْهَدْيَ أَحْرَمَ وَسَاقَ هَدْيَهُ فَإِنْ كَانَتْ بَدَنَةً قَلَّدَهَا بِمَزَادَةٍ أَوْ نَعْلٍ.

ترجمہ: (۷۰۶/۸) اور اگر متمتع ہدی کا جانور لے جانا چاہے تو احرام باندھے اور اپنی ہدی لے جائے پھر اگر ہو وہ اونٹ تو ڈال دے اس کے گلے میں پرانا چمڑا یا جوتا۔

تشریح: یہاں سے متمتع کی قسم اول (جو اپنے ساتھ ہدی لے جاتا ہے) اس کا بیان ہے اور تمتع کی یہ صورت افضل ہے مسئلہ یہ ہے کہ متمتع اگر ہدی کو لے جانا چاہے تو عمرہ کا احرام باندھے اور اپنی ہدی کے جانور کو ہنکا کر لے جائے اب اگر ہدی کا جانور اونٹ یا گائے ہے تو اس کے گلے میں چمڑے کے ٹکڑے یا جوتی کے ٹکڑے کا پٹہ ڈال دے، تقلید بالاتفاق سنت ہے اور قلادہ ڈالنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ یہ ہدیِ حرم ہے اس کا دستور زمانہ جاہلیت سے چلا آتا تھا کیونکہ اہل عرب میں ویسے تو قتل و غارت گری کا بازار گرم رہتا تھا لیکن جس جانور کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدیِ حرم ہے اس کو ڈاکو بھی نہیں لوٹتے تھے۔

(۹/۷۰۷) وَاَشْعَرَ الْبَدَنَةَ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَهُوَ اَنْ یَشُقَّ سَنَامَهَا مِنَ الْجَانِبِ الْاَیْمَنِ وَلَا یُشْعِرُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی .

ترجمہ: (۹/۷۰۷) اور اشعار کرے اونٹ کو صاحبینؒ کے نزدیک اور وہ یہ ہے کہ پھاڑ دے اونٹ کے کوہان کو دائیں جانب سے اور اشعار نہ کرے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: اشعار کے لغوی معنی علامت بنانا اور اصطلاحی معنی یہ ہیں ہدی کے اونٹ کی داہنی کروٹ پر نشتر وغیرہ مار کر اس کے خون سے کوہان کو رنگین کر دینا تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی ہے گم ہونے کی صورت میں پہچانی جاسکے۔

جمہور علماء ائمہ ثلاثہ اور صاحبین اشعار کی سنیت کے قائل ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ اس کے قائل نہیں ہیں، امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نہ اصل اشعار کو مکروہ کہتے ہیں اور نہ اس کی سنیت کا انکار کرتے ہیں، چونکہ امام صاحب کے زمانہ میں لوگ اشعار کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ کرنے لگے تھے اور اشعار میں کھال کے ساتھ ساتھ گوشت بھی کاٹ ڈالتے تھے اور گہرے زخم لگا دیتے تھے، جس سے جانوروں کو ناقابل برداشت تکلیف ہوتی تھی اور اس جانور کے مرنے کا خطرہ ہو جاتا تھا ورنہ آپ کا مقصود نفس اشعار سے روکنا نہ تھا بلکہ مبالغہ فی الاشعار سے روکنا تھا، امام طحاوی کی بات ہی راجح ہے، تفصیل دیکھئے: عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۳۰۱، باب من اشعر وقلد.

(۱۰/۷۰۸) فَاِذَا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ وَسَعٰی وَلَمْ یَحِلَّ حَتّٰی یُحْرِمَ بِالْحَجِّ یَوْمَ التَّرْوِیَةِ (۱۱/۷۰۹) فَاِنْ قَدَّمَ الْاِحْرَامَ قَبْلَهٗ جَازَ وَعَلَیْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ (۱۲/۷۱۰) فَاِذَا حَلَقَ یَوْمَ النَّحْرِ فَقَدْ حَلَّ مِنَ الْاِحْرَامَیْنِ .

ترجمہ: (۱۰/۷۰۸) پھر جب داخل ہو مکہ میں تو طواف وسعی کرے اور حلال نہ ہو یہاں تک کہ احرام باندھ حج کا آٹھویں ذی الحجہ کو۔ (۱۱/۷۰۹) اگر اس سے پہلے ہی احرام باندھ لیا تو بھی جائز ہے اور اس پر دم تمتع لازم ہے۔ (۱۲/۷۱۰) پھر جب اس نے قربانی کے دن حلق کرالیا تو دونوں احراموں سے حلال ہو جائے گا۔

تشریح: متمتع جو ہدی ساتھ لیکر چلا جب مکہ میں داخل ہو تو وہ عمرہ کے واسطے طواف اور سعی کرے اور ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے جیسا کہ مکی آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھتا ہے، اگر متمتع نے آٹھویں تاریخ سے پہلے ہی احرام باندھ لیا تو بھی جائز ہے بلکہ افضل ہے، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ حج تمتع کرنے والے پر قربانی واجب ہے متمتع نے جب دسویں ذی الحجہ میں سر کے بال منڈا لئے یا کتروا لئے تو وہ حج اور عمرہ کے دونوں احراموں سے حلال ہو گیا۔

(۱۳/۷۱۱) وَلَیْسَ لِاَهْلِ مَكَّةَ تَمَتُّعٌ وَلَا قِرَانٌ وَاِنَّمَا لَهُمُ الْاِفْرَادُ خَاصَّةً .

ترجمہ: (۱۳/۷۱۱) اور نہیں ہے اہل مکہ کیلئے حج تمتع اور نہ حج قران بلکہ ان کے لئے خاص طور پر حج افراد ہے۔

تشریح: اہل مکہ اور میقات میں رہنے والوں کے لئے حنفیہ کے نزدیک نہ تمتع ہے نہ قران بلکہ ان کے لئے فقط حج افراد ہے اس کے باوجود اگر حج تمتع یا قران کرلیا تو جائز تو ہو جائے گا مگر گناہ گار ہوگا۔

(۱۲/۷/۱۴) وَاِذَا عَادَ الْمُتَمَتِّعُ اِلٰی بَلَدِہٖ بَعْدَ فَرَاغِہٖ مِنَ الْعُمْرَۃِ وَلَمْ یَکُنْ سَاقَ الْھَدْیَ بَطَلَ تَمَتُّعُہٗ.

ترجمہ: (۱۲/۷/۱۴) اور اگر لوٹ آیا متمتع اپنے وطن عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اور نہیں لے گیا تھا وہ ہدی تو باطل ہو گیا اس کا تمتع۔

تشریح: آفاقی (جو میقات کے باہر سے حج یا عمرہ کے لئے حرم شریف جاتا ہے) افعالِ عمرہ ادا کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹ آیا پھر اسی سال حج کیا تو یہ شخص متمتع ہوگا یا نہیں؟

اس کی دو صورتیں ہیں: ۱ وہ شخص اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر گیا تھا۔ ۲ ہدی کا جانور ساتھ لیکر نہیں گیا تھا۔ دوسری صورت میں بالاتفاق احناف کے نزدیک اس کا تمتع باطل ہو جائے گا، پہلی صورت میں شیخین کے نزدیک اس کا تمتع باطل نہ ہوگا اور امام محمد کے نزدیک باطل ہو جائے گا۔

امام محمدؒ کی دلیل: اس شخص نے حج اور عمرہ کو دو سفروں میں ادا کیا ہے حالانکہ متمتع دونوں کو ایک سفر میں ادا کرتا ہے اس لئے متمتع نہ ہوگا۔

شیخین کی دلیل: جب تک یہ شخص نیت تمتع پر ہے اس پر وطن سے لوٹ کر مکۃ المکرمہ واپس آنا لازم ہے کیونکہ ہدی کا چلانا اس کے لئے حلال ہونے سے مانع ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۸۰)

(۱۳/۷/۱۵) وَمَنْ اَحْرَمَ بِالْعُمْرَۃِ قَبْلَ اَشْھُرِ الْحَجِّ فَطَافَ لَھَا اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَۃِ اَشْوَاطٍ ثُمَّ دَخَلَتْ اَشْھُرُ الْحَجِّ فَتَمَّمَھَا وَاَحْرَمَ بِالْحَجِّ کَانَ مُتَمَتِّعًا فَاِنْ طَافَ لِعُمْرَتِہٖ قَبْلَ اَشْھُرِ الْحَجِّ اَرْبَعَۃَ اَشْوَاطٍ فَصَاعِدًا ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِہٖ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ مُتَمَتِّعًا.

ترجمہ: (۱۳/۷/۱۵) اور جس شخص نے احرام باندھا عمرہ کا حج کے مہینوں سے پہلے اور طواف کیا اس کے لئے چار چکروں سے کم پھر حج کے مہینے آگئے اور اس نے عمرہ پورا کیا اور حج کا احرام باندھ لیا تو یہ شخص متمتع ہو جائے گا اور اگر حج کے مہینوں سے پہلے چار یا زیادہ چکر طوافِ عمرہ کے کر چکا پھر اسی سال حج کرلیا تو یہ شخص متمتع نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے حج کے مہینوں سے پہلے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور چار چکر طوافِ عمرہ کے حج کے مہینوں میں کئے اور تین اس سے پہلے کر چکا تو یہ شخص متمتع ہو جائے گا کیونکہ اکثر طواف حج کے مہینوں میں ہوا ہے اور اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ گویا پورا طواف عمرہ اشہر حج میں پایا گیا لہٰذا متمتع ہو جائے گا اور اگر برعکس ہے تو متمتع نہ ہوگا کیونکہ اس نے حج کے مہینوں سے پہلے اکثر کو ادا کیا ہے اور اکثر کو چونکہ کل کا حکم حاصل ہے گویا اس نے پورا طواف اشہر حج سے پہلے کیا۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۸۰)

(۱۴/۷/۱۶) وَاَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُوالْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِّنْ ذِی الْحِجَّةِ (۱۵/۷/۱۷) فَاِنْ قَدَّمَ الْاِحْرَامَ بِالْحَجِّ عَلَيْهَا جَازَ اِحْرَامُهُ وَانْعَقَدَ حَجُّهُ .

ترجمہ: (۱۴/۷/۱۶) اور حج کے مہینے شوال ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ (۱۵/۷/۱۷) چنانچہ اگر کسی نے حج کا احرام ان مہینوں پر مقدم کر دیا تو اس کا احرام جائز ہے اور اس کا حج منعقد ہو جائے گا۔

تشریح: اشہر حج، ماہِ شوال، ذیقعدہ، اور ذی الحجہ کے عشرۂ اول کے لئے بولتے ہیں، یہ حج کے مہینے ہیں اگر کسی نے حج کا احرام شوال سے پہلے باندھا تو ہمارے نزدیک یہ احرام جائز ہے اور یہ احرام حج ہی کے لئے منعقد ہو جائے گا۔

(۱۶/۷/۱۸) وَاِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ عِنْدَ الْاِحْرَامِ اِغْتَسَلَتْ وَاَحْرَمَتْ وَصَنَعَتْ كَمَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنَّهَا لَا تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرَ .

ترجمہ: (۱۶/۷/۱۸) اور جب حائضہ ہو جائے عورت احرام کے وقت تو غسل کر کے احرام باندھے اور کرے جیسے کرتے ہیں حاجی لوگ مگر یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے یہاں تک کہ پاک ہو جائے۔

تشریح: اس عبارت میں امام قدوریؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر طواف فرض سے پہلے عورت کو ماہواری شروع ہوگئی تو کیا کرے! چنانچہ فرمایا کہ ماہواری کی حالت میں احرام باندھنا وقوفِ عرفات، وقوفِ مزدلفہ، میدانِ منیٰ میں رمی جمار، صفا و مروہ کی سعی وغیرہ تمام امور جائز ہیں لیکن طواف کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر طواف سے پہلے ماہواری شروع ہو جائے تو حاجیوں کے ساتھ سب کام کرے اور طواف نہ کرے بلکہ ماہواری ختم ہونے کا انتظار کرتی رہے اور جب ماہواری ختم ہو جائے تو طواف کر لے اور عورتوں کے لئے ماہواری کے عذر کی وجہ سے ایام نحر میں طواف لازم نہیں بلکہ جب بھی پاک ہوگی اس وقت لازم ہو جاتا ہے اور طوافِ زیارت کئے بغیر حج نہیں ہوتا ہے، اگر عورت روانگی کے عذر کی وجہ سے حیض و نفاس کی حالت میں طوافِ زیارت کرے گی تو طواف کا فریضہ تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا مگر ساتھ ساتھ جرمانہ میں ایک اونٹ یا گائے یا بھینس کی قربانی بھی واجب ہو جائے گی اور قربانی کا حدود حرم میں کرنا لازم ہوگا، البتہ موسم حج میں کرنا لازم نہ ہوگا بلکہ کسی بھی زمانہ میں کی جا سکتی ہے۔

(۱۷/۷/۱۹) وَاِذَا حَاضَتْ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ وَبَعْدَ طَوَافِ الزِّيَارَةِ انْصَرَفَتْ مِنْ مَكَّةَ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِتَرْكِ طَوَافِ الصَّدْرِ .

ترجمہ: (۱۷/۷/۱۹) اور اگر حیض آیا وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت کے بعد تو مکہ سے لوٹ جائے اور کچھ نہیں ہے طوافِ صدر چھوڑنے کی وجہ سے۔

تشریح: اگر عورت وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت کے بعد حائضہ ہوئی تو وہ مکہ سے رخصت ہو جائے، ایسی صورت میں عورت سے طوافِ صدر معاف ہو جاتا ہے اور اس پر کسی قسم کا فدیہ وغیرہ بھی لازم نہیں ہوتا ہے۔

بابُ الجِنَايَات

یہ باب جنایات کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: جب مصنفؒ محرمین کے احکام کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب ان عوارض کو ذکر کرتے ہیں جو محرمین کو پیش آتے ہیں جیسے جنایات، احصار، فوات۔ (اللباب، ج:۱، ص:۱۸۱)

جنایات، جنایت کی جمع ہے وہ فعل جو شرعاً حرام ہو، خواہ اس کا تعلق مال سے ہو یا جان سے اور اس باب میں محرم کا وہ فعل مراد ہے جس کا کرنا محرم کو جائز نہیں ہے۔ (عینی، ج:۱، ص:۱۵۱۳)

(۷۱۸/۱) اِذَا تَطَيَّبَ الْمُحْرِمُ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فَاِنْ تَطَيَّبَ عَضْوًا كَامِلاً فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ دَمٌ (۷۱۹/۲) وَاِنْ تَطَيَّبَ اَقَلَّ مِنْ عَضْوٍ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: (۷۱۸/۱) جب خوشبو لگائے محرم تو اس پر کفارہ ہے پھر اگر خوشبو لگائے پورے عضو یا اس سے زیادہ پر تو اس پر خون ہے۔ (۷۱۹/۲) اور اگر خوشبو لگائے عضو سے کم پر تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

تشریح: حالت احرام میں خوشبو لگانے میں مرد و عورت دونوں کا حکم برابر ہے بالقصد لگائی ہو یا بلا قصد یا کسی کی زبردستی سے خوشبو لگائی، ہر صورت میں جرمانہ لازم ہوتا ہے نیز بدن اور کپڑے دونوں پر لگانا ممنوع ہے، لہٰذا اگر کسی بڑے عضو پر یعنی سر، چہرے، پنڈلی، ران، بازو، ہاتھ، ہتھیلی میں کسی پر خوشبو لگائی ہے یا ایک سے زیادہ اعضا پر خوشبو لگائی ہے تو جرمانہ میں ایک بکری واجب ہوگی خواہ پورے دن لگائے رکھی ہو یا تھوڑی دیر کے لئے۔ اور اگر چھوٹے اعضاء مثلاً ناک، کان، آنکھ، انگلی وغیرہ میں لگائی ہے تو ایک صدقہ فطر لازم ہوگا۔

(۷۲۰/۳) وَاِنْ لَبِسَ ثَوْبًا مَخِيْطًا اَوْ غَطّٰى رَاْسَهٗ يَوْمًا كَامِلاً فَعَلَيْهِ دَمٌ (۷۲۱/۴) وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: (۷۲۰/۳) اور اگر پہنے محرم سلا ہوا کپڑا یا چھپائے رکھے اپنا سر پورے ایک دن تو اس پر خون ہے۔ (۷۲۱/۴) اور اگر اس سے کم ہو تو صدقہ ہے۔

تشریح: ۱ اس عبارت میں دو مسئلے بیان کر رہے ہیں: حالت احرام میں مرد کے لئے ایسا سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع اور ناجائز ہے جو جسم کی بناوٹ کے مطابق سلا گیا ہو یا بنا لیا گیا ہو جیسے کرتا، پائجامہ، اچکن، جرسی، صدری وغیرہ اگر ایک دن یا ایک رات مکمل مرد نے سلا ہوا کپڑا پہن لیا ہے یا کئی روز مسلسل پہن لیا ہے تو دونوں صورتوں میں ایک دم لازم ہوگا اور اگر رات کو اس نیت سے اتارتا ہے کہ کل کو پھر پہننا ہے تب بھی سب دنوں کے عوض میں ایک دم لازم ہوگا اور اگر اس نیت سے اتارتا ہے کہ اب نہیں پہنوں گا مگر دوسرے دن پھر پہن لیا تو دو دم لازم ہوں گے۔

اور اگر ایک رات ایک دن سے کم اور ایک گھنٹہ سے زیادہ پہنا ہے تو ایک صدقۂ فطر لازم ہوگا اور اگر گھنٹہ سے کم پہنا ہے تو ایک دو مٹھی گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کرنا کافی ہے۔ (معلم الحجاج، ص: ۲۳۳/۲۳۴)

۲ حالت احرام میں سر کا چھپانا عورت کے لئے بلا کراہت جائز ہے بلکہ لازم ہے اور مرد کے لئے سر چھپانا جائز نہیں لہٰذا ایک دن یا ایک رات کامل سر چھپائے گا تو دم دینا لازم ہوگا ایک دن یا ایک رات سے کم میں صدقہ لازم ہے خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہی کیوں نہ ہو چاہے جان بوجھ کر چھپایا ہو یا بھول کر ہر صورت میں جرمانہ لازم ہے، ایسے ہی کسی نے زبردستی چھپا دیا تب بھی جرمانہ لازم ہوگا۔

(۲۲/۷/۵) وَاِنْ حَلَقَ رُبْعَ رَأسِهٖ فَصَاعِدًا فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاِنْ حَلَقَ اَقَلَّ مِنَ الرُّبْعِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: (۲۲/۷/۵) اور اگر منڈائے اپنا چوتھائی سر یا اس سے زیادہ تو اس پر دم ہے اور اگر منڈائے چوتھائی سے کم تو اس پر صدقہ ہے۔

تشریح: اگر پورے یا چوتھائی یا اس سے زائد سر کے بال منڈائے یا کتروائے تو جرمانہ میں دم دینا لازم ہوگا اور اگر چوتھائی سے کم ہے تو صدقہ جرمانہ میں دینا واجب ہوگا، یہی حکم ڈاڑھی کے بارے میں ہے اگر ایک ہی وقت میں سر، ڈاڑھی، بغل، زیر ناف وغیرہ سب کے بال صاف کر لئے ہیں تو سب کے عوض ایک دم واجب ہوگا اور اگر مختلف اوقات میں صاف کئے ہیں تو ہر ایک وقت کے لئے الگ الگ دم واجب ہوگا۔

(۲۳/۷/۶) وَاِنْ حَلَقَ مَوْضِعَ الْمَحَاجِمِ مِنَ الرَّقَبَةِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: (۲۳/۷/۶) اور اگر منڈائے گدی پر پچھنے لگوانے کی جگہ کے بال تو اس پر خون ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ صدقہ ہے۔

تشریح: اگر محرم نے پوری گدی کا حلق کیا تو اس پر دم جنایت واجب ہے کیونکہ گدی ایسا عضو ہے جس کو قصداً مونڈا جاتا ہے، یہ مذہب امامؒ کا ہے، صاحبینؒ کے نزدیک اس پر صدقہ لازم ہے۔

(۲۴/۷/۷) وَاِنْ قَصَّ اَظَافِيْرَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ دَمٌ (۲۵/۷/۸) وَاِنْ قَصَّ يَدًا اَوْ رِجْلًا فَعَلَيْهِ دَمٌ (۲۶/۷/۹) وَاِنْ قَصَّ اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ اَظَافِيْرَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: (۲۴/۷/۷) اور اگر کاٹے اپنے دونوں ہاتھ اور اپنے دونوں پاؤں کے ناخن تو اس پر قربانی واجب ہے۔ (۲۵/۷/۸) اور اگر کاٹے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے سب تب بھی اس پر قربانی ہے۔ (۲۶/۷/۹) اور اگر کاٹے پانچ ناخنوں سے کم تو اس پر صدقہ ہے۔

تشریح: ایک ہاتھ یا ایک پیر یا ہاتھ پاؤں چاروں اعضاء کے ناخن ایک وقت میں ایک جگہ کاٹ لئے ہیں تو سب کے عوض میں ایک ہی دم واجب ہوگا اور اگر چاروں اعضاء کے ناخن چار وقت میں چار جگہ کاٹے ہیں تو چار دم لازم ہوں گے اسی طرح اگر ایک وقت میں ایک عضو کے کاٹ لئے ہیں اور دوسرے عضو کے دوسرے وقت میں کاٹ لئے ہیں تو دو دم لازم ہوں گے اور کسی بھی عضو کے سب ناخن نہیں کاٹے بلکہ ہر ایک عضو سے پانچ ناخن سے کم کم کاٹے ہیں خواہ چار چار کر کے سولہ ناخن کاٹ لئے ہیں تو دم لازم نہ ہوگا بلکہ ہر ایک ناخن کے عوض میں ایک صدقہ فطر لازم ہوگا۔ (فتاویٰ عالمگیری، ج:۱،ص:۲۴۴۔ بدائع الصنائع، ج:۲،ص:۴۲۳/۴۲۴)

(۲۷/۱۰) وَاِنْ قَصَّ اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ اَظَافِيْرَ مُتَفَرِّقَةً مِنْ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ دَمٌ.

ترجمہ: (۲۷/۱۰) اور اگر کاٹے پانچ ناخنوں سے کم متفرق طور پر دونوں ہاتھ پاؤں سے تو اس پر صدقہ ہے شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اس پر دم ہے۔

تشریح: اگر محرم نے پانچ ناخنوں سے کم کترے مگر دونوں ہاتھ پاؤں سے متفرق طور پر تو شیخین کے نزدیک اس پر صدقہ واجب ہوگا یعنی ہر ناخن کے عوض میں صدقہ واجب ہوگا اور امام محمد نے فرمایا کہ اس صورت میں دم واجب ہوگا۔ معتمد قول شیخین کا ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب، ج:۱،ص:۱۸۲)

(۲۸/۱۱) وَاِنْ تَطَيَّبَ اَوْ حَلَقَ اَوْ لَبِسَ مِنْ عُذْرٍ فَهُوَ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ ذَبَحَ شَاةً وَاِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ بِثَلٰثَةِ اَصْوُعٍ مِنَ الطَّعَامِ وَاِنْ شَاءَ صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ.

ترجمہ: (۲۸/۱۱) اور اگر خوشبو لگائی یا بال منڈوائے یا سلا ہوا کپڑا پہنا کسی عذر کی وجہ سے تو محرم کو اختیار ہے اگر چاہے بکری ذبح کرے اور اگر چاہے صدقہ کرے چھ مسکینوں پر تین صاع گیہوں اور اگر چاہے تین روزے رکھے۔

تشریح: اگر محرم نے کسی عذر کی وجہ سے خوشبو کا استعمال کیا یا حلق کیا یا سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس کو تین باتوں کا اختیار ہے چاہے تو ایک بکری ذبح کرے یا چھ مساکین پر تین صاع گندم صدقہ کرے اور یا تین روزے رکھے، روزوں کے سلسلہ میں اختیار ہے جس جگہ چاہے رکھے نیز لگا تار رکھے یا الگ الگ رکھے۔ صدقہ حرم کے مساکین پر کرنا مستحب ہے اور بکری کا ذبح کرنا بالاتفاق حرم کے ساتھ مخصوص ہے غیر حرم میں جائز نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۰۹)

(۲۹/۱۲) وَاِنْ قَبَّلَ اَوْ لَمَسَ بِشَهْوَةٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ اَنْزَلَ اَوْ لَمْ يُنْزِلْ

ترجمہ: (۲۹/۱۲) اور اگر بوسہ لے لے یا چھو لے شہوت کے ساتھ تو اس پر خون ہے انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو

تشریح: اگر حالت احرام میں مرد اپنی بیوی کے ساتھ بوس و کنار کرتا ہے تو ایسی صورت میں انزال ہوا ہو یا نہ ہوا

ہو دونوں صورتوں میں جرمانہ میں ایک دنبہ یا بکرے کی قربانی واجب ہو جائے گی نیز اگر بیوی کو شہوت ہو جائے تو اس پر بھی الگ سے ایک قربانی واجب ہو جائے گی۔

(۷۳۰/۱۳) وَمَنْ جَامَعَ فِيْ اَحَدِ السَّبِيْلَيْنِ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ فَسَدَ حَجُّهُ وَعَلَيْهِ شَاةٌ وَيَمْضِيْ فِي الْحَجِّ كَمَا يَمْضِيْ مَنْ لَمْ يَفْسُدْ حَجُّهُ وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ (۷۳۱/۱۴) وَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُفَارِقَ امْرَأَتَهُ اِذَا حَجَّ بِهَا فِي الْقَضَاءِ عِنْدَنَا .

ترجمہ: (۷۳۰/۱۳) اور جس نے صحبت کر لی قبل یا دبر میں سے کسی ایک میں وقوف عرفہ سے پہلے تو اس کا حج فاسد ہو گیا اور اس پر بکری لازم ہے اور کرے حج کے افعال اسی طرح جیسے کرتا ہے وہ شخص جس کا حج فاسد نہیں ہوا اور اس پر قضا لازم ہے۔ (۷۳۱/۱۴) اور ضروری نہیں ہے اس پر کہ جدا کرے اپنی بیوی کو جب اس کے ساتھ حج قضاء کرے ہمارے نزدیک۔

تشریح: اگر محرم نے وقوفِ عرفہ سے پہلے عورت کی قبل میں یا دبر میں صحبت کر لی تو عورت و مرد دونوں کا حج فاسد ہو جائے گا اور ہر ایک پر بکری کی قربانی واجب ہے اور اونٹ گائے وغیرہ میں ایک ایک حصہ واجب ہے اور افعالِ حج اس طرح پورے کرے جس طرح وہ شخص ادا کرتا ہے جس کا حج فاسد نہیں ہوا، البتہ آئندہ سال اس کی قضاء کرے۔
اس کے بعد صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ جماع کی وجہ سے فاسد کردہ حج کی جب قضا کریں تو مرد و عورت پر جدا رہنا ہمارے نزدیک واجب نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ دونوں دو راستے اختیار کریں، صاحب جوہرہ فرماتے ہیں کہ امام زفر نے فرمایا کہ جب دونوں احرام باندھ لیں تو جدا ہو جائیں، امام مالک نے فرمایا ہے کہ گھر سے نکلتے ہی دونوں جدا ہو جائیں، امام شافعی نے فرمایا ہے کہ گذشتہ سال جس جگہ صحبت کی تھی جب اس کے قریب آ جائیں تو جدا ہو جائیں۔
(الجوہرة النیرہ، ج:۱، ص:۲۱۰)

(۷۳۲/۱۵) وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ لَمْ يَفْسُدْ حَجُّهُ وَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ .

ترجمہ: (۷۳۲/۱۵) اور جس نے صحبت کر لی وقوفِ عرفہ کے بعد تو اس کا حج فاسد نہیں ہوا اور اس پر بدنہ واجب ہے۔

تشریح: اگر محرم نے وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا؛ البتہ اس پر اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔

حج فاسد نہ ہونے کی دلیل: حضور ﷺ کا فرمان ہے جس نے وقوفِ عرفہ کیا اس کا حج پورا ہو گیا۔

اونٹ کا وجوب: جماع لذت حاصل کرنے کا اعلیٰ درجہ ہے اس کی وجہ سے جو چیز واجب ہوگی وہ بھی سخت ہوگی اور وہ اونٹ ہے اس لئے اونٹ واجب کیا گیا۔ (الجوہرة النیرہ، ج:۱، ص:۲۱۰)

(۳۳۳/۱۶) وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ .

ترجمه: (۳۳۳/۱۶) اور جس شخص نے صحبت کی سر منڈانے کے بعد تو اس پر بکری واجب ہے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے سر منڈانے کے بعد عورت سے صحبت کر لی تو بکری کی قربانی واجب ہے کیونکہ احرام صرف عورتوں کے حق میں باقی ہے؛ لہٰذا جنایت ہلکی ہے تو بکری ہی کافی ہو جائے گی۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۸۴۔ الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۱۰)

(۳۳۴/۱۷) وَمَنْ جَامَعَ فِي الْعُمْرَةِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ اَفْسَدَهَا وَمَضٰى فِيْهَا وَقَضَاهَا وَعَلَيْهِ شَاةٌ (۳۳۵/۱۸) وَاِنْ وَطِئَ بَعْدَ مَا طَافَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَلَا تَفْسُدُ عُمْرَتُهُ وَلَا يَلْزَمُهُ قَضَاؤُهَا.

ترجمه: (۳۳۴/۱۷) اور جس شخص نے صحبت کی عمرہ میں چار چکر طواف سے پہلے تو اس کا عمرہ فاسد ہو گیا، پس عمرہ کے افعال پورے کرے اور اس کی کرے اور اس پر بکری کی قربانی واجب ہے۔ (۳۳۵/۱۸) اور اگر چار چکر طواف کرنے کے بعد صحبت کی تو اس پر ایک بکری واجب ہے اور اس کا عمرہ فاسد نہیں ہوگا اور اس پر اس کی قضاء لازم نہیں ہوگی۔

تشریح: اگر کسی محرم نے چار چکر طواف کرنے سے پہلے عمرہ کے احرام میں صحبت کر لی تو اس کا عمرہ فاسد ہو جائے گا، البتہ وہ افعال عمرہ پورے کرے اور اس کی قضاء کرے اور اس جماع کی وجہ سے اس پر بکری کی قربانی واجب ہو جائے گی اور اگر چار یا زائد چکر طواف کے بعد جماع کیا تو اس پر بکری تو واجب ہوگی مگر عمرہ فاسد نہ ہوگا اور امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں عمرہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر اونٹ کی قربانی واجب ہو جائے گی۔

امام شافعی کی دلیل: عمرہ کو حج پر قیاس کیا ہے کیونکہ حج کی طرح عمرہ بھی فرض ہے اور حج کو فاسد کرنے میں دونوں برابر ہیں خواہ چار چکر سے پہلے صحبت کرے یا بعد میں کرے اسی طرح عمرہ میں بھی برابر ہے۔

حنفیہ کی دلیل: عمرہ سنت ہے اور حج فرض ہے اس لئے عمرہ رتبہ میں حج سے کمتر ہوگا، عمرہ میں بکری واجب ہوگی اور حج میں اونٹ لازم ہوگا تاکہ دونوں میں فرق رہے۔ (الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۱۰)

(۳۳۶/۱۹) وَمَنْ جَامَعَ نَاسِيًا كَمَنْ جَامَعَ عَامِدًا فِي الْحُكْمِ .

ترجمه: (۳۳۶/۱۹) اور جس نے بھول کر صحبت کی وہ اس کے مانند ہے جس نے جان بوجھ کر صحبت کی۔

تشریح: بھول کر جماع کرنا احرام کو اسی طرح فاسد کر دیتا ہے جس طرح جان بوجھ کر صحبت کرنا فاسد کر دیتا ہے، کیونکہ حج کی حالت یاد دلانے والی ہے اور اس کے لئے علامات ظاہرہ بھی ہیں اور وہ پراگندہ بالوں والا ہونا، گھر سے دور ہونا، لہٰذا نسیان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ (الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۱۰)

(۳۳۷/۲۰) وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْقُدُوْمِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ (۳۳۸/۲۱) وَاِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ .

ترجمہ: (۳۷/۲۰) اور جس شخص نے طواف کیا طوافِ قدوم بے وضو تو اس پر صدقہ ہے۔ (۳۸/۲۱) اور اگر ناپاک تھا تو اس پر بکری ہے۔

تشریح: اگر آفاقی بے وضو طوافِ قدوم کرے گا تو طواف کے ہر چکر کے عوض میں ایک صدقہ فطر واجب ہوگا اور سات شوط کے عوض میں سات صدقہ فطر جرمانہ میں ادا کرنا واجب ہوگا اور اگر جنابت کی حالت میں طوافِ قدوم کرے گا تو جرمانہ میں دم دینا واجب ہوگا اور اگر طواف کا اعادہ کرلے گا تو جرمانہ ساقط ہو جائے گا۔

(۳۹/۲۲) وَاِنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ (۴۰/۲۳) وَاِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ وَالْاَفْضَلُ اَنْ يُعِيْدَ الطَّوَافَ مَا دَامَ بِمَكَّةَ وَلَا ذَبْحَ عَلَيْهِ .

ترجمہ: (۳۹/۲۲) اور اگر طواف کیا طوافِ زیارت بے وضو تو اس پر بکری ہے۔ (۴۰/۲۳) اور اگر ناپاک تھا تو اس پر اونٹ ہے اور افضل یہ ہے کہ دوبارہ کرے طواف جب تک ہو مکہ میں اور اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

تشریح: اگر بے وضو طواف زیارت کرے گا تو طواف کا اعادہ لازم ہے اگر اعادہ نہیں کرے گا تو جرمانہ میں ایک دم واجب ہو جائے گا اور اعادہ ایام نحر میں کرے یا ایام نحر گزرنے کے بعد کرے دونوں صورتوں میں جرمانہ کی قربانی راجح قول کے مطابق بالکلیہ معاف ہو جائے گی اور اگر حالت جنابت میں طوافِ زیارت کرے گا تو جرمانہ میں ایک گائے یا اونٹ کی قربانی واجب ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوگا اور اس طواف کا اعادہ کرنا واجب ہے لہٰذا اگر ایام نحر کے اندر اندر اعادہ کرلے گا تو جرمانہ کی قربانی کلی طور پر معاف ہو جائے گی اور اگر ایام نحر گزر جانے کے بعد اعادہ کرے گا تو تاخیر کی وجہ سے ایک بکرے کی قربانی واجب ہو جائے گی۔ (غنیۃ المناسک ص:۱۴۵) صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر محرم نے طوافِ زیارت حدث کی حالت میں کیا ہو یا جنابت کی حالت میں دونوں صورتوں میں اس طواف کا اعادہ افضل ہے جب تک کہ مکہ میں مقیم رہے اور اعادہ کی صورت میں اس پر بکری یا اونٹ کی قربانی بھی واجب نہ رہے گی۔

(۴۱/۲۴) وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الصَّدْرِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ (۴۲/۲۵) وَاِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ .

ترجمہ: (۴۱/۲۴) اور جس شخص نے طواف کیا طوافِ صدر بے وضو ہو کر تو اس پر صدقہ ہے۔ (۴۲/۲۵) اور اگر جنبی تھا تو اس پر بکری ہے۔

تشریح: اگر آفاقی وطن کو روانہ ہوتے وقت بے وضو طواف صدر کرے گا تو ہر چکر کے بدلہ میں ایک صدقۂ فطر ادا کرے گا، لہٰذا سات چکروں کے عوض میں سات صدقۂ فطر جرمانہ میں ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر حالت جنابت میں طواف صدر کرے گا تو جرمانہ میں ایک قربانی دینا لازم ہوگا، اگر اعادہ کرلے گا تو جرمانہ معاف ہو جائے گا۔ (غنیۃ المناسک ۱۴۷)

(۴۳/۷/۲۶) وَاِنْ تَرَكَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ ثَلٰثَةَ اَشْوَاطٍ فَمَا دُوْنَهَا فَعَلَيْهِ شَاةٌ (۴۴/۷/۲۷) وَاِنْ تَرَكَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ بَقِيَ مُحْرِمًا اَبَدًا حَتّٰى يَطُوْفَهَا .

ترجمہ: (۴۳/۷/۲۶) اور اگر چھوڑ دے طوافِ زیارت میں سے تین چکر یا اس سے کم تو اس پر ایک بکری واجب ہے۔ (۴۴/۷/۲۷) اور اگر چھوڑ دے چار چکر تو وہ ہمیشہ محرم ہی رہے گا یہاں تک طواف کرے۔

تشریح: اگر محرم نے طوافِ زیارت کے تین پھیرے یا تین سے کم چھوڑ دیئے تو اس پر دم واجب ہے کیونکہ تین پھیرے ترک کرنے کی وجہ سے جو نقصان پیدا ہو رہا ہے وہ ہلکا ہے چنانچہ یہ اس نقصان کے مشابہ ہو گیا جو حدث کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور حدث کی صورت میں تلافی بکری کی قربانی سے کی جاتی ہے اس لئے یہاں بھی قربانی لازم ہوگی قربانی کا لزوم اس وقت ہے جب کہ طواف کا اعادہ نہ کیا ہو اور اگر ایام نحر میں طواف کا اعادہ کر لیا تو پھر کچھ لازم نہ ہوگا۔ اور ایام نحر کے بعد اعادہ کیا تو اس پر صدقہ فطر لازم ہے اور اگر لوٹ کر اپنے وطن چلا گیا تو اس کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ مکہ لوٹ کر نہ جائے اور ایک بکری بھیج دے، اور اگر طوافِ زیارت کے چار پھیرے چھوڑ دیئے تو وہ محرم ہی رہے گا یہاں تک کہ طوافِ زیارت نہ کرے کیونکہ چھوڑے ہوئے پھیرے اکثر ہیں اور اکثر کو کل کا حکم حاصل ہوتا ہے گویا اس نے طواف بالکل نہیں کیا اور طوافِ زیارت نہ کرنے کی صورت میں ہمیشہ محرم رہے گا یعنی عورتوں کے حق میں محرم رہے گا چنانچہ جب بھی صحبت کرے گا اس پر دم لازم ہوگا بشرطیکہ مجلس متعدد ہو۔

(۴۵/۷/۲۸) وَمَنْ تَرَكَ ثَلٰثَةَ اَشْوَاطٍ مِنْ طَوَافِ الصَّدْرِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ (۴۶/۷/۲۹) وَاِنْ تَرَكَ طَوَافَ الصَّدْرِ اَوْ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ شَاةٌ .

ترجمہ: (۴۵/۷/۲۸) اور جس نے چھوڑ دیئے تین چکر طواف صدر کے تو اس پر صدقہ ہے۔ (۴۶/۷/۲۹) اور اگر چھوڑ دے طواف صدر یا اس کے چار چکر تو اس پر بکری ہے۔

تشریح: اگر طوافِ صدر کے تین چکر چھوڑ دیئے تو اس پر ہر چکر کے عوض میں ایک صدقہ فطر لازم ہے اور اگر طوافِ صدر پورا ہی چھوڑ دیا یا اس کے چار چکر چھوڑ دیئے اور وطن لوٹ گیا تو اس پر ایک بکری کی قربانی واجب ہے کیونکہ اس نے واجب کو یا واجب میں سے اکثر کو چھوڑ دیا ہے اور ترک واجب قربانی سے نقصان پورا ہوتا ہے اور جب تک وہ مکہ میں ہے تو اس کو طوافِ صدر کرنے کا حکم کیا جائے گا تا کہ واجب اپنے وقت میں ادا ہو جائے۔ (اللباب، ج:۱، ص:۱۸۵)

(۴۷/۷/۳۰) وَمَنْ تَرَكَ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَحَجُّهٗ تَامٌّ .

ترجمہ: (۴۷/۷/۳۰) اور جس شخص نے چھوڑ دی صفا و مروہ کے درمیان سعی تو اس پر بکری ہے اور اس کا حج پورا ہے۔

تشریح: اگر صفا ومروہ کے درمیان سعی کو بلا عذر چھوڑ دیا تو اس پر بکری واجب ہے اور اس کا حج مکمل ہو جائے گا کیونکہ سعی واجبات میں سے ہے اور ترک واجب کی وجہ سے دم واجب ہوگا، امام شافعی کے نزدیک سعی فرض ہے جیسے طوافِ زیارت لہٰذا ان کے نزدیک سعی کا اعادہ فرض ہی رہے گا۔ (الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۱۲)

(۷۴۸/۳۱) وَمَنْ اَفَاضَ مِنْ عَرَفَاتٍ قَبْلَ الْإِمَامِ فَعَلَيْهِ دَمٌ

ترجمہ: (۷۴۸/۳۱) اور جو شخص چلا گیا عرفات سے امام سے پہلے تو اس پر دم واجب ہے۔

تشریح: عرفات کے دن حجاج کے لئے غروب شمس سے قبل حدود عرفات سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی اتفاق سے حدود عرفات سے باہر نکل جاتا ہے تو لوٹ کر عرفات میں داخل ہونا واجب ہے اور اگر بھیڑ کی وجہ سے آفتاب غروب ہونے سے قبل عرفات سے روانہ ہو جاتا ہے یا کسی اور عذر سے حدود عرفات سے باہر نکل جانے کے بعد غروب سے پہلے لوٹ کر عرفات میں داخل نہیں ہوتا ہے تو اس پر بطور جرمانہ ایک بکرا یا دنبہ کی قربانی واجب ہو جائے گی، اگر آفتاب غروب ہونے کے بعد اور امام سے قبل عرفات سے چلا گیا تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

(۷۴۹/۳۲) وَمَنْ تَرَكَ الْوُقُوْفَ بِمُزْدَلِفَةَ فَعَلَيْهِ دَمٌ.

ترجمہ: (۷۴۹/۳۲) اور جس شخص نے مزدلفہ کا وقوف ترک کر دیا تو اس پر دم ہے۔

تشریح: ائمہ اربعہ کے نزدیک وقوفِ مزدلفہ واجب ہے اس کو بلا عذر ترک کر دینے سے ان سب کے نزدیک دم واجب ہو جاتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی، ج:۳،ص:۵۰۵) اگر مزدلفہ میں بھیڑ ہو جائے یا جمرہ عقبہ کی رمی میں سخت بھیڑ کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں کمزور عورتوں اور ضعیف مردوں کے لئے وقوفِ مزدلفہ ترک کر دینے کی گنجائش ہے اور ان پر کوئی فدیہ یا دم بھی لازم نہ ہوگا۔ (درمختار مع الشامی ج:۲،ص:۲۴۴)

(۷۵۰/۳۳) وَمَنْ تَرَكَ رَمْيَ الْجِمَارِ فِي الْاَيَّامِ كُلِّهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ (۷۵۱/۳۴) وَاِنْ تَرَكَ رَمْيَ اِحْدَى الْجِمَارِ الثَّلٰثِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ (۷۵۲/۳۵) وَاِنْ تَرَكَ رَمْيَ جَمْرَةِ الْعُقْبَةِ فِيْ يَوْمِ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ.

ترجمہ: (۷۵۰/۳۳) اور جس شخص نے چھوڑ دی رمی جمار تمام دنوں میں تو اس پر قربانی واجب ہے۔ (۷۵۱/۳۴) اور اگر چھوڑ دی تینوں جمروں میں سے ایک کی تو اس پر صدقہ ہے۔ (۷۵۲/۳۵) اور اگر چھوڑ دی جمرۂ عقبہ کی رمی قربانی کے دن تو اس پر خون ہے۔

تشریح: دسویں ذی الحجہ میں جمرۂ عقبہ کی رمی گیارہویں کی صبح صادق ہو جانے کے بعد تک مؤخر کرنے سے قضا ودم دونوں لازم اور بارہویں کی رمی کو تیرہویں کی صبح صادق ہو جانے تک مؤخر کرنے سے قضا دم دونوں واجب اور تیرہویں کو اگر منیٰ میں قیام کیا ہے تو اس کی رمی کو اسی دن غروب تک مؤخر کر دینے سے صرف دم واجب ہو جاتا ہے قضا

نہیں، اور اگر ایک دن کی رمی ترک کردی ہے تو ایک دم، اور دو دن کی ترک کردی ہے تب بھی ایک دم لازم ہوتا ہے اور اگر تمام ایام منیٰ کی تمام رمیوں کو تیرہویں کے غروب کے بعد تک ترک کردیا ہے تب بھی سب کے بدلہ میں صرف ایک قربانی واجب ہوگی، اور اگر محرم نے کسی دن تینوں جمروں میں سے ایک جمرہ کی رمی ترک کردی اور باقی دو جمروں کی رمی کی تو ہر کنکری کے عوض میں ایک صدقۂ فطر ادا کرے۔

(۷۵۳/۳۶) وَمَنْ اَخَّرَ الْحَلْقَ حَتّٰی مَضَتْ اَيَّامُ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

ترجمہ: (۷۵۳/۳۶) اور جس شخص نے مؤخر کردیا سر منڈانا یہاں تک کہ گزر گئے قربانی کے دن تو اس پر خون ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: جمرۂ عقبہ کے بعد دو واجب یعنی قربانی اور اس کے بعد حلق یہ دونوں دسویں ذی الحجہ کو لازم نہیں بلکہ بارہویں تک مؤخر کرنے کی بھی اجازت ہے؛ لیکن اگر بارہویں ذی الحجہ گزر جانے تک مؤخر کردیا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جرمانہ میں ایک دم واجب ہوگا۔

(۷۵۴/۳۷) وَكَذٰلِكَ اِنْ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

ترجمہ: (۷۵۴/۳۷) اور ایسے ہی اگر مؤخر کردیا طوافِ زیارت کو امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کے درمیان میں طواف زیارت کرنا واجب ہے، لہٰذا اگر بارہویں ذی الحجہ گزر گئی اور طوافِ زیارت نہیں کیا پھر بعد میں طواف کرتا ہے تو فریضۂ طواف تو ادا ہوجائے گا مگر تاخیر کی وجہ سے جرمانہ میں ایک دم واجب ہوجائے گا۔ (درمختار مع الشامی، ج:۲، ص:۲۸۵)

(۷۵۵/۳۸) وَاِذَا قَتَلَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا اَوْ دَلَّ عَلَيْهِ مَنْ قَتَلَهٗ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ سَوَاءٌ فِيْ ذٰلِكَ الْعَامِدُ وَالنَّاسِيْ وَالْمُبْتَدِئُ وَالْعَائِدُ.

ترجمہ: (۷۵۵/۳۸) اور جب قتل کردیا محرم نے کسی شکار کے جانور کو یا رہنمائی کی اس پر ایسے شخص کی جس نے اس کو قتل کیا تو اس پر جزاء واجب ہے برابر ہے اس میں جان بوجھ کر کرنے والا اور بھول کر کرنے والا اور پہلی بار بتلانے والا اور دوسری بار بتلانے والا۔

تشریح: اگر محرم نے کسی شکار کے جانور کو قتل کردیا یا اس پر اس کو رہنمائی کی جس نے اس کو قتل کیا ہے مثلاً محرم نے شکاری کو کہا شکار کا جانور فلاں جگہ ہے مدلول نے اس کو مار ڈالا، تو ان دونوں صورتوں میں صرف محرم پر جزاء واجب ہوگی، بشرطیکہ مدلول حلال ہو اور اگر مدلول بھی محرم ہو تو پھر دونوں میں سے ہر ایک پر مکمل جزاء واجب ہوگی خواہ شکار حدودِ حرم کا ہو یا حدودِ حرم سے باہر کا جان بوجھ کر قتل کیا ہو یا بھول کر ہر حال میں محرم کا مارا ہوا شکار حرام اور مردار کے حکم میں ہوگا

اور محرم پر اس کا متبادل جرمانہ اداء کرنا بھی واجب ہوگا۔

رہنمائی کرنے والے محرم پر جزاء واجب ہونے کے لئے صاحب جوہرہ نیرہ نے تین شرطیں بیان کی ہیں: ۱۔ مدلول دلالت سے پہلے شکار کی جگہ سے ناواقف ہو اگر وہ پہلے ہی سے جانتا ہو کہ فلاں جگہ شکار ہے تو دال پر جزاء واجب نہ ہوگی۔ ۲۔ مدلول اس شکار کو دلالت کرنے والے کے محرم ہونے کی حالت میں پکڑے اگر اس کے پکڑنے سے پہلے ہی رہنمائی کرنے والا احرام سے حلال ہو گیا تو اس پر جرمانہ لازم نہ ہوگا۔ ۳۔ رہنمائی کے بعد شکار اسی جگہ موجود ہے اگر اس جگہ سے دوسری جگہ بھاگ گیا اور مدلول نے دوسری جگہ سے شکار کیا تو دال پر جزاء واجب نہ ہوگی۔ (جوہرہ، ج:۱، ص:۲۱۳)

(۵۶/ ۳۹) وَالْجَزَاءُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اَنْ یُقَوَّمَ الصَّیْدُ فِی الْمَکَانِ الَّذِیْ قَتَلَهُ فِیْهِ اَوْ فِیْ اَقْرَبِ الْمَوَاضِعِ مِنْهُ اِنْ کَانَ فِیْ بَرِّیَّةٍ یُقَوِّمُهُ ذَوَا عَدْلٍ (۵۷/ ۴۰) ثُمَّ هُوَ مُخَیَّرٌ فِی الْقِیْمَةِ اِنْ شَاءَ اِبْتَاعَ بِهَا هَدْیًا فَذَبَحَهُ اِنْ بَلَغَتْ قِیْمَتُهُ هَدْیًا وَاِنْ شَاءَ اشْتَرٰی بِهَا طَعَامًا فَتَصَدَّقَ بِهٖ عَلٰی کُلِّ مِسْکِیْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ وَاِنْ شَاءَ صَامَ عَنْ کُلِّ نِصْفِ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ یَوْمًا وَعَنْ کُلِّ صَاعٍ مِّنْ شَعِیْرٍ یَوْمًا (۵۸/ ۴۱) فَاِنْ فَضَلَ مِنَ الطَّعَامِ اَقَلَّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ فَهُوَ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ بِهٖ وَاِنْ شَاءَ صَامَ عَنْهُ یَوْمًا کَامِلًا (۵۹/ ۴۲) وَقَالَ مُحَمَّدٌ یَجِبُ فِی الصَّیْدِ النَّظِیْرُ فِیْمَا لَهٗ نَظِیْرٌ فَفِی الظَّبْیِ شَاةٌ وَفِی الضَّبُعِ شَاةٌ وَفِی الْاَرْنَبِ عَنَاقٌ وَفِی النَّعَامَةِ بَدَنَةٌ وَفِی الْیَرْبُوْعِ جَفْرَةٌ.

ترجمہ: (۵۶/ ۳۹) اور جزاء شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ قیمت لگائی جائے شکار کی اس جگہ میں جہاں شکار کیا ہے یا وہاں سے سب سے نزدیک آبادی میں اگر جنگل میں ہو چنانچہ دو عادل آدمی اس کی قیمت کا اندازہ کریں۔ (۵۷/ ۴۰) پھر اسے اختیار ہے قیمت میں اگر چاہے خریدے اس قیمت کے عوض ہدی کا جانور اور اس کو ذبح کرے اگر پہنچ جائے اس کی قیمت ہدی کی قیمت کو اور اگر چاہے خریدے اس قیمت کے بدلہ غلہ پھر خیرات کر دے اس کو ہر مسکین پر آدھا صاع گیہوں کا یا ایک صاع کھجور کا یا ایک صاع جو کا، اور اگر چاہے تو روزہ رکھے ہر نصف صاع گیہوں کی جانب سے ایک دن اور ہر ایک صاع جو کی طرف سے ایک دن۔ (۵۸/ ۴۱) اگر بچ گیا غلہ نصف صاع سے کم تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو صدقہ کر دے اور اگر چاہے تو روزہ رکھے اس کے بدلہ ایک مکمل دن۔

(۵۹/ ۴۲) اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ شکار میں مثل واجب ہے بشرطیکہ اس کا مثل ممکن ہو چنانچہ ہرن میں بکری ہے اور بجو میں بکری ہے اور خرگوش میں بکری کا چھ ماہ کا بچہ ہے اور شتر مرغ میں اونٹ ہے اور جنگلی چوہے میں چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔

تشریح: مذکورہ مسئلہ میں جہاں وجوب جرمانہ کا حکم بیان کیا گیا ہے وہ قریب قریب متفق علیہ مسئلہ ہے مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ جرمانہ کی کیفیت ہوگی اس بارے میں دو مذہب ہیں۔ (عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۴۷۵۔ اوجز المسالک، ج:۳، ص:۴۲۷)

۱ شیخین کے نزدیک شکار چاہے مثلی ہو یا غیر مثلی ہر حال میں قیمت کا صدقہ کرنا جائز ہے؛ لہٰذا اس کو اختیار ہے کہ چاہے مثل صوری ادا کرے یا مثل معنوی ہر طرح جائز ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر جنگل میں شکار کو قتل کیا ہے تو اسی جگہ میں دو عادل مرد اس کی قیمت کا اندازہ کریں گے اور اگر وہاں اس کی کوئی قیمت نہ ہو تو قریب کی کسی بستی میں جاکر اندازہ کریں پھر اس کی قیمت کی تعیین ہو جائے تو اب قاتل کو اختیار ہے چاہے تو وہ اس قیمت میں ہدی کا جانور خرید کر اس کو ذبح کر دے اور اس کے گوشت کو مساکین حرم پر تقسیم کر دے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ اس قیمت میں ہدی کا جانور آسکتا ہو اور اگر چاہے تو اس کا غلہ خرید لے اور صدقۂ فطر کی مقدار ایک ایک مسکین کو صدقہ کر دے یعنی اگر گندم خریدا ہے تو ہر مسکین پر نصف نصف صاع صدقہ کر دے اور اگر کھجور یا جو ہے تو ایک ایک صاع صدقہ کر دے اور اگر چاہے تو ہر مسکین کے غلہ کے بجائے روزہ رکھ لے اور اگر نصف صاع سے کم بچ جائے تو چاہے اسی کو خیرات کر دے اور چاہے اس کے بدلہ میں ایک روزہ رکھ لے۔

۲ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک جس شکار کو مارا ہے اگر اس کا مثل صوری اہلی جانوروں میں موجود ہے تو مثل صوری جرمانہ میں ادا کرنا لازم ہوگا، مثل معنوی یعنی قیمت دینا جائز نہ ہوگا مثلاً ہرن اور بجو میں بکری لازم ہے اور خرگوش میں بکری کا چھ ماہ کا بچہ اور شتر مرغ میں اونٹ لازم ہوگا اور جنگلی چوہے کی جزا میں بکری کا چار ماہ کا مادہ بچہ واجب ہوگا اور نیل گائے میں گائے لازم ہوگی اور اگر اہلی جانوروں میں سے شکار کا مثل صوری موجود نہیں ہے تو قیمت دینا جائز ہوسکتا ہے جیسے گوریا اور کبوتر اور ان کے مانند جانور جن کی کوئی نظیر نہیں ہے چنانچہ ان جانوروں میں قیمت واجب ہوگی، اصح قول شیخین کا ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب، ج:۱، ص:۱۸۷)

(۶۰/۴۳) وَمَنْ جَرَحَ صَيْدًا اَوْ نَتَفَ شَعْرَهٗ اَوْ قَطَعَ عَضْوًا مِنْهُ ضَمِنَ مَا نَقَصَ مِنْ قِيْمَتِهٖ (۶۱/۴۴) وَاِنْ نَتَفَ رِيْشَ طَائِرٍ اَوْ قَطَعَ قَوَائِمَ صَيْدٍ فَخَرَجَ بِهٖ مِنْ حَيِّزِ الْاِمْتِنَاعِ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهٗ كَامِلَةً.

ترجمہ: (۶۰/۴۳) اور جس شخص نے زخمی کر دیا کسی شکار کو یا اکھاڑ دیئے اس کے بال یا کاٹ دیا اس کا عضو تو ضامن ہوگا اس کی قیمت کے نقصان کا۔ (۶۱/۴۴) اور اگر نوچ دیئے پرندے کے پر یا کاٹ دیئے شکار کے ہاتھ پاؤں پس نکل گیا وہ اپنا بچاؤ کرنے سے تو اس پر پوری قیمت واجب ہے۔

تشریح: اگر محرم نے شکار کے جانور کو زخمی کر دیا یا اس کے بال اکھاڑ دیئے یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا تو اس کی وجہ سے اس کی مالیت میں جو نقصان پیدا ہوا ہے اس کا ضامن ہوگا بشرطیکہ جانور نہ مرا ہو ورنہ پوری قیمت واجب ہوگی،

ایسے ہی زخم کے نشانات باقی ہوں ورنہ کوئی چیز واجب نہ ہوگی، اور اگر محرم نے کسی پرندے کے بازو کے پر اکھاڑ دیئے یا شکار کے جانور کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے، یہاں تک کہ وہ پرندہ اور شکار کا جانور اپنی حفاظت اور لوگوں سے بچنے کے قابل بھی نہ رہا تو اس محرم پر اس کی پوری قیمت واجب ہوگی، کیونکہ محرم نے جب اس کا آلۂ حفاظت معدوم کر دیا تو گویا اس کے امن کو ختم کر دیا اور امن کو ختم کرنے والا قاتل کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا اس پر مقتول کی پوری قیمت واجب ہوگی۔
(اللباب، ج:۱،ص:۱۸۷)

(۶۲/۷۴۵) وَمَنْ كَسَرَ بَيْضَ صَيْدٍ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهُ (۶۳/۷۴۶) فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الْبَيْضَةِ فَرْخٌ مَيِّتٌ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهُ حَيًّا.

ترجمہ: (۶۲/۷۴۵) اور جس شخص نے شکار کے انڈے پھوڑ دیئے تو اس پر اس کی قیمت ہے۔ (۶۳/۷۴۶) پھر اگر نکلا انڈے سے مردہ بچہ تو اس پر زندہ کی قیمت ہے۔

تشریح: اگر محرم نے شکار کا انڈا توڑ دیا تو اس پر انڈے کی قیمت واجب ہوگی؛ کیونکہ انڈا شکار کی اصل ہے اور انڈے کے اندر شکار بننے کی صلاحیت بھی ہے چنانچہ اس کو احتیاطاً شکار کے مرتبہ میں اتار لیا گیا ہے یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کہ انڈا خراب نہ نکلا ہو اگر خراب نکلا تو کچھ واجب نہ ہوگا، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ٹوٹے ہوئے انڈے سے اگر مردہ بچہ نکلا تو محرم پر بچہ کی قیمت واجب ہے کیونکہ انڈا اسی لئے ہوتا ہے کہ اس سے زندہ بچہ نکلے جب محرم نے وقت سے پہلے انڈا توڑ دیا تو یہ توڑنا ہی اس بچہ کی موت کا سبب ہے، تو احتیاطاً بچہ ہی کا تاوان لازم ہوگا۔

(۶۴/۷۴۷) وَلَيْسَ فِيْ قَتْلِ الغُرَابِ وَالحِدَاةِ وَالذِّئْبِ وَالحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَالْفَارَةِ وَالْكَلْبِ العَقُوْرِ جَزَاءٌ وَلَيْسَ فِيْ قَتْلِ الْبَعُوْضِ وَالبَرَاغِيْثِ وَالقُرَادِ شَيْءٌ.

ترجمہ: (۶۴/۷۴۷) اور نہیں ہے کوے، چیل، بھیڑیئے، سانپ، بچھو، چوہے اور کاٹنے والے کتے کے مارنے میں کوئی جزاء اور نہیں ہے کچھ مچھر، پسو، اور چچڑی کے مارنے میں۔

تشریح: حالت احرام میں محرم کے لئے اور حدود حرم میں حلال کے لئے گیارہ قسم کے جانوروں کو جان سے مار دینا جائز ہے: (۱) گندگی کھانے والے کوے (۲) چیل (۳) بھیڑیئے (۴) سانپ (۵) بچھو (۶) چوہا (۷) کاٹنے والا اور حملہ کرنے والا کتا (۸) گرگٹ اور چھپکلی (۹) حملہ کرنے والے جانور (۱۰) کاٹنے والی چیونٹی (۱۱) مچھر، نیز جو موذی جاندار بدنِ انسانی سے پیدا نہیں ہوتا ہے اس کو حالت احرام میں مارنا جائز ہے جیسے مچھر، پسو، چچڑی، کھٹمل، مکھی، تتیے، متن میں کلب عقور سے کیا مراد ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔ ۱ امام مالک امام شافعی اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ کلب عقور سے صرف کاٹنے والے کتے مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے شیر اور ہر وہ درندے مراد ہیں جو کاٹنے والے ہوں؛ البتہ امام مالک اور امام شافعی کے درمیان فرق یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ہر غیر ماکول اللحم تکلیف دینے والے

جانوروں کوقتل کرنا جائز ہے؛ لہٰذا ان کے نزدیک متعدی ہونے والی علت دو ہوں گی: ۱ تکلیف دینے والا ہونا ۲ غیر ماکول اللحم ہونا لہٰذا ماکول اللحم موذی جانور کوقتل کرنا جائز نہیں؛ البتہ اگر حملہ کردے گا توقتل کرنا جائز ہوسکتا ہے اور امام مالک کے نزدیک متعدی ہونے والی علت صرف موذی ہونا ہے جانور خواہ ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم لہٰذا ہر موذی جانور کو ان کے نزدیک محرم کے لئے قتل کردینا جائز ہے۔

۲ حنفیہ اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق کلب عقور سے ہر قسم کے درندے اور شیر وغیرہ مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے صرف کاٹنے والے کتے مراد ہیں اور ان لوگوں نے کہا کہ کلب عقور سے درندے تو مراد نہیں ہیں مگر بھیڑیئے کو کلب کی طرح قرار دیا ہے اس لئے کہ وہ کلب عقور سے بھی خطرناک اور ہر وقت حملہ کی فکر میں رہتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی، ج:۳،ص:۴۰۸، عمدة القاری ج:۷،ص:۵۰۲، اوجز المسالک ج:۳،ص:۴۴۲)

(۶۵/۴۸) وَمَنْ قَتَلَ قَمْلَةً تَصَدَّقَ بِمَا شَآءَ .

ترجمه: (۶۵/۴۸) اور جس نے جوں ماردی تو جو کچھ چاہے صدقہ کردے۔

تشریح: حالت احرام میں جوں مارنا ممنوع ہے تین سے کم مارے گا تو اپنی مرضی سے جو چاہے صدقہ کرے اور اگر تین سے زیادہ ہیں اور زیادہ کی مقدار چاہے کتنی ہی ہو پھر بھی ایک صدقہ فطر دینا کافی ہوگا اور قاعدہ یہ ہے کہ جو کیڑے بدن سے پیدا ہوں جیسے جوں وغیرہ ان کو مارنا ممنوع ہے۔ (فتح القدیر، ج:۳،ص:۲۶)

(۶۶/۴۹) وَمَنْ قَتَلَ جَرَادَةً تَصَدَّقَ بِمَا شَآءَ وَتَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ .

ترجمه: (۶۶/۴۹) اور جس نے ٹڈی کو قتل کردیا تو صدقہ کرے جتنا چاہے اور ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے۔

تشریح: حرم شریف میں ٹڈی بہت ہیں ان سے بچنا ضروری ہے اگر کوئی ٹڈی مارے گا تو ایک صدقہ یا جو کچھ بھی ہو جرمانہ میں ادا کرے۔ (فتح القدیر، ج:۳،ص:۲۶)

صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ ایک کھجور بہتر ہے ایک ٹڈی سے یہ اصل میں حضرت عمر کا قول ہے ایک محرم نے حالت احرام میں ٹڈی ماردی پھر اس کے متعلق حضرت عمر ﷺ سے معلوم کیا، آپ نے حضرت کعب کو بلا کر معلوم کیا، حضرت کعب نے فرمایا ایک ٹڈی کے عوض ایک درہم، حضرت عمر نے فرمایا کیا تم دراہم کو پالو گے؟ پھر فرمایا: ایک ٹڈی کے عوض ایک کھجور صدقہ کرنا کافی ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۸۸ مع الحاشیہ)

(۶۷/۵۰) وَمَنْ قَتَلَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ السِّبَاعِ وَنَحْوِهَا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ وَلَا يَتَجَاوَزُ بِقِيمَتِهَا شَاةً .

ترجمه: (۶۷/۵۰) اور جس نے ایسے جانور کو قتل کیا جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا مثلاً درندے اور ان کے مانند تو اس پر جزاء ہے جو قیمت میں ایک بکری سے نہ بڑھے گی۔

تشریح: اگر محرم نے غیر ماکول اللحم شکار کو قتل کر ڈالا جیسے درندے شیر چیتا وغیرہ تو اس پر بھی جزاء واجب ہوگی اور جزاء اس قدر واجب کی جائے گی کہ وہ ایک بکری کی قیمت سے تجاوز نہ کرے کیونکہ غیر ماکول اللحم کی قیمت کا اعتبار اس کی کھال کے مناسب ہوگا، کیونکہ اس کا گوشت تو نہیں کھایا جاتا تو بظاہر اس کی کھال بکری کی قیمت سے زائد نہ ہوگی۔

(۷۶۸/۵۱) وَاِنْ صَالَ السَّبُعُ عَلٰی مُحْرِمٍ فَقَتَلَهٗ فَلَا شَیْءَ عَلَیْهِ .

ترجمہ: (۷۶۸/۵۱) اور اگر حملہ کر دیا درندے نے محرم پر پھر محرم نے اس کو مار دیا تو اس پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح: اگر درندہ نے بغیر چھیڑے ہی محرم پر حملہ کر دیا اور محرم نے اس کو قتل کر دیا تو اس پر جزاء واجب نہ ہوگی کیونکہ محرم کو جانوروں کے ساتھ تعرض کرنے سے روکا گیا ہے اپنے اوپر سے تکلیف دور کرنے سے نہیں روکا گیا۔

(۷۶۹/۵۲) وَاِنِ اضْطَرَّ الْمُحْرِمُ اِلٰی اَکْلِ لَحْمِ الصَّیْدِ فَقَتَلَهٗ فَعَلَیْهِ الْجَزَاءُ .

ترجمہ: (۷۶۹/۵۲) اور اگر مجبور ہو جائے محرم شکار کا گوشت کھانے پر پھر اس کا شکار کر لیا تو اس پر جزاء ہے۔

تشریح: اگر محرم بھوک کی شدت کی وجہ سے شکار کو قتل کرنے کی طرف مجبور ہو گیا چنانچہ اس نے شکار کر لیا تو اس محرم پر بھی جزاء واجب ہے کیونکہ شریعت نے احرام کے ممنوعات میں سے اگر کسی ممنوع کام کو کرنے کی اجازت دی ہے تو وہ اجازت کفارہ کے ساتھ مقید ہے اسی طرح مضطر کو بھی ضرورت کے وقت شکار ذبح کر کے کھانا جائز ہے مگر کفارہ کی شرط کے ساتھ اور کفارہ اس کی جزاء ہے جس کا بیان مفصلاً گزر چکا ہے۔

(۷۷۰/۵۳) وَلَا بَأْسَ بِاَنْ یَذْبَحَ الْمُحْرِمُ الشَّاةَ وَالْبَقَرَةَ وَالْبَعِیْرَ وَالدَّجَاجَ وَالْبَطَّ الْکَسْکَرِیَّ
(۷۷۱/۵۴) وَاِنْ قَتَلَ حَمَامًا مُسَرْوَلًا اَوْ ظَبْیًا مُسْتَاْنِسًا فَعَلَیْهِ الْجَزَاءُ .

ترجمہ: (۷۷۰/۵۳) اور کوئی حرج نہیں ہے یہ کہ ذبح کرے محرم بکری، گائے، اونٹ، مرغی اور پالتو بطخ کسکری۔ (۷۷۱/۵۴) اور اگر مار دیا پاموز کبوتر یا مانوس ہرن تو اس پر جزاء ہے۔

تشریح: اگر محرم نے حالت احرام میں بکری، گائے، اونٹ، مرغی، اور وہ بطخ جو گھروں اور حوضوں میں رہتی ہے ایسے جانداروں کو ذبح کر دیا تو اس پر کچھ لازم نہیں اور کیونکہ یہ چیزیں وحشی نہ ہونے کی وجہ سے شکار میں داخل نہیں ہے، پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کسی محرم نے پاموز کبوتر (وہ کبوتر جس کے پاؤں میں بال و پر بہت زیادہ ہیں) مار ڈالا یا ہلے ہوئے ہرن کو قتل کر دیا تو محرم پر جزاء واجب ہے کیونکہ کبوتر اور ہرن اپنی اصل خلقت اور فطرت کے اعتبار سے وحشی ہوتے ہیں اور ان کا ہلا ہوا ہونا عارضی ہے لہٰذا عارضی مانوس ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۷۷۲/۵۵) وَاِنْ ذَبَحَ الْمُحْرِمُ صَیْدًا فَذَبِیْحَتُهٗ مَیْتَةٌ لَا یَحِلُّ اَکْلُهَا .

ترجمہ: (۷۷۲/۵۵) اور اگر ذبح کرے محرم شکار تو اس کا ذبیحہ مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔

تشریح: اگر محرم حالت احرام میں شکار کو قتل کرتا ہے چاہے حدود حرم کا شکار ہو یا حدود حرم سے باہر کا عامداً قتل کیا ہو یا ناسیا ہر حال میں محرم کا مارا ہوا شکار حرام اور مردار کے حکم میں ہوگا اس کا کھانا حرام ہے محرم اور غیر محرم سب کے لئے۔

(۳۷۷/۵۶) وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْكُلَ الْمُحْرِمُ لَحْمَ صَيْدٍ اِصْطَادَهُ حَلَالٌ وَذَبَحَهُ اِذَا لَمْ يَدُلَّهُ الْمُحْرِمُ عَلَيْهِ وَلَا اَمَرَهُ بِصَيْدِهٖ.

ترجمہ: (۳۷۷/۵۶) اور کوئی حرج نہیں ہے اس میں کہ کھائے محرم ایسے شکار کا گوشت جس کو کسی حلال آدمی نے شکار کیا ہو اور اسی نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ نہ بتایا ہو محرم نے وہ شکار اور نہ شکار کرنے کا حکم کیا ہو۔

تشریح: اگر غیر محرم حدود حرم کے باہر کا شکار مار کر لایا ہے تو وہ محرم کے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

۱ حنفیہ کے نزدیک ہر وہ شکار محرم کے لئے جائز اور حلال ہے جس کے شکار میں محرم کا کوئی دخل نہ ہو چاہے حلال آدمی نے محرم کے واسطے شکار کیا ہو یا اپنے لئے، ہر حال میں محرم کے لئے اس کا گوشت حلال ہے۔ (عمدہ ج:۷،ص:۴۹۶)

۲ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر وہ شکار محرم پر حرام ہے جو محرم کے واسطے شکار کر کے ذبح کیا جائے اور وہ محرم پر اس شکار کی طرح حرام اور مردار کے حکم میں ہے جس کو محرم نے از خود شکار کیا ہو اور اگر محرم کے واسطے شکار نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی محرم کے واسطے ذبح کیا گیا ہے تو اس شکار کا گوشت کھانا محرم کے لئے جائز اور حلال ہے۔ (عمدہ، ج:۷،ص:۴۸۷)

دلیل: لَحْمُ الصَّيْدِ حَلَالٌ لَكُمْ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ مَا لَمْ تَصِيْدُوْهُ اَوْ لِيُصَادُ لَكُمْ (طحاوی، ج:۱،ص:۴۱۴)
حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے واسطے وہ شکار حالت احرام میں حلال ہو سکتا ہے جس کو تم نے شکار نہیں کیا ہے اور نہ ہی حلال نے تمہارے واسطے شکار کیا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شکار محرم کے لئے حلال ہوگا جس کو غیر محرم نے اپنے طور پر شکار کر کے ذبح کر دیا ہے اور بعد میں اتفاقی طور پر محرم کو پیش کیا جا رہا ہے اور وہ شکار حلال نہ ہوگا جس کو محرم کے لئے مار کر ذبح کیا گیا ہے۔

جواب مذکورہ روایت میں اَوْ يُصَادُ لَكُمْ دو احتمال رکھتا ہے: ۱ محرم کے حکم کے بغیر حلال نے محرم کے لئے شکار کیا ہے۔ ۲ محرم کے حکم سے حلال نے محرم کے لئے شکار کیا ہے اور محرم کے حکم سے شکار کرنا خود محرم کے شکار کرنے کے حکم میں ہوتا ہے، اب دونوں احتمالوں میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینے کے لئے صریح روایت ہونی چاہئے، چنانچہ ہم کو ایسی روایات بکثرت مل گئی ہیں جن میں صاف صاف ارشاد ہے کہ وہ سارے شکار محرم کے لئے حلال ہیں جس کے شکار کرنے میں محرم نے کوئی تعاون نہیں کیا ہے اور نہ ہی محرم نے شکار کا حکم کیا ہے، لہٰذا احتمال دوم مراد ہوگا نہ کہ احتمال اول۔ (طحاوی شریف، ج:۱،ص:۴۱۴)

حنفیہ کی دلیل: حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت طلحہ کے ساتھ سفر حج میں تھے راستہ میں

ایک جگہ ٹھہر گئے اور حضرت طلحہ کے لئے وہاں کے لوگوں نے کچھ پرندے مار کر بطور ہدیہ پیش کیا آپ اس وقت آرام فرمارہے تھے ہم میں سے کچھ نے کھالیا اور کچھ نے نہیں کھایا، حضرت طلحہ نے بیدار ہو کر کھانے والوں کی موافقت میں کھالیا اور فرمایا کہ حضور ﷺ کے ساتھ ہم لوگوں نے کھایا ہے۔ (عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۴۹۶۔ طحاوی، ج:۱، ص:۴۱۴)

نیز متعدد روایات میں حضور ﷺ کا ارشاد اس طرح موجود ہے کہ محرم کے لئے ہر وہ شکار حلال ہے جس کو شکار کرنے میں محرم نے کوئی تعاون نہیں کیا ہے، اور نہ ہی محرم نے شکار کا حکم کیا ہے۔ (طحاوی شریف، ج:۱، ص:۴۱۴)

(۷۷۴/۵۷) وَفِیْ صَیْدِ الْحَرَمِ اِذَا ذَبَحَهُ الْحَلَالُ الْجَزَاءُ .

ترجمہ: (۷۷۴/۵۷) اور حرم کے شکار میں جبکہ اس کو حلال آدمی ذبح کرے جزاء ہے۔

تشریح: حدود حرم کا شکار مارنا کسی کے نزدیک جائز نہیں چاہے شکار کرنے والا خود محرم نہ ہو اور اگر حرم کا شکار مارے گا تو وہ مردار کے حکم میں ہوگا اس کا کھانا کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور مارنے والے پر اس جانور کا پورا جرمانہ واجب ہوگا۔

(۷۷۵/۵۸) وَاِنْ قَطَعَ حَشِیْشَ الْحَرَمِ اَوْ شَجَرَهُ الَّذِیْ لَیْسَ بِمَمْلُوْكٍ وَلَا هُوَ مِمَّا یُنْبِتُهُ النَّاسُ فَعَلَیْهِ قِیْمَتُهُ.

ترجمہ: (۷۷۵/۵۸) اور اگر کاٹی کسی نے حرم کی گھاس یا اس کا وہ درخت جو کسی کی ملک نہیں ہے اور نہ ان درختوں میں سے ہے جس کو لوگ اُگاتے ہیں تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے۔

تشریح: اگر کسی نے حرم کی گھاس کاٹی یا ایسا درخت کاٹا جو کسی کی ملک نہیں ہے اور خودرو ہے یعنی اس کو لوگ نہیں اگاتے بلکہ وہ خود اُگتا ہے تو ایسی گھاس اور درخت کو کاٹنے کی صورت میں اس پر قیمت واجب ہوگی لیکن اگر وہ گھاس یا درخت خشک ہوگیا تو اس کو کاٹنے پر قیمت واجب نہ ہوگی۔

(۷۷۶/۵۹) وَكُلُّ شَیْءٍ فَعَلَهُ الْقَارِنُ مِمَّا ذَكَرْنَا اَنَّ فِیْهِ عَلَی الْمُفْرِدِ دَمًا فَعَلَیْهِ دَمَانِ دَمٌ لِحَجَّتِهٖ وَدَمٌ لِعُمْرَتِهٖ اِلَّا اَنْ یَتَجَاوَزَ الْمِیْقَاتَ مِنْ غَیْرِ اِحْرَامٍ ثُمَّ یُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ فَیَلْزَمُهُ دَمٌ وَاحِدٌ .

ترجمہ: (۷۷۶/۵۹) اور ہر وہ چیز جس کو کرے قارن ان کاموں میں سے جن کو ہم نے بیان کیا ہے کہ ان میں مفرد پر ایک دم ہے تو قارن پر دو دم واجب ہوں گے ایک دم اس کے حج کی وجہ سے اور ایک دم اس کے عمرہ کی وجہ سے، علاوہ اس کے کہ بڑھ جائے قارن بغیر احرام کے میقات سے پھر احرام باندھے عمرہ اور حج کا تو اس پر ایک دم لازم ہوگا۔

تشریح: احرام کے ممنوعات میں سے جن امور میں مفرد بالحج پر ایک خون واجب ہوتا ہے اگر قارن ان

جنایات میں سے کسی کا ارتکاب کرلے تو دوخون واجب ہوں گے ایک حج کی وجہ سے دوسرا عمرہ کی وجہ سے، صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ صرف ایک صورت ایسی ہے جس میں ہمارے نزدیک بھی قارن پر ایک دم واجب ہوگا وہ یہ ہے کہ قارن بغیر احرام کے میقات سے گزر جائے تو اس قارن پر ایک دم واجب ہوگا، البتہ اگر لوٹ کر کسی بھی میقات میں جاکر احرام باندھ لے تو جرمانہ کی قربانی معاف ہو جائے گی۔

(۷۷۷/۶۰) وَاِذَا اشْتَرَكَ مُحْرِمَانِ فِيْ قَتْلِ صَيْدِ الْحَرَمِ فَعَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْجَزَاءُ كَامِلاً .

ترجمہ: (۷۷۷/۶۰) اور اگر شریک ہوگئے دو محرم حرم کے شکار کے قتل کرنے میں تو ان میں سے ہر ایک پر پورا جرمانہ ہے۔

تشریح: دو محرم مل کر شکار کرلیں خواہ حدود حرم کا شکار ہو یا حدود حرم سے باہر کا دونوں کا الگ الگ پورا جرمانہ ادا کرنا لازم ہوگا کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے احرام کامل پر جنایت کی ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۹۰)

(۷۷۸/۶۱) وَاِذَا اشْتَرَكَ حَلَالَانِ فِيْ قَتْلِ صَيْدِ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِمَا جَزَاءٌ وَاحِدٌ .

ترجمہ: (۷۷۸/۶۱) اور اگر شریک ہوگئے دو حلال آدمی حرم کے شکار کے قتل میں تو ان دونوں پر ایک ہی جرمانہ ہے۔

تشریح: اگر دو غیر محرم آدمیوں نے مل کر حرم کا ایک شکار قتل کیا تو دونوں پر ایک ہی جرمانہ لازم ہوگا، کیونکہ یہاں تاوان حرم کی حرمت کی وجہ سے ہے چنانچہ محل کے ایک ہونے کی وجہ سے تاوان بھی ایک ہی واجب ہوگا۔
(اللباب فی شرح الکتاب، ج:۱،ص:۱۹۰)

(۷۷۹/۶۲) وَاِذَا بَاعَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا اَوِ ابْتَاعَهُ فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ .

ترجمہ: (۷۷۹/۶۲) اور اگر بیچا محرم نے شکار یا اس کو خریدا تو بیع باطل ہے۔

تشریح: محرم کا شکار کے جانور کو فروخت کرنا اور خریدنا دونوں ناجائز اور باطل ہے، کیونکہ محرم کو شکار کی اجازت نہیں ہے ایسے ہی خرید وفروخت کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

بَابُ الاِحْصَارِ

یہ باب محصر ہو جانے کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: اب تک ان جنایتوں کا بیان تھا جو محرم اپنے اوپر کرے، اب ان کا بیان ہے جو محرم پر کوئی دوسرا کرے۔

احصار کے لغوی معنیٰ: روکنا، کسی کو کسی کام سے روک دینا۔

تعریف: محرم کو افعالِ حج یا افعالِ عمرہ پورا کرنے سے روک دینا خواہ یہ روکنے والی چیز دشمن ہو یا بیماری وغیرہ یہ تعریف حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دشمن کے علاوہ اگر کوئی چیز محرم کے لئے حرم تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کرے تو یہ احصار شرعی نہیں ہے، ایسا شخص محصر نہیں کہلائے گا اور احصار کا جو حکم شرعی ہے وہ اس پر جاری نہ ہوگا۔ (بذل المجہود، ج:۳، ص:۱۳۵)

(۱/۷۸۰) اِذَا اُحْصِرَ الْمُحْرِمُ بِعَدُوٍّ اَوْ اَصَابَهُ مَرَضٌ يَمْنَعُهُ مِنَ الْمُضِيِّ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ وَقِيْلَ لَهُ اِبْعَثْ شَاةً تُذْبَحُ فِي الْحَرَمِ وَوَاعِدْ مَنْ يَحْمِلُهَا يَوْمًا بِعَيْنِهٖ يَذْبَحُهَا فِيْهِ ثُمَّ تَحَلَّلَ (۲/۷۸۱) فَاِنْ كَانَ قَارِنًا بَعَثَ دَمَيْنِ.

ترجمہ: (۱/۷۸۰) جب روک دیا گیا محرم دشمن کی وجہ سے یا اس کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہوئی جس نے اس کو پورا کرنے سے روک دیا تو جائز ہے اس کے لئے حلال ہونا اور اس کو کہا جائے گا کہ بھیج ایک بکری جو ذبح کی جائے حرم میں اور وعدہ کرے اس شخص سے جو اس کو لے جا رہا ہے ایک متعین دن کا کہ اسی دن وہ ہدی ذبح کرے گا پھر حلال ہو جائے گا۔ (۲/۷۸۱) پس اگر وہ قارن ہو تو دو دم بھیجے۔

تشریح: اس عبارت میں امام قدوریؒ اسباب احصار اور احرام سے حلال ہونے کا طریقہ بیان فرما رہے ہیں، اب یہ مسئلہ زیر غور ہے کہ کس قسم کی رکاوٹ کی وجہ سے محصر کے لئے حلال ہونا جائز ہو سکتا ہے اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں: ۱ حنفیہ کے نزدیک بیماری، دشمن کا خوف، بادشاہ کی جانب سے رکاوٹ محرم کا راستہ میں کوئی عضو ٹوٹ جائے، یا کسی عارض کی وجہ سے لنگڑا ہو جائے، خرچ گھٹ جائے یعنی ہر وہ چیز سبب احصار میں داخل ہے جو احرام باندھنے کے بعد احرام کے تقاضوں کو پورا کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے۔ (بذل، ج:۳، ص:۱۳۵ - عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۴۴۶ - معارف السنن، ج:۶، ص:۵۸۰)

۲ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دشمن کے علاوہ باقی کوئی چیز اسباب احصار میں سے نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے حلال ہو جانا جائز ہو جائے۔ (بذل، ج ۳، ص:۱۳۵ - عمدہ، ج:۷، ص:۴۴۶ - معارف، ج:۶، ص:۵۸۵)

حنفیہ کی دلیل: عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود کی روایت ہیں ان میں دشمن کے علاوہ، بیماری، عضو کا ٹوٹ جانا، لنگڑا ہونا ان سب کو بھی اسبابِ احصار میں شمار کیا گیا ہے اس وجہ سے صرف دشمن کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں ہے۔ (طحاوی، ج:۱، ص:۴۵۴ - عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۴۴۷)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے منقول ہے کہ دشمن کے علاوہ کوئی چیز اسباب احصار میں داخل نہیں ہے اور جو شخص بیماری میں مبتلا ہو جائے اس کے لئے طواف وسعی کے بغیر حلال ہونا جائز نہیں ہے۔ (طحاوی،

ج:۱،ص:۴۵۵)

جواب حضرت حجاج، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ کی روایات میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بدن کا کوئی عضو ٹوٹ جائے یا پیر ٹوٹ جائے تو اس کے لئے حلال ہو جانا جائز اور اس پر ایک حج بعد میں قضاء کرنا واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ احصار جیسے دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے ایسے ہی بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ (طحاوی، ج:۱،ص:۴۵۵)

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ احصار کا حکم یہ ہے کہ اگر محصر صرف حج اِفراد کرنے والا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ ایک بکری بھیج دے تا کہ وہ حرم میں ذبح کی جائے اور جس کے ہاتھ ہدی بھیجے اس سے ایک متعین دن کا وعدہ کرے کہ اس دن ذبح کرے گا اور اگر محصر قارن ہے تو دو ہدی بھیجے مذکورہ تفصیل کے مطابق۔

(۳/۷۸۲) وَلَا يَجُوْزُ ذَبْحُ دَمِ الْإِحْصَارِ اِلَّا فِي الْحَرَمِ (۴/۷۸۳) وَيَجُوْزُ ذَبْحُهٗ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَا يَجُوْزُ الذَّبْحُ لِلْمُحْصَرِ بِالْحَجِّ اِلَّا فِي يَوْمِ النَّحْرِ (۵/۷۸۴) وَيَجُوْزُ لِلْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ اَنْ يَذْبَحَ مَتٰى شَاءَ.

ترجمہ: (۳/۷۸۲) اور جائز نہیں ہے دم احصار کو ذبح کرنا مگر حرم میں۔ (۴/۷۸۳) اور جائز ہے اس کو ذبح کرنا یوم نحر سے پہلے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز نہیں ذبح کرنا محصر بالحج کے لئے مگر یوم نحر میں (۵/۷۸۴) اور جائز ہے محصر بالعمرۃ کے لئے کہ جب چاہے ذبح کرے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم احصار حرم کے ساتھ تو خاص ہے مگر یوم نحر کے ساتھ خاص نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک حرم اور یوم نحر دونوں کے ساتھ خاص ہے اور محصر بالعمرۃ بالاتفاق جب چاہے دم احصار کو ذبح کرے اس کے لئے کسی وقت کی تعیین نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہدی کو حرم بھیجنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہدی کا اسی جگہ ذبح کیا جانا کافی ہے جہاں احصار متحقق ہوا ہے۔ (معارف السنن، ج:۶،ص:۵۸۳)

صاحبین کی دلیل: جس طرح دم تمتع اور دم قران حرم اور یوم نحر کے ساتھ خاص ہیں، اسی طرح دم احصار بھی حرم اور یوم نحر کے ساتھ خاص ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: دم احصار دم کفارہ ہے اسی وجہ سے اس میں سے کچھ کھانا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ فقراء کا حق ہے اور کفارات کی قربانیاں بالاتفاق مکان (حرم) کے ساتھ خاص ہیں، زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔

(الجوہرۃ النیرۃ، ج:۱،ص:۲۱۹)

صاحبین کی دلیل کا جواب: حج قران کرنے والے اور حج تمتع کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوئی ہے وہ شکرانہ کے طور پر ہے کہ اللہ نے اس کو دو عبادتیں ایک ہی سفر میں کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی ہیں اور دم شکر یوم نحر کے

ساتھ خاص ہوتا ہے اس لئے دم احصار کا ان دونوں پر قیاس درست نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ، ج:۱،ص:۲۱۹)
شروحات میں امام صاحب کی دلیل کو راجح قرار دیا گیا ہے اور یہی پسندیدہ ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۹۱)

(۸۵/۶) وَالْمُحْصَرُ بِالْحَجِّ اِذَا تَحَلَّلَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ (۸۶/۷) وَعَلَى الْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ الْقَضَاءُ (۸۷/۸) وَعَلَى الْقَارِنِ حَجَّةٌ وَعُمْرَتَانِ.

ترجمہ: (۸۵/۶) اور محصر بالحج (وہ شخص جسے حج کی ادائیگی سے روک دیا گیا) جب حلال ہو جائے تو اس پر حج اور عمرہ ہے۔ (۸۶/۷) اور محصر بالعمرہ پر قضا ہے۔ (۸۷/۸) اور قارن پر ایک حج اور دو عمرے ہیں۔

تشریح: محصر جب اسی احرام کے ساتھ دشمن وغیرہ کی رکاوٹ کی وجہ سے مکۃ المکرمہ نہ پہنچ سکے اور حلال ہونے کا جو طریقہ شریعت نے متعین کر دیا ہے (جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا ہے) اسی کے مطابق احرام کھول کر حلال ہو جائے تو اس پر اس حج یا عمرہ کی قضا لازم ہے یا نہیں اس بارے میں تین مذہب ہیں: ۱ امام شافعی، امام مالک کے نزدیک اگر محصر بالحج ایک دم دیکر حلال ہو جاتا ہے تو اس پر اس حج کی قضاء لازم نہیں ہے جس کے لئے احرام باندھا تھا ہاں البتہ اگر اس پر حج فرض یا واجب ہو چکا تھا تو اس کی ادائیگی لازم رہے گی، یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔
۲ امام احمد کے نزدیک اس پر اس حج کی قضا لازم ہے اور اس کے علاوہ باقی اور کوئی چیز لازم نہیں ہے۔
۳ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر ایک حج اور ایک عمرہ کی قضاء واجب ہے، جبکہ وہ احصار کی وجہ سے دم دے کر حلال ہو چکا ہو اور اگر دم نہیں دیا تو ایک دم بھی لازم ہو جائے گا۔ (اوجز المسالک، ج:۳،ص:۴۵۷/۴۵۸)
مالکیہ وشافعیہ کی دلیل: قرآن میں مطلقا ارشاد ہے فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ اس آیت میں وجوبِ قضاء کا ذکر نہیں ہے۔
جواب: عدم ذکر عدم وجوب کو مستلزم نہیں ہے، کما ہو ظاہر، واللہ اعلم۔ (درس ترمذی، ج:۳،ص:۲۱۲)
حنفیہ کی دلیل: حضرت حجاج بن عمرو کی حدیث کا یہ جملہ وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ اُخْرٰى (ترمذی، ج:۱،ص:۱۸۷) پھر صاحب قدوریؒ محصر بالعمرہ کا حکم بیان فرماتے ہیں، محصر بالعمرہ کا حکم محصر بالحج کی طرح ہے جس طرح محصر بالحج کے لئے حلال ہو جانا جائز ہے، اسی طرح محصر بالعمرہ کے لئے بھی حلال ہو جانا جائز ہے جو احکام محصر بالحج پر لازم ہو جاتے ہیں، وہی محصر بالعمرۃ پر بھی لازم ہو جائیں گے، بس اتنا فرق ہے کہ عمرہ کے احصار میں صرف ایک عمرہ قضا کرنا لازم ہے، صاحب کتابؒ فرماتے ہیں کہ اگر قران کے احرام سے حلال ہوا تو اس پر حج وعمرہ کے ساتھ ساتھ ایک اور عمرہ قران کی وجہ سے لازم ہے۔

(۸۸/۹) وَاِذَا بَعَثَ الْمُحْصَرُ هَدْيًا وَوَاعَدَهُمْ اَنْ يَذْبَحُوْهُ فِيْ يَوْمٍ بِعَيْنِهِ ثُمَّ زَالَ الْاِحْصَارُ فَاِنْ قَدَرَ عَلَى اِدْرَاكِ الْهَدْيِ وَالْحَجِّ لَمْ يَجُزْ لَهُ التَّحَلُّلُ وَلَزِمَهُ الْمُضِيُّ (۸۹/۱۰) وَاِنْ قَدَرَ عَلَى اِدْرَاكِ الْهَدْيِ

دُوْنَ الْحَجِّ تَحَلَّلَ (۹۰/۷/۱۱) وَاِنْ قَدَرَ عَلٰی اِدْرَاكِ الْحَجِّ دُوْنَ الْهَدْيِ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ اِسْتِحْسَانًا .

ترجمہ: (۸۸/۷/۹) اور جب بھیج دی محصر نے ہدی اور وعدہ لے لیا ساتھیوں سے اس بات کا کہ فلاں دن ذبح کریں گے پھر احصار ختم ہوگیا پس اگر قادر ہو ہدی اور حج دونوں کے پانے پر تو جائز نہیں اس کے لئے حلال ہونا بلکہ جانا ہی ضروری ہے۔ (۸۹/۷/۱۰) اور اگر قادر ہو ہدی کے پانے پر نہ کہ حج کے تو حلال ہو جائے۔ (۹۰/۷/۱۱) اور اگر قادر ہو حج کے پالینے پر نہ کہ ہدی کے تو جائز ہے اس کے لئے حلال ہو جانا استحساناً۔

تشریح: محصر نے ہدی بھیجی اور ساتھیوں سے وعدہ کرلیا کہ فلاں دن اس ہدی کو ذبح کریں، ہدی روانہ کرنے کے بعد اس کا احصار ختم ہوگیا تو اب یہ شخص کیا کرے، اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں: ۱ یا تو وقت اتنا تنگ ہے کہ یہ شخص حج اور ہدی دونوں کو نہیں پاسکتا، اس صورت میں مکہ کی طرف چلنا اس پر واجب نہیں ہے بلکہ کچھ صبر کرے یہاں تک کہ ہدی ذبح ہونے سے حلال ہو جائے اب مکہ کی جانب جانا بے فائدہ ہے، کیونکہ افعالِ حج ادا کرنا تو فوت ہو ہی گیا۔

۲ وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ دونوں کو پاسکتا ہے اس صورت میں مکہ کو جانا لازم ہوگا کیونکہ ہدی بھیجنا حج کا بدل تھا اور اب وہ اصل پر قادر ہوگیا۔

۳ ہدی کو پاسکتا ہے لیکن حج کو نہیں پاسکتا، اس صورت میں ہدی ذبح ہونے پر حلال ہو جائے گا کیونکہ اصل سے تو عاجز ہی ہے چنانچہ ہدی ذبح ہونے دے تاکہ حلال ہونے کا فائدہ حاصل ہو۔

۴ حج پاسکتا ہے ہدی نہیں پاسکتا تو استحساناً اس کے لئے حلال ہو جانا جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ مکہ کو جا کر افعالِ حج ادا کرے قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کیونکہ محصر بدل یعنی ہدی کے ساتھ مقصود حاصل ہونے سے پہلے اصل یعنی حج پر قادر ہوگیا ہے، اس لئے یہ حج کے ارکان ادا کرے اور ہدی ذبح کر کے حلال نہ ہو، اور وجہ استحسان یہ ہے کہ اگر اس محصر کے ذمہ مکہ جانا لازم کردیا جائے تو اس کا مال یعنی ہدی ضائع ہو جائے گی اور وہ کسی مصرف کی نہ رہے گی، اس لئے اسے اختیار دیا گیا کہ وہ اسی جگہ یا دوسری جگہ ٹھہر جائے اور اس کی جانب سے ہدی ذبح ہو جائے اور پھر حلال ہو جائے۔

تنبیہ: چونکہ اس چوتھی صورت میں قیاس اور استحسان کا ذکر آیا ہے، اس لئے دونوں میں فرق بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قیاس واستحسان میں فرق

اگر مسئلہ ایسا ہو کہ سطحی نظر سے اس کی معقولیت سمجھ میں آجائے اور علت جامعہ کی جانب ذہن سبقت کر جائے تو اسے مطلق قیاس یا قیاس جلی کہتے ہیں، لیکن اگر اس میں علت معلوم کرنے میں زیادہ گہرائی و گیرائی کی ضرورت ہو تو اسے قیاس خفی کہا جاتا ہے اسی قیاس خفی کا دوسرا نام استحسان بھی ہے اور عام طور پر کتب فقہ میں استحسان اسی معنی میں مستعمل ہے۔ (التوضیح والتلویح، ص: ۳۸۲)

مثال: اگر کسی کا مکان آبادی میں واقع ہو اور وہ اسے توڑ کر خراب کرنا چاہے تو استحسان کی رو سے اسے اس حرکت کی اجازت نہ ہونی چاہئے کیونکہ بنی بنائی چیز کو بگاڑنا اچھا نہیں اگر اس کے مطلب کی نہ ہو تو فروخت کردے؛ لیکن قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے اپنے مکان کو توڑنے کی اجازت ہونی چاہئے اس لئے کہ وہ اس کی ذاتی ملکیت ہے وہ جب چاہے اس میں تصرف کرسکتا ہے۔ (البحر الرائق، ج:۷، ص:۳۲)

(۹۱/۱۲) وَمَنْ اُحْصِرَ بِمَكَّةَ وَهُوَ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْوُقُوْفِ وَالطَّوَافِ كَانَ مُحْصَرًا (۹۲/۱۳) وَاِنْ قَدَرَ عَلٰی اِدْرَاكِ اَحَدِهِمَا فَلَيْسَ بِمُحْصَرٍ.

ترجمہ: (۹۱/۱۲) اور جو شخص مکہ میں روک دیا گیا اس حال میں کہ وہ ممنوع ہوا، وقوف اور طواف سے تو وہ محصر ہے۔ (۹۲/۱۳) اور اگر ان دونوں میں سے ایک پر قادر ہوگیا تو وہ محصر نہیں ہے۔

تشریح: جس شخص کو حرم میں اس حال میں روک دیا گیا کہ وہ نہ طواف کرسکا اور نہ وقوفِ عرفہ کرسکا تو وہ محصر کہلائے گا کیونکہ اس پر حج کو پورا کرنا مشکل ہوگیا اب اگر یہ شخص طواف اور وقوف میں سے کسی ایک پر قادر ہوگیا تو یہ ایسا محصر نہیں ہے جو ہدی بھیج کر حلال ہوتا ہے، چنانچہ اگر طواف پر قادر ہوگیا اور وقوفِ عرفہ پر نہ ہوا تو طواف سے حلال ہوجائے گا اور اگر وقوفِ عرفہ پر قادر ہوگیا تو محصر نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وقوفِ عرفہ سے حج مل گیا۔

بابُ الفَوَاتِ

یہ باب حج فوت ہونے کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: فوات، احرام اور اداء دونوں چیزوں سے مرکب ہے اور احصار میں صرف احرام ہے جو مفرد ہے اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔ (عینی، ج:۱، ص:۱۶۰۵)

فوات اصطلاحِ شرع میں وقوفِ عرفہ سے رہ جانے کو کہتے ہیں۔ (اسلامی فقہ، ص:۲۶۲)

(۹۳/۱) وَمَنْ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ فَفَاتَهُ الْوُقُوْفُ بِعَرَفَةَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ (۹۴/۲) وَعَلَيْهِ اَنْ يَطُوْفَ وَيَسْعٰى وَيَتَحَلَّلَ وَيَقْضِيَ الْحَجَّ مِنْ قَابِلٍ وَلَا دَمَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۹۳/۱) اور جس شخص نے حج کا احرام باندھا اور فوت ہوگیا اس کا وقوفِ عرفہ یہاں تک کہ طلوع ہوگئی یوم نحر کی فجر تو فوت ہوگیا اس کا حج۔ (۹۴/۲) اور اس پر واجب ہے کہ طواف وسعی کرے اور حلال ہوجائے اور حج کی قضاء کرے آئندہ سال اور اس پر خون نہیں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے حج کا احرام باندھا اور اس سے وقوفِ عرفہ فوت ہوگیا یہاں تک کہ دس تاریخ کی صبح صادق ہوگئی تو اس کا حج ہی فوت ہوگیا کیونکہ وقوفِ عرفہ بالاتفاق رکن حج ہے اب اس پر واجب ہے کہ عمرہ کرکے حلال

ہوجائے اور آئندہ سال اس حج کی قضا کرے اور اس پر بطور کفارہ کے دم واجب نہ ہوگا۔

(۳/۷۹۵) وَالْعُمْرَةُ لَا تَفُوْتُ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِيْ جَمِيْعِ السَّنَةِ اِلَّا خَمْسَةَ اَيَّامٍ يُكْرَهُ فِعْلُهَا فِيْهَا يَوْمَ عَرَفَةَ وَيَوْمَ النَّحْرِ وَاَيَّامَ التَّشْرِيْقِ (۴/۷۹۶) وَالْعُمْرَةُ سُنَّةٌ (۵/۷۹۷) وَهِيَ الْاِحْرَامُ وَالطَّوَافُ وَالسَّعْيُ.

ترجمہ: (۳/۷۹۵) اور عمرہ فوت نہیں ہوتا، عمرہ جائز ہے پورے سال مگر پانچ دن کہ ان دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے، یوم عرفہ، یوم نحر، اور ایام تشریق میں۔ (۴/۷۹۶) اور عمرہ سنت ہے۔ (۵/۷۹۷) اور یہ احرام، طواف، سعی ہے۔

تشریح: عمرہ کے لغوی معنی زیارت کے ہیں اور شرعاً بیت الحرام کی زیارت کرنا طواف اور سعی کے لئے۔
(اسلامی فقہ، ص:۲۵۴، عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۳۹۹)

امام قدوری فرماتے ہیں کہ عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے پورے سال کر سکتے ہیں صرف نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک پورے سال میں یہ پانچ دن ایسے ہیں کہ جن میں عمرہ کرنا ناجائز اور ممنوع ہے ان پانچ دن کو چھوڑ کر پورے سال میں جب بھی چاہے عمرہ کر سکتے ہیں، یہ ممنوع اس لئے ہے کہ ان ایام کو اللہ تعالیٰ نے حج کے ارکان ادا کرنے کے لئے خاص فرمایا ہے، لہٰذا اگر ان ایام میں عمرہ کرنے میں لگ جائے گا تو مناسک حج صحیح طریقہ سے ادا نہیں ہو پائیں گے اس لئے ان ایام میں عمرہ کرنا گناہ ہے۔ (درمختار، ج:۲، ص:۲۰۷/ ۲۰۸)

عمرہ کرنا فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ صحیح قول کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے۔
(درمختار، ج:۲، ص:۲۰۷)

عمرہ کے افعال چار ہیں: (۱) احرام (۲) طواف (۳) سعی (۴) حلق یا قصر۔ ان چاروں میں سے احرام عمرہ کے لئے شرط ہے اور طواف عمرہ کا رکن ہے اور سعی بین الصفا والمروہ اور سر کے بال۔ اف کرانا یہ دونوں چیزیں واجب ہیں۔
(درمختار، ص:۲، ص:۲۰۷)

بَابُ الْهَدْيِ

یہ باب ہدی کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: چونکہ ماقبل کے ابواب میں ہدی کا تذکرہ آتا رہا ہے، اس لئے اس باب کو بھی بیان کرنا ضروری تھا۔ (اللباب، ج:۱، ص:۱۹۳) نیز قران، تمتع، جنایات وغیرہ اسباب کے درجہ میں ہیں اور ہدی مسبب ہے اور مسبب بعد میں ہوا کرتا ہے، سبب پہلے ہوتا ہے۔

ہدی کی تعریف: وہ مخصوص چوپایہ جس کو محرم بالحج یا محرم بالعمرہ قربانی کی نیت سے حرم لے جائے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے، حنفیہ کے یہاں سوق ہدی بڑی اہمیت رکھتا ہے حتی کہ یہ چیز ان کے نزدیک تلبیہ کے قائم مقام

ہوجاتی ہے۔

(۱/۷۹۸) اَلْهَدْیُ اَدْنَاهُ شَاةٌ وَهِیَ مِنْ ثَلٰثَةِ اَنْوَاعٍ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ (۲/۷۹۹) یُجْزِیُٔ فِیْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ الثَّنِیُّ فَصَاعِدًا اِلَّا مِنَ الضَّأْنِ فَاِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ یُجْزِیُٔ فِیْهِ.

ترجمہ: (۱/۷۹۸) اور ہدی کا ادنیٰ درجہ بکری ہے اور وہ تین قسم کے جانوروں سے ہوتی ہے، اونٹ، گائے، بکری کافی ہے۔ (۲/۷۹۹) ان تمام میں ثنی یا اس سے زیادہ عمر کا مگر دنبہ کہ اس کا جذع بھی کافی ہے۔

تشریح: ہدی تین قسم کے جانور ہیں: اونٹ، گائے، بکری۔ ادنیٰ بکری بھیڑ۔ اوسط: گائے، بیل، بھینس۔ اعلیٰ: اونٹ نر و مادہ۔ قربانی کے لئے جانوروں کی عمریں متعین ہیں بکرا بکری دنبہ بھیڑ ایک سال کے ہوں لیکن اگر بھیڑ اور دنبہ چھ مہینے سے زیادہ اور ایک سال سے کم ہو مگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اور سال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دیا جائے تو سال بھر سے کم کا نہ معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

گائے بیل بھینس بھینسا کٹڑا پورے ایک سال کا ہونا ضروری ہے اور اونٹ پانچ سال کا۔

ثنی: اس سے یہ مراد ہے کہ اونٹ پانچ سال کا مکمل ہو جائے اور گائے دو سال کی اور بکری ایک سال کی مکمل ہو جائے۔ (اللباب، ج:۱، ص:۱۹۳)

جذع: ایسا دنبہ اور بھیڑ جو چھ ماہ کا ہو۔

(۳/۸۰۰) وَلَا یَجُوْزُ فِی الْهَدْیِ مَقْطُوْعُ الْاُذُنِ وَلَا اَكْثَرِهَا وَلَا مَقْطُوْعُ الذَّنَبِ وَلَا مَقْطُوْعُ الْیَدِ وَلَا الرِّجْلِ وَلَا ذَاهِبَةُ الْعَیْنِ وَلَا الْعَجْفَاءُ وَلَا الْعَرْجَاءُ الَّتِیْ لَا تَمْشِیْ اِلَی الْمَنْسَكِ.

ترجمہ: (۳/۸۰۰) اور جائز نہیں ہے ہدی میں پورے یا اکثر کان کٹا ہوا اور نہ دم کٹا ہوا نہ ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا اور نہ آنکھ پھوٹا ہوا نہ انتہائی کمزور اور نہ ایسا لنگڑا جو نہ جا سکے قربان گاہ تک۔

تشریح: اس عبارت میں ہدی کی شرطیں بیان کرتے ہیں، چنانچہ امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ ہدی میں عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں ہے، چنانچہ ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا تہائی کان یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو یا تہائی دم یا تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو، ایسے ہی ہاتھ اور پیر کٹا ہوا ہو۔

جو جانور کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو، اسی طرح ایسے جانور کی قربانی درست نہیں جو اتنا دبلا لاغر بالکل مریل جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو، یا جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ صرف تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا ہے تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے اور چلنے میں اس سے سہارا لگاتا ہے، لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے جو جانور ذبح کرنے کی جگہ خود نہ جا سکتا ہو اس کی قربانی درست نہیں۔

(۴/۸۰۱) وَالشَّاةُ جَائِزَةٌ فِي كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا فِي مَوْضِعَيْنِ مَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُبًا وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ فَاِنَّهُ لَا يَجُوْزُ فِيْهِمَا اِلَّا بَدَنَةٌ.

ترجمہ: (۴/۸۰۱) اور بکری جائز ہے ہر جنایت میں مگر دو جگہوں میں ایک یہ کہ جس شخص نے طواف زیارت کیا حالت جنابت میں دوسرے یہ کہ جو شخص جماع کرے وقوف عرفہ کے بعد تو ان دونوں میں جائز نہیں ہے مگر اونٹ۔

تشریح: حج کے باب میں جہاں کہیں خون واجب ہو تو بکری کافی ہے مگر دو جگہوں میں بکری کافی نہ ہوگی: ۱۔ اگر حالت جنابت میں طواف زیارت کرے گا تو جرمانہ میں ایک گائے اونٹ کی قربانی واجب ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوگا اور اس طواف کا اعادہ کرنا واجب ہے لہٰذا اگر ایام نحر کے اندر اندر اعادہ کرلے گا تو جرمانہ کی قربانی کلی طور پر معاف ہو جائے گی اور اگر ایام نحر گزر جانے کے بعد اعادہ کرے گا تو تاخیر کی وجہ سے ایک بکرے کی قربانی واجب ہو جائے گی۔ (غنیۃ ص: ۱۴۵)

۲۔ وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت اور حلق سے قبل جماع کرلیا تو بھی جرمانہ میں ایک اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج: ۱ ص: ۲۲۲)

(۵/۸۰۲) وَالْبَدَنَةُ وَالْبَقَرَةُ يُجْزِئُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ سَبْعَةِ اَنْفُسٍ اِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشُّرَكَاءِ يُرِيْدُ الْقُرْبَةَ فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُهُمْ بِنَصِيْبِهِ اللَّحْمَ لَمْ يَجُزْ لِلْبَاقِيْنَ عَنِ الْقُرْبَةِ.

ترجمہ: (۵/۸۰۲) اور اونٹ گائے دونوں میں سے ہر ایک کافی ہو سکتی ہے، سات آدمیوں کی طرف سے جبکہ ہو شرکاء میں سے ہر ایک کی نیت قربانی کی اور جب ان میں سے کوئی ایک اپنے حصہ سے گوشت کا ارادہ کرے تو باقی لوگوں کی قربانی بھی نہ ہوگی۔

تشریح: گائے، بیل، بھینس، جھوٹا، کٹڑا، اونٹ، اونٹنی اگر صرف تنہا ایک ہی آدمی اپنی جانب سے قربانی کرے تو جائز ہے ایسے ہی اگر سات افراد شریک ہو کر قربانی کریں جب بھی درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی کرنے کی ہو صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو، اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگا تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی ایسے ہی اگر ایک کی نیت صرف گوشت کھانے کی ہے تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ (عمدۃ القاری، ج: ۷، ص: ۳۱۸)

(۶/۸۰۳) وَيَجُوْزُ الْاَكْلُ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ (۷/۸۰۴) وَلَا يَجُوْزُ مِنْ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا.

ترجمہ: (۶/۸۰۳) اور کھانا جائز ہے نفلی، تمتع، اور قران کی ہدی میں سے۔ (۷/۸۰۴) اور جائز نہیں ہے بقیہ ہدیوں سے۔

تشریح: نفلی ہدی، ہدی تمتع، اور ہدی قران میں سے خود کھانا جائز بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے، ان کے علاوہ احصار کی قربانی، نذر کی قربانی، جنایات کی قربانی، کفارات کی قربانی میں سے نہ خود کھانا جائز ہے اور نہ مالداروں کو کھلانا جائز ہے بلکہ وہ سب فقراء کا حق ہے ایسے ہی نفلی ہدی اگر حرم بھیجنے سے پہلے ہی ذبح کردی تو اس کا گوشت کھانا ناجائز ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۹۴- الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۲۲)

(۸۰۵/۸) وَلَا يَجُوْزُ ذَبْحُ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ اِلَّا فِي يَوْمِ النَّحْرِ (۸۰۶/۹) وَيَجُوْزُ ذَبْحُ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا فِي اَىِّ وَقْتٍ شَاءَ .

ترجمه: (۸۰۵/۸) اور جائز نہیں ہے ذبح کرنا نفلی ہدی، ہدی تمتع اور ہدی قران کا، مگر یوم نحر میں (۸۰۶/۹) اور جائز ہے باقی ہدیوں کو ذبح کرنا جس وقت چاہے۔

تشریح: حاجی کی قربانی دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کے اندر اندر ہونا واجب ہے، لہٰذا اگر دسویں سے قبل کرے گا تو قربانی ہی صحیح نہ ہوگی اور بارہویں سے مؤخر کرے گا تو ترک واجب کا جرمانہ لازم ہوگا، جو شخص میقات سے صرف حج کا احرام باندھتا ہے تو اس پر کوئی قربانی واجب نہیں ہے البتہ نفلی قربانی کرسکتا ہے، امام قدوریؒ نے نفلی قربانی کو بھی ایام نحر کے اندر کرنا واجب کہا ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ نفلی قربانی کو بھی یوم نحر میں کرنا افضل ہے، کما ذکرہ الزیلعی شامی، ج:۲،ص:۳۴۴، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ باقی ہدایا جب چاہے ذبح کرسکتے ہیں کیونکہ یہ دم کفارات کے دم ہیں اس لئے یوم نحر کے ساتھ خاص نہ ہوں گے۔

(۸۰۷/۱۰) وَلَا يَجُوْزُ ذَبْحُ الْهَدَايَا اِلَّا فِي الْحَرَمِ (۸۰۸/۱۱) وَيَجُوْزُ اَنْ يَتَصَدَّقَ بِهَا عَلٰى مَسَاكِيْنِ الْحَرَمِ وَغَيْرِهِمْ .

ترجمه: (۸۰۷/۱۰) اور جائز نہیں ہے ہدایا کا ذبح کرنا مگر حرم میں (۸۰۸/۱۱) اور جائز ہے یہ کہ صدقہ کردے ان کا گوشت حرم اور غیر حرم کے مساکین پر۔

تشریح: ہدی نفلی ہو یا غیر نفلی اس کا حدود حرم کے اندر ذبح کرنا واجب ہے اگر حدود حرم سے باہر حل میں کرلی تو ترک واجب کی وجہ سے اس قربانی کے علاوہ ایک اور قربانی جرمانہ میں کرنا واجب ہوجائے گا، حنفیہ کے نزدیک ہدا گوشت حرم اور غیر حرم کے فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا جائز ہے مگر حرم کے مساکین افضل ہیں الا یہ کہ دوسرے لوگ سے زیادہ ضرورت مند ہوں۔ (الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۲۳)

(۸۰۹/۱۲) وَلَا يَجِبُ التَّعْرِيْفُ بِالْهَدَايَا .

ترجمه: (۸۰۹/۱۲) اور ضروری نہیں ہے ہدایا کی تعریف۔

تشریح: ہدی کے جانور کو عرفات میں لے جانا واجب نہیں ہے کیونکہ ہدی نام ہے حرم میں لے جانے کا تا کہ اس میں خون بہا کر اللہ کا قرب حاصل کیا جائے، تعریف کرنے کا نام ہدی نہیں ہے اس لئے تعریف واجب نہیں۔

(۸۱۰/۱۳) وَالْاَفْضَلُ بِالْبُدْنِ النَّحْرُ وَفِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ .

ترجمہ: (۸۱۰/۱۳) اور افضل اونٹوں میں نحر ہے گائے اور بکری میں ذبح ہے۔

تشریح: بدن، دال کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ دونوں طرح ہے، اس کا واحد بَدَنَةٌ ہے، بدنہ بعض کے نزدیک اونٹ کے ساتھ خاص ہے اور بعض کا قول ہے کہ اصل تو اونٹ ہی کیلئے لیکن اس کا اطلاق گائے پر بھی ہوتا ہے نیز زیادہ تر اس کا استعمال ہدی کے جانور پر ہوتا ہے اس جگہ مراد اونٹ ہی ہے۔

نحر اور ذبح میں فرق: نحر کہتے ہیں سینہ کے قریب کی رگوں کو نیزہ وغیرہ سے اس طریقہ سے کاٹنا کہ ایک ہی بار میں کام تمام ہو جائے اور ذبح کہتے ہیں ٹھوڑی کے نیچے سے چھری یا چاقو سے رگوں کو کاٹنا جس میں عام طور پر دو تین مرتبہ ہاتھ چلانا پڑتا ہے، کما قال العینی۔

وَالذَّبْحُ هُوَ قَطْعُ الْعُرُوْقِ الَّتِي فِي اَعْلَى الْعُنُقِ تَحْتَ اللَّحْيَيْنِ وَالنَّحْرُ يَكُوْنُ فِي اللَّبَّةِ كَمَا اَنَّ الذَّبْحَ يَكُوْنُ فِي الحَلَقِ نحر کرنے کی دو صورتیں ہیں: ۱ اونٹ یا اونٹنی کو کھڑے کھڑے نحر کرنا۔ ۲ اس کو بیٹھا کر نحر کرنا۔ افضل یہ ہے کہ اس کو کھڑا کر کے نحر کرے، یعنی تین پاؤں پر کھڑا ہو اور بایاں ہاتھ بندھا ہوا ہو۔ اونٹ میں مسنون نحر ہے، بکری اور گائے میں ذبح؛ لہٰذا ذبح کی جگہ نحر اور نحر کی جگہ ذبح مکروہ ہے اور ذبح میں اصل طریقہ لٹا کر ہے، کھڑے کھڑے ذبح کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔ (اوجز المسالک، ج:۳، ص:۵۳۴)

(۸۱۱/۱۴) وَالْاَوْلٰى اَنْ يَتَوَلَّى الْاِنْسَانُ ذَبْحَهَا بِنَفْسِهٖ اِذَا كَانَ يُحْسِنُ ذٰلِكَ .

ترجمہ: (۸۱۱/۱۴) اور افضل یہ ہے کہ آدمی خود ذبح کرے اپنی قربانیوں کو جبکہ وہ اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو۔

تشریح: قربانی کرنا ایک عبادت ہے اور عبادت میں بذاتِ خود متولی ہونا بہتر ہے، کیونکہ اس میں عاجزی زیادہ ہے اسی وجہ سے مستحب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اگر ذبح نہ کر سکے تو اس مبارک وقت پر حاضر رہے۔
(اللباب، ج:۱، ص:۱۸۵)

(۸۱۲/۱۵) وَيَتَصَدَّقُ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَا يُعْطِيْ اُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْهَا .

ترجمہ: (۸۱۲/۱۵) اور صدقہ کر دے ان کی جھولیں اور نکیلیں اور نہ دے قصائی کی اجرت اس سے۔

تشریح: قربانی کی رسی جھول وغیرہ سب چیزیں خیرات کر دے اور کچھ گوشت یا چربی یا چھیچھڑے قصائی کو مزدوری میں نہ دیوے بلکہ مزدوری اپنے پاس سے الگ سے دیوے۔

(۱۶/۸۱۳) وَمَنْ سَاقَ بَدَنَةً فَاضْطَرَّ اِلٰی رُكُوْبِهَا رَكِبَهَا وَاِنِ اسْتَغْنٰی عَنْ ذٰلِكَ لَمْ يَرْكَبْهَا .

ترجمہ: (۱۶/۸۱۳) اور جو شخص اونٹ یا گائے لے جائے پھر مجبور ہو گیا وہ اس کی سواری کرنے پر تو اس پر سوار ہو جائے اور اگر اس سے بے نیاز ہو تو اس پر سوار نہ ہو۔

تشریح: اگر کوئی شخص بدنہ لیکر چلا پھر تھک جانے کی وجہ سے سواری کرنے پر مجبور ہو گیا تو اس پر سوار ہونا جائز ہے، اور اگر پیدل چلنے کی قدرت ہے تو ایسی صورت میں اس پر سواری نہ کرے۔

اختلاف الائمہ

ہدی کے جانور پر سوار ہونے کے متعلق دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں:

۱ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ضرورت کے وقت درست ہے۔ ۲ حنفیہ کے نزدیک درست نہیں مگر شدت حاجت یعنی اضطرار کے وقت سوار ہونا درست ہے۔ (عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۲۹۳)

(۱۷/۸۱۴) وَاِنْ كَانَ لَهَا لَبَنٌ لَمْ يَحْلِبْهَا وَلٰكِنْ يَنْضِحُ ضَرْعَهَا بِالْمَاءِ الْبَارِدِ حَتّٰی يَنْقَطِعَ اللَّبَنُ .

ترجمہ: (۱۷/۸۱۴) اور اگر اس کے دودھ ہے تو نہ دوہے بلکہ چھڑک دے اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی تاکہ دودھ آنا بند ہو جائے۔

تشریح: اگر ہدی مادہ جانور ہے اور وہ دودھ دیتا ہے تو محرم اس کا دودھ نہ نکالے اور اس کے تھنوں پر ٹھنڈے پانی سے چھینٹیں مارتا رہے تاکہ دودھ سوکھ جائے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ قربانی کا وقت قریب ہو اور اگر وقت ذبح دور ہو تو اس کو دوہ لے اور اس کے دودھ کو صدقہ کردے۔

(۱۸/۸۱۵) وَمَنْ سَاقَ هَدْيًا فَعَطِبَ فَاِنْ كَانَ تَطَوُّعًا فَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ (۱۹/۸۱۶) وَاِنْ كَانَ عَنْ وَاجِبٍ فَعَلَيْهِ اَنْ يُقِيْمَ غَيْرَهٗ مَقَامَهٗ (۲۰/۸۱۷) وَاِنْ اَصَابَهٗ عَيْبٌ كَثِيْرٌ اَقَامَ غَيْرَهٗ مَقَامَهٗ وَصَنَعَ بِالْمَعِيْبِ مَا شَاءَ .

ترجمہ: (۱۸/۸۱۵) اور جو شخص ہدی ساتھ لے جائے اور وہ ہلاک ہو جائے پھر اگر یہ نفلی تھی تو اس پر دوسری واجب نہیں۔ (۱۹/۸۱۶) اور اگر وہ ہدی واجب ہو تو اس پر واجب ہے کہ دوسری کو اس کی جگہ قائم کرے۔ (۲۰/۸۱۷) اور اگر اس کو زیادہ عیب پہنچ جائے تو دوسری اس کے قائم مقام کرے اور عیب دار کا جو چاہے کرے۔

تشریح: اگر کوئی شخص ہدی لیکر گیا لیکن وہ ہلاک ہو گئی اب اگر وہ ہدی نفلی ہے تو اس پر دوسری واجب نہ ہو گی اور اگر وہ ہدی واجب ہے تو اس پر اس کی جگہ دوسری ہدی واجب ہو گی کیونکہ واجب اس کے ذمہ میں باقی ہے، اور اگر ہدی کے جانور میں ایسا عیب پیدا ہو گیا کہ جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ رہی تو بھی اس کی جگہ دوسری ہدی قائم کی

جائے کیونکہ ایسے عیب کی صورت میں واجب ادا نہ ہوگا، جو ہدی عیب دار ہے اس کا جو چاہے کرے اسے ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے۔

(۸۱۸/۲۱) وَاِذَا عَطِبَتِ الْبَدَنَةُ فِي الطَّرِيْقِ فَاِنْ كَانَ تَطَوُّعًا نَحَرَهَا وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهَا وَضَرَبَ بِهَا صَفْحَتَهَا وَلَمْ يَاْكُلْ مِنْهَا هُوَ وَلَا غَيْرُهُ مِنَ الْاَغْنِيَاءِ (۸۱۹/۲۲) وَاِنْ كَانَتْ وَاجِبَةً اَقَامَ غَيْرَهَا مَقَامَهَا وَصَنَعَ بِهَا مَا شَاءَ.

ترجمہ: (۸۱۸/۲۱) اور جب ہلاک ہو جائے بدنہ راستہ میں پس اگر ہو نفلی تو اس کو نحر کر دے اور رنگ دے اس کے نعل کو اس کے خون سے اور اس کے شانہ پر مار دے اور نہ کھائے اس کا گوشت خود اور نہ کوئی دوسرا مالدار۔ (۸۱۹/۲۲) اور اگر وہ واجبی ہو تو دوسری ہدی اس کے قائم مقام کرے اور پہلے بدنہ کا جو چاہے کرے۔

تشریح: ہدی اگر اپنے محل یعنی حرم تک پہنچنے سے قبل ہلاک ہونے لگے تو کیا کیا جائے؟ اسی کو بیان کرنے کے لئے مصنف یہ عبارت لائے ہیں چنانچہ فرمایا کہ اگر وہ نفلی ہدی ہے تو اس کو ذبح کر دے اور اس کے خون میں نعل (جوتے یا چمڑے کا ٹکڑا جو گلے میں ڈال رکھا ہے) کو بھگو کر کوہان پر مل دے تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ ہدی ہے پھر ایسے جانور کے بارے میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں سے خود کھانا اور مالداروں کو کھلانا جائز نہیں بلکہ اسے صرف فقراء کھا سکتے ہیں البتہ اگر وہ ہدی واجب تھی تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ اس کی جگہ دوسری ہدی قربان کرے اور یہ ہدی اس کی ملکیت ہوگئی، چنانچہ اسے خود کھانے، مالداروں اور فقراء کو کھلانے اور ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے، امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ (معارف السنن، ج:٦، ص:۵۰۲)

حنفیہ کی دلیل: نفلی جانور خریدنے سے وہ ذبح کے لئے متعین ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کو قربت ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ فقراء کو کھلایا جائے مالداروں کو کھلانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا بخلاف ہدیِ واجب کے کہ وہ خریدنے سے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کی جگہ دوسرا جانور بھی قربان کیا جا سکتا ہے، لہٰذا وہ جانور متعین طور سے قربت کے لئے خاص نہ رہا۔ انتہیٰ (درس ترمذی، ج:۳، ص:۱۷۹)

دوسرا مذہب: امام شافعی کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر وہ نفلی ہدی ہے تو اس کو اس میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے خواہ فروخت کر دے یا ذبح کر دے کھائے اور کھلائے اور اگر وہ نذر کی ہدی ہے تو اس کی ملکیت اس سے زائل ہوگئی، اب وہ صرف مسکینوں کا حق ہے، لہٰذا نہ اس کو بیچنا جائز ہے اور نہ ہی دوسرے جانور کے ساتھ تبدیل کرنا۔

(معارف السنن، ج:٦، ص:۵۰۲)

(۸۲۰/۲۳) وَيُقَلَّدُ هَدْيُ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ وَلَا يُقَلَّدُ دَمُ الْاِحْصَارِ وَلَا دَمُ الْجِنَايَاتِ.

ترجمہ: (۸۲۰/۲۳) اور قلادہ ڈالا جائے نفلی، تمتع اور قران کی ہدی کے اور قلادہ نہ ڈالا جائے دم احصار اور دم

جنایت کی ہدی کے۔

تشریح: نفلی قربانی، تمتع یا قران کی قربانی کے جانور یعنی اونٹ یا گائے کے گلے میں جوتے یا چمڑی کا کوئی ٹکڑا ڈال دینا چاہئے، لیکن محصر جو قربانی کا جانور حرم محترم بھیج رہا ہے یا حج کے اندر کسی جرم کے کرنے کی وجہ سے جو قربانی لازم ہوتی ہے ان کی تقلید (گلے میں ہار ڈالنا) نہ کرے کیونکہ اس سے جرم کی شہرت ہوگی جو جائز نہیں ہے اور دم احصار نقصان کی تلافی کرنے والا ہے تو یہ بھی اپنی جنس کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وہو الموفق والمعین۔

حل لغات مختصر القدوری

كتاب الطهارت

كتاب: فعال کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے، اس کے معنی ہیں جمع کیا ہوا۔

قمتم: ماضی معروف (م) قیاماً کھڑا ہونا۔

فاغسلوا: فعل امر، غ کے فتحہ کے ساتھ، کسی چیز کو دھونا، اور غ کے ضمہ کے ساتھ، غسل کرنا، پورے بدن کو دھونا۔

وجوهكم: جمع ہے وجہٌ کی چہرہ۔

مرافق: واحد مِرْفَقٌ کہنی، وہ چیز جس سے سہارا لے۔

امسحوا: امر (م) مسحاً بھیگے ہوئے ہاتھ کو کسی عضو پر پھیرنا۔

ارجلكم: رِجْل کی جمع ہے، پاؤں۔

الكعبين: کعب کا تثنیہ ہے، ابھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنہ جمع کِعاب.

فرض: جمع فرائض (م) فرضاً مقرر کرنا۔

اعضاء: واحد عَضوٌ بدن کا حصہ۔

خلافاً: مفاعلت کا مصدر، مخالفت کرنا۔

الناصية جمع ناصية، پیشانی، یہاں پیشانی کی مقدار مراد ہے۔

مغيرة بن شعبه: ایک مشہور صحابی ہیں غزوۂ خندق کے سال مسلمان ہوئے، ان سے ایک سو چھتیس حدیثیں منقول ہیں، ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی۔

سباطة: کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ، کوڑی۔

خفيه: خف کا تثنیہ اصل میں خفین تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، جمع اَخفاف، خِفاف.

الاناءُ: جمع انية برتن۔

استيقظ: باب استفعال (م) استیقاظاً، جاگنا۔

التوضى: باب تفعل سے اسم فاعل (م) توضأً وضو کرنا۔

السواك: دانتوں کا برش، مسواک۔

المضمضة: کلی کرنا۔

الاستنشاق: (م) باب استفعال سے ناک میں پانی چڑھانا۔

اللحية: جمع لُحَی ڈاڑھی۔

الاصابع: اِصْبَعٌ کی جمع ہے، انگلی۔

ينوى: فعل مضارع (ض) (م) نیةً ارادہ کرنا۔

يرتبُ: باب تفعیل (م) ترتیب، درجہ بدرجہ رکھنا۔

بَدَاءَ: ماضی (ف) بدأً شروع کرنا۔

الميامن: واحد مَيْمَنَة، برکت، فوج کا دایاں بازو، دایاں پہلو۔

الرقبة: گردن جمع رِقابٌ.

المعاني: معنیٰ کی جمع ہے مقصود یہاں اسباب مراد ہیں۔

الناقضة: نقضٌ سے صیغہ صفت ہے توڑنے والی چیزیں۔

السبيلين: اس سے مراد پیشاب پاخانہ کا مقام ہے۔

القيح: پیپ جس میں خون کی ملاوٹ نہ ہو۔

الصدید: پیپ جس میں خون کی ملاوٹ ہو۔

تجاوَزَ: ماضی (م) تجَاوُزاً گزر جانا، پالینا۔

ملأ: باب (س) بھرنا۔

مضطجعاً: اسم فاعل باب افتعال (م) اضطجاعاً کروٹ کے بل سونا۔

متکئًا: (م) اتکاءً پیٹھ یا پہلو کا کسی چیز سے سہارا لگانا۔

مستنداً: ٹیک لگا کر، استناد سے ہے۔

یفیض: فعل مضارع باب افعال سے، بدن پر پانی بہانا۔

یتنحی: مضارع باب تفعل، مادہ نحیٌ، ایک کنارے ہونا۔

تنقض: فعل مضارع باب (ن)(م) نقضاً کھولنا۔

ضفائر: ضفیرۃ کی جمع گندھے ہوئے بالوں کی ایک پٹی، چوٹی۔

اصول: اصل کی جمع جڑ۔

الدفق: (م) باب (ن) جمہور کے نزدیک اس کا استعمال صرف متعدی ہی کی صورت میں ہوتا ہے، اچھل کر یا دکود کر بہنا۔

التقاء: (م) ملنا۔

ختانین: خَتان کا تثنیہ، عورت اور مرد کے ختنہ کرنے کی جگہ۔

سنَّ: فعل ماضی باب (ن) (م) سَناً مقرر کرنا، طریقہ۔

عرفة: ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔

الاودیة: وادی کی جمع پہاڑوں یا ٹیلوں کے درمیان کی کشادگی جو سیلاب کے لئے گذرگاہ ہو، یہاں جنگل کا پانی مراد ہے۔

العیون: عین کی جمع چشمہ جو بارش کے پانی سے بہہ کر جمع ہوجائے۔

الآبار: بئر کی جمع کنواں۔

البحار: بحر کی جمع سمندر۔

أعتصر: ماضی مجہول افتعال سے نچوڑ لیا گیا ہو۔

خالطه: ماضی باب مفاعلة ہے، ملنا۔

المدُ: جمع مُدودٌ سیلاب۔

الاشنان: ایک قسم کی بوٹی جس سے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں۔

زعفران: جمع زَعَافِر، ایک قسم کا نہایت خوشبودار زرد رنگ کا پھول۔

یبولن: فعل مضارع با نون ثقیلہ باب (ن)(م) بَولاً پیشاب کرنا۔

باتت: ماضی باب (ض)(م) بیتاً رات گزارنا۔

الماء الجاری: جو پانی تنکا بہا کر لے جائے، چلو سے پانی لے تو فوراً دوسرا پانی اس جگہ آجائے اس کو جاری پانی کہتے ہیں۔

الغدیر: بڑا تالاب۔

نفس سائلة: بہتا ہوا خون۔

البق: مچھر۔

الذباب: مکھی جمع اذِبَّة.

الزنابیر: واحد زُنبورٌ بھڑ۔

العقارب: عقْرَبٌ کی جمع بچھو۔

السرطانُ: کیکڑا، پانی کا ایک کیڑا جو بچھو سے مشابہ ہوتا ہے۔

اِھاب: جمع اُھُبٌ بغیر دباغت دی ہوئی کھال، کچا چمڑا۔

نزحت: ماضی مجہول، باب (ف) (م) نَزْحاً کھینچنا۔

عصفورة: جمع عصافیر چڑیا، کبوتر سے ہر چھوٹا پرندہ۔

صعوة: جمع صَعَوَات ممولا چھوٹے چڑے۔

سودانية: بھجنگا، ایک سیاہ رنگ کا پرندہ جو کوئل سے ملتا جلتا ہے۔

سامّ ابرص: چھپکلی۔

حمامة: کبوتر۔

دجاجة: مرغی جمع دُجَجٌ.

سنورٌ: بلی۔

انتفخ: فعل ماضی باب افتعال (م) انتفاخ پھولنا۔

تفسخ: فعل ماضی باب تفعل (م) تَفَسُّخاً پھٹ جانا۔

دلاء: جمع ہے دَلْوٌ کی ڈول۔

معیناً: عین سے مشتق ہے، چشمے والا کنواں۔

الکلب: جمع کِلاب کتے۔

الخنزیر. سؤر جمع خَنَازِیر.

سباعٌ: واحد سَبُعٌ پھاڑ کھانے والا جانور۔

البهائم: بهیمة کی جمع چوپایہ۔

سباعُ الطیور: وہ پرندے جو شکار کر کے کھاتے ہیں۔

الحَيَّةُ: سانپ (مذکر ومؤنث) جمع حیَّاتٌ وحَیَوَاتٌ.

الفارةُ: چوہا جمع فِیرانٌ.

البغل: جمع بِغال، ابغال خچر، وہ دوغلا جانور جو گدھے اور گھوڑی کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔

باب التیمم

البَرْدُ: سردی ٹھنڈک۔

الصعیدُ: مٹی جمع صُعُدٌ صُعُداتٌ.

التراب: مٹی جمع اَتْرِبَةٌ تُربانٌ.

الرمل: ریت جمع رِمَالٌ.

الجصُّ: وہ چونہ جس سے عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔

النورةُ: قلعی کا چونہ۔

الکُحل: سرمہ، ہر وہ چیز جو آنکھوں میں شفا کے لئے ڈالی جائے۔

الزرنیخ: ہڑتال، ایک قسم کی زہریلی دھات۔

نسی: ماضی معروف (س) نِسیاناً بھولنا۔

رحلة: جمع رِحَال کجاوہ، اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں۔

باب المسح علی الخفین

عقیب: پیچھے آنے والا۔

خطوطاً: خط کی جمع، لکیر۔

الساق: پنڈلی، جمع سُوْقٌ، سِیْقانٌ.

خرق: سوراخ، پھٹن، باب (ن، ض) (م) خَرْقاً پھاڑنا۔

یتبینُ: فعل مضارع باب تفعل (م) تَبَیُّناً ظاہر ہونا۔

نزعٌ: باب (ض) (م) نزعاً نکالنا۔

ثخینین: ثخین کا تثنیہ ہے، موٹا موزہ۔

لایشفان: فعل مضارع باب (ضّ) (م) شُفُوْفاً کسی چیز کا اس قدر پتلا ہونا کہ دوسری طرف کی چیز دکھائی دے، یہاں پانی کا چھننا مراد ہے۔

العمامة: پگڑی جمع عَمَائم.

القلنسوة: ٹوپی جمع قَلَانِسُ، قَلَانیس.

البرقع: وہ کپڑا جسے عورتیں پردے کے لئے سر سے پاؤں تک اوڑھتی ہیں، جمع بَرَاقِعُ.

القُفَّازین: قُفَّاز کا تثنیہ دستانہ، جمع قَفَافیزُ.

الجبائر: جمع ہے جبیرة کی، ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھنے کی لکڑی یا پٹی۔

بُرءٌ: باب (س، ف، ک) بیماری سے شفا پانا۔

باب الحیض

الحمرة: سرخ رنگ، سرخی۔

الصفرةُ: زردی، رنگ کا پھیکا پن۔

الکدرةُ: مٹیالا (مٹی کے رنگ کا)

غلاف: جمع غُلُفٌ جزدان۔

الرعاف: نکسیر (ناک سے خون گرنا)

سَلِسُ البول: جس کو ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا رہتا ہو۔

لا یرقأ: فعل مضارع (ن) برابر خون بہتا رہتا ہو۔

باب الانجاس

الخل: سرکہ۔

ذی جرم: جسم دار۔

جفت: ماضی باب (ض) جُفافاً خشک ہونا۔

دلك: ماضی معروف باب (ن) دلکاً رگڑنا، ملائم کرنا۔

فرك: باب (ن) کھرچنا۔

السیف: تلوار، جمع اَسیاف، سُیوف۔

عین مرئیةٌ: ایسی ناپاکی جو سوکھنے کے بعد دکھائی دے۔

یشق: فعل مضارع باب (ن) (م) شَقاً مشقةً دشوار ہونا۔

الغَاسِلُ: دھونے والا اسم فاعل باب (ض)

الاستنجاء: نجوٌ سے مشتق ہے، استنجاء کہتے ہیں پاخانہ اور پیشاب کے بعد ناپاکی سے صفائی حاصل کرنا۔

المدرُ: مٹی کا ڈھیلا۔

یُنقیه: فعل مضارع باب تفعیل (م) تنقیةً صاف ستھرا کرنا۔

روثٌ: جمع ارواث لید (گھوڑے گدھے ہاتھی وغیرہ کا فضلہ یا گوبر)

کتاب الصلوٰة

الفجر الثانی: اس سے مراد صبح صادق ہے جو آسمان کے کناروں میں چوڑائی میں دائیں بائیں پھیلتی ہے، اور آہستہ آہستہ اس کی روشنی میں بڑھوتری ہوتی رہتی ہے، اس کے مقابل ایک صبح کاذب ہوتی ہے جس کے بعد پھر اندھیرا ہو جاتا ہے اور لمبائی میں نمودار ہوتی ہے۔

المعترض: اسم فاعل باب افتعال (م) اعتراضاً چوڑائی میں ہونا۔

الافق: جمع آفاق آسمان کا کنارہ جو زمین سے لگا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

الاسفارُ: باب افعال کا مصدر ہے، صبح کا روشن ہونا۔

اَلاِبْرَادُ: ٹھنڈا کرنا، یہاں مراد تاخیر کرنا ہے۔

الصیف: جمع اصیافٌ گرمی کا موسم۔

الشتاءُ: سردی کا موسم۔

یالف: فعل مضارع باب (س) (م) اَلفاً محبت کرنا،

یثقُ: فعل مضارع باب (ض) (م) ثِقةً اعتبار کرنا، بھروسہ کرنا، یثق بالانتباہ جاگنے پر اعتماد ہو۔

باب الاذان

الفلاح: کامیابی۔

النوم: نیند نائم کی جمع۔

یترسل: فعل مضارع باب تفعل آہستگی کرنا۔

یحدرُ: ذرا جلدی کہیے۔

حول: فعل ماضی (م) تحویل گھمانا۔

باب شروط الصلٰوۃ التی تتقدمها

یستر: فعل مضارع باب (ض) سَتراً، کسی چیز کو چھپانا، ڈھانکنا۔

العورۃ: جمع عورات، انسان کے اعضاء جن کو حیاء سے چھپایا جاتا ہے۔

السرۃ: ناف، جمع سُرَّات، وسُررٌ.

الکف: ہاتھ یا ہتھیلی مع انگلیوں کے جمع اَکُفٌ و کُفُوفٌ

الامۃ: باندی، لونڈی، جمع اِماءٌ اَمَواتٌ .

بطن: پیٹ، ہر چیز کا اندرونی حصہ، جمع بُطونٌ.

ظهر: پیٹھ، اوپر کا بیرونی حصہ، جمع اظهُرٌ .

استدار: ماضی (م) استدارۃً گھومنا۔

بنی: ماضی باب (ض)(م) بناءً، کسی کام کو شروع سے نہ کرنا بلکہ پہلی ہی کیفیت کی نقل کرنا۔

بابُ صفة الصلٰوۃ

یحاذی: مضارع معروف باب مفاعلۃ مقابل میں ہونا۔

ابهامیه: ابهام کا تثنیہ ہے، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، انگوٹھا۔

شحمة: کان کی لو۔

یعتمد: باب افتعال سے بھروسہ کرنا، یہاں مراد پکڑنا ہے۔

یفرج: مضارع معروف (م) تفریجاً کھولنا۔

لاینکسه: فعل مضارع باب تفعیل (م) تنکیساً اوندھا کرنا، مراد ہے نہ زیادہ جھکائے۔

کور: جمع اکوارٌ پگڑی کی لپیٹ۔

ضبعیه: اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، بغل۔ جمع اضباعٌ

یجافی: مجافاة سے ہے علیحدہ رکھنا۔

فخذ: ران جمع افخاذ.

افترش: ماضی معروف باب افتعال افتراش مصدر ہے بچھانا۔

التحیات: عبادتِ قولیہ۔

الصلوات: عبادات بدنیہ۔

الماثورۃ: جو احادیث میں منقول ہوں۔

اورع: جو زیادہ پرہیز گار ہو۔

الاعرابی: دیہاتی، بدوّ۔

الاعمٰی: اندھا، جمع عُمْیٌ، عُمْیَانٌ .

العجوز: بڑھیا، جمع عُجزٌ ، وعَجائزُ .

المکتسی: اسم فاعل باب افتعال کپڑے پہننے والا۔

عُریان: صفت مذکر، جمع عُراۃٌ ننگا۔

یؤمّ: فعل مضارع باب (ن)(م) امامۃً امامت کرنا۔

المومی: اسم فاعل، اشارہ کرنے والا۔

یعبث: مضارع باب (س)(م) عَبَثاً کھیل کود کرنا۔

الحَصٰی: کنکری واحد حصاۃٌ جمع حَصَیَاتٌ .

یُفَرْقِعُ: فعل مضارع (م) فرقعۃً انگلیاں چٹخانا۔

یشبك: فعل مضارع باب تفعیل (م) تشبیکاً ایک دوسرے میں داخل کرنا۔

یتخصر: (م) تخصراً اپنے پہلو پر ہاتھ رکھنا۔

یسدل: باب (ن ض)(م) سدلاً لٹکانا۔

یکفه: مضارع معروف باب (ن) (م) کفاً جمع کرنا۔

یعقص: فعل مضارع باب (ض)(م) عقصاً بالوں

کی چوٹی بنانا یا گوندھنا۔

یقعي: مضارع معروف (م) اقعاءٌ کتے کی طرح بیٹھنا

جُنَّ: ماضی مجہول باب (ن) جناً دیوانہ ہونا، پاگل ہونا، صفت (مجنون) جمع مجانین،

خَلَعَ: ماضی باب (ف) خلعاً اتار لینا۔

باب قضاء الفوائت

قضاء الفوائت: جو نماز فوت ہوجائے اور چھوٹ جائے، اس کو فوائت کہتے ہیں اور اس کے پڑھنے کو قضاء کہتے ہیں۔

باب الاوقات التی تکره فیها الصلوٰة

الظهيرةُ: مؤنث ظہیر، دن کے آدھے ہونے کی حد، ٹھیک دوپہر، جمع ظهائر.

باب سجود السهو

السهو: غافل ہونا، بھولنا۔

الغٰی: ماضی معروف (م) الغاءٌ باطل کرنا۔

استأنف: شروع سے پڑھے۔

باب صلوٰة المریض

مریض: فعیل کے وزن پر ہے۔ جمع مرضٰی باب (س)(م) مَرَضاً بیمار ہونا۔

تعذر: ماضی معروف (م) تَعَذُّرًا دشوار ہونا۔

اخفض: اسم تفضیل باب (ض)(م) خفضاً پست کرنا

استلقٰی: ماضی (م) استلقاءٌ چت سونا۔

جَنْبٌ: جمع اجنابٌ جنوبٌ پہلو۔

حاجبیه: اَبرو، بھوؤں، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، جمع حَوَاجِبُ، حَوَاجِيْبُ.

باب صلوٰة المسافر

مسيرةٌ: (م) باب (ض) جانا، چلنا، سفر کرنا، مراد مسافت۔

سیر الابل: اونٹ کی رفتار۔

مشي الاقدام: پیدل کی چال۔

مصر: جمع امصار شہر۔

سنین: سنة کی جمع سال، برس۔

العسكر: جمع عساكر، لشکر، ہر چیز کا بہت۔

قوم سفر: مسافرین سفر سافر کی جمع ہے، جیسے صاحبٌ کی جمع صَحْبٌ.

سفینة: کشتی، جمع سُفُنٌ، سَفِيْنٌ.

العاصي: اسم فاعل، گنہگار۔

المطیع: فرمانبردار۔

باب صلوٰة الجمعة

القُریٰ: واحد قریة گاؤں۔

السجنُ: قیدخانہ، جیل، جمع سُجونٌ.

یبداءُ: فعل مضارع باب (ف)(م) بدأ شروع کرنا۔

باب صلوٰة العیدین

ارتفاع: باب افتعال کا مصدر ہے، دن چڑھنا۔

غُمَّ: ماضی مجہول ب (ن) پوشیدہ ہونا۔

الهلالُ: هالَّ کا مصدر ہے، نیا چاند۔ شروع مہینہ کی دو راتوں یا تین راتوں یا سات راتوں کے چاند کو ہلال کہتے ہیں اور مہینہ کی آخری دو راتوں چھبیسویں اور ستائیسویں کے چاند کو بھی اور ان کے علاوہ کے چاند کو قمر کہتے ہیں، اہل ہیئت کے نزدیک پہلی رات کا چاند ہلال ہے۔

الغد: آئندہ کل، بعد الغد: پرسوں۔

الاضحیۃُ: جمع اُضاحی قربانی۔

یوم الاضحٰی: قربانی کا دن۔

التشریق: باب تفعیل کا مصدر ہے، گوشت کے ٹکڑے کرنا اور دھوپ میں خشک کرنا۔

ایام تشریق: عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن اس لئے کہ ان دِنوں میں قربانی کا گوشت خشک کیا جاتا ہے۔

باب صلوٰۃ الکسوف

انکسفت: ماضی باب انفعال سے سورج میں گہن لگنا۔

تنجلی: فعل مضارع باب انفعال ظاہر ہونا۔

خسوف: باب (ض) چاند کو گہن لگنا۔

باب صلوٰۃ الاستسقاء

الاستسقاءُ: بروئے لغت پانی طلب کرنا، اور باصطلاح شرع پانی طلب کرنے کے لئے نمازِ استسقاء ادا کرنا اوردعاء کرنا۔

الذمَّۃُ: امان، حفاظت، ذمہ داری، جمع ذِمَمٌ.

اھل الذمۃ: دارالاسلام میں جزیہ دیکر رہنے والے غیر مسلم لوگ۔

باب صلوٰۃ الخوف

اشتد: فعل ماضی باب افتعال قوی ہونا۔

العدُوُّ: دشمن جمع اعداءٌ.

الطائفۃُ: لوگوں کی جماعت، ایک رائے اور مذہب کے لوگ جمع طائفاتٌ.

رکباناً: سوار ہوکر۔

باب الجنائز

اُحتضر: ماضی مجہول باب افتعال (م) احتضار، قریب المرگ ہونا۔

شق: جانب، کنارہ، انسان کی ایک جانب جس چیز کی جانب تمہاری نظر ہو۔

لقن: باب تفعیل سے ہے تعلیم دینا، سکھلانا۔

شدوا: باب (ن ض) (م) شداً باندھنا، کسنا۔

غمضوا: ماضی باب تفعیل بند کرنا۔

خرقۃ: کپڑے کا چیتھڑا، دھجی، جمع خِرَقٌ .

یفیضون: مضارع باب افعال مصدر اضافۃً پانی گرانا

یجمر: (م) تجمیر دھونی دینا (خوشبو جلانا)

یغلی: مضارع مجہول جوش دیا جانا، باب (ض) (م) غلیاً جوش مارنا۔

السدر: بیر کا درخت جمع سُدورٌ.

القراحُ: خالص پانی جمع اَقرِحۃٌ .

الخطمی: واحد خِطْمِیَّۃٌ گُل خیرو (نیلے رنگ کا ایک پھول جو بطور دوا استعمال ہوتا ہے)

یضجع: مضارع مجہول باب (ف) پہلو کے بل لٹانا۔

ینشفہ: (م) تنشیف پانی کو چیتھڑے وغیرہ سے سکھا دینا

الحنوطُ: چند خوشبودار چیزوں کا ایک مرکب جو مردے کو غسل دینے کے بعد اس پر ملتے ہیں۔

اِزارٌ: جمع ازرۃٌ لنگی (یہ ایک کپڑا ہوتا ہے جو سر کے پاس سے پاؤں تک ہوتا ہے)

قمیص: کرتا مذکر ومؤنث دونوں طرح مستعمل ہے، جمع اَقْمِصَۃُ (یہ کپڑا آدمی کے قد سے دوگنا ہوتا ہے اور درمیان میں پھاڑ کر اس میں سر گھسا دیتے ہیں اور گردن سے پاؤں تک ہوتا ہے)

اللفافۃُ: جو چیز کسی چیز پر لپیٹی جائے جمع لَفَائِفُ (یہ کپڑا لمبی چادر کی طرح ہوتا ہے اور تمام کفن سے اوپر لپیٹا

جاتا ہے)

الخِمارُ: اوڑھنی، دوپٹہ، پردہ، جمع اَخمِرَۃٌ.

تُربَطُ: مضارع مجہول باب (ض ن) (م) ربطاً باندھنا، مضبوط کرنا۔

ثدیا: تثنیہ اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، پستان (مذکر ومؤنث) جمع ثُدِیٌّ .

یسرح: مضارع مجہول (م) تسریحاً کنگھا کرنا۔

الحَیُّ: محلہ جمع احیاءٌ .

الولی: سرپرست جمع اَولِیَۃٌ.

قوائم: واحد قائمۃ پایہ۔

اعناق: عُنُقٌ کی جمع گردن۔

یُلحد: مضارع مجہول باب (ف) (م) لحداً بغلی قبر کھودنا (قبر جس میں میت کے لٹانے کی جگہ درمیان کے بجائے ایک طرف کو ہوتی ہے)

العقدۃُ: گرہ، ہر چیز کی مضبوطی۔

اللَّبِنُ واللِبِنُ: کچی اینٹیں واحد لَبِنَۃٌ .

القَصَبُ: ہر وہ چیز جس میں پوروے اور گرہیں ہوں، جیسے بانس نرسل سرکنڈا۔

یھال: مٹی ڈال دی جائے۔

یسنم: باب تفعیل سے قبر کو کوہان نما کرنا (اونٹ کی پیٹھ کی بلندی جیسی)

استھلَّ: پیدائش کے وقت چلانا۔

ادرج: ماضی (م) ادراج داخل کرنا۔

باب الشھید

الجراحۃُ: زخم جمع جراحٌ.

الجنبُ: ناپاک (واحد تثنیہ جمع مذکر ومؤنث سب کے لئے مستعمل ہے)

الفرو: پوستین جو بعض حیوانات کی کھال سے تیار کیا جاتا ہے، جمع فِراءٌ .

الحشوُ: روئی سے بھرا ہوا کپڑا، کوٹ وغیرہ۔

اُرتُثَّ: زخمی کو میدانِ جنگ سے ایسی صورت میں لایا جانا کہ اس میں زندگی کی رمق باقی ہو، لغۃً پرانا ہونا۔

حد: جمع حدود، سزا جو شریعت اسلامیہ کے مطابق دی جائے۔

قصاص: جرم کا بدلہ، خون کا عوض خون۔

قطاع الطریق: ڈاکو۔

باب الصلٰوۃ فی الکعبۃِ

کعبۃ: اہل اسلام کے متبرک اور مقدس مقام کا نام جمع کِعابٌ.

باب الزکٰوۃ

واجبۃ: یہاں فرض کے معنی میں ہے۔

حال علیہ الحول: اس پر سال گذر گیا ہو۔

دین: جمع دیون، قرض۔

زکّی: زکوٰۃ دے۔

الفاضل: اسم فاعل، زائد۔

دور: واحد دار، گھر۔

اثاث: گھریلو سامان۔

دواب: واحد دابۃ، چوپایہ۔

عزل: باب (ض) جدا کر دینا۔

زکٰوۃ الابل

ذود: اونٹ۔

صدقۃ: یہاں زکوٰۃ مراد ہے۔

سائمة: سال کے اکثر حصہ میں جنگل میں چرنے والے جانور۔

بنت مخاض: مخاض اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو حاملہ ہو، بنت مخاض کے معنی حاملہ اونٹنی کی بچی جو ایک سال پورا کرکے دوسرے سال میں لگ چکی ہو۔

بنت لبون: دودھ دینے والی اونٹنی کا بچہ جو دو سال کا ہوکر تیسرے سال میں لگ گیا ہو۔

حقة: چوتھے سال والا اونٹ نر ہو یا مادہ۔ اس عمر میں اونٹ بار برداری کے قابل ہوجاتا ہے، اس لئے اس کو حِقہ کہتے ہیں۔

جذعة: جس کے اگلے دونوں دانت نکل گئے ہوں یعنی چار سال گزار کر پانچویں سال میں قدم رکھا ہو، ایسے بچے کے دانت نکل کر دوسرے نئے دانت نکل آتے ہیں، اور بالغ ہوجاتا ہے۔

البخت: وہ اونٹ جو عربی اور عجمی دونوں کی نسل سے پیدا ہو۔

العراب: خالص عربی النسل اونٹ۔

باب صدقة البقر

تبیع، تبیعة: وہ بچھڑا یا بچھڑی جو دوسرے سال میں ہو۔

مسن، مسنة: ایسا بچھڑا یا بچھڑی جس نے تیسرے سال میں قدم رکھا ہو۔

الجوامیس: جاموس کی جمع ہے، بھینس۔

ربع عشر: دسویں حصہ کی چوتھائی یعنی چالیسواں حصہ۔

نصف عشر: دسویں حصہ کا آدھا یعنی بیسواں حصہ دو چالیسواں حصہ ملا کر بیسواں حصہ بن جاتا ہے۔

ثلثة ارباع: تین چالیسواں حصہ۔

باب صدقة الغنم

الضأن: بھیڑ، دنبہ۔

المَعزُ: بکری یہ اسم جنس ہے، واحد مَاعِزٌ جمع أَمْعُز.

باب زکٰوة الخیل

الخیل: گھوڑوں کا گروہ، جمع خُیُولٌ.

الفرسُ: گھوڑا۔

دینار: عرب میں سونے کا ایک سکہ۔

الفصلان: فصیل کی جمع اونٹنی کا بچہ جو ماں سے علیحدہ کیا گیا ہو۔

الحُملان: حمل کی جمع بکری کے بچے۔

العجاجیل: عجول کی جمع گائے کے بچے۔

دُون: گھٹیا۔

العوامل: عاملة کی جمع کام کرنے والے جانور۔

الحوامل: حامل کی جمع بوجھ اٹھانے والے جانور۔

العلوفة: جن جانوروں کو گھر میں کھلا پلا کر پالا جاتا ہو۔

الرعی: گھاس چرنا۔

رُذالة: چیز کا ردی و ناکارہ حصہ۔

العضو: دو نصابوں کے درمیان کا عدد۔

باب زکٰوة الفضة

درهم: جمع دراهم چاندی کا ایک سکہ۔

الوَرِقُ: چاندی کا سکہ جیسے درہم جمع اوراق.

الغِشُّ: ہر چیز کا میل کچیل یہاں سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتیں مراد ہیں۔

باب زکٰوة الذهب

مثقال: جمع مثاقیل. تولنے کے اوزان اور مثقال عرف میں ڈیڑھ درہم کے وزن کا ہوتا ہے اور کبھی کم اور

کبھی زیادہ۔

قیراطان: قیراط کا تثنیہ واحد قیراط اور جمع قراریط دینار کے دسویں حصہ کا آدھا، کسی چیز کا چوبیسواں حصہ۔

تِبرٌ: سونے کا ڈھیلا جو نہ ڈھلا ہوا ہو یا سکہ کی شکل میں نہ ہو یا ابھی کان کی مٹی میں ہو، واحد تِبرَۃٌ.

باب زکوة العروض

العروض: واحد عرض. اسباب، سامان۔

یقوم: (م) تقویم. اسباب کی قیمت مقرر کرنا۔

النقد: جمع نقود، قیمت جو فوراً ادا کی جائے۔

الاجزاء: جزءٌ کی جمع ہے، جز کے اعتبار سے۔

باب زکوة الزروع والثمار

زکوة: اس سے عشر مراد ہے۔

الزروع: زرع کی جمع ہے کھیتی۔

الثمار: ثمر کی جمع، پھل۔

سقي باب (ض) سیراب کیا گیا ہو۔

سیحاً: بہنے والا پانی جمع سُیُوحٌ.

الحشیش: خشک گھاس واحد حشیشة.

اوسق: وسق کی جمع ساٹھ صاع۔

الخضروات: ترکاریاں۔

غرب: بڑا ڈول

دالیة: رہٹ (وہ چیز جس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالتے ہیں۔

سانیة: وہ اونٹنی جس پر کنویں سے پانی لاکر سینچائی کی جاتی ہے۔

العسل: شہد جمع اعسال.

ازقاق: واحد زق مشک

باب من یجوز دفع الصدقة

فلك رقاب: مکاتب کی گردن چھڑوانا۔

الغارم: مقروض

ابن السبیل: مسافر

رقبة: گردن مراد غلام ہے۔

المزکي: زکوة دینے والا۔

آل علي: علی کے خاندان کے لوگ۔

موالي: مولی کی جمع آزادکردہ غلام

بان: باب (ض) (م) بیانا ظاہر ہونا۔

مکتسبا: اسم فاعل کمائی کرنے والا۔

احوج: اسم تفضیل، زیادہ ضرورت مند۔

باب صدقة الفطر

مسکن: گھر، مکان، منزل، جمع مساکن.

بر: گیہوں اس کا واحد بُرَّةٌ ہے۔

تمر: کھجور واحد تَمرَةٌ جمع تَمرَاتٌ.

زبیب: کشمش۔

شعیر: جو واحد شعیرة جمع شعیرات.

کتاب الصوم

غُمَّ علیهم: چاند چھپ جائے۔ چاند نظر نہ آئے۔

الامساك: باب افعال رکنا۔

ادهَن: ماضی باب افتعال سے تیل لگائے۔

احتجم: ماضی (م) احتجاما پچھنا لگوانا (خون نکلوانا۔

اکتحل: ماضی (م) اکتحال سرمہ لگانا۔

قبَّل: بوسہ لیا۔

لمس: باب (ن ض) چھونا۔

ذرعه القئ: خود بخود قے آ گئی (م) ذرعاً.
ابتلع: ماضی باب افتعال سے نگل گیا۔
الحصاة: کنکریاں
النواة: گھٹلی۔
احتقن: ماضی باب افتعال سے (م) احتقاناً حقنہ کرانا۔ (ہر دوا جو مریض کی مقعد سے پیٹ صاف کرنے کے لئے چڑھائی جائے (انیمہ)
استعط: ماضی باب افتعال (م) استعاطاً ناک میں دوا چڑھانا۔
جائفة: نیزہ کی مار جو پیٹ تک پہنچے جمع جوائفٌ.
آمَّة: زخم جو دماغ تک پہنچ جائے۔
جوف: پیٹ اندرونی حصہ جمع اجوافٌ.
احليل: پیشاب نکلنے کا سوراخ۔
ذاق: ماضی باب (ن) ذوقا چکھنا۔
تمضغ: مضارع باب (ن ف) (م) مُضْغاً چبانا۔
العلك: ہر گوند جو چبایا جائے، جمع عُلوك.
يستضر: ضرٌّ سے مشتق ہے، نقصان دینا۔
الحامل: حاملہ عورت۔
المرضع: اسم فاعل (م) اِرضاعٌ دودھ پلانا۔
الشيخ الفاني: بہت زیادہ بوڑھا گویا کہ فنا کے قریب ہے

باب الاعتكاف

يبتاع: فعل مضارع باب افتعال سے (م) ابتیاعاً خریدنا
السلعة: سامان، تجارت کا مال جمع سِلَع.
الصمتُ: باب (ن) کا مصدر ہے خاموش رہنا۔
ليالي: لیل کی جمع، رات۔

كتاب الحج

الاحرار: حُرٌّ کی جمع آزاد۔
العقلاء: واحد عاقل سمجھدار۔
الاصحاء: صحیح کی جمع ہے تندرست عیب سے پاک۔
الزاد: توشہ (وہ کھانا جو مسافر لے جائے)
الراحلة: سواری کے لائق اونٹ، سفر و بار برداری کیلئے طاقتور اونٹ یا اونٹنی، تا مبالغہ کی ہے۔ جمع رواحل.
عيال: گھر کے افراد۔
عود: لوٹنا، واپس ہونا۔
لبيك: تثنیہ تاکید کے لئے ہے اور کہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اصل عبارت یہ ہے اُلّبَ لَكَ اِلباباً بعد اِلْبَابٍ.
لبيك: کے معنی ہیں میں حاضر ہوں۔
الملك: بادشاہی جمع اَملاك .
يخل: (م) اخلالاً کم کرنا۔
الرفث: گندی گفتگو۔ جماع.
الفسوق: بدکاری و گناہ کی باتیں۔
الجدَالُ: جھگڑے کی باتیں۔
صيد: شکار
يدل: باب (ن) دلالةٌ راہنمائی کرنا۔
سراويل: واحد سروال پائجامہ۔
قباء: ایک قسم کا آگے سے کھلا ہوا کوٹ یا اچکن
يغطي: باب تفعیل (م) تغطية چھپانا۔
يحلق: باب (ض) (م) حلقاً مونڈنا۔
يقُصُّ: فعل مضارع باب (ن) قصّاً قینچی سے بال وغیرہ کاٹنا۔
مصبوغاً: اسم مفعول باب (ف) (م) صَبْغاً، رنگنا۔

وَرْس: ایک قسم کی گھاس تل کے مانند ہے جس سے رنگائی کا کام لیتے ہیں۔
عصفر: زرد رنگ۔
غَسِیلًا: یہاں مغسول کے معنی میں ہے یعنی دھلا ہوا۔
ینفض: باب (ن)(م) نفضاً جھڑنا۔
حمام: غسل خانہ۔
یستظلّ: فعل مضارع باب استفعال (م) استظلالاً سایہ حاصل کرنا۔
المَحْمل: کجاوہ (اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں۔
الھمیان: وہ پٹی جو تھیلی یا بٹوے کا کام دے جمع ھمامین.
علا: فعل ماضی باب (ن) عُلُوّاً بلند ہونا۔
ھبط: باب (ن) ھبطاً وادی میں اترنا۔
اسحار: سحر کی جمع صبح کا وقت۔
عاین: ماضی باب مفاعلۃ خود دیکھنا، معائنہ کرنا۔
استلمه: سَلِمَۃٌ بمعنی پتھر سے ماخوذ ہے (م) پتھر کو ہاتھ سے چھونا۔
اضطبع: ماضی (م) اضطباعاً چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال لینا۔
اشواط: شوط کی جمع ہے چکر۔
یَرْمُلُ: مضارع باب (ن) (م) رَمَلاً کندھوں کو ہلاتے ہوئے دوڑنا۔
یَصْعَدُ: (س) صعوداً چڑھنا۔
ینحط: (م) نحطاً اترنا۔
بطن الوادی: صفا اور مروہ کے درمیان نشیبی جگہ کو بطن الوادی کہتے ہیں اب اس پر ہری بتیاں لگا دی گئیں ہیں یہاں لوگ دوڑ کر چلتے ہیں۔
یوم الترویة: آٹھویں ذی الحجہ۔
الافاضة: عرفات میں ٹھہرنے کو اور طواف فرض کو افاضہ کہتے ہیں۔
موقف: ٹھہرنے کی جگہ۔
بطن عرنة: عرفات کے قریب ایک میدان ہے جس میں وقوف درست نہیں ہے کیونکہ یہ حصہ عرفات سے خارج ہے۔
المناسك: واحد مَنْسَكٌ ہے افعال و ارکان حج۔
المِیقدةُ: آگ جلنے کی جگہ، زمانہ جاہلیت میں اس پہاڑ کے قریب آگ جلانے کی جگہ تھی جس کو میقدۃ کہتے ہیں۔
قزح: علمیت اور عدل کی وجہ سے غیر منصرف ہے بلند ہونے کی وجہ سے اس کا نام قزح رکھا گیا۔
غلس: جمع اغلاس آخر رات کی تاریکی۔
جمرة: جمر کا واحد کنکری
العقبة: آخری، پیچھے چوں کہ یہ آخری جمرہ ہے اور دو جمروں کے پیچھے ہے اسلئے اسکو جمرہ عقبہ کہتے ہیں
بطن الوادی: جمرہ عقبہ کے پاس جگہ کا نام ہے۔
حصیات: حصاۃ کی جمع ہے کنکری۔
الخذف: ٹھیکرا پھینکنا۔
الیوم الثانی من ایام النحر: یوم نحر کا دوسرا دن گیارہویں ذی الحجہ ہوتا ہے۔
نفر: باب (ض)(م) نفراً روانہ ہونا۔
ثقل: جمع اثقال مسافر کا سامان اور اس کے نوکر چاکر۔
المحصَّب: مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

مغمیً علیه: بیہوشی طاری ہوگئی اس پر اغماء سے مشتق ہے
میلین اخضرین: صفا اور مروہ کے درمیان دو ہری بتیاں لگی ہوئی ہیں جہاں سعی کرنے والے تیز چلتے ہیں۔
حلق: سر کو منڈوانا۔
قصر: کچھ بال رکھنا کچھ کو کٹوانا۔

باب القران

یُهِلُّ: احرام باندھنا۔
بدنة: وہ گائے یا اونٹ جس کی قربانی مکہ میں حج کے موقع پر کی جائے جمع بَدَنَاتٌ.
رافضا: اسم فاعل باب (ن ض) رفضاً چھوڑنا۔

باب التمتع

یسوق: مضارع (م) سوقاً. جانور کو پیچھے سے ہانکنا۔
البدنة: اونٹ کے معنی متعین ہے۔
قَلَّدَ: باب تفعیل سے ہے (م) تقلیداً گلے میں پٹہ ڈالنا۔
مَزَادَةٌ: پرانا چمڑا۔
اشعر: (م) اشعاراً چھری مار کر کوہان پھاڑنا۔
سنام: کوہان (اونٹ کی پیٹھ کی بلندی۔)

باب الجنایات

جنایات: جنایة کی جمع ہے حج میں جو غلطیاں ہوجاتی ہیں ان کو جنایت کہتے ہیں۔
العائد: اسم فاعل باب (ن) (م) عوداً دوبارہ کرنا۔
الظبی: ہرن نر یا مادہ جمع ظِبَاءٌ.
الضبع: بجو، لفظ مؤنث ہے نر و مادہ دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ جمع ضِبَاعٌ .
ارنب: خرگوش۔
عناق: بکری کا ایک سال سے کم کا بچہ جمع اعنق.

النَّعامة: شتر مرغ (افریقہ کا ایک قد آور پرندہ جس کی گردن اونٹ کی طرح لمبی ہوتی ہے۔
الیربوع: چوہے کے مانند ایک جانور جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی اور پچھلی بڑی اور دم لمبی ہوتی ہے جمع یرابیع.
جفرةٌ: بکری کا چھوٹا بچہ۔
نتف: ماضی (ض) (م) نتفاً پر اکھیڑنا۔
ریش: پرندے کے پر واحد ریشة جمع رِیَاشٌ.
حیِّزُ الامتناع: محفوظ رہنے کی جگہ سے نکل گیا۔ یعنی خود محفوظ نہ رہ سکا۔
فرخ: پرندہ کا بچہ جمع فِرَاخٌ.
الغراب: کوّا، جمع اغرُب.
الحِداة: چیل۔
الذئبُ: بھیڑیا جمع ذِئابٌ.
الکلب العقور: کاٹ کھانے والا کتا۔
البعوضُ: مچھر۔
البراغیث: پسو۔
القُرادُ: چچڑی (خون پینے والا کیڑا جو اکثر کتے بکری، گائے، بھینس کے جسم سے چمٹا رہتا ہے۔
قملة: جوں (وہ کیڑے جو بالوں یا کپڑوں میں میل سے پیدا ہوجاتے ہیں)
جرادة: ٹڈی۔
صال: ماضی (ن) (م) صولاً حملہ کرنا۔
اضطر: ماضی (م) اضطراراً مجبور ہونا۔
البعیر: اونٹ۔
البط الکسکری: کسکر ایک گاؤں کا نام ہے جسکی طرف بطخ کی نسبت کی گئی ہے اور کسکری بطخ کہدیا ہے۔

حمام: کبوتر۔

مُسرول: سروال سراویل سے مشتق ہے پائجامہ پہنا ہوا یعنی وہ کبوتر جس کے پاؤں میں پر نکلا ہوا ہو یہ کبوتر اڑنے میں سست ہوتا ہے اور گھر میں زیادہ تر رہتا ہے لیکن متوحش ہے اور شکار ہے۔

مستانساً: مانوس۔

حشیش: گھاس۔

باب الاحصار

احصار: روکدینا۔

عدوٌّ: دشمن۔

التحلُّل: حلال ہونا

واعد: امر حاضر مواعدة سے ایک دوسرے سے وعدہ کرنا

باب الفوات

حج کے فوت ہونے کو فوات کہتے ہیں۔

العمرة: آباد مکان کا ارادہ۔

اصطلاح شرع: میں طواف کعبہ اور سعی بین الصفا والمروۃ کا نام ہے جمع عُمَرٌ عُمَرَاتٌ.

باب الهدی

الهدی: قربانی جو مکہ شریف بھیجی جائے۔

الثَّنِیُّ: وہ جانور جس کے سامنے کے پیدائشی دانت گر گئے ہوں اور نئے دانت اُگ گئے ہوں، بکری دوسرے سال میں قدم رکھے تو ثنی ہوتی ہے۔ گائے بھینس دوسال کے بعد تیسرے میں قدم رکھے تو ثنی ہوتی ہے۔ اونٹ چار سال پورے کر کے پانچویں سال میں قدم رکھے تو نیا دانت آتا ہے اور ثنی ہوتا ہے۔

الضانُ: بھیڑ، دنبہ۔

الجذع: چھ ماہ کا دنبہ۔

الذَّنبُ: دم جمع اَذْنَابٌ

العجفاء: کمزور، دبلا۔

العرجاءُ: لنگڑا۔

المنسك: قربانی کی جگہ۔ جمع مناسك.

القُربَةُ: نیک افعال جن سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہو جمع قُرُبَاتٌ.

تصیب: حصہ۔

الهدایا: قربانی کا جانور جو حرم میں بھیجا جائے۔

التعریف: ہدی کے جانور کو عرفات میں لے جانا۔

النحر: اونٹ کے پاؤں کو الٹا باندھ دے اور اس کو کھڑا کرے اور اس کی گردن میں چھری مار کر کھانیکی کی نالی کو پھاڑ دے اس کو نحر کرنا کہتے ہیں۔

جلال: جُلٌّ کی جمع ہے، جھول۔

خطام: مہار، نکیل، جمع خُطُمٌ.

الجزار: قصائی۔

لبن: دودھ۔

ینضحُ: مضارع (ف) نضحاً پانی چھڑکنا۔

ضرع: جمع ضروع تھن۔

عَطَبَ: (س) عَطَباً، جانور کا تھک جانا اور ہلاکت کے قریب پہنچ جانا۔

نعل: جوتے کا قلادہ۔

ضرب بها: نشان لگانا۔

صفحة: ایک جانب ایک کنارہ۔

یُقَلِّدُ: مضارع (م) تقلیداً جوتے یا چمڑے کا ہار بنا کر ہدی کی گردن میں ڈالنا۔

فہرست مآخذ ومراجع

ذیل میں وہ کتابیں درج کی جاتی ہیں جن سے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی گئی ہے۔

نام کتاب	مطبوعہ	نام کتاب	مطبوعہ
القرآن الکریم		کتاب الفقہ علی المذاہب	
بخاری شریف	دارالکتاب دیوبند	الاربعۃ	محکمہ اوقات لاہور
مسلم شریف	دارالکتاب دیوبند	الفتاوی عالمگیری	مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ
ابوداؤد شریف	دارالکتاب دیوبند	احسن الفتاوی	کراچی
ترمذی شریف	دارالکتاب دیوبند	فتاوی محمودیہ	مکتبہ محمودیہ میرٹھ
طحاوی شریف	دارالکتاب دیوبند	کفایت المفتی	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
ابن ماجہ شریف	دارالکتاب دیوبند	ایضاح المسائل	مکتبہ الاصلاح مرادآباد
نسائی شریف	دارالکتاب دیوبند	ایضاح المناسک	نائس پریس خورجی دہلی
موطا امام محمد	خورشید بک ڈپو لکھنؤ	معلم الحجاج	اشاعت العلوم سہارنپور
بذل المجہود	مکتبہ خلیلیہ سہارنپور	اسلامی فقہ	مکتبہ الحسنات دہلی
الدر المنضود	مکتبہ خلیلیہ سہارنپور	اعلاء السنن	ادارۃ القرآن کراچی
معارف السنن	مکتبہ بنوریہ کراچی پاکستان	فتح القدیر مع الکفایہ	
درس ترمذی	زکریا دیوبند	وبہامشہا العنایہ	مکتبہ نوریہ رضویہ پاکستان
ایضاح الطحاوی	زکریا دیوبند	عینی شرح ہدایہ	مکتبہ امدادیہ فیصل آباد
نیل الاوطار	دارالکتب العلمیہ بیروت	الجوہرۃ النیرہ	محمود بک ڈپو
فتح الباری	مکتبہ اشرفیہ دیوبند	اللباب فی شرح الکتاب	دارالایمان سہارنپور
عمدۃ القاری	مکتبہ زکریا دیوبند	کوکب الدری	مکتبہ یحیوی سہارنپور
مرقات شرح مشکوۃ شریف	مکتبہ امدادیہ ملتان	مصنف عبدالرزاق	بیروت لبنان
فیض الباری	جنوبی افریقہ	شرح وقایہ	مکتبہ مجیدی کانپور
بدائع الصنائع	دارالکتاب دیوبند	امداد المسالک	مکتبہ یحیوی سہارنپور
رد المحتار علی الدر المختار المعروف		التعلیقات علی تنظیم الاشتات	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
بالشامی		فتح الملہم شرح مسلم	مدینہ برقی پریس بجنور
علم الفقہ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند	نور الانوار	دارالکتاب دیوبند
البحر الرائق	دارالمعرفۃ بیروت ملتان	الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ	المکتب الاسلامیہ لاہور پاکستان
تبیین الحقائق	مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان	امداد الفتاوی	ادارہ تالیفات دیوبند
طحطاوی علی المراقی	دمشق	فتاوی دارالعلوم عزیز الفتاوی	امدادیہ دیوبند
		شرح نقایہ	